فتاوی رضویہ

مصنفہ امام احمد رضا قادری بریلوی

رضا اکیڈمی بمبئی

فتاویٰ رضویہ مترجم



رضا اکیڈمی ممبئی ۳

Printed by: RAZA OFFSET, Bombay-3, INDIA • Tel: 371 23 13

مَن یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

العطایا النبویۃ
فی
الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد ہشتم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

مُصنّفہ

مجدد دین و ملت

اعلحضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ

بفیض

تاجدار اہلِ سُنّت شہزادۂ اعلحضرت

حضور مفتی اعظم علامہ الحاج الشاہ محمد مصطفٰے رضا خاں قادری نوری رضی اللہ تعالٰی عنہ

ناشر

رضا اکیڈمی بمبئی

۲۶- کامبیکر اسٹریٹ، بمبئی ۳

فون نمبر: ۳۴۳۷۶۸۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اشاعت نمبر ۹۲

کتاب ——— فتاوٰی رضویہ جلد ہشتم

تصنیف ——— شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ——— حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

پیش لفظ ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ——— (۱) مولانا نذیر احمد سعیدی (۲) مولانا محمد رب نواز

باہتمام و سرپرستی ——— حضرت مولٰنا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

ترتیب فہرست ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی

کتابت ——— محمد شریف گل، کرٹیال کلاں (گوجرانوالا)

پروف ریڈنگ ——— (۱) مولانا نذیر احمد سعیدی (۲) مولانا محبوب احمد چشتی

پیسٹنگ ——— محمد سہیل عمر

صفحات ——— ۶۶۴

اشاعت دوم ——— صفر المظفر ۱۴۱۷ھ / جون ۱۹۹۶ء

مطبع ——— رضا آفسیٹ بمبئی

ناشر بار اوّل ——— رضا فاؤنڈیشن لاہور

〃 بار دوم ——— رضا اکیڈمی بمبئی

سول ایجنٹ

فاروقیہ بک ڈپو، ۴۲۲ مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶

Phone :
3267199
3266053

ملنے کا پتہ

نیو سلور بک ایجنسی ۱۴- محمد علی بلڈنگ، محمد علی روڈ بمبئی ۳

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

رموز

محقق : علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر
ح : علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی
ش : علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب رد المحتار
ط : علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدر المختار و حاشیہ مراقی الفلاح
الدر : الدر المختار ، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی
الدرر : الدرر شرح الغرر ، ملا خسرو علامہ محمد بن فراموز
بحر : البحر الرائق ، علامہ زین الدین ابن نجیم
ہندیہ : فتاوی عالمگیری ، جماعت علمائے احناف
نہر : النہر الفائق ، سراج الدین عمر بن نجیم
فتح : فتح القدیر ، علامہ کمال الدین ابن ہمام
غنیہ : غنیۃ المستملی ، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی
حلیہ : حلیۃ المحلی ، ابن امیر الحاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ اعلحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائنِ علمیہ و ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں منصۂ شہود پر لانے کے لئے "رضا فاؤنڈیشن" کے نام سے قائم شدہ ادارہ انتہائی سرعت اور کامیابی کے ساتھ اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اس سے قبل فتاوٰی رضویہ کی سات مجلدات آپ تک پہنچ چکی ہیں، اب اللہ تعالٰی کے فضل و کرم اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظرِ عنایت سے آٹھویں جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ فاضل شہیر مترجم کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری نے کیا ہے جبکہ جلد ششم و ہفتم کا ترجمہ بھی اُنہی کی رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔

جلد ہشتم

یہ جلد فتاوٰی رضویہ (قدیم) کی جلد سوم میں سے باب احکام المساجد سے جلد سوم کے آخر تک ۳۲۷ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ متعدد ضمنی مسائل و فوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل نو مستقل ابواب زیرِ بحث ہیں:

(۱) باب احکام المساجد

(۲) باب ادراک الفریضۃ

(۳) باب قضاء الفوائت

(۴) باب سجود السہو

(۵) باب سجود التلاوۃ

(٦) باب صلوٰۃ المسافر

(٧) باب الجمعۃ

(٨) باب العیدین

(٩) باب الاستسقاء

اس کے علاوہ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل چھ رسائل بھی پیشِ نظر جلد میں شامل ہیں جن کے نام یہ ہیں :

(١) التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد (١٣٠٧ھ)
صحن مسجد کے مسجد ہونے کا بیان

(٢) مرقاۃ الجمان فی الھبوط عن المنبر لمدح السلطان (١٣٢٠ھ)
تعریفِ حاکم کے لئے خطیب کے منبر کی ایک سیڑھی اُترنے پھر چڑھنے کے بارے میں تحقیق

(٣) رعایۃ المذھبین فی الدعاء بین الخطبتین (١٣١٠ھ)
دو خطبوں کے درمیان دعا کرنے کا بیان

(٤) اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ (١٣٢٠ھ)
اذانِ ثانی مسجد سے باہر دینے کا بیان

(٥) سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید (١٣٣٩ھ)
نمازِ عید کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنے کا ثبوت

(٦) وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید (١٣١٢ھ)
نمازِ عید کے بعد معانقہ کے جائز ہونے کا بیان

مندرجہ ذیل رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس جلد میں شامل نہ ہو سکے :

(١) شمامۃ العنبر فی النداء بازاء المنبر
اذانِ جمعہ بیرونِ مسجد محاذیٔ منبر چاہئے

(٢) لوامع البھا فی المصر للجمعۃ والاربع عقبیھا
جمعہ کے لئے شہر شرط ہونے اور احتیاطی ظہر کے بیان میں

(٣) احسن المقاصد فی بیان ما تنزہ عنہ المساجد
مسجد میں کیا کیا کام ناروا ہیں

(۴) مایجلی الاصرعن تحدید المصر
شہر کی تعریف، جمعہ وعیدین کہاں جائز ہیں

رسالہ جلیلہ وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید جو اس سے پہلے فتاوٰی رضویہ میں شامل نہیں تھا وہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی کے ترجمہ کے ساتھ اس جلد میں شامل کردیا گیا ہے۔

حضرت علامہ مولانا قاضی عبدالدائم دائم ایڈیٹر ماہنامہ جامِ عرفان' خانقاہ نقشبندیہ، ہری پور ہزارہ کا فتاوٰی رضویہ کے خطبہ سے متعلق وہ مقالہ جو ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو آواری ہوٹل میں پڑھا گیا جلد ہشتم میں شامل کیا جارہا ہے۔

○

حافظ عبدالستار سعیدی
ناظمِ تعلیمات
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
جون ۱۹۹۵ء

مولانا قاضی عبدالدائم دائم
ایڈیٹر ماہنامہ جامِ عرفاں
خانقاہ نقشبندیہ، ہری پور

فتاویٰ رضویہ کا خطبہ

- علم و فضل کا شہ پارہ ——— فکر و فن کا مہ پارہ
- فصاحت و بلاغت اور براعتِ استہلال کا دمکتا ہوا شہکار
- کُتبِ فقہ اور ائمۂ کرام کے ناموں کا مہکتا ہوا گلزار

سلسبیل و کوثر و تسنیم کی موجِ رواں
کیف آگیں، جاں فزا تحریرِ شاہ احمد رضا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ے

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ بِجَلَالِہِ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلٰوتُہٗ دَوْمًا عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٍ
وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ ھُمْ مَاْوَایَ عِنْدَ شَدَائِدِیْ
فَاِلَی الْعَظِیْمِ تَوَسُّلِیْ بِکِتَابِہٖ وَ بِاَحْمَدٍ

(امام احمد رضا)

ارشادِ ربّانی ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ یعنی اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجئے۔

اعلحضرت امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ اسی فرمانِ خداوندی پر عمل کرتے ہوئے یوں زمزمہ سرا ہوتے ہیں: ؎

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

اگرچہ سیاق و سباق کے اعتبار سے یہاں "سخن" سے مراد منظوم کلام ہے؛ لیکن درحقیقت امام احمد رضا کی شاہی ہر نوعِ سخن میں مسلّم ہے ـــــ خواہ نظم ہو یا نثر۔

مزید کمال کی بات یہ ہے کہ کلام و بیان پر آپ کی قدرت کسی ایک زبان سے مختص نہیں ہے؛ بلکہ عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں سے جس زبان کو ذریعۂ اظہار بنانا چاہیں، اس کے تمام الفاظ آپ کے بے پایاں حافظے میں مستحضر ہو جاتے ہیں اور ان میں سے آپ جس کو موقع و محل کے لحاظ سے موزوں سمجھتے ہیں، اس کو اتنی خوبصورتی اور تناسب سے استعمال میں لاتے ہیں کہ خوش گفتاری کا حق ادا کر دیتے ہیں اور نثر میں بھی نظم کا سماں باندھ دیتے ہیں۔

مسجع الفاظ کی ایسی لڑیاں اور مقفّٰی جملوں کی ایسی مالائیں آپ کے منظوم و منثور کلام میں اتنی کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ان کا احاطہ از بس دشوار ہے؛ تاہم ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز "فتاوی رضویہ" کا عربی خطبہ ہے، جو بلاشبہہ فصاحت و بلاغت کا ایک اچھوتا شہکار ہے۔ دلکش اشارات، روشن تلمیحات، خوبصورت استعارات اور خوشنما تشبیہات پر مشتمل اس بلاغت پارے کی خصوصیت یہ ہے کہ خطبے کے جملہ لوازمات و مناسبات ـــ یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف، صحابہ اور اہلبیت کی مدح، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت پر درود و سلام ـــ یہ تمام چیزیں کتبِ فقہ اور ائمہ کے ناموں سے ادا کی گئی ہیں یعنی کتبِ فقہ کے ناموں اور ائمہ کے اسماءِ گرامی کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ کہیں حمد کے غنچے چٹک اُٹھے ہیں اور کہیں نعت کے پھول کھِل پڑے ہیں، کہیں منقبت کے گجرے بن گئے ہیں اور کہیں درود و سلام کی ڈالیاں تیار ہو گئی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جملہ محسّنات بدیعیہ از قسمِ براعتِ استہلال و رعایتِ سجع وغیرہ بھی پوری طرح ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اتنی قیودات اور پابندیوں کے باوجود خطبے کی سلاست و روانی میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑا ـــ نہ جملوں کی بے ساختگی میں کہیں جھول پیدا ہوا، نہ تراکیب کی برجستگی میں کوئی خلل واقع ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ٥

اس مختصر مقالے میں اتنی گنجائش تو نہیں کہ اس ضیا بار خطبے کی تمام خوبیاں گنائی جائیں؛ تاہم چند دلآویز جھلکیاں خوش ذوق قارئین و سامعین کی نذر ہیں ؏

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

حمدِ باری تعالیٰ

فقہ حنفی میں امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور تصنیف کا نام الفقہ الاکبر ہے، اسی طرح جامع کبیر، زیادات، فیض، مبسوط، دُرَر، غُرَر بھی بلند پایہ فقہی تصانیف ہیں۔ امام احمد رضا نے ان ناموں میں کہیں ضمیر کا، کہیں حرفِ جر وغیرہ کا اضافہ کر کے ان کو اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ کتابوں کے یہ نام ہی اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد بن گئے ہیں، فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ هُوَ الْفِقْهُ الْاَكْبَرُ وَ الْجَامِعُ الْكَبِيْرُ لِزِيَادَاتِ فَيْضِهِ الْمَبْسُوْطِ الدَّارِّ الْغُرَرِ (سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اللہ کی تعریف ہی سب سے بڑی دانائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پھیلے ہوئے فیض کے شفاف اور تابناک اضافوں کی بڑی جامع ہے۔

سبحان اللہ، کیا دلپذیر حمد ہے!

یعنی فیضانِ الٰہی کے اضافے اور زیادات موتیوں کی طرح شفاف اور روشن پیشانیوں کی طرح تابناک ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچئے کہ جس فیض کے اضافے اور زیادات اس قدر منزّہ اور روشن ہوں اس فیض کی اپنی شفافیت و تابندگی کا کیا عالم ہوگا! پھر صاحبِ فیض جل وعلا کی تابانی و درخشانی کی تو بات ہی نہ پوچھئے کہ وہ انسانی فہم و ادراک سے ماوراء ہے اور زبان و بیان اس کی ترجمانی سے قاصر ہیں۔ بقول شیخ سعدی، ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم | وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر | ما ہمچناں در اولِ وصفِ تو ماندہ ایم

جزاک اللہ، اے امام احمد رضا! کیا البیلی اور انوکھی حمد بیان کی ہے آپ نے، اللہ رب العٰلمین کی!

لیکن واضح رہے سامعین و قارئین کرام! کہ حمد کا یہ پہلو ضمنی ہے، جبکہ امام احمد رضا درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا۔ یعنی ؏:

حمدِ بیحد مر خدائے پاک را

لیکن محض "حمدِ بے حد" کہہ دینے سے وہ بات نہیں بنتی جو امام احمد رضا کہنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فیضِ مبسوط کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے فیض کی کوئی انتہا نہیں، اور غیر متناہی فیض کی زیادات، غیر متناہی در غیر متناہی ہوں گی اور جو حمد ان زیادات کی جامع ہوگی وہ غیر متناہی در غیر متناہی ہوگی، اور امام احمد رضا اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی حمد کرنا چاہتے ہیں — الجامع لزیادات فیضہ ......

کیا کمال درجے کا اغراق فی المبالغہ ہے! حمدِ بے حد" یا "بے انتہا تعریف" میں اس مبالغے کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔

صلوٰۃ وسلام اور اس کے ضمن میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان

بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا نے پہلے تو ائمۂ فقہ کے ناموں اور معروف القاب کو اس طرح ترتیب دیا کہ کچھ ان میں سے سرورِ عالم کے نام بن گئے اور کچھ ان کی صفات۔ اس کے بعد اسماءِ کتب سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے ہیں البتہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے دوران امام احمد رضا نے مندرجہ بالا تمام محاسن و لطائف کے علاوہ ایک اور خوبی کا اضافہ کیا ہے، یعنی سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے عقیدے کی بھی وضاحت کر دی ہے اور یوں اہلسنت کی ترجمانی کا فریضہ بھی انجام دے دیا ہے۔

امام احمد رضا کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سب کے، بلکہ سارے عالم کے مالک ہیں، لیکن بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تملیک سے مالک ہیں۔ اپنے نعتیہ کلام میں فرماتے ہیں ؎

ان کو تملیکِ ملیک الملک سے
مالکِ عالم کہا، پھر تجھ کو کیا!

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروزِ محشر عاصیوں کی شفاعت فرمائیں گے اور حق تعالیٰ سے ان کو بخشوائیں گے ؎

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے، ہم کو ہنساتے جائیں گے

اب دیکھئے کہ ائمۂ کرام کے اسماء و القاب سے کس طرح اپنے عقیدے کی وضاحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ لِلرُّسُلِ اَلْکِرَام ٭ مَالِکِیْ وَشَافِعِیْ اَحْمَدُ الْکِرَام۔

(اور صلوٰۃ و سلام ہو رسولوں کے سب سے بڑے امام پر، جو میرے مالک ہیں اور میرے لئے شفاعت کرنے والے ہیں، ان کا نام احمد ہے، بہت ہی عزت والے ہیں، امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد)

ائمۂ مذاہب اربعہ کے معروف القاب و اسماء مذکور ہیں، انہی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کی جا رہی ہے اور ساتھ ساتھ اپنا عقیدہ بیان کیا جا رہا ہے۔

تھوڑا آگے بڑھئے اور اہلِ سنت کے ایک اور عقیدے کی ترجمانی کا انداز دیکھئے۔ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کائنات کی اصل اور مَبدأ ہیں ؎

تو اصلِ وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرعِ تست

یہی عقیدہ امام احمد رضا کا ہے: ؎

اصلِ ہر بود و بہبود، تخمِ وجود
قاسمِ کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام

اس عقیدے کے اظہار کے لئے آپ نے امام اعظم کے تین مشہور شاگردوں یعنی امام محمد، امام حسن ابن زیاد اور امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے ناموں کا انتخاب کیا اور انھیں اس طرح یکجا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی کا بھی اظہار ہو گیا، آپ کے حُسن و جمال کا بھی بیان ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ

حُسنِ یوسف پرتوِ حُسنِ مصطفےٰ ہے، بلکہ خود یوسف علیہ السلام فرعِ مصطفےٰ اور ابنِ مصطفےٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ فرماتے ہیں : ؎

یَقُوْلُ الْحُسْنُ بِلاَ تَوَقُّفْ
مُحَمَّدٌ الْحَسَنُ اَبُوْیُوْسُفْ

آپ کے جمالِ بے مثال کو دیکھ کر خود حُسن بغیر کسی توقّف کے پکار اُٹھتا ہے کہ حُسن والے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درحقیقت یوسف علیہ السلام کے 'اَب' اور اصل ہیں۔

ایک یوسف علیہ السلام پر ہی کیا موقوف ــــ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوقات کی اصل ٹھہرے تو ظاہری وجود میں جو آپ کے جدِّ امجد ہیں، یعنی ابوالبشر آدم علیہ السلام ، وُہ بھی حقیقت کے اعتبار سے آپ کے پسر قرار پاتے ہیں۔ "حدائقِ بخشش" میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا : ؎

اُمّ البشر عروس انھی کے پسر کی ہے ان کی نبوّت، ان کی ابوّت ہے سب کو عام
اس گُل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے "ظاہر میں میرے پھول، حقیقت میں میرے نخل"

اور یوسف علیہ السلام کے حُسن پر ہی کیا منحصر ــــ اہلِ سنّت کے نزدیک تو تمام انبیاء و رسل کے جملہ کمالات بارگاہِ مصطفوی کا فیضان و عطا ہے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں : ؎

وَکُلُّھُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ مُلْتَمِسٌ
غُرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ

(تمام انبیاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بحرِ کرم سے ایک چُلّو کے یا آپ کی بارانِ رحمت سے ایک چھینٹے کے طلبگار ہیں)

اور امام احمد رضا یُوں نغمہ سرا ہوتے ہیں : ؎

لا و رب العرش ! جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اسی عقیدے کو 'فتاویٰ رضویہ' کے خطبے میں تلمیح کے انداز میں بیان کیا ہے :

اَلْبَحْرُ الرَّائِق ۔ مِنْہُ یَسْتَمِدُّ کُلُّ نَھْرٍ فَائِق۔

" البحر الرائق " اور " النہر الفائق " " کنز الدقائق " کی دو شرحیں ہیں۔ اعلیٰحضرت نے "منہ یستمد کل" کا اضافہ کر کے کیا ایمان افروز معنی پیدا کئے ہیں ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ حیران کن سمندر ہیں کہ ہر فوقیت رکھنے والا دریا اور نہر انھی سے مدد لیتی ہے۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فضل وکمال کے بحرِ ذخار ہیں اور باقی انبیاء و رسل فوقیت رکھنے والے دریا اور نہریں۔ ظاہر ہے کہ دریاؤں اور نہروں میں وہی پانی بہتا ہے جو بھاپ بن کر سمندر سے اٹھتا ہے اور کہیں بارش بن کر برستا ہے، کہیں برف بن کر گرتا ہے۔

منقبت

اگر کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف متفق ہوں تو فقہاء ان کو "شیخین" کہتے ہیں اور اگر قاضی ابو یوسف اور امام محمد کا اتفاق ہو تو ان کو "صاحبین" کہا جاتا ہے، اور اگر امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی ایک رائے ہو تو ان کو "طرفین" کا لقب دیا جاتا ہے۔ اب امام احمد رضا کا کمال دیکھئے کہ انھوں نے ان تینوں فقہی اصطلاحات کو صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) پر منطبق کردیا اور فرمایا:

لَا سِیَّمَا الشَّیْخَیْنِ الصَّاحِبَیْنِ ؛ اَلْاٰخِذَیْنِ مِنَ الشَّرِیْعَۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ بِکِلَا الطَّرَفَیْنِ۔

(خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ دو بزرگ ساتھی جو شریعت و حقیقت کے دونوں کناروں کو تھامنے والے ہیں)

غرضیکہ کیا کیا لکھوں اور کہاں تک لکھوں کہ ؏

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

مگر فی الحال اختصار کے پیش نظر اتنا ہی کہوں گا کہ اتنے اوصاف و محاسن پر مشتمل خطبہ آج تک نہیں لکھا گیا — باقی خصوصیات کو چھوڑیئے، صرف ایک خصوصیت پر نظر ڈال لیجئے، آپ کو میرے دعوے کی صداقت کا یقین آجائے گا۔ اور وہ حیرت فزا خصوصیت یہ ہے کہ اس خطبے میں مجموعی طور پر نوّے ۹۰ کتابوں اور اماموں کے نام مذکور ہیں اور جس خوبی و لطافت سے مذکور ہیں اس پر فصاحت ناز کرتی ہے اور بلاغت جھوم جھوم اُٹھتی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ فصاحت و بلاغت کی یہ رعنائیاں صرف خطبے تک ہی محدود نہیں؛ بلکہ پورا فتاوٰی تخیل کی نزاکتوں اور ادبی لطافتوں سے مالامال ہے۔ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو سینکڑوں صفحات درکار ہیں؛ تاہم ایک امتیازی کمال کی طرف اہلِ ذوق کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ احمد رضا کا معمول ہے کہ اگر کسی سوال کا جواب زیادہ تفصیل سے دینا ہو تو اس کو مستقل رسالہ بنا دیتے ہیں اور باقاعدہ اس کا نام رکھتے ہیں۔ یہ نام اس قدر موزوں، مناسب اور واقع کے مطابق ہوتا ہے کہ پڑھنے والا امام احمد رضا کی دسترس اور رسائی پر حیران رہ جاتا ہے۔ ہر نام میں مندرجہ ذیل چار خصوصیات مشترک ہوتی ہیں:

(۱) ہر نام عربی میں ہوتا ہے خواہ رسالہ کسی بھی زبان میں ہو۔
(۲) ہر نام دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا ہے، یعنی سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔
(۳) ہر نام اسم بامسمّٰی ہوتا ہے، یعنی نام ہی سے پتا چل جاتا ہے کہ اس رسالے کا موضوع کیا ہے۔
(۴) ہر نام تاریخی ہوتا ہے، یعنی ابجد کے حساب سے اگر اس کے حروف کے اعداد نکالے جائیں تو ان کا مجموعہ اس سن پر دلالت کرتا ہے جس میں وہ رسالہ لکھا گیا۔

مثال کے طور پر رضا فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام انتہائی آب و تاب سے چھپنے والی فتاوٰی رضویہ کی پہلی جلد میں گیارہ رسالے ہیں ان میں سے بطور نمونہ صرف تین نام پیشِ خدمت ہیں:

(ا) اگر امام ابوحنیفہ اور صاحبین و متاخرین فقہاء کا کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں کس کے قول پر فتوٰی ہوگا؟ ــــ امام صاحب کے؟ ــــ صاحبین و دیگر فقہاء کے؟ ــــ یا بعض معمولات میں امام صاحب کے قول پر اور بعض میں صاحبین و دیگر فقہاء کی رائے پر؟ ــــ اس مسئلے کی توضیح کے لئے امام احمد رضا نے جو رسالہ لکھا اس کے نام سے ہی ان کی تحقیق واضح ہو جاتی ہے:

اجلی الاعلام، ان الفتوی مطلقا علی قول الامام

(واضح اعلان کہ فتوٰی بہر صورت امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے)

(ب) کون سی نیند ناقضِ وضو ہے اور کون سی نہیں ــــ اس کی تفصیلات سے قوم کو آگاہ کرنے کے لئے جو رسالہ لکھا اس کا نام ہے:

نبه القوم، ان الوضوء من ای نوم

(قوم کو آگاہ کرنا کہ کون سی نیند کے بعد وضوء ہے)

(ج) حالتِ جنابت میں قراءت جائز ہے یا نہیں؟ ــــ اگر جائز ہے تو کن کن صورتوں میں؟ ــــ ان مسائل سے پردہ اٹھانے والے رسالے کا نام ہے:

ارتفاع الحجب، عن وجوه قراءة الجنب

(پردوں کا اُٹھ جانا، ان تمام صورتوں سے جو جنبی کی قراءت سے متعلق ہیں)

تینوں رسائل کے نام مندرجہ بالا چاروں خصوصیات کے جامع ہیں جن میں سے پہلی تین تو واضح طور پر نظر آرہی ہیں؛ البتہ چوتھی خصوصیت یعنی نام کا تاریخی ہونا، استخراج کا تقاضا کرتی ہے۔ نبه القوم کا استخراج درج ذیل ہے کیونکہ یہ نام تینوں میں مختصر ہے، باقیوں کو اس پر قیاس کر لیجئے۔

نبہ القوم ن ، ب ، ہ ، ا ، ل ، ق ، و ، م

۵۰+ ۲+ ۵+ ۱+۳۰+۱۰۰+ ۶+ ۴۰ = ۲۳۴

ان الوضوء من ای نوم ا ، ن ، ا ، ل ، و ، ض ، و ، ء ، م ، ن ، ا ، ی ، ن ، و ، م +

۱+ ۵۰+ ۱+ ۳۰+ ۶+ ۸۰۰+ ۶+ ۴۰+ ۵۰+ ۱+ ۱۰+ ۵۰+ ۶+ ۴۰ = ۱۰۹۱

۱۳۲۵

۱۳۲۵ - اس کا مجموعۂ اعداد ہے اور یہی سنِ تاریخ ہے ۔

امام احمد رضا کے سوا ایسے عمدہ ، اعلیٰ ، دلنشین اور فکر و فن کے شہکار نام کون رکھ سکتا ہے ! تاریخ میں کسی ایک فاضل کا نام بتا دیجئے جس نے اتنے رسالے لکھے ہوں اور ان کے ایسے خوبصورت نام رکھے ہوں !

بلاشبہ امام احمد رضا متنبی کے اس شعر کا حقیقی مصداق ہیں : ؎

مضت الدھور وما اتین بمثلہ

ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

وصلی اللہ علی سیدنا و مولٰنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و ذریاتہ اجمعین

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اُن کے مولیٰ کے ان پر کروروں درود — اُن کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام

شافعی ، مالک ، احمد ، امامِ حنیفہ — چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب — تا ابد اہلِ سنّت پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت پہ دعوٰی نہیں

شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام

اٰمین یا رب العٰلمین !

فہرست مضامین

باب سجود السہو ۱۷۷

باب سجود التلاوۃ ٢٢٣

باب العیدین ۵۰۹

قضائے عمری

حیلہ اسقاط

احکام قبور

اعتکاف

عقائد و کلام

فہرست ضمنی مسائل

اذان واقامت

اوقات

جماعت

امامت

قراءت

مسائلِ لقمہ

احکامِ مسبوق

ذکرِ الٰہی

آدابِ دعا

اُس سے ممانعت نہیں۔ ۶۳۴
مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اپنا ہاتھ کھینچنا نہیں چاہیے۔ ۶۳۶
مسلمان کی خاطرداری رعایتِ ادب پر مقدم ہے۔ ۶۳۶
مسلمانوں کے عادات و رسوم کی موافقت ہی کرنی چاہیے بشرطیکہ شرع سے صریح اور ناقابلِ تاویل ممانعت نہ ہو۔ ۶۳۶
بدعتِ مذمومہ کا ارتکاب ترکِ سنّت سے

بُرا ہے۔ ۶۳۸
بدعتِ مباحہ سے بچنا مطلوب نہیں لہٰذا اگر کسی ایسی بدعت کی بجاآوری میں کسی سنّت پر بھی عمل ہوتا ہے تو کرے۔ ۶۳۸

باب الاستسقاء ۶۴۱

استسقاء دعا ہے یا نماز، اور یہ کب ہو۔ ۶۴۱

* * *

لغت

فوائدِ حدیثیہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسماءُ الرجال

فوائد اصولیہ

فوائدِ فقہیہ

ریاضی

تاریخ وتذکرہ

فضائل ومناقب

خطر و اباحت

تفسیر و علوم قرآن

رسم المفتی

قسم

متفرقات

٭

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب احکام المسجد

(احکامِ مسجد کا بیان)

مسئلہ ۱۱۵ از لکھنؤ محلہ علی گنج مرسلہ حافظ عبداللہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین جواب اس مسئلہ کا کہ سقفِ مسجد پر بسبب گرمی کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنُوا توجّرُوا۔

الجواب

مکروہ ہے کہ مسجد کی بے ادبی ہے، ہاں اگر مسجد جماعت پر تنگی کرے نیچے جگہ نہ رہے تو باقی ماندہ لوگ چھت پر صف بندی کرلیں یہ بلاکراہت جائز ہے کہ اس میں ضرورت ہے بشرطیکہ حالِ امام مشتبہ نہ ہو۔

فی العلمگیریۃ الصعود علی کل مسجد مکروہ و لھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لایکرہ الصعود علی سطحہ لضرورۃ کذا فی الغرائب[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

عالمگیری میں ہے ہر مسجد کے اوپر چڑھنا مکروہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شدید گرمی کے وقت اس کے اوپر جماعت کرانا مکروہ ہے البتہ اس صورت میں کہ مسجد نمازیوں پر تنگ ہوجائے تو ضرورت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ نہیں۔ جیسا کہ غرائب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۲۲

اَلتَّبصیرُ المُنجد بانّ صحن المسجد مسجدٌ[13]

(اس بارے میں عمدہ رہنمائی کہ مسجد کا صحن مسجد ہی ہوتا ہے)

مسئلہ ۱۱۱۶ از قصبہ کٹھورا اسٹیشن سائن ضلع سورت، ملک گجرات، مسجد پُرب والے، مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب مدرس مدرسہ عربی کٹھور و سیٹھ بانا بھائی صاحب مہتمم مدرسہ، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت اُس صحنِ مسجد کے حکم میں کہ جس پر موسم گرما میں ہمیشہ نماز فرض باجماعت مغرب و عشاء و فجر اور کبھی عصر بھی ادا کی جائے، اور یہ مسجد چونکہ برسرِ بازار واقع ہے اس واسطے آمد و رفت نمازیوں کی زیادہ ہے عصر و مغرب کو کبھی جماعت ہو چکی ہو تو اکثر آدمی آکر اُس صحن پر اکیلے فرض نماز پڑھ لیتے ہیں، کبھی دو چار آدمی آگئے تو وہاں پر جماعت بھی کر لیتے ہیں اور موسم اعتدال ربیع و خریف میں بھی کبھی معمولی جماعت صحنِ مذکور پر ہو جایا کرتی ہے۔ اب صحنِ مذکور کو حکم مسجد کا دیا جائے یا نہیں؟ اس پر جنبی وغیرہ ناپاک آدمی کا بلا عذر شرعی کے جانا جائز ہے یا نہیں؟ دو شخص باہم مناظرہ کرتے ہیں ایک کے نزدیک صحن مذکور مسجد ہے اور جنبی کا اُس پر جانا حرام، اور دوسرے کے نزدیک مصلّے عید کے حکم میں ہے جنبی کو اس پر جانا جائز ہے، دلیل اُس کی یہ ہے کہ ہمارے شہر سورت میں اندرون مسجد کو جماعت خانہ اور صحنِ مسجد کو خارج بولتے ہیں، دوسری دلیل یہ کہ فنا اور حریم مسجد اور صحنِ مسجد باعتبار مفہوم کے متحد ہیں فنا اور حریم مسجد پر جب جنبی کو جانا جائز ہو تو صحن پر بھی جائز ہوگا کس واسطے کہ فناء کو حکم مصلّے عید کا ہے اور علمائے سورت میں سے دو عالم صحن مذکور حکم مسجد کا فرماتے ہیں اُن دونوں عالموں میں سے ایک عالم صاحب اس شخص کے جو صحنِ مسجد کو خارج مسجد کہتا ہے استاذ بھی ہیں، اب ہر ایک مناظرینِ مرقومۂ بالا میں سے ایک دوسرے کو مفسد کہتا ہے مفسد فی الدّین کون ہے اور مصلح عند الشرع کون؟ اور لفظ فناء مسجد اور حریم مسجد کے معنی صحن مسجد کے سمجھنا صحیح ہیں یا غلط؟ اور دوسرے یہ کہ ساکنانِ شہر سورت کا عرف کہ

اندرون مسجد جماعت خانہ اور صحنِ مسجد خارج مسجد بولنا یہ عند الشرع معتبر ہے یا نہیں ؟ اور کس قدریں نمازیں ہر سال میں اُس صحن پر ادا کی جائیں کہ وہ صحن مسجد بن جائے ؟ اُس صحن کی مسجد بن جانے میں سوائے نماز کے اور کوئی دوسری شرط بھی عند الشرع معتبر ہو تو تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ ۝

صحنِ مسجد قطعاً جزءِ مسجد ہے جس طرح صحنِ دار جزءِ دار، یہاں تک کہ اگر قسم کھائی زید کے گھر نہ جاؤں گا، اور صحن میں گیا بیشک حانث ہو گا کما یظھر من الھدایۃ والھندیۃ والدر المختار ورد المحتار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ ہدایہ، ہندیہ، دُرمختار، ردالمحتار اور عام کتب میں ہے۔ ت) اسی طرح اگر قسم کھائی مسجد سے باہر نہ جاؤں گا اور صحن میں آیا ہرگز حانث نہ ہوا، ولہذا معتکف کو صحن میں آنا جانا بیٹھنا رہنا یقیناً روا، یہ مسئلہ اپنی نہایت وضاحت وغایت شہرت سے قریب ہے کہ بدیہیات اولیہ سے ملتحق ہو، جس پر تمام بلاد میں عام مسلمین کے تعامل وافعال شاہد عدل، جن کے بعد اصلاً احتیاج دلیل نہیں، ہاں جو دعویٰ خلاف کرے اپنے دعوے پر دلیل لائے، اور ہرگز نہ لاسکے گا حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (یہاں تک کہ اُونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔ ت) مدعی خلاف نے کہ صحنِ مسجد کے مسجد نہ ہونے پر دو دلیلیں پیش کیں، ایک، عام جس میں دلیل کی صورت بھی نہیں بلکہ محض دعویٰ بے دلیل ہے، دُوسری خاص مساجد سورت سے متعلق دونوں محض باطل وزاہق۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی اس مسئلہ واضحہ کی ایضاح کو بحکم ضرورت صرف دس وجہیں ذکر کرتا ہے جن سے حکم انجلائے تمام پائے اور دونوں دلیل خلاف کا ازالۂ اوہام ہو جائے، اسی کے ضمن میں اِن شاء اللہ تعالٰی تمام مراتب سوال کا جواب منکشف ہو جائے گا۔

فاقول وباللہ التوفیق وافاضۃ التحقیق (میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی ہی توفیق اور تحقیق عطا کرنے والا ہے):

اوّلاً مسجد اس بُقعہ کا نام ہے جو بغرضِ نماز پنجگانہ وقف خالص کیا گیا و تمام تعریفہ مع فوائد قیودہ فی الوقف من کتابنا العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (مسجد کی کامل تعریف اور اس کے تمام قیود کے فوائد کی تفصیل ہمارے فتاوٰی "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کے باب الوقف میں ملاحظہ کیجئے۔ ت) یہ تعریف بالیقین صحن کو بھی شامل، اور عمارات و بنا با سقف وغیرہ ہرگز اس کی ماہیت میں داخل نہیں یہاں تک کہ اگر عمارت اصلاً نہ ہو صرف ایک چبوترہ یا محدود میدان نماز کے لئے وقف کر دیں قطعاً مسجد

ہوجائے گا اور تمام احکامِ مسجد کا استحقاق پائے گا۔ فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی ذخیرہ وفتاوٰی علمگیری وغیرہا میں ہے:

رجل له ساحة امر قوما ان یصلوا فیها بجماعة ان قال صلوا فیها ابدا او امرهم بالصلوٰة مطلقا ونوی الابد صارت الساحة مسجدا لومات لایورث عنه[1] اھ ملخصاً

ایک آدمی کی کھلی جگہ ہے لوگوں سے کہتا ہے کہ یہاں نماز ادا کرو، اب اگر اس نے یہ کہا کہ یہاں ہمیشہ تم نماز پڑھو، یا اتنا کہا نماز پڑھو مگر نیت ہمیشہ کی، تو وُہ جگہ مسجد کہلائے گی ______ اگر وُہ فوت ہوجاتا ہے تو وُہ زمین وراثت میں شامل نہ ہوگی اھ ملخصاً (ت)

پھر مسقف وغیر مسقف میں فرق کرنا اسے مسجد اسے فناءِ مسجد ٹھہرانا محض بے معنی۔

ثانیاً ہر عاقل جانتا ہے کہ مسجد ومعبد ہو یا مسکن ومنزل ہر مکان کو بلحاظ اختلافِ موسم دو حصّوں پر تقسیم کرنا عادات مطردۂ بنی نوع انسان سے ہے جس پر معظم معمورۃ الارض میں تمام اعصار وامصار کے لوگ اتفاق کئے ہوئے ہیں ایک پارہ مسقف کرتے ہیں کہ برف و بارش وآفتاب سے بچائے، دوسرا کھلا رکھتے ہیں کہ دھوپ میں بیٹھنے، ہوا لینے، گرمی سے بچنے کے کام آئے، زبانِ عرب میں اوّل کو شتوی کہتے ہیں اور دوم کو صیفی۔ کما افادہ العلامة بدر الدین محمود العینی فی کتاب الایمان من البنایة شرح الهدایة (جیسا کہ علامہ بدرالدین محمود عینی نے بنایہ شرح الہدایہ کے کتاب الایمان میں تصریح کی ہے۔ت) یہ دونوں ٹکڑے قطعاً اُس معبد یا منزل کے یکساں دو جز ہوتے ہیں جن کے باعث وہ مکان ہر موسم میں کام کا ہوتا ہے اور بالیقین مساجد میں صحن رکھنے سے بھی واقفین کی یہی غرض ہوتی ہے ورنہ اگر صرف شتوی یعنی مسقف کو مسجد اور صیفی یعنی صحن کو خارج از مسجد ٹھہرایئے تو گیا واقفین نے مسجد صرف موسم سرما وعصرین گرما کے لئے بنائی تھی کہ ان اوقات میں تو نماز مسجد میں ہو باقی زمانوں میں نماز واعتکاف کے لئے مسجد نہ ملے یا ان کا مقصود یہ جبر کرنا تھا کہ کیسی ہی حبس و حرارت کی شدت ہو مگر ہمیشہ مسلمان اسی بند مکان میں نماز پڑھیں، معتکف رہیں، ہوا و راحت کا نام نہ لیں، یا انھیں دُنیا کا حال معلوم نہ تھا کہ سال میں بہت اوقات ایسے آتے ہیں جن میں آدمی کو درجۂ اندرونی میں مشغولِ نماز وتراویح واعتکاف ہونا درکنار دم بھر کو جانا ناگوار ہوتا ہے، اور جب کچھ نہیں تو بالجزم ثابت کہ جس طرح انھوں نے اپنے چین کے لئے مکانِ سکونت میں صحن و دالان دونوں درجے رکھے ہیں یونہی عام مسلمان کی عام اوقات میں آسائش و آرام کے لئے مسجد کو بھی انہی دو حصّوں پر تقسیم کیا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به مطبوعہ مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۵۵

ثالثاً اب نمازیوں سے پُوچھئے آپ اذان سُن کر گھر سے کس ارادہ پر چلتے ہیں، یہی کہ مسجد میں نماز پڑھیں گے یا کچھ اور، قطعاً یہی جواب دیں گے کہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں، اب دیکھئے کہ وُہ موسم گرما میں فجر و مغرب و عشا کی نمازیں کہاں پڑھتے ہیں اور اُن کے حفّاظ قرآن مجید کہاں سُناتے ہیں اور اُن کے معتکف کہاں بیٹھتے اور ذکر و عبادت میں مشغول رہتے ہیں، خود ہی کُھل جائے گا کہ مسلمانوں نے صحن کو بھی مسجد سمجھا ہے یا نہیں، تو مسجدیت صحن سے انکار اجماع کے خلاف۔

رابعاً بلکہ غور کیجئے تو جو صاحب انکار رکھتے ہیں خود اُنہی کے افعال اُن کی خطا پر دال، اگر وہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہوں تو لاجرم موسم گرما میں عام مسلمانوں کی طرح صحن ہی پر پڑھتے ہوں گے پھر ان سے پُوچھئے آپ گھر چھوڑ کر غیر مسجد میں نماز پڑھنے کیوں آئے، اور جب یہ مسجد نہیں تو یہاں نماز پڑھنے میں کیا فضیلت سمجھی، فضیلت درکنار داعی اللہ کی اجابت کب کی، اور حدیث لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد[1] (مسجد کے پڑوسی کی نماز، مسجد کے علاوہ نہیں ہوسکتی۔ ت) کی تعمیل کہاں ہُوئی اور سنتِ عظیمہ جلیلہ کس واسطے چھوڑی، کیا کوئی ذی عقل مسلمان گوارا کرے گا کہ مکان چھوڑ کر آواز اذان سُن کر نماز کو جائے اور مسجد ہوتے سا تے مسجد میں نہ پڑھے بلکہ اس کے حریم و حوالی میں نماز پڑھ کر چلا آئے، کیا اہلِ عقل ایسے شخص کو مجنون نہ کہیں گے، تو انکار والوں کا قول و فعل قطعاً متناقض، اگر یہ عذر کریں کہ جہاں امام نے پڑھی مجبوری ہمیں پڑھنی ہُوئی ہے تو محض بیجا و نامعقول و ناقابل قبول، آپ صاحبوں پر حقِ مسجد کی رعایت اتباعِ جماعت سے اہم و اقدم تھی، جب آپ نے دیکھا کہ سب اہلِ جماعت مسجد چھوڑ کر غیر مسجد میں نماز پڑھتے ہیں آپ کو چاہئے تھا خود مسجد میں جاکر پڑھتے، اگر کوئی مسلمان آپ کا ساتھ دیتا جماعت کرتے ورنہ تنہا ہی پڑھتے کہ حقِ مسجد سے ادا ہوتے، یہاں تک کہ علما اس تنہا پڑھنے کو دوسری مسجد میں باجماعت پڑھنے سے افضل بتاتے ہیں نہ کہ غیر مسجد میں۔ فتاوٰی امام قاضی خاں پھر خزانۃ المفتین پھر رد المحتار وغیرہا میں ہے:

یذھب الی مسجد منزلہ ویؤذن فیہ ویصلی وان کان واحداً لان لمسجد منزلہ حقا علیہ فیؤدی حقہ مؤذن مسجد لا یحضر مسجدہ احد قالوا یؤذن ویقیم ویصلی وحدہ فذلك احب من ان یصلی فی مسجد اٰخر[2]	آدمی اپنے محلہ کی مسجد میں جائے اس میں اذان دے اور نماز پڑھے اگرچہ تنہا ہو کیونکہ اس پر محلہ کی مسجد کا حق ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے، ایسی مسجد کے مؤذن کے بارے میں جس میں کوئی نہیں آتا فقہاء نے کہا ہے کہ وہ وہاں تنہا ہی اذان دے اور نماز پڑھے یہ دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے

[1] مستدرک حاکم کتاب الصلوٰۃ لاصلوٰۃ لجار المسجد الخ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۲۴۶

[2] فتاوٰی قاضیخاں فصل فی المسجد " نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

تنبیہ: اِنھیں وجوہ سے ظاہر ہوگیا کہ اہلِ سورت کا خاص درجۂ شتوی کو جماعت خانہ کہنا ایک اصطلاح خاص ہے اور صیفی یعنی صحن کو خارج اسی معنی پر کہتے ہیں کہ اُس جماعت خانہ مصطلحہ سے باہر ہے نہ بایں معنی کہ جزءِ مسجد نہیں، اور اگر مسجد ہی کہتے ہوں تو یہ کہنا ایسا ہے جیسے علمائے کرام ظاہر بدن کو خارج البدن فرماتے ہیں جس کے یہ معنی کہ بدن بیرونی حصّہ نہ یہ کہ بدن سے باہر، یونہی خارج مسجد یعنی مسجد کا بیرونی ٹکڑا، نہ یہ کہ مسجد سے خارج۔ اور بالفرض اگر انھوں نے اپنی اصطلاح میں مسجد صرف شتوی یعنی مسقّف ہی کا نام رکھا ہو تو اسے مسجد نہ کہنے کا حاصل اس قدر ہوگا کہ درجۂ شتویہ نہیں نہ یہ کہ شرعًا مسجد نہیں، اُن کے افعال دائمی یعنی موسمِ گرما میں ہمیشہ جماعتِ مغرب وعشا و فجر صحن ہی پر پڑھنا اور اذان سنتے پر مکانوں سے بارادۂ صلوٰۃ فی المسجد آکر یہاں جماعت کرنا جس کی تصریح سوال میں موجود۔ اور رمضانِ گرما میں یہیں تراویح پڑھنا، معتکف رہنا کہ عادۃً بالقطع معلوم و مشہود، اس مراد مقصود پر شاہدِ مبین وشفیہ تعیین و مورث یقین، کما لایخفی علی صبی عاقل فضلا عن فاضل (جیسا کہ کسی عاقل بچّے سے مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی رہے۔ ت)

خامسًا طرفہ یہ کہ انکار کرنے والے حلتِ دخولِ جنب میں بحث ونزاع کرتے ہیں اُن کے قول پر معاذ اللہ صراحۃً بدعت شنیعہ مسلمانوں سے علی الدوام والالتزام واقع ہوتی ہے یعنی گرمی میں مسجد چھوڑ کر غیر مسجد میں جماعت پڑھنا اور حقِ مسجد تلف کرنا اس پر کیوں نہیں انکار کرتے بلکہ اس میں تو خود بھی شریک ہوتے ہیں کہ خلاف میں اپنی بھی تکلیف ہے، اب اگر وہ اپنے قول باطل پر اصرار کرکے اسی فکر میں پڑیں کہ نمازِ صحن مطلقًا بند کر دی جائے اور ہمیشہ ہر موسم ہر وقت کی جماعت اندر ہی ہوا کرے، اور بالفرض اُن کی یہ بات خلق کو نمازِ صحن سے مانع آئے تو دیکھئے موسمِ گرما میں کتنی مسجدیں نماز وجماعت وتراویح واعتکاف سے معطّل محض ہوئی جاتی ہیں کہ لوگ جب صحن سے روکے جائیں گے اور اندران افعال کی بجا آوری سے بالطبع گھبرائیں گے، لاجرم مسجد کے آنے سے باز رہیں گے اور اگر ایک دو نے یہ ناحق وبے سبب کی سخت مصیبت گوارا بھی کر لی تو عام خلائق کا تنفر قطعی یقینی، تو اس نزاعِ بیجا کا انجام معاذ اللہ مساجد کا ویران کرنا اور اُن میں ذکر و نماز سے بندگانِ خدا کو روکنا ہے۔

قال اللہ عزوجل ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا[1]

اللہ عزوجل نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو خدا کی مسجدوں کو اُن میں نامِ خدا یاد کئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

اب صحن کو مسجد نہ ماننے والے غور کریں کہ کس کا قول افساد فی الدین تھا ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] القرآن ۲/ ۱۱۴

سادساً اس مسئلہ جلیلہ کو کلماتِ ائمہ کرام ہی سے استخراج کرنا چاہیے تو بوجوہ کثیرہ میسّر، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مسجد مبارک حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زمانۂ اقدس میں جنوباً شمالاً یعنی دیوارِ قبلہ سے پائینِ مسجد تک سو گز طول رکھتی تھی اور اسی قدر شرقاً غرباً عرض تھا اور پائین میں یعنی جانبِ شام ایک مسقف دالان جنوب رویہ تھا جسے صُفّہ کہتے اور اہلِ صفّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اُس میں سکونت رکھتے یہ بھی جزءِ مسجد تھا، علامہ رحمۃ اللہ سندی تلمیذ امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام منسک متوسط اور مولانا علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں:

(حدہ) ای حدود المسجد الاول (من المشرق من وراء المنبر نحو ذراع ومن المغرب الاسطوانة الخامسة من المنبر ومن الشام حیث ینتھی مائة ذراع من محرابه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم) وھو معلوم لاھل المدینة بالعلامة الموضوعة اھ ملخصاً۔[1]

(اس کی حد) یعنی مسجدِ اول کی حدود (منبر کی دوسری طرف مشرق کی طرف ایک گز کے برابر ہے اور جانبِ مغرب پانچویں ستون تک اور جانبِ شام حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محراب سے سَو گز ہے) اور نشانات مخصوصہ کی وجہ سے اہلِ مدینہ کو معلوم ہے اھ تلخیصاً۔ (ت)

علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

اھل الصفة فقراء المھاجرین ومن لم یکن له منھم منزل یسکنه فکانوا یأوون الی موضع مظلل فی مسجد المدینة۔[2]

اہلِ صفّہ مہاجر فقراء میں سے تھے اور جس کے لئے گھر نہ ہوتا وہ وہیں ٹھہرتا، پس صفّہ مسجدِ نبوی میں ایک چھتدار جگہ میں رہتے تھے۔ (ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

باب نوم الرجال فی المسجد، وقال ابو قلابة عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه قدم رھط من عکل علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فکانوا فی الصفة، وقال عبد الرحمٰن

باب لوگوں کا مسجد میں سونے کے بارے میں، ابو قلابہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ عکل کا ایک وفد رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا اور وہ صفّہ میں تھے

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامه بالمدینة المشرفة مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۳

[2] مجمع بحار الانوار لفظ صفف کے تحت مذکور ہے مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲/۳۵۳

بن ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان اصحاب الصفۃ الفقراء[1]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ اصحابِ صفہ فقراء تھے۔ (ت)

علامہ احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

الصُفّة بضم الصاد وتشدید الفاء موضع مظلل فی اخریات المسجد النبوی تاوی الیہ المساکین[2]

الصُفّہ، صاد پر پیش، فاء پر تشدید، مسجد نبوی کے آخری حصہ میں وہ چھتی ہوئی جگہ جہاں مساکین پناہ لیتے تھے۔ (ت)

اب مشاہدہ کرنے والا جانتا ہے کہ محرابِ مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ محرابِ امیر المؤمنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جانب شمال ہے، پائینِ مسجد کو پیمائش کرتے آئیے تو سَو گز کی مساحت ایک حصہ صحن میں آئے گی، اور قطعاً معلوم کہ زمانہ اقدس میں جس قدر بنائے مسجد تھی اُس میں کمی نہ ہُوئی بلکہ افزونیاں ہی ہوتی آئیں تو واجب کہ اس وقت بھی یہ سَو گز مع صحن تھی اور جبکہ صفہ تک جزءِ مسجد تھا کما ظہر مما نقلنا من العبارات (جیسے کہ ہماری نقل کردہ عبارات سے ظاہر ہے۔ ت) تو کیونکر معقول کہ بیچ میں صحن خارج مسجد گنا جائے۔

سابعًا علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ مسجد میں پیڑ بونا ممنوع ہے کہ اُس سے نماز کی جگہ رُکے گی مگر جبکہ اس میں منفعتِ مسجد ہو اس طرح کہ زمینِ مسجد اس قدر گِل ہو کہ ستون بوجہ شدّتِ رطوبت نہ ٹھہرتے ہوں تو جذبِ تری کیلئے پیڑ بوئے جائیں کہ جڑیں پھیل کر زمین کی نم کھینچ لیں۔ ظہیریہ وخانیہ وخلاصہ و ہندیہ و بحرالرائق وغیرہا میں ہے:

یکرہ غرس الشجر فی المسجد لانہ یشبہ بالبیعۃ ویشغل مکان الصلوۃ الا ان تکون فیہ منفعۃ للمسجد بان کان الارض نزۃ لاتستقر اساطینہا فیغرس فیہ الشجر لیقل النزۃ[3]۔

مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے کیونکہ یہ بیع (بیچنے) کے مترادف اور نماز کی جگہ مشغول کرنا ہے۔ البتہ اس صورت میں جائز ہوگا جب اس میں کوئی نفع ہو، مثلاً زمین سیلابی ہے اس پر ستون کھڑے نہیں ہوتے تو اس میں درخت لگائے جائیں تاکہ سیلابیت کم ہوجائے۔ (ت)

ظہیریہ کے لفظ یہ ہیں:

فتغرس لتجذب عروق الاشجار ذلک

پس درخت لگائیں تاکہ ان کی جڑیں اس تری کو جذب

---

[1] صحیح البخاری باب نوم الرجال فی المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۳

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری " دارالکتاب العربی بیروت ۱/۴۳۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسجد " نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

النزفة يجوز و الا فلا وانما جوز مشائخنا فی المسجد الجامع ببخاری لما فيه من الحاجة اھ[1]

کرلیں، تواب درخت لگانا جائز ہوگا ورنہ نہیں، ہمارے مشائخ نے بخارا کی جامع مسجد میں درخت لگانے کو جو جائز قرار دیا ہے اس میں یہی ضرورت و حاجت پیشِ نظر ہے اھ (ت)

ظاہر ہے کہ ستون مسجد مسقف ہی میں ہوتے ہیں اور پیڑ درجہ اندرونی میں نہیں بوئے جاتے بلکہ سائے میں پرورش نہیں ہوتے معہذا جب تری کی وہ بیشتری کہ ستون نہیں ٹھہرتے تو ایسی رطوبت پھلواری وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے پودوں سے دفع نہیں ہوسکتی، نہ ان کی جڑیں اتنی پھیلیں کہ اطراف سے جذب کرلیں اور بڑے پیڑ اندر بوئے جانا معقول نہیں تو واجب کہ اس سے مراد صحنِ مسجد میں بونا ہے اور اسے انھوں نے مسجد میں بونا قرار دیا ـــــــــــ ـــــ جب تو غرس فی المسجد کی صورت جواز میں رکھا، اور مثالِ ظہیریہ نے تو اس معنی کو خوب واضح کردیا، قطعاً معلوم کہ جامع بخارا نا مسقف نہیں نہ زنہار اُس کے درخت زیرِ سقف ہیں بلکہ یقیناً صحن میں بوئے گئے، اور اسی کو علمائے کرام نے غرس فی المسجد جانا۔

ثامناً علماء فرماتے ہیں دروازۂ مسجد پر جو دُکانیں ہیں فنائے مسجد ہیں کہ مسجد سے متصل ہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یصح الاقتداء لمن قام علی الدکاکین التی تکون علی باب المسجد متصلة بالمسجد[2]

اس شخص کی اقتداء درست ہے جو اس دکان پر کھڑا ہے جو مسجد کے دروازے پر ہے کیونکہ یہ فنائے مسجد ہیں ہونے کی وجہ سے مسجد سے متصل ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ جو دُکانیں دروازہ پر ہیں صحنِ مسجد سے متصل ہیں نہ درجۂ مسقفہ سے، تو لاجرم صحنِ مسجد مسجد ہے، اور یہیں سے ظاہر کہ صحن کو فنا کہنا محض غلط ہے اگر وہ فنائے مسجد ہوتا تو دکانیں کہ اس سے متصل ہیں متصل بہ فنا ہوتیں، نہ متصل بہ مسجد، پھر ان دکانوں کے فنا ٹھہرنے میں کلام ہوتا کہ فنا وہ ہے جو متصل بہ مسجد ہو نہ وہ کہ متصل بہ فنا ہو، ورنہ اس تعریف پر لزوم دَور کے علاوہ متصل بالفنا بھی فنا ٹھہرے تو سارا شہر یا لااقل تمام محلہ فنائے مسجد قرار پائے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) اور یہ ادعا کہ صحن و فنا کا مفہوم واحد

---

[1] بحرالرائق بحوالہ الظہیریۃ فصل لما فرغ من بیان الکراہۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۲

جہل شدید ہے کہ کسی عاقل سے معقول نہیں، شاید یہ قائل اُن دکانوں کو بھی صحنِ مسجد کہے گا۔

تاسعًا انصاف کیجئے تو یہ خاص جزئیہ بھی یعنی صحنِ مسجد میں جنب کا جانا ناجائز ہونا کلماتِ علما سے مستفاد ہوسکتا ہے۔ ائمہ فرماتے ہیں جنب کو مسجد میں جانا جائز نہیں مگر جبکہ پانی کا چشمہ مسجد میں ہو اور اس کے سوا کہیں پانی نہ ملے تو تیمم کرکے لے آئے۔ مبسوط و عنایہ و ردالمحتار و فتاوٰی حجہ و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا اسفار میں ہے:

واللفظ للثلثۃ الاول مسافر مربمسجد فیہ عین ماء وھو جنب ولا یجد غیرہ، فانہ یتیمم لدخول المسجد لان الجنابۃ تمنعہ من دخول المسجد علٰی کل حال عندنا[۱]۔

پہلی تین کتب کے الفاظ یہ ہیں: ایک جنبی مسافر ایسی مسجد سے گزرا جس کے اندر پانی کا چشمہ ہے اور اس کے علاوہ وہ پانی نہیں پاتا تو وہ دخولِ مسجد کے لئے تیمم کرے کیونکہ ہمارے نزدیک ہر حال میں جنابت اسے دخولِ مسجد سے مانع ہے (ت)

ظاہر ہے کہ عامہ بلاد میں عامہ مساجد جماعات مسقف ہوتی ہیں اور چشمہ آب عادۃً صحن ہی میں ہوتا ہے اور کلماتِ فقہاء امورِ عادیہ غالبہ ہی پر مبتنی ہوتے ہیں، بہت نادر ہے کہ حصّہ اندرونی میں چشمہ آب ہو۔ تو انھوں نے صحن ہی میں جنب کو جانے پر یہ احکام فرمائے فافھم وتبصر (پس سمجھو اور غور کرو۔ت) ان کے سوا اور بہت وجوہ کثیرہ سے استنباط ممکن مگر بعد اُن دلائلِ قاہرہ کے جو ابتداءً زیرِ گوشِ سامعین ہُوئے حاجتِ تطویل نہیں۔

عاشرًا یا ھذا اُن براہینِ ساطعہ کے بعد صحنِ مسجد کا جزءِ مسجد ہونا اجلٰی بدیہیات تھا جس پر اصلاً تصریحِ کتب کی احتیاج نہ تھی بلکہ جو اسے مسجد نہیں مانتا وہی محتاجِ تصریحِ صریح وقطعی تھا اور ہرگز نہ دکھا سکتا نہ کبھی دکھا سکے تاہم فقیر نے بطورِ تبرع یہ چار استنباط بھی کلماتِ ائمہ سے ذکر کئے کہ یہ بدیہی مسئلہ اپنے غایتِ وضوح و اشتہار کے باعث اُس قبیل سے تھا جس پر خادمِ فقہ کو کتبِ ائمہ میں تصریحِ جزئیہ ملنے کی امید نہ ہوتی کہ ایسی روشن و مشہور باتوں پر فقہائے کرام کم توجہ فرماتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی اس امر کی تصریح کتابوں سے نکالنا چاہے کہ مسجد کے درجہ شتوی میں جسے اہلِ سورت جماعت خانہ کہتے ہیں تین در ہیں اُن میں بائیں طرف کا در بھی جزءِ مسجد ہے اور اُس میں بھی جنب کو جانا ممنوع یا نہیں تو غالباً ہرگز اس کا جزئیہ نہ پائے گا مگر بحمداللہ تعالٰی جب فقیر یہاں تک لکھ چکا مسئلہ کا خاص جزئیہ کلماتِ علماء میں یاد آیا جس میں ائمہ دین نے صاف تصریحیں فرمائی ہیں کہ مسجد کے صیفی و شتوی یعنی صحن ومسقف دونوں درجے یقیناً مسجد ہیں۔ اب سُنئے امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری فتاوٰی خلاصہ پھر امام فخرالدین ابومحمد عثمان بن علی زیلعی تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق پھر امام حسین بن محمد سمعانی خزانۃ المفتین پھر امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام فتح القدیر پھر علامہ عبدالرحمٰن بن محمد رومی مجمع الانہر شرح

---

[۱] المبسوط للسرخسی باب التیمم مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۱۸

ملتقی الابحر پھر علامہ سیدی[1] احمد مصری حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح پھر خاتم المحققین سیدی[2] محمد بن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

واللفظ للخلاصۃ والخزانۃ رجل انتھی الی الامام والناس فی صلٰوۃ الفجران رجا ان یدرك رکعۃ فی الجماعۃ یاتی برکعتی الفجر عند باب المسجد وان لم یمکن یاتی بھما فی المسجد الشتوی ان کان الامام فی الصیفی وان کان الامام فی الشتوی ھو یاتی فی الصیفی وان کان المسجد واحدا یقف فی ناحیۃ المسجد ولا یصلیھما مخالطا للصف مخالفا للجماعۃ فان فعل ذلك یکرہ اشد الکراھۃ اھ[1]۔

خلاصہ اور خزانہ کی عبارت یہ ہے: ایک آدمی مسجد میں پہنچا، امام اور لوگ نمازِ فجر ادا کررہے تھے اب اگر آنے والا شخص امید رکھتا ہے کہ اسے ایک رکعت جماعت کے ساتھ مل جائے گی تو وہ مسجد کے دروازہ کے پاس دو سنتیں ادا کرے، اور اگر وہاں ممکن نہ ہو مسجد شتوی (یعنی سردیوں والے حصہ) میں دو رکعات ادا کرے، جب امام صیفی مسجد (یعنی گرمیوں والے حصہ) میں ہو اور اگر اس کا عکس ہو یعنی امام شتوی مسجد میں ہو تو یہ صیفی میں پڑھے۔ اگر مسجد واحد ہی ہو تو مسجد کے ایک گوشے میں ادا کرے اور ان دو رکعتوں کی ادائیگی کے لئے صف کے متصل کھڑا نہ ہو کیونکہ یہ جماعت کی مخالفت ہے۔ اگر ایسا کیا تو یہ شدید مکروہ ہوگا اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ عند باب المسجد ای خارج المسجد کما صرح بہ القھستانی[2] الخ۔

ماتن کا قول "مسجد کے دروازے کے پاس"، یعنی مسجد سے باہر، جیسے کہ قہستانی نے اس پر تصریح کی ہے الخ (ت)

اقول ویوضحہ قول الھدایۃ و الھندیۃ یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل[3]۔

اقول (میں کہتا ہوں) ہدایہ اور ہندیہ کے الفاظ نے واضح کردیا ہے کہ وہ فجر کی سنتیں مسجد کے دروازے پر پڑھ کر پھر مسجد میں داخل ہو۔ (ت)

امام ابوالبرکات حافظ الدین نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

الافضل فی السنن المنزل ثم باب المسجد

سنتوں کے لئے افضل مقام گھر ہے اور اگر امام مسجد

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الجنس فی السنن مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۶۱ و ۶۲
[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۵۶
[3] الہدایہ " " " " المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۳۲

ان کان الامام یصلی فی المسجد ثم المسجد الخارج ان کان الامام یصلی فی الداخل والداخل ان کان فی الخارج[1] اھ ملخصاً

میں جماعت کروا رہا ہو تو مسجد کا دروازہ بہتر مقام ہے، اگر امام داخل مسجد میں جماعت کروا رہا ہو تو پھر خارج مسجد، اسی طرح امام خارج مسجد ہو تو سنتوں کیلئے داخل مسجد بہتر ہے اھ تلخیصاً (ت)

محقق علامہ زین بن نجیم مصری بحرالرائق پھر علامہ سیدی احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

السنۃ فی السنن ان یاتی بھا فی بیتہ او عند باب المسجد وان لم یمکنہ ففی المسجد الخارج[2] الخ

سنتوں کے لئے سنت یہ ہے کہ انھیں گھر میں ادا کرے یا مسجد کے دروازے کے پاس، اور اگر وہاں ممکن نہ ہو تو پھر صحنِ مسجد میں ادا کرے الخ (ت)

منیہ وشرح صغیر منیہ للعلامہ ابراہیم الحلبی میں ہے:

(السنۃ) المؤکدۃ (فی سنۃ الفجر) ھو ان لایاتی بھا مخالطا للصف ولاخلف الصف من غیر حائل و (ان یاتی بھا) اما (فی بیتہ) وھو الافضل (او عند باب المسجد) ان امکن بان کان ھناک موضع لائق للصلاۃ (وان لم یمکنہ) ذلک (ففی المسجد الخارج) ان کانوا یصلون فی الداخل و بالعکس ان کان ھناک مسجدان صیفی وشتوی[3] اھ

(سنت) مؤکدہ (فجر کی سنتوں میں) یہ ہے کہ انھیں صف کے متصل اور بغیر رکاوٹ کے صف کے پیچھے بھی ادا نہ کرے (انھیں بجالائے) یا (گھر میں) اور یہی افضل طریقہ ہے، یا (مسجد کے دروازے کے پاس) اگر ممکن ہو یعنی اگر وہاں نماز ادا کی جاسکتی ہو تو (اور اگر ممکن نہ ہو) یہ بات (تو پھر صحنِ مسجد میں) اگر لوگ داخل مسجد نماز ادا کر رہے ہوں اور عکس کی صورت میں عکس ہوگا اگر وہاں دو مساجد صیفی اور شتوی ہیں اھ (ت)

امام محقق علامہ محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں اسی قول منیہ کے نیچے فرماتے ہیں: المسجد الخارج صحن المسجد[4] اھ (مسجد خارج سے مراد صحنِ مسجد ہے اھ۔ ت)

---

[1] کافی شرح وافی

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۰۰

[3] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل ؍؍ مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۲۰۴

[4] التعلیق المجلی لما فی منیۃ المصلی بحوالہ حلیہ ابن امیر الحاج مع منیۃ المصلی فصل فی السنن مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۴۹

دیکھو اول کی سات کتابوں میں صیفی و شتوی دونوں کو مسجد فرمایا اور آٹھ سے گیارہ تک چار کتابوں میں اُنھیں مسجد داخل و مسجد خارج سے تعبیر کیا۔ صغیری نے ان عباراتِ شتی کا مصداق واحد ہونا ظاہر کر دیا اور حلیہ میں تصریح فرمادی کہ مسجد بیرونی صحنِ مسجد کا نام ہے، تو صاف واضح ہوگیا کہ صحنِ مسجد قطعاً مسجد ہے جسے علما کبھی مسجد صیفی اور کبھی مسجد الخارج سے تعبیر فرماتے ہیں والحمد للہ علیٰ وضوح الحق (حق کے واضح ہو جانے پر اللہ کی حمد ہے۔ ت)۔ ان نصوصِ صریحہ کے بعد اُن استنباطوں کی حاجت نہ تھی مگر گیا کیجئے کہ فقیر انھیں پہلے ذکر کر چکا تھا معہذا اُن کے ابقا میں طالبانِ علم و خادمانِ فقہ کی منفعت کہ اقوالِ علماء سے استنباطِ مسائل کا طریقہ دیکھیں وباللہ التوفیق اب کہ بحمد اللہ کالشمس علی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ صحنِ مسجد بالیقین جزءِ مسجد ہے تو اُس کے لئے تمام احکامِ مسجد آپ ہی ثابت، جن کا ثبوت صحن پر نمازیں پڑھے جانے خواہ کسی شرط پر اصلاً موقوف نہیں کہ مسجد مذہب راجح پر واقف کے صرف اس کہنے سے کہ میں نے اس زمین کو مسجد کیا اور دوسرے مذہب پر ایک قول مصحح ظاہر الروایہ ہیں دو آدمیوں کی جماعت باذان و اقامت بلکہ واقف کے سوا ایک ہی شخص کی اذان و اقامت و نماز بہیئتِ جماعت اور ایک قول ظاہر الروایہ میں سوائے واقف ایک ہی آدمی کے منفرداً نماز پڑھ لینے سے بجمیع اجزائہٖ مسجد ہو جاتی ہے تو ہر ہر جزء میں جُداگانہ نماز ہونے کی بالاجماع حاجت نہیں، مذہب اول پر تو خود ظاہر کہ مطلقاً نماز کی شرط ہی نہیں صرف قول کفایت کرتا ہے اور ثانی پر بھی واضح کہ منفرد کی نماز یا دو شخصوں کی جماعت ہر پارۂ مسجد کو شامل نہیں ہو سکتی کما لا یخفی فوضح المقصود والحمد للہ العلی الودود (جیسا کہ واضح ہے تمام حمد اللہ تعالیٰ کے لئے جو بلند اور محبت کرنے والا ہے۔ ت)

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

یزول ملکہ عن المسجد بقولہ جعلتہ مسجدا عند الثانی (وفی الدر المنتقی وقدم فی التنویر والدرر والوقایۃ وغیرھا قول ابی یوسف وعلمت ارجحیتہ فی الوقف والقضاء اھ ش) وشرط محمد والامام الصلوٰۃ فیہ بجماعۃ (واشتراط الجماعۃ لانھا المقصودۃ من المسجد، ولذا شرط ان تکون جھرا

اس کی ملکیت مسجد سے ان الفاظ سے زائل ہو جاتی ہے کہ میں نے اسے مسجد بنا دیا ہے یہ ثانی امام (ابو یوسف) کے نزدیک ہے (الدر المنتقی میں ہے کہ تنویر، درر اور وقایہ وغیرہ میں قولِ ابو یوسف کو مقدم ذکر کیا اور آپ جانتے ہیں کہ ان کا قول وقف اور قضا میں راجح ہے اھ ش) امام محمد اور امام صاحب نے اس میں جماعت کے ساتھ نماز کو بھی لازم و شرط قرار دیا ہے (جماعت کا شرط قرار دینا اس لئے ہے کہ مسجد سے مقصود یہی ہے اسی لئے یہ شرط ہے

باذان واقامة والا لم یصر مسجدا قال الزیلعی، وهذه الروایة هی الصحیحة وقال فی الفتح، ولو اتحد الامام والمؤذن وصلی فیہ وحدہ صار مسجدا بالاتفاق لان الاداء علی هذا الوجه کالجماعة، لکن لو صلی الواقف وحدہ فالصحیح انه لایکفی اھ ش) وقیل، یکفی واحد وجعله فی الخانیة ظاهر الروایة (وعلیه المتون کالکنز والملتقی وغیرهما وقد علمت تصحیح الاول وصححه فی الخانیة ایضاً وعلیه اقتصر فی کافی الحاکم فهو ظاهر الروایة ایضا اھ ش)[1] مختصرا، واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

کہ وہاں اذان واقامت بلند آواز سے ہوں ورنہ وہ مسجد قرار ہی نہ پائے گی۔ امام زیلعی کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے، اور کہا کہ فتح میں ہے کہ اگر امام اور مؤذن ایک ہی آدمی تھا اور اس نے وہاں تنہا نماز ادا کی تو وہ بالاتفاق مسجد ہی قرار دی جائے گی کیونکہ اس طریقہ پر ادائیگی جماعت ہی کی طرح ہے لیکن اگر وقف کرنے والے نے فقط نماز ادا کی تو صحیح یہی ہے کہ یہ کافی نہیں اھ ش) ایک قول یہ ہے کہ ایک آدمی کا نماز ادا کرلینا بھی کافی ہے اور اسے خانیہ نے ظاہر الروایہ قرار دیا ہے۔ (اور متون میں یہی ہے جیسے کہ کنز، ملتقی وغیرہ، اور آپ اول کی تصحیح جان ہی چکے، اور اسی کو خانیہ نے صحیح کہا، اور حاکم نے کافی میں اسی پر اقتصار کیا، پس یہی ظاہر روایت ہے ایضاً اھ ش) مختصراً۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۱۱: از بریسال مرسلہ جان محمود ساکن چاند

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کے مکان میں ایک مسجد مدت سے قائم ہے اور وُہ خود متولی ہے اور جمعہ کی نماز بھی ہمیشہ پڑھی جاتی ہے ابھی متولی مسجد نے ایک شخص کو کسی وجہ سے منع کیا کہ وہ اس مسجد میں نہ آئے، جب اُس کو منع کیا تو وہ شخص اور چند مصلی مجتمع ہو کر دوسری جگہ پر ایک مسجد نئی بنا کرلی اس قدر فاصلہ پر ہے کہ اگر بلند آواز سے اذان کہے تو احتمال سنائی کی ہے، اس صورت میں دونوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا ایک میں، اگر ایک میں ہے تو اوّل یا ثانی، اگر صورتِ مذکورہ میں منع کرنا کسی مصلی کو شرعاً کوئی وجہ سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بحوالة الکتاب توجروا یوم الحساب۔

---

[1] ردالمحتار علی الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۳۵۵

الجواب

جو شخص موذی ہو کہ نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے بُرا بھلا کہتا ہے شریر ہے اُس سے اندیشہ رہتا ہے ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے منع کرنا جائز ہے، اور اگر بدمذہب گمراہ مثلاً وہابی یا رافضی یا غیر مقلد یا نیچری یا تفضیلی وغیرہا ہے اور مسجد میں آکر نمازیوں کو بہکاتا ہے اپنے مذہب ناپاک کی طرف بلاتا ہے تو اُسے منع کرنا اور مسجد میں نہ آنے دینا ضرور واجب ہے۔

فقد نص فی العینی ثم الدر المختار وغیرھما من معتمدات الاسفار باخراج کل موذ ولو بلسانہ[1] علامہ عینی نے تصریح کی ہے پھر درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے کہ ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے نکال دیا جائے خواہ اس کی اذیت زبان سے ہو۔ (ت)

یُونہی جس کے بدن میں بدبُو ہو کہ اس سے نمازیوں کو ایذا ہو مثلاً معاذ اللہ گندہ دہن یا گندہ بغل یا جس نے خارش وغیرہ کے باعث گندھک ملی ہو اُسے بھی مسجد میں نہ آنے دیا جائے لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلا یقربن مصلانا[2] (رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ وہ ہرگز ہماری نمازگاہ کے قریب نہ آئے۔ ت)

اور بلا وجہ شرعی اپنی کسی رنجش دنیوی کے باعث مسجد سے کسی مسلمان کو روکنا سخت گناہ ہے۔

لقولہ تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا[3] اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور کون اس سے بڑھ کر ظالم ہوسکتا ہے جو اللہ کی مساجد میں اللہ کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کی بربادی میں کوشاں ہو۔ (ت)

اور مسجد جبکہ بہ نیتِ خالصہ بنائی جائے تو پہلی مسجد کے کسی قدر قریب ہو کچھ حرج نہیں۔

لما فی الاشباہ والدر ان لاھل المحلۃ جعل المسجد الواحد مسجدین[4] اشباہ اور در میں ہے کہ اہلِ محلہ کے لئے جائز ہے کہ ایک مسجد کو وہ دو مساجد بنالیں۔ (ت)

مگر جمعہ قائم کرنے کے لئے ضرور ہے کہ امام جمعہ وہ ہو جسے بادشاہِ اسلام نے امام جمعہ مقرر کیا یا وہ جسے اُس نے اپنا نائب کیا اور یہ نہ ہو تو وہ جسے اہلِ اسلام جمع ہو کر امام جمعہ مقرر و معین کریں، ہر شخص جمعہ و عیدین کی امامت نہیں کرسکتا

---

[1] دُرمختار آخر باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

[2] مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ باب فیمن اکل ثوما الخ مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۲/۱۷

[3] القرآن ۲/۱۱۴

[4] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد مطبوعہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۳۴-۲۳۵

درمختار قبیل باب الوتر والنوافل " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

کما نصوا علیہ فی معتمدات المذہب (جیسا کہ اس پر معتمدات مذہب نے تصریح کی ہے۔ ت)
اس طرح کا امام اگر اس دوسری مسجد کو میسر ہوگا تو اس میں بھی جمعہ جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱۸ تا ۱۱۲۱ از شہر پوربندر ملک کاٹھیاواڑ محلہ ڈیڈر روڈ مسئولہ کھتری عمر ابوبکر صاحب
۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل ذیل میں:

(۱) صحنِ مسجد داخل مسجد ہے یا خارج مسجد ہے؟

(۲) اذانِ ثانی جمعہ جو صحنِ مسجد میں پڑھی جائے تو داخل مسجد قرار پائے گی یا نہ؟

(۳) کوئی شخص باوجود داخل مسجد ہونے کے صحنِ مسجد میں نماز پڑھے تو اس کو مسجد کا پورا ثواب ملے گا یا کم؟

(۴) جنازہ مسجد میں یا صحنِ مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

صحنِ مسجد جزءِ مسجد ہے کما نص علیہ فی الحلیۃ (جیسا کہ حلیہ میں اس پر تصریح ہے۔ ت) اس میں نماز مسجد ہی میں نماز ہے، پٹے ہوئے درجے کو مسجد شتوی کہتے ہیں یعنی موسمِ سرما کی مسجد اور صحن کو مسجد صیفی یعنی موسمِ گرما کی مسجد۔ اذان مسجد میں منع ہے، نہ دالان میں اجازت ہے نہ صحن میں۔ مسجد و صحنِ مسجد میں جنازے کے لئے اجازت نہیں ھو الصحیح (یہی صحیح ہے۔ ت)۔ صحن کسی حکم میں مسجد سے جدا نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۲۲ از پیلی بھیت محلہ بھورے خاں مرسلہ حاجی عزیز احمد صاحب ۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ فصیلِ حوض خارج مسجد ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حوض قدیم کی فصیل فنائے مسجد ہے، نہ عین مسجد، ورنہ اس پر وضو ناجائز ہوتا، اور فنائے مسجد میں اذان جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲۳ از تریول سولول ڈاک خانہ ہرول ضلع دربھنگہ بلگرام چرسہ مرسلہ عبدالحکیم صاحب
۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک جگہ بستی میں بستی کے سارے مسلمان مل کر کے مسجد بنوایا لیکن زمین دوسرے آدمی کے نام سے۔ جس کے نام سے زمین ہے وہ دعوٰی کرتا ہے کہ وہ مسجد ہماری ہے ہم جس کو حکم دیں گے وہ نماز پڑھے گا اور ہم جس کو حکم دیں گے وہ امامت کرے گا۔ وہ جسے روک دیتا ہے اس مسجد میں اس کی نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اس

مسجد کو کیا کہا جائے گا؟

الجواب

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ان المسٰجد للہ[1] مساجد خاص اللہ کی ہیں۔ ان میں کسی کا کوئی دعوٰی نہ زمین والے کو نہ عملے والوں کا، اور بلا وجہ شرعی کسی سُنّی مسلمان کو مسجد سے منع کرنا حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

و من اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا[2]۔ اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے اُن میں اللہ کا نام لیا جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

مگر اُس کے منع کرنے سے نہ مسجد میں کوئی نقصان آئے گا نہ وُہ جسے منع کیا اُسے مسجد میں نماز پڑھنا منع ہو جائیگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۲۴ ازشہر رانچی قصاب محلہ مرسلہ شیخ ولی محمد سوداگر چرم ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مقلد وہابی جو تقلید کو بدعت کہے، ائمہ مجتہدین پر طعن کرے، ختم نبوت اور کرامات اولیا کا قائل نہ ہو، جناب ولی الاولیاء غوث الاعظم پر طعن کرے، انعقادِ مجلس میلاد اور یا رسول اللہ کہنے کو بدعت کہے، آمین بالجہر و رفع الیدین کرے وغیرہ وغیرہ، ایسے شخص کی اقتداء اور اس کی موانست و مکالمت صوم وصلٰوۃ جائز ہے یا نہیں؟ ایسے عقیدہ والوں کو واسطے دفع فتنہ وفساد کے جو موجب اس کا خلاف عقیدت باہمی سے مسجد میں نہ آنے دینا جائز ہے یا نہیں؟ بحسبِ فرمانِ شرع شریف بحوالہ کتب ارشاد ہو۔

الجواب

ایسا شخص کافر و مرتد ہے، اُس کے مرتد ہونے کے لئے صرف انکارِ خاتمیت ہی کافی ہے۔ قال اللہ تعالٰی ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین[3] (اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے: اور لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔ ت) تتمۃ الفتاوٰی اور اشباہ والنظائر میں ہے:

ان لم یعرف ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات[4]۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں کیونکہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن ۷۲/۱۸
[2] القرآن ۲/۱۱۴
[3] القرآن ۳۳/۴۰
[4] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۲۹۶

تقلید کو بدعت کہنا، ائمہ مجتہدین پر طعن کرنا اور بے تقلیدِ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ رفع یدین اور جہر سے آمین کہنا خباثات و علاماتِ غیر مقلدی ہیں اور کراماتِ اولیا سے انکار اور حضور سید الاولیا پر طعن گمراہی و بدنصیبی، اور مجلسِ میلادِ پاک اور یارسول اللہ کہنے کو بدعت کہنا شعارِ وہابیت ہے اور وہابی لوگ وغیر مقلدینِ زمانہ پر حکمِ کفر ہے جس کی تفصیل الکوکبۃ الشھابیۃ اور سل السیوف الھندیۃ اور حسام الحرمین سے روشن۔ شخص مذکور کے پیچھے نماز باطل محض ہے، اور اس سے مجالست و موانست حرام۔

قال اللہ تعالٰی و امّا ینسینّك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین[1]

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

وقال اللہ تعالٰی ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسّکم النار[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔ (ت)

دفعِ فتنہ و فساد بقدرِ قدرت فرض ہے، اور مفسدوں موذیوں کو بشرطِ استطاعت مسجد سے روکا جائے گا۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے پھر درمختار میں ہے: ویمنع منہ کل موذ ولو بلسانہ[3] (اور ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے روکا جائے گا اگرچہ اس کی اذیت زبان سے ہو۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۲۵ از دیرم گام ضلع احمد آباد گجرات جامع مسجد مرسلہ سید غلام محی الدین صاحب ۱۳ رجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دیرمگام گجرات میں جو عیدگاہ ہے اُس پر چند لوگ جن کا چار پانچ نفر سے زیادہ عدد نہیں خودبخود بلا اجازت بانی مسجد و بلا اجازت مسلمانانِ شہر ایسے قابض و متصرف ہوگئے ہیں کہ گویا وُہ مالک ہی ہیں، چنانچہ علی الاعلان اس امر کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ اس مسجد میں سوائے ہمارے دوسرے کا حق نہیں جس کو ہم چاہیں گے امام بنائیں گے، اور امام جو بناتے ہیں تو ایسا کہ جس کے پیچھے نماز پڑھنے میں تمام مسلمانانِ شہر اور اہلِ علم حضرات کراہت کرتے ہیں اور یہ کراہت شرعی ہوئی نہ مخالفت ذاتی پر قابضین کی قلیل جماعت کے عقائد کی یہ کیفیت ہے کہ نکاحِ ثانی کو حرام قطعی سمجھتے ہیں، اور مسجد پر تصرفات میں سے یہ بھی ہے کہ اہلِ شہر کے ساتھ نماز پڑھنے میں مزاحمت کرتے ہیں، آیا اہلِ شہر کو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دُوسری عیدگاہ قرار دے کر اہلِ شہر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۶/ ۶۸

[2] القرآن ۱۱/ ۱۱۳

[3] درمختار آخر باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

الجواب

اہلِ شہر کو اُس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور اُن لوگوں کو مزاحمت کا کوئی حق نہیں، اگر وہ مانع آئیں گے سخت ظالم ہوں گے۔

قال اللہ تعالیٰ ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی مساجد میں اللہ کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔ (ت)

اور ایسا امام کہ وہ مقرر کریں معتبر نہ ہوگا، امام وہی مانا جائے گا جسے عام مسلمانانِ شہر حسبِ شرائطِ شرعیہ مقرر کریں گے، اس کے سوا وہ امام جسے وہ پانچ چھ برخلافِ اہلِ شہر مقرر کریں نمازِ عید باطل محض ہوگی، اہلِ شہر اگر کسی وجہ سے اُس عیدگاہ میں نماز نہ پڑھ سکیں دوسری جگہ پڑھیں اگرچہ کسی میدان میں کہ عیدگاہ میں عمارت کی حاجت نہیں، اور اگر دوسری عیدگاہ ہی تعمیر کرنی مناسب ہو تو انھیں اس کا بھی اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۲۶ از مرادآباد مرسلہ مولوی عبدالباری ۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام بعد فراغت نماز جمعہ کے مقتدیوں کو اپنے پیچھے قطعی نماز نہ پڑھنے دے اور خود اذکار وغیرہ سے مشغول رہے اور مصلّی سے لے کر مسجد کے دروازے تک سیدھ میں کوئی نمازی نماز نہ پڑھنے پائے بلکہ اگر کسی نے نیّت بھی باندھ لی تو وہ نیت جبراً تڑوا دے اس لئے کہ اُس کے نکلنے میں حرج ہوگا کیونکہ اس کی عادت ہے بعد فراغتِ جمعہ بہت دیر کے بعد وہ اپنے حجرہ میں جاتا ہے، تو اتنی دیر تک کوئی مصلّی اس کے محاذ اور عقب میں نماز نہ پڑھے، اگر کسی ناواقف نے ایسا کر بھی لیا تو اس پر نہایت تشدّد کرتا ہے، یہ کہاں تک روا ہے؟

الجواب

اللہ عزّوجل فرماتا ہے: وان المسٰجد للہ[2] مسجدیں خالص اللہ کے لئے ہیں، اُن میں کسی کا ذاتی دعوٰی نہیں پہنچتا۔ اور فرماتا ہے: ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ[3] اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اُن میں نامِ الٰہی لئے جانے سے روکے، یہ سب ظلمِ شدید ہے اور بندھی ہُوئی

---

[1] القرآن ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن ۷۲/ ۱۸

[3] القرآن ۲/ ۱۱۴

نیت تڑوادینا اشد ظلم، ولا تبطلوا اعمالکم[1] (اور اپنے اعمال باطل نہ کرو۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۲۷ از شہر کہنہ محلہ نجار پورہ مسئولہ عبدالرحمان بیگ صاحب ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جو قدیمی تعمیر کردہ اہلسنت وجماعت کی ہے اور زمانۂ قدیم سے آج تک مسجد مذکورہ پر قبضہ بھی اہلسنت والجماعت کا، ایسی مسجد میں شیعہ وسُنّی ہر دو فریق کا باہم نماز پڑھنا اور اذان واقامت بھی ہر دو فریق کی ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اہل سنّت کی مسجد میں روافض کا کوئی حق نہیں، اہل سنّت کی معتمد کتابوں خلاصہ وفتح القدیر وعلمگیری و تنویرالابصار ودرمختار میں تصریح ہے کہ روافض کافر ہیں اور کافر کا مسجد میں کوئی حق نہیں۔ عبارت یہ ہے:

الرافضی اذاکان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللہ تعالیٰ، فهو کافر[2] واللہ تعالیٰ اعلم

رافضی جب شیخین کریمین کو گالی دے یا ان پر لعنت کرے (والعیاذ باللہ تعالیٰ) تو وہ کافر ہو گا (ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۲۸ از ملک بنگالہ قصبہ گوری پور ضلع میمن سنگھ مرسلہ میاں عبدالجلیل ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص بڑا فتّان ومفسد ہے، جماعت المسلمین بوجہ اُس کے افتراق ہوگیا ہے، لوگ دُوسری مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور وہ مفسد امام اس قوم باغین کا ہے اور یہ بغاوت دینی نہیں بلکہ محض نفسانیت ہے اس صورت میں اس مسجد کہنہ کو مسجد ضرار کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد کہنہ اُن کے جانے اور نماز پڑھنے پڑھانے سے مسجدِ ضرار نہیں ہوسکتی کہ مسجدِ ضرار وہ مسجد ہے جو ابتداءً افساد فی الدین وتفریق بین المومنین کے لئے بنائی گئی ہو۔

قال تعالیٰ "والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المومنین" الی قولہ تعالیٰ "امن اسس بنیانہ علی شفا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو" (اللہ تعالیٰ کے اس قول تک)

---

[1] القرآن ۴۷/ ۳۳

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۱

جرف ھار[1]۔ الآیۃ ‏ ‏"یا وہ جس نے اپنی نیو چنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے"۔ الآیۃ (ت)

تعمیر شدہ مسجد میں مفسدین کا جانا خواہ ان کا قبضہ وتسلط ہو جانا اُسے مسجد ضرار نہیں کرسکتا، جیسے واقعۂ حرّہ میں لشکریان یزید یا حادثہ نجد میں متبعان نجدی بلیدہ کا مساجد طیبۂ حرمین محترمین میں مفسدانہ دخل، والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۲۹: از گوہا لبارڑی ضلع مالوہ انگریز آباد ڈاک خانہ بھولاہاٹ مرسلہ شیخ غریب اللہ صاحب ۷ رجب ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں مسلمانان ہم قوم ہم مذہب قریب دو اڑھائی سو گھر کے رہتے ہیں اور ایک مسجد پختہ عرصہ دس بارہ برس سے کہ بنوائی ہُوئی انھیں مسلمانان کی ہے اور ایک دل ایک رائے ہوکر اسی مسجد میں نماز پنجگانہ جمیع مسلمانان باشندہ بستی مذکورہ ادا کرتے ہیں اتفاق وقت کہ بعد چند سال کے دو مسلمان رئیس میں جو رہنے والے اُسی بستی کے ہیں جھگڑا وتکرار دنیاوی دربارہ زمین خواہ کسی امر دنیاوی کے بپا ہوا اور ہنوز ہے یا نہیں ہے کہ منجملہ دو کے ایک نے بلا سبب اپنے زورِ نفسانی وضد میں آکر چالیس پچاس گھر مسلمانوں کو شامل اپنے لے کر اُس مسجد مذکورہ سے رُوگرداں ہوا اور ہوکر ایک مسجد گیاہی جسے پھوس کہتے ہیں اپنے مکان کے قریب تعمیر کرا کر نماز پنجگانہ مع ہمراہیان خود ادا کرتا ہے تو کیا رہتے ہوئے مسجد پختہ کے کہ مسجد ہذا سے مسجد گیاہ اندازی دو سو قدم پر واقع ہے اور اُن دونوں کے راستہ درمیان کسی طرح کا خوف جان ومال کا نہیں ہے، نماز پنجوقتی مسجد گیاہ میں ادا ہوسکتی ہے کہ نہیں، اس کے جواز ولاجواز سے جہاں تک تعجیل فرماکر ممتاز فرمایا جائے گا عین نوازش واکرام ہے، اور ان دونوں رئیسوں کا بلکہ سائر مسلمانان کا فیصلہ ہے مگر آنکہ اُن لوگوں نے جتنے روز تک اُس مسجد گیاہ میں جان بوجھ کر نماز پڑھی تو اُن سبھوں کی نماز ہُوئی یا نہیں، اور بصورت نکلنے حکم جواز آمنّا وصدقنا وبصورت نکلنے ناجواز اُن مسلمانوں روگردانوں پر از روئے شرع شریف کے کیا لازم آسکتا ہے اور اُن لوگوں کو جماعت میں پھوٹ ڈالنے والا کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے پر کیا حکم مطابق شرع کے جاری کیا جائے گا اور وہ لوگ کیا کہے جاسکتے ہیں؟ آگاہ فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جتنی نمازیں اُن لوگوں نے اس نئی مسجد میں پڑھیں اُن کی صحت اور اُن سے ادائے فرض میں تو اصلاً شبہہ نہیں اگرچہ یہ مسجد اُنھوں نے کسی نیت سے بنائی ہو،

---

[1] القرآن ۹/ ۱۰۷ و ۱۰۸ و ۱۰۹

لقول رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلٰوۃ فلیصل[1]

کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری خاطر ساری زمین مسجد اور پاک کردی گئی ہے، میرا امتی جہاں نماز کا وقت پائے وہاں ہی ادا کرلے۔ (ت)

ہاں یہ کہ وُہ مسجد شرعًا مسجد ہُوئی یا نہیں اور اُس میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں، اور یہ لوگ جماعت میں پھُوٹ ڈالنے والے ہُوئے یا نہیں۔ یہ امور اُن لوگوں کی نیت پر موقوف ہیں، اگر یہ مسجد انھوں نے بغرضِ نماز خالص اللہ عزوجل ہی کے لئے بنائی اگرچہ اُس پر باعث باہمی رنجش ہُوئی کہ بسبب رنج ایک جگہ جمع ہونا مناسب نہ جانا اور نماز بے مسجد ادا کرنی نہ چاہی، لہذا یہ مسجد بہ نیت بجا آوری نماز ہی بنائی تو اس کے مسجد ہونے اور اس میں نماز جائز و ثواب ہونے میں کوئی شبہ نہیں لانہ وقف صدر عن اھلہ فی محلہ علی وجھہ (کیونکہ یہ وقف ہے اہلِ وقف سے محلِ وقف میں طریق وقف کے مطابق وقف ہوئی ہے۔ ت) اور اس نیت کی حالت میں یہ لوگ جماعت میں پھُوٹ ڈالنے والے بھی نہیں ٹھہر سکتے کہ اُن کا مقصود اپنی نماز باجماعت ادا کرنا ہے، نہ دوسروں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنا، یہاں تک کہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اہلِ محلہ کو جائز ہے کہ بغرضِ نماز ایک مسجد کی دو مسجدیں کرلیں۔ درمختار میں ہے:

لاھل المحلۃ جعل المسجدین واحدا او عکسہ لصلٰوۃ لالدرس او ذکر[2]

اہلِ محلہ دو مساجد کو ایک یا اس کا عکس کرسکتے ہیں مگر نماز کے لئے، درس یا ذکر کے لئے ایسا نہیں کرسکتے۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

لاھل المحلۃ جعل المسجد الواحد مسجدین والاولی ان یکون لکل طائفۃ مؤذن[3]

اہلِ محلہ ایک مسجد کو دو مساجد بنا سکتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ہر گروہ کے لئے الگ موذن ہو۔ (ت)

اور اگر یہ نیت نہ تھی مسجد اللہ کے لئے نہ بنائی بلکہ اس سے مقصود اگلی مسجد کو ضرر پہنچانا اور اس کی جماعت کا متفرق کردینا تھا تو بیشک یہ مسجد نہ ہُوئی نہ اس میں نماز کی اجازت بلکہ نہ اس کے قائم رکھنے کی اجازت، اور اس صورت میں یہ لوگ ضرور تفریقِ جماعت مومنین کے وبال میں مبتلا ہُوئے کہ حرام قطعی و گناہِ عظیم ہے۔

قال اللہ تعالٰی والذین اتخذوا مسجدا

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور وہ لوگ جنھوں نے مسجد

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ باب قول النبی جعلت لی الارض مسجدا الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲

[2] درمختار آخر باب ما یفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۴

[3] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۳۴، ۲۳۵

ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین[1] الآیۃ — نقصان کا ذریعہ، کفر اور مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا۔ (ت)

مگر نیت امر باطن ہے اور مسلمان پر بدگمانی حرام وکبیرہ، اور ہرگز مسلمان سے متوقع نہیں کہ اس نے ایسی فاسد ملعون نیت سے مسجد بنائی۔

قال اللہ تعالٰی ولا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا[2] — اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: نہ پیچھے لگ اس چیز کے جس کا تجھے علم نہیں کیونکہ سمع، بصر اور دل ہر ایک کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (ت)

تو بے ثبوت کافی شرعی ہرگز اس بُری نیت کا گمان کرنا جائز نہیں بلکہ اُسی پہلی نیت پر محمول کریں گے اور مسجد کو مسجد اور اس میں نماز کو جائز وثواب اور اس کی آبادی کو بھی ضرور سمجھیں گے۔

مسئلہ ۱۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد صغیر وکبیر میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور اس کے ذریعے تحقیق تک وصول ہوتا ہے۔ ت) تحقیق یہ ہے کہ علمائے کرام ان مسئلوں میں مسجد صغیر وکبیر میں فرماتے ہیں: ایک مسئلہ صحت اقتدا و اتصال صفوف کہ مسجد بقعہ واحدہ ہے اُس میں امام ومقتدی کا فصل مانع صحتِ اقتدا نہیں اگرچہ امام محراب میں اور مقتدی یا صف قریب باب ہو مگر مسجد کبیر میں حکم مثل صحرا ہے کہ اگر امام وصف میں اتنا فاصلہ ہو جس میں دو صفیں ہوسکتیں تو اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ دوسرے مسئلہ اثم مرور پیش مصلی کہ مسجد میں دیوار قبلہ تک جائز نہیں جب تک بیچ میں حائل نہ ہو، ہاں مسجد کبیر مثل صحرا ہے کہ مصلی جب خاشعین کی سی نماز پڑھے کہ نگاہ موضع سجود پر جمائے رہے تو اس حالت میں جہاں تک اس کی نظر پہنچے کہ نظر کا قاعدہ ہے جہاں جمائی جائے اس سے کچھ آگے بڑھتی ہے وہاں تک گزرنا ممنوع وناجائز ہے اس سے آگے روا، ان دونوں مسئلوں میں مسجد کبیر سے ایک ہی مراد ہے یعنی نہایت درجہ عظیم ووسیع مسجد جیسی جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر تھی یا جامع قدس شریف کہ تین مسجدوں کا مجموعہ ہے، باقی عام مساجد جس طرح عامۂ بلاد میں ہوتی ہیں سب ان دونوں حکموں میں متحد ہیں اگرچہ طول وعرض میں سَو سَو گز ہوں،

---

[1] القرآن ۹/ ۱۰۷

[2] القرآن ۱۷/ ۳۶

اما ما وقع فی القهستانیة عند ذکر المسجد الصغیر، هو اقل من ستین ذراعا، و قیل من اربعین وهو المختار، کما اشار الیه فی الجواهر[1] و فی الطحطاوی قوله او بمسجد کبیر هو ما کان اربعین ذراعا فاکثر والصغیر ما کان اقل من ذٰلك وهو المختار قهستانی عن الجواهر[2] وفی الشامیة[3] بمثله بالسند المذکور فرأیتنی کتبت علیه فیما علقت علی ردالمحتار مانصه **اقول** وبالله التوفیق یظهر لی ان هذا خطاء بل الحاصل ههنا فی الصغیر والکبیر ما تقدم فی الکتاب (اعنی ردالمحتار عن الامداد) فی مسئلة الفصل المانع عن الاقتداء انه لا یمنع الا فی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس وذٰلك لانهم عللوا کراهة المرور بین یدیه فی المسجد الصغیر الی جدار القبلة بان المسجد بقعة واحدة کما فی شرح الوقایة وفی شرحنا هذا وقد ذکر محشینا فی تقریره مسألة الفصل المانع فقال بخلاف المسجد الکبیر فانه جعل فیه مانعا الخ فانظر ای کبیر ذٰلك ما هو الا الکبیر جدا

قہستانیہ میں مسجد صغیر کے تذکرہ میں جو ہے کہ وہ ساٹھ گز سے کم ہوتی ہے بعض کے نزدیک چالیس گز، یہی مختار ہے۔ اسی کی طرف جواہر میں اشارہ ہے۔ طحطاوی میں ہے کہ اس کا قول "یا مسجد کبیر جو چالیس گز یا اس سے زائد ہو اور صغیر وُہ ہے جو اس سے چھوٹی ہو، یہی مختار ہے"۔ قہستانی عن الجواہر اور شامیہ میں سند مذکور کے ساتھ اسی طرح ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ردالمحتار کے حاشیہ میں لکھا' **اقول** (میں کہتا ہوں) اللہ کی توفیق سے مجھ پر یہ واضح ہُوا کہ یہ خطا و غلط ہے بلکہ صغیر و کبیر مسجد میں حاصل وہی چیز ہے جو کتاب (یعنی ردالمحتار میں امداد کے حوالے سے) اس فصل کے تحت گزرا جو "اقتدا سے مانع کے بیان" میں ہے اس مسجد میں مانع ہے جو بہت ہی بڑی ہو مثلاً مسجد قدس، کیونکہ فقہاء نے مسجد صغیر میں قبلہ کی جانب نمازی کے آگے سے گزرنے سے منع پر جو علت بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد ایک ہی ٹکڑا کی طرح ہے جیسا کہ شرح الوقایہ اور ہماری اس شرح میں ہے اور ہمارے محشی نے فاصل مانع کو بیان کرتے ہوئے کہا بخلاف مسجد کبیر کے، کیونکہ اس میں مانع بنایا گیا ہے الخ غور کرو بڑی کونسی مسجد ہے وُہ وہی ہوگی جو بہت ہی بڑی ہو مثلاً

---

[1] جامع الرموز — فصل ما یفسد الصلوٰۃ — مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران — ۱/۲۰۱
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار — باب ما یفسد الصلوٰۃ — مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت — ۱/۲۶۸
[3] رد المحتار — " " " " — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۶۳۴

كمسجد القدس، وما ذكر القهستاني عن
الجواهر فانما كان في الدار في مسئلة الفصل
لا في المسجد كما مرت عبارة الجواهر (حيث
قال العلامة المحشي) في القهستاني :
البيت كالصحراء والاصح انه كالمسجد،
ولهذا يجوز الاقتداء فيه بلا اتصال
الصفوف كما في المنية اھ ولم يذكر حكم
الدار فليراجع، لكن ظاهر التقييد
بالصحراء والمسجد الكبير ان الدار
كالبيت تامل، ثم رأيت في حاشية المدني
عن جواهر الفتاوى ان قاضي خان سئل
عن ذلك، فقال: اختلفوا فيه، فقدره
بعضهم بستين ذراعا وبعضهم قال ان
كانت اربعين ذراعا فهي كبيرة والا فصغيرة،
هذا هو المختار اھ وحاصله ان الدار
الكبيرة كالصحراء والصغيرة كالمسجد، و
ان المختار في تقدير الكبيرة اربعون ذراعا[1]۔

اقول وبهذا تلتئم كلماتهم ولله
الحمد۔ فان منهم من قيد هذه المسئلة
بالمسجد الصغير كمتننا هذا و

مسجد قدس۔ جو کچھ قہستانی نے جواہر سے نقل کیا ہے
وہ گھر میں مسئلہ فصل کے بارے میں ہے نہ کہ مسجد
کے بارے میں، جیسے کہ عبارتِ جواہر سے گزرا (کیونکہ اس
کے الفاظ یہ ہیں کہ علامہ محشی نے قہستانی میں کہا کہ گھر کھلے
میدان کی طرح ہے اور اصح یہ ہے کہ بیت، مسجد کی طرح
ہوتا ہے اسی لئے اس میں بلا اتصالِ صفوف بھی اقتدا
جائز ہوتی ہے، جیسا کہ منیہ میں ہے اھ اور دار کا حکم
بیان نہیں کیا، چاہیے کہ غور کیا جائے، لیکن ظاہراً صحرا
یا مسجد کبیر کو بہت بڑا قرار دینا آگاہ کر رہا ہے کہ دار کا
حکم گھر والا ہے تامل، پھر میں نے حاشیہ مدنی میں
جواہر الفتاوٰی سے دیکھا کہ قاضی خاں سے اس بارے
میں پُوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا اس میں اختلاف
ہے بعض نے ساٹھ گز کہا ہے بعض نے کہا کہ اگر
چالیس گز ہو تو بڑی مسجد ورنہ چھوٹی، اور یہی مختار ہے اھ
حاصل یہ ہے کہ بڑی دار صحرا کی طرح اور چھوٹی
دار مسجد کی طرح ہے اگرچہ مختار بڑی مسجد کیلئے چالیس گز
ہونا ہی ہو۔

اقول اس سے فقہاء کی تمام عبارات
میں تطبیق ہوگئی وللہ الحمد، کیونکہ بعض نے اس مسئلہ
کو مسجد صغیر کے ساتھ مقید کیا ہے جیسے کہ ہمارے

ف: اعلحضرت رحمہ اللہ نے یہاں سے اقول تک شامی کی عبارت نقل کی ہے پھر اقول وبھذا تلتئم سے
آخر تک اعلحضرت کا اپنا حاشیہ ہے۔ نذیر احمد

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ١/٥٨٥

الغرر والنقایة والبحر والکافی والبرجندی عن المنصوریة عن الامام قاضی خان وظهیر الدین المرغینانی، ومنهم من اطلق کالخلاصة وجوامع الفقه کما فی الفتح والمراد واحد فان الصغیر احتراز عن الکبیر جدا، فعامة المساجد فی حکم الصغیر فساغ الاطلاق لمن اطلق بل اوضحه جدا کلام العلامة ابن الشبلی علی التبیین عن الدرایة عن شیخ الاسلام ان هذا اعتبار موضع السجود اذا کان فی الصحراء او فی الجامع الذی له حکم الصحراء اما فی المسجد فالحد هو المسجد اھ فانظر کیف اطلق المسجد واراد به مقابل ذلک الکبیر جدا، وایضا تلتئم کلمات الذخیرة فانه ذکر فی الفصل الرابع من کتاب الصلوٰة فی مسئلة المرور الاصح ان بقاع المسجد فی ذلک کله علی السواء الخ۔ واستشهد علیه بکلام محمد المطلق فی المساجد، غیر المختص قطعاً بما دون اربعین ثم اعاد المسئلة فی الفصل التاسع فقال ان کان المسجد صغیرا یکره فی ای موضع یمر والی هذا اشار محمد فی الاصل فذکر ذلک الکلام لمحمد بعینه فعلم وللّٰه الحمد ان المراد بالمطلق والمقید واحد وهی المساجد کلها سوی ما یمنع فیه الفصل بصفین الاقتداء ولا ینافیه اطلاق من اطلق وقال انما یأثم بالمرور فی موضع السجود کفخر الاسلام وصاحب الهدایة والوقایة وغیرهم وذلک لان المشائخ

اس متن غرر، نقایہ، بحر، کافی اور برجندی میں منصوریہ سے قاضی خاں اور ظہیر الدین مرغینانی کے حوالے سے کہا اور بعض نے اس کو مطلق رکھا، مثلاً خلاصہ اور جوامع الفقہ، جیسا کہ فتح میں ہے، اور مراد ایک ہی ہے کیونکہ صغیر ایسی کبیر سے احتراز ہے جو بہت ہی بڑی ہو تو اکثر مساجد صغیر کا حکم رکھتی ہیں تو جس نے مطلق رکھا اس کا اطلاق جائز ہوگیا بلکہ علامہ ابن الشبلی نے تبیین پر درایہ سے شیخ الاسلام کے حوالے سے خوب واضح کیا ہے کہ موضع سجدہ کا اعتبار تب ہوتا ہے جب صحرا ہو یا ایسی جامع مسجد ہو جو حکم صحرا رکھتی ہو، رہا دیگر مسجد کا معاملہ تو وہاں یہ حدِ مسجد ہی ہے اھ آپ غور کریں انھوں نے مسجد کو مطلق رکھا اور اس سے مراد ایسی مسجد لی جو بہت ہی بڑی کے مقابل ہو، اور کلماتِ ذخیرہ بھی جمع ہو گئے کیونکہ انھوں نے کتاب الصلوٰۃ کی فصل رابع میں نمازی کے آگے سے گزر نے کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ اصح یہ ہے کہ مسجد کے تمام مقامات اس میں برابر ہیں الخ اور اس پر استشہاد امام محمد کے کلام سے کیا جو مساجد کے معاملہ میں مطلق ہے اور چالیس گز سے کم مسجد کے ساتھ ہرگز مخصوص نہیں پھر نویں فصل میں مسئلہ دُہرایا اور کہا اگر مسجد چھوٹی ہو تو ہر جگہ سے گزرنا مکروہ ہے، اور اسی کی طرف امام محمد نے اصل میں اشارہ فرمایا اور امام محمد کی عبارت بعینہٖ نقل کی للّٰہ الحمد اس سے واضح ہوگیا کہ یہاں مطلق اور مقید دونوں سے مراد ایک ہی ہے اور تمام مساجد کا معاملہ مساوی ہے۔ ان میں دو صفوں کا فاصلہ اقتداء کے لئے مانع ہے، اور مطلق کہنے والے کا اطلاق جس نے یوں کہا ہے

كبقعة واحدة فالى جدار القبلة كله فى حكم موضع السجود كما قال فى شرح الوقاية بل اشار اليه محمد فى الاصل كما فى الذخيرة فتحصل ولله الحمد ان لاخلاف بينهم وان الممنوع فى المسجد المرور مطلقا الى جدار القبلة وفى الجامع الكبير جدا او الصحراء الى موضع نظر المصلى الخاشع به ظهر ان بحث المحقق فى الفتح وقع مخالفا للمذهب ولما اطبقوا عليه فاغتنمه فان هذا التحرير من فيض القدير على العاجز الفقير ولله الحمد حمدا كثيرا طيبا مبارکا فیہ اھ ماکتبت علیـــہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کہ نمازی کے آگے سے جائے سجدہ پر گزرنے والا گنہگار ہوگا، اس کا یہ اطلاق فخر الاسلام، صاحبِ ہدایہ اور وقایہ وغیرہ کے منافی نہیں ہے، یہ اس لئے کہ مساجد ایک ٹکڑا کی مانند ہوتی ہیں پس وُہ قبلہ کی دیوار تک تمام کی تمام موضع سجدہ کا حکم رکھتی ہیں جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے، بلکہ اس کی طرف امام محمد نے اصل میں اشارہ فرمایا جیسا کہ ذخیرہ میں ہے، للہ الحمد واضح ہوگیا کہ ان کے درمیان اختلاف نہیں اور گزرنا مسجد میں دیوارِ قبلہ تک مطلقاً ممنوع ہے، اور بہت بڑی جامع مسجد ہو یا صحرا ہو تو پھر خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے نمازی کی نظر کے پھیلاؤ تک آگے سے گزرنا ممنوع ہے۔ اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ فتح میں محقق کی بحث مذہب متفق علیہ کے خلاف ہے۔ اس تقریر کو غنیمت جان لو کیونکہ اس عاجز فقیر پر رب قدیر کا عطیہ ہے، اللہ ہی کے لئے حمد کثیر مبارک اور طیب ہے، وہ ختم ہوا جو میں نے وہاں لکھا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳۱ ازشہر محلہ جسولی مسئولہ مولوی غلام جان پنجابی طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۱۶ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید نے دس برس ہُوئے مسجد کے پیچھے جو زید کا مکان مسجد کے متصل بلا خلا تھا اور مسجد کی بنا سے اُس کی بنا جُدا گانہ تھی اور زمین بھی زید کی اپنی موروثی تھی اُس مکان پر زید نے ایک بالاخانہ بنایا اور زید کے نیچے مکان کا چھت مسجد کی چھت کے برابر ہے صرف بالاخانہ مسجد سے اُونچا ہے بلکہ بالاخانہ مسجد کے برابر بھی نہیں ہے، مسجد کے بائیں جانب طالب علم کے حجرے کے برابر ہے، ہاں کچھ تھوڑا سا کونا بالاخانے کا مسجد کے کونے کے برابر بھی ہے لیکن زید بالاخانہ بنانے کے بعد دل میں نادم ہُوا اور چونکہ روپیہ خرچ ہوچکا تھا اس وجہ سے اس نے بالاخانے کو اُکھیڑا نہیں لیکن مسجد کی عزت کی وجہ سے زید مع آل وعیال بالاخانہ میں نہیں رہتا نیچے مکان میں رہتا ہے اب اس بالاخانے کو اُکھیڑنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ مسجد کی کسی چیز میں تصرف نہ ہو تو اس کا اکھیڑنا کچھ ضرور نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۳۲ از سیرام پور ضلع ہوگلی مرسلہ محمد عبدالحکیم بڑی مرچنٹ ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد قبل سے ہے اور نماز پنجگانہ ہُوا کرتی ہے اور متولی مسجد کا سہ منزلہ مکان مسجد کے متصل ہے بعد انتقال متولی کے لوگوں نے مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور عذر یہ ہے کہ جس مسجد کے قریب کوئی اونچی عمارت ہو اُس مسجد میں نماز نہیں جائز ہے، لہذا لوگوں نے دوسری مسجد متصل پہلی مسجد کے پندرہ قدم کے فاصلہ میں بناتے ہیں اور منع کرنے سے نہیں مانتے حالانکہ اس مسجد کے بنانے سے سابق مسجد کے ویران ہونے کا احتمال ہے لہذا حکم خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا ہے؟

الجواب

یہ محض جاہلانہ باطل خیال ہے، شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں، کعبہ معظمہ کے گرد مکہ مکرمہ میں بہت بلند بلند کئی کئی منزل کے مکان ہیں کہ بظاہر کعبہ معظمہ سے بہت اُونچے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ نہ کوئی مکان کعبہ معظمہ سے اونچا ہوسکتا ہے نہ کسی مسجد سے کہ کعبہ و مسجد اُن ظاہری دیواروں کا نام نہیں بلکہ اُتنی جگہ کے محاذی ساتوں آسمان تک سب مسجد ہے اُس سے اُونچا کیا اُس کے کروڑویں حصے برابر کوئی مکان بلند نہیں ہوسکتا اگرچہ سو منزلہ ہو، درمختار میں ہے:

انہ مسجد الی عنان السماء[1] (یہ آسمان تک مسجد ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

وکذا الی تحت الثری کما فی البیری عن الاسبیجابی[2]۔ اور اسی طرح تحت الثرٰی تک، جیسا کہ بیری میں اسبیجابی سے ہے۔ (ت)

اس بیہودہ خیال کی بنا پر دوسری مسجد پندرہ بیس قدم کے فاصلہ پر بنانا جس سے پہلی مسجد کی جماعت کو نقصان پہنچے خود ہی ممنوع تھا، ایک تو وہ خیال باطل، دوسرے جماعت میں تفریق کہ مسجد ضرار کے اغراض فاسدہ سے ایک غرض ہے، قال تعالٰی وتفریقا بین المؤمنین[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو۔ ت) یہاں کہ اس سے مقصود مسجد اوّل کا باطل و معطل کردینا ہے یہ سخت حرام اشد ظلم ہے۔

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعٰی فی خرابہا[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون، جو اللہ کی مساجد سے اس کے نام کے ذکر کو روکتا ہے اور انھیں خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] ردالمحتار ” مطلب فی احکام المسجد ” ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۵۶

[3] القرآن ۹/۱۰۷

[4] القرآن ۲/۱۱۴

مسئلہ ۱۱۳۲ از موضع بیرا ڈاک خانہ سٹرا گنج ضلع ڈھاکہ ملک بنگال مرسلہ مولوی خواجہ شمس الدین محمد فریدی
۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اطراف ضلع فریدپور موضع کھونڈا میں قدیم سے ایک مسجد ہے جس میں اہلِ محلہ پنجگانہ و نماز جمعہ پڑھتے چلے آئے ہیں ان دنوں دنیاوی کسی لین دین کے جھگڑے میں بعض مصلی وغیر مصلی اس مسجد قدیم کے مقابل چار پانچ سو ہاتھ کے فاصلہ میں محض ضد و مخالفت سے دوسری ایک مسجد بنائی ہے اور اس مسجد قدیم کے باقی مصلی صاحبوں کو یہاں سے بھگا کر لے جانے کی پوری کوشش کر رہا ہے تاکہ یہ مسجد ویران ہو جائے اور یہاں پڑھنے والے لوگ اچھی طرح سے ضبط ہو جائیں، مسجد قدیم میں امام صاحب و متولی صاحب و دیگر مصلی صاحبان کبھی کسی کو پڑھنے سے مانع مزاحم نہ ہوا اور نہ اس لین دین کے جھگڑے میں شامل ہے تاہم چند قدیمی مصلی صاحبوں کو بوجہ عداوت و مخالفت یہاں سے بھگا لے گیا ہے۔ پس اس صورت میں مسجد جدید میں نماز جائز ہوگی یا حکم میں مسجد ضرار کے ہوگا؟ اگر شرعاً مسجدِ ضرار قرار پائے بوجہ مخالفت و عداوت و تفریقِ جماعت، تو اس مسجد کو کیا کرنا ہوگا؟ اگر شرعاً مسجد جدید مسجدِ ضرار ثابت ہو جائے تو جن مولوی صاحبان نے جدید مسجد میں نماز عدمِ جواز د مسجدِ ضرار فرمایا تھا اُن عالموں کو گالی دینے و بُرا کہنے و عداوت رکھنے، حقیر جاننے والے پر شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر واقع میں ایسا ہی ہے کہ یہ لوگ یہ مسجد اللہ کے لئے نہیں بناتے محض ضد اور نفسانیت اور مسجد قدیم کی جماعت متفرق کرنے کے لئے بناتے ہیں تو ضرور وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے اور اس حالت میں اُن لوگوں کو جو اسے مسجد ضرار کہتے ہیں بُرا کہنا اور گالی دینا سخت حرام اور موجب عذابِ شدید ہے اور اگر واقعی کسی جھگڑے کے سبب وہ مسجد قدیم میں نہیں آسکتے اور وہاں نماز پڑھنے میں صحیح اندیشہ اپنی آبرو وغیرہ کا رکھتے ہیں اس مجبوری سے اس میں آنا ترک کرکے اور اپنی جماعت کے لئے دوسری مسجد لوجہ اللہ بناتے ہیں تو وہ ہرگز مسجد ضرار نہیں ہوسکتی، جو اسے ضرار کہتے ہیں بُرا کرتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۳۳ از موضع سیسی تحصیل و ڈاک خانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالرحمٰن پدھان ۲ صفر ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرے گاؤں کی مسجد پُرانی خام تھی، وہ شکستہ بھی ہے، دوسرے آبادی کم ہو جانے سے ایک کنارے پر آبادی کے ہوگئی ہے جو بہت بے موقع ہے، اس لئے مسجد اندر آبادی جدید تعمیر کرانے کی خواہش ہے، اس واسطے مطابق حکم شرع شریف دوسری جگہ میں مسجد جدید تعمیر ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتی ہے تو کس طرح؟ خلاصہ حکم سے آگاہی بخشئے۔

الجواب

مسجد بیچ آبادی میں تعمیر کریں ثواب عظیم پائیں گے، اور اُس پہلی مسجد کا بھی آباد رکھنا فرض ہے، اُس کنارے والے پانچوں وقت اُس میں نماز پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۳ تا ۱۱۳ از شہر محلہ گڑھیا موصولہ از شیخ ولایت حسین

ایک مسجد متصل کتب خانہ دو منزلہ پر واقع تھی دیوار زینہ مسجد پر اہلِ ہنود سے بحق ملکیت تنازعہ ہو کر کل مکانات مع جائے تنازعہ کے اہلِ اسلام صاحبان بریلی نے بحق مسجد و زیارت مع ایک قطعہ دیگر اراضی ہنود سے خرید لیا، مسجد نہایت چھوٹی ہونے کے سبب توسیع اُس کی ہونا تجویز کیا گیا، انجمن اسلامیہ بریلی نے تمام تعمیر وغیرہ کا انتظام اپنے ذمہ یعنی سپردگی میں لیا اور توسیع مسجد مذکورہ قطعہ اراضی دیگر میں تجویز کر کے کام تعمیر شروع کیا، مسجد کہنہ کو چھوڑ کر متصل اُس کے دوسری مسجد جدید تعمیر کی اور مسجد کہنہ کو ایسا منہدم کیا کہ نشان تک اُس کا باقی نہ رہا اور جائے مسجد کہنہ کو دیگر دکانات میں بغرض حصولِ زر شامل کر لیا جاتا ہے، سوالاتِ ذیل برائے جواب پیش ہیں:

(۱) بجائے توسیع مسجد کہنہ کے دوسری جگہ جدید مسجد تعمیر ہونا کیا مسجد اول کا حکم بموجب شرع شریف رکھے گی؟

(۲) جگہ مسجد کہنہ منہدمہ کو دیگر تعمیر دنیوی میں شامل کر کے کام میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جن اہل اسلام صاحبان سے یہ فعل مذکورہ بالا ظہور میں آیا، حکماً یا عملاً مشیر، اُن کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) بقیہ اہلِ اسلام کو فاعل مذکورہ بالا سے کیا عمل درآمد کرنا چاہیے؟

الجواب

جبکہ اس مسجد جدید کو بھی مسلمانوں نے مسجد کر لیا یہ بھی مسجد ہو گئی، مسجد اول کی اور اس کی دونوں کی حفاظت و آبادی فرض ہے، مسجد اول کو منہدم کر کے تعمیر دنیوی نہیں تعمیر دینی ہی میں شامل کر دینا حرام حرام سخت حرام ہے جنھوں نے ایسا کیا ہو اور جو اس میں مشیر ہوں اور جو اسے جائز رکھیں سب اس آیۂ کریمہ کے تحت میں ہیں:

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا اولٰئك ما کان لھم ان ید خلوھا الا خائفین ۵ لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم[1]

اُن سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اُن میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکیں اور اُن کی ویرانی میں کوشاں ہوں، انھیں تو مسجدوں میں قدم رکھنا روا نہ تھا مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

---

[1] القرآن ۲/ ۱۱۴ و ۱۱۵

فرض فرض فرض قطعی فرض ہے کہ مسجدِ اول کو بھی بدستور مسجد رکھیں، اور اگر اُس کی دُکانیں کرلی گئی ہوں فرضِ قطعی ہے کہ فوراً فوراً اُن دکانوں کو منہدم کر کے بدستور مسجد کا اعادہ کریں ورنہ عذابِ عظیم کے مستحق ہوں گے، جو نہ مانیں اور قرآنِ عظیم کی مخالفت پر اڑے رہیں مسلمانوں کو اُن سے اجتناب لازم ہے، اُن کے پاس بیٹھنا منع ہے۔

قال اللہ تعالیٰ واما ینسینك الشیطان فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین[1] — اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر کبھی شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو مسجد ویران کر کے اُس کا دُکانیں کرلے وُہ لوگ اگر مخالفتِ خدا سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ کوشش کر کے مسجدِ منہدم کو پھر مسجد کرلیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۱ از چھاؤنی نیمچہ توپ خانہ ٹین نزد مسجد حافظ محمد عبدالرؤف خاں پیش امام مسجد

مسجد بنانا فرض ہے یا واجب یا مستحب؟ اور بُرا ہے وُہ پیسہ جو خرچ ہو گارے پتھر میں، اس واسطے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں چند آدمی حاضر ہُوئے، عرض کیا: یا امام! ہم ایک مسجد بنواتے ہیں کچھ آپ تبرکاً عنایت فرمائیے کہ برکت ہو۔ امام صاحب نے پہلے چہرہ سائلین کی طرف سے پھیر کر خراب مُنہ بنایا اور ایک درہم نکال کر دے دیا، دوسرے روز وہ شخص آئے اور وُہ درہم واپس دے کر کہنے لگے کہ حضرت! لیجئے یہ درہم کھوٹا ہے اس کو بازار قبول نہیں کرتا۔ امام صاحب نے وہ درہم لے کر رکھ لیا اور فرمایا خوش ہو کر کہ: خراب ہے وُہ پیسہ جو گارے پتھر میں خرچ ہووے۔

الجواب

یہ شیطانی خیال ہیں، اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حکایت نقل کی وہ محض کذب، دروغ اور شیطانی گھڑت ہے۔ ہر شہر میں ایک مسجد جامع بنانا واجب ہے اور ہر محلہ میں ایک مسجد بنانے کا حکم ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ببناء المساجد فی الدور وان تنظف[2] — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر محلے میں مسجدیں بنوائی جائیں اور یہ کہ وہ سُتھری رکھی جائیں۔

بنائے مسجد میں جو مال صرف ہوتا ہے وُہ گارے پتھر میں صرف نہیں ہوتا بلکہ رضائے ربِ اکبر میں۔ اللہ عزوجل

---

[1] القرآن ۶/ ۶۸

[2] سنن ابوداؤد — باب اتخاذ المساجد فی الدور — مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور — ص ۶۶

سنن ابن ماجہ — باب تطہیر المساجد وتطییبہا — " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ص ۵۵

فرماتا ہے :

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع[1] مسجدوں کے بلند کرنے کا اللہ نے اذن دیا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ زاد فی روایۃ من در و یاقوت[2] جو اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے لئے جنت میں موتیوں اور یاقوت کا گھر بنائے ۔

واللہ تعالٰی اعلم

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹ از قطب پور ڈاکخانہ پیرگنج ضلع رنگ پور مسئولہ رحمت اللہ صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین کہ ایک مسجد قدیم از مال حلال تیار کیا گیا تھا اور وقف بھی کیا گیا اس وقت ایک سود خور کے سُود کا مال اور حلال مال دونوں مخلوط ہوگئے ، دونوں میں تمیز نہیں ہو سکتی کہ کون حرام کون حلال ہے ، مسجد قدیم کو تعمیر کیا یعنی گھر کو ٹین دیا اور صحنِ مسجد کو اینٹ سے پختہ کیا اور مصلیوں کے وضو کے واسطے کنواں بنوا دیا ۔ اب عرض یہ ہے کہ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

صورت مذکورہ میں اُس مسجد میں نماز پڑھنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ اُس کا آباد رکھنا فرض ہے اور سُود کی مخلوط آدمی سے ٹین اور فرش اور کُنواں بنانے میں مسجد میں کوئی حرج نہیں آتا بلکہ اُس فرش پر نماز جائز اور اُس کنویں سے پینا اور وضو کرنا حلال ۔ امام محمد فرماتے ہیں : بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[3] (اسی پر ہمارا عمل ہے جب تک ہم کسی شَے کو حرام نہ جان لیں ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۰ از کیس اسٹریٹ صاحب بگانی مرسلہ حکیم سید محمد اسمٰعیل صاحب ۲۸ جمادی الاخری ۱۳۳۷ھ

حضرت مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، حضور کو ایک امر کی تکلیف دی جاتی ہے اور چونکہ یہ خدا کا کام ہے اور حضور ہم لوگوں کے آقا ہیں ، حضور سے دریافت کرنا

---

[1] القرآن ۲۴ / ۳۶

[2] الصحیح للمسلم کتاب المساجد مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱ / ۲۰۱
کتاب الزہد ۲ / ۴۱۱
مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب بناء المساجد مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۲ / ۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ ظہیریۃ الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵ / ۳۴۲

میرا فرض منصبی ہے، ایک مسجد بنانے کی خواہش، صرف حضور سے اجازت اس امر کی لینی ہے، یہاں اکثر پرانی اینٹ ملتی ہے اور وہ اینٹ پاک عمدہ ملتی ہے تو اس اینٹ سے مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ حضور کی جیسی رائے عالی ہو اس سے بہت جلد بواپسی ڈاک مطلع فرمائیں، خداوند کریم حضور کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

الجواب

جناب سید صاحب مکرم اکرمکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فقیر جبلپور آیا ہوا ہے، آپ کا عنایت نامہ بریلی سے یہاں آیا، ایسے سوالوں کا خیال ادب والے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، مولٰی تعالٰی توفیق و برکات زائد دے، اینٹ اگرچہ پرانی استعمال شدہ ہے مگر جبکہ پاک ہے مسجد میں لگا سکتے ہیں جیسے زمینِ مسجد کہ اصل مسجد وہی ہے، پہلے کوئی مکان معبدِ کفار ہو اور اسے توڑ کر مسجد کیا جاتا ہے، مسجد اقدس مدینہ طیبہ کی زمین میں مشرکین کا قبرستان تھا اُن کی قبریں کھدوا کر اُن کی ہڈیوں وغیرہا کی نجاستوں سے صاف فرما کر حضور انور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اُسے مسجد فرمایا۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴۱ از ہلدوانی ضلع نینی تال مرسلہ حافظ اسرار الحق صاحب ۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک مکان پختہ وقف کردیا، تھوڑے عرصہ کے بعد وہ مکان گورنمنٹ نے اُٹھادیا، اس مکان کے بدلے دوسری جگہ زمین دے دی، جو زمین مکان کے عوض میں ملی تھی وہ چند شخص جمع ہو کر کے مبلغ پچاس روپے کو فروخت کردی گئی، آیا زمین کا بیع کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب

وہ زمین اگر مسلمانوں نے مسجد کردی تو اُسے بیچنا جائز نہیں، اور اگر ہنوز ابھی مسجد نہ کی تھی اور وہ مناسب نہیں اسے بیچ کر دوسری مناسب جگہ مسجد بنانا چاہتے ہیں تو حرج نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴۲ تا ۱۱۴۳ از قصبہ ڈبھوئی ریاست بڑودہ مرسلہ حاجی شرف الدین عمر میاں متولی جامع مسجد ۱۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اس قصبہ ڈبھوئی ریاست بڑودہ میں ایک عیدگاہ قدیم زمانے کی بنی ہوئی ہے، اس کے نزدیک ریل کا احاطہ ہے۔ اب ریلوے کمپنی والے اس ریل کے احاطے کو بڑھانے کی غرض سے عیدگاہ کو گراکر اور جا پر بنا دینا چاہتے ہیں، آیا یہ شرع شریف میں درست ہے یا نہیں؟ اگر مسلمانانِ ڈبھوئی اس عیدگاہ کو نہ دیں تو ریاست کی جانب سے جبراً گرا دینے کا اندیشہ ہے اس حالت میں کیا کیا جائے؟

(۲) ریاست بڑودہ تعلقہ سنگھیڑا موضع ماکنی کے قریب جنگل میں ایک مسجد قدیم شاہی زمانے کی بنی ہوئی اس

وقت مسمار حالت میں ہے، اس مسجد میں چند قیمتی پتھر، محرابیں، کھمبے وغیرہ جو نقشی کام کئے ہوئے ہیں زمین پر گرے ہوئے ہیں، اس موضع کے ہنود وغیرہ جن کی حالت اچھی ہے اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اس موضع کے مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں ہے کہ اس مسجد کو پھر تعمیر کرسکیں، لہٰذا ان پتھروں کو لے جا کر کسی اور قصبہ کی مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر مسلمان ان پتھروں کو نہ لے جائیں گے تو ہنود لوگوں کا ان پتھروں کو اُٹھا کر لے جانے کا اندیشہ ہے۔

الجواب

(۱) محض اندیشہ کا لحاظ نہیں، واقعی جبر ہو تو اُس کے عوض دوسری زمین لے کر چھوڑ سکتے ہیں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) صورتِ مستفسرہ واقعی ہے تو مسلمان ان پتھروں کو دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں کما بینّہ فی ردالمحتار (جیسا کہ اسے ردالمحتار میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴ از بمبئی بھنڈی بازار مرسلہ محمد فضل الرحمٰن سادہ کار ۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سوائے معتکف اور مسافر کے مقیم یا اہلِ شہر کو مطلقاً مسجد میں سونا حرام ہے یا مکروہِ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ اگر بیرونی یا شہری بہ نیت اس کے کہ نمازِ صبح باجماعت ملے یا تہجد بھی نصیب ہو کیونکہ اگر گھر میں رہ کر نمازِ صبح باجماعت یا نمازِ تہجد نہیں ملتی ہے مسجد میں سوئے تو یہ سونا حرام ہے یا مکروہ یا تحریمی یا تنزیہی، اور نیز مسجد میں کھانا یا پینا سوائے معتکف اور مسافر کے شرعاً حرام ہے یا مباح؟ بظاہر ابن ماجہ کی کتاب الاطعمہ کی روایت سے اباحت معلوم ہوتی ہے: ف

عن عبداللہ بن حارث بن جزء قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخبز و لحم وھو فی المسجد فاکل واکلنا معہ ثم

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں روٹی اور گوشت لایا گیا، اس وقت

ف: سائل نے ابن ماجہ کے حوالہ سے جو حدیث ذکر کی ہے وہ دراصل دو حدیثوں کا مجموعہ ہے، اصل عبارتیں یوں ہیں:

(۱) ص ۲۴۵: کنا ناکل علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد الخبز واللحم۔

(۲) ص ۲۴۶: اکلنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاماً فی المسجد قد شوی فمسحنا ایدینا بالحصباء ثم قمنا نصلی ولم نتوضأ ــــ ابواب الاطعمہ میں دونوں حدیثیں انہی الفاظ کے ساتھ ملی ہیں۱۲۔ نذیر احمد

قام فصلی وصلینا معه ولم نزد علی ان مسحنا ایدینا بالحصباء[1] بینوا توجروا۔

آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، آپ نے اسے تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ گوشت روٹی کھائی، پھر کھڑے ہوئے نماز پڑھی اور ہم نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی، اور ہم نے سوائے اس کے کچھ نہ کیا کہ اپنے ہاتھ پتھروں کے ساتھ صاف کئے۔ ت) بیّنوا توجروا

الجواب

مسجد میں معتکف کو سونا تو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور اُس کے غیر کے لئے ہمارے علماء کے تین قول ہیں:

اوّل یہ کہ مطلقاً صرف خلافِ اولیٰ ہے،

صححه فی الهندیة عن خزانة الفتاوی ومشی علیه فی جامع الاسبیجابی کما نقله ابن کمال باشا والکافی فی معراج الدرایة والیه یمیل کلام الدر فی الاعتکاف قلت وفیه حدیث ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔

اس کی ہندیہ میں خزانۃ الفتاوٰی کے حوالے سے تصحیح کی ہے اور جامع الاسبیجابی نے اسی کو اختیار کیا، جیسا کہ اسے ابنِ کمال باشا نے نقل کیا اور کافی نے معراج الدرایہ میں، اعتکاف میں درکا کلام بھی اسی طرف مائل ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث ہے۔ (ت)

دوم مسافر کو جائز ہے اس کے غیر کو منع،

وبه جزم فی الاشباه وعلیه مشی فی الدر قبیل باب الوتر۔

اسی پر اشباہ میں جزم ہے، در میں باب الوتر سے تھوڑا پہلے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ت)

سوم معتکف کے سوا کسی کو جائز نہیں،

وبه جزم فی السراجیة وفی جامع الفتاوٰی ومنیة المفتی وغمز العیون ومتن الوقایة وغیرها من المعتمدات۔

سراجیہ، جامع الفتاوٰی، منیۃ المفتی، غمز العیون، متن الوقایہ اور دیگر معتمد کتب میں اسی پر جزم کیا گیا ہے۔ (ت)

اور یہ کراہت کراہتِ تحریم ہے،

لقوله یمنع منه وانما المنع عن المکروه

کیونکہ اس کا قول ہے: اس سے منع کیا گیا ہے اور

---

[1] سُنن ابنِ ماجہ ابواب الاطعمہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۵ و ۲۴۶

تحریما واما کراھۃ التنزیہ فتجامع الاباحۃ کما فی ردالمحتار وغیرہ۔

منع مکروہ تحریمی سے ہوتا ہے، کراہت تنزیہی تو اباحت کے ساتھ جمع ہوجاتی ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اقول تحقیق امر یہ ہے کہ مرخص وحاظر جب جمع ہوں حاظر کو ترجیح ہوگی اور احکام تبدلِ زمان سے متبدل ہوتے ہیں ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل (جو شخص اپنے زمانے کے لوگوں کے احوال سے آگاہ نہیں وُہ جاہل ہے۔ ت) اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہاں ایک ضابطہ کلیہ عطا فرمایا ہے جس سے ان سب جزئیات کا حکم صاف ہوجاتا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذا۔[1] رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو کسی شخص کو سُنے کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز دریافت کرتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس سے کہے اللہ تیری گُمی چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔ اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اسی حدیث کی دوسری روایت میں ہے:

اذارأیتم من یبتاع فی المسجد فقولوا لااربح اللہ تجارتك[2] رواہ الترمذی وصححہ والحاکم عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جب تم کسی کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے دیکھو تو کہو اللہ تیرے سودے میں فائدہ نہ دے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور ظاہر ہے کہ مسجدیں سونے، کھانے پینے کو نہیں بنیں تو غیر معتکف کو اُن میں ان افعال کی اجازت نہیں اور بلاشبہہ اگر ان افعال کا دروازہ کھولا جائے تو زمانہ فاسد ہے اور قلوب ادب وہیبت سے عاری، مسجدیں چوپال ہوجائیں گی اور ان کی بے حُرمتی ہوگی وکل مااَدی الٰی محظور محظور (ہر وُہ شئ جو ممنوع تک پہنچائے ممنوع ہوجاتی ہے۔ ت) جو بخیالِ تہجد یا جماعتِ صبح مسجد میں سونا چاہے تو اُسے کیا مشکل ہے

---

[1] صحیح مسلم باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۱۰

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب النہی عن البیع فی المسجد ر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۵۸

کر اعتکاف کی نیت کرلے کچھ حرج نہیں کچھ تکلیف نہیں، ایک عبادت بڑھتی ہے، اور سونا بالاتفاق جائز ہُوا جاتا ہے۔ منیۃ المفتی پھر غمز العیون اور سراجیہ پھر ہندیہ پھر رد المحتار میں ہے :

واذا اراد ذٰلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیذکر اللّٰہ تعالٰی بقدر ما نوی اویصلی ثم یفعل ماشاء[1] واللّٰہ تعالٰی اعلم

جب ارادہ کرے کھانے پینے کا، تو اعتکاف کی نیت کرے، پھر مسجد میں داخل ہوجائے۔ پس اللہ تعالٰی کا ذکر نیت کے مطابق کرے یا نماز پڑھے، پھر وہاں جو چاہے کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسجد میں ایسا اکل وشرب جس سے اس کی تلویث ہو مطلقاً ناجائز ہے اگرچہ معتکف ہو۔ رد المحتار باب الاعتکاف میں ہے :

الظاھر ان مثل النوم الاکل والشرب اذا لم یشغل المسجد ولم یلوثہ لان تنظیفہ واجب کما مر[2]

ظاہر یہی ہے کہ کھانا پینا جبکہ مسجد کو ملوث نہ کرے اور نہ مسجد کو مشغول رہے تو یہ سونے کی طرح ہے کیونکہ مسجد کی نظافت کا خیال نہایت ہی ضروری ہے، جیسا کہ گزرا۔ (ت)

اسی طرح اتنا کثیر کھانا مسجد میں لانا کہ نماز کی جگہ گھیرے مطلقاً ممنوع ہے، اور جب ان دونوں باتوں سے خالی ہو تو معتکف کو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور غیر معتکف میں وہی مباحث واختلافات عائد ہوں گے اور یہیں ارشاد اقدس کا وہ ضابطہ کلیہ کافی ہے کہ ان المساجد لم تبن لھذا (مساجد اس خاطر نہیں بنائی جاتیں۔ ت) اعتکافِ نفل کے لئے نہ روزہ شرط ہے نہ طول مدت درکار، صرف نیت کافی ہے، جتنی دیر بھی ٹھہرے بہ یفتی (اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) تو اختلاف میں پڑنے کی کیا حاجت، وما کان اقرب الی الادب فھو الاحب الاوجب نسأل اللّٰہ حسن التوفیق (جو ادب کے زیادہ قریب ہو وہی زیادہ پسندیدہ اور واجب ہوتا ہے، اللہ تعالٰی سے حسنِ توفیق کا سوال ہے۔ ت)

رہی حدیثِ ابن ماجہ، وہ ایک واقعۂ عین ہے اور علماء بالاتفاق تصریح فرماتے ہیں کہ وقائع عین کے لئے عموم نہیں ہوتا، ممکن کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اُس وقت معتکف ہوں اور صحابی کو یہاں مسئلۂ اکل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ کہ ما مستہ النار (وہ چیز جسے آگ چھُولے۔ت)

---

[1] رد المحتار باب الاعتکاف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۴۶

[2] " " " " ۲/۲۴۹

سے وضو نہیں، علاوہ بریں فعل و تقریر سے قول اور مبیح سے حاظر ارجح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۴۵ از فیض آباد مسجد منوپورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبد العلی ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو لوگ عرس میں آئیں وہ مسجد ہی میں قیام کریں اور جائے نماز وغیرہ استعمال کریں، کھانا وہاں کھائیں، دُنیا کی بات کریں، اشعار پڑھیں، جائز ہے؟

الجواب

مسجد کو چوپال بنانا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۴۶ از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ سیٹھ عبد الستار صاحب رضوی ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

امام مسجد اور عوام مسلمین جن کے پاس رہنے سونے کو مکان ہیں وہ مسجد میں کسی وقت سو سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز ایسے مسلمان مسافر جو آج کل شہروں میں آیا جایا کرتے ہیں اور چندے لے کر گزارہ کرتے ہیں انھیں مسجدوں میں رکھنا اور وہ وہاں پر بطور گھروں کے رہیں، سوئیں، کھائیں پئیں، جائز ہے؟

الجواب

صحیح و معتمد یہ ہے کہ مسجد میں کھانا پینا، سونا سوا معتکف کے کسی کو جائز نہیں۔ مسافر یا حضری اگر چاہتا ہے تو اعتکاف کی نیت کیا دشوار ہے، اور اُس کے لئے نہ روزہ شرط نہ کوئی مدت مقرر ہے۔ اعتکافِ نفل ایک ساعت کا ہو سکتا ہے۔ مسجد کو گھر بنانا کسی کے لئے جائز نہیں، وہ لوگ بھی بہ نیتِ اعتکاف رہ سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۴۷ از بھوساول ضلع خاندیس محلہ ستارہ مسئولہ حافظ الیس محبوب ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مسجد خاص میں یا صحن میں اگر واہیات لغویات اور گالی گلوچ ایک دوسرا آپس میں جمع خاص و عام کے رُوبرو کرے تو اُن لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

ایسے لوگ گنہ گار ہیں اور شرعاً مستحقِ تعزیر، مگر تعزیر یہاں کون دے سکتا ہے، اتنا کریں کہ اُنھیں مسجد سے باہر کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴۸ از شہر عقب کوتوالی مسئولہ مولوی بدیع الزماں صاحب بنگالی ۲۷ شوال ۱۳۳۸ھ

مسجد کا ایک امام جو شب و روز مسجد کے حجرہ میں رہتا ہے اور عملیات تعویذ گنڈا وغیرہ آیاتِ قرآنی سے کرتا ہے اُس کو بصورتِ قیامِ مسجد ایسا روزگار کرنا اور اس سے اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

عوضِ مالی پر تعویذ دینا بیع ہے اور مسجد میں بیع و شرا ناجائز ہے، اور حجرہ فنائے مسجد ہے اور

فنائے مسجد کے لئے حکمِ مسجد، عالمگیریہ میں ہے :

یبیع التعویذ فی المسجد الجامع ویکتب فی التعویذ التوراۃ والانجیل والفرقان و یاخذ علیھا المال ویقول ادفع الی الھدیۃ لا یحل لہ ذلك کذا فی الکبری[1]

ایک آدمی مسجد جامع میں تعویذ بیچتا ہے، اس تعویذ میں تورات، انجیل اور قرآن لکھتا ہے اور اس پر رقم لیتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ اس کا ہدیہ مجھے دے تو یہ جائز نہیں۔ الکبرٰی میں اسی طرح ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے :

قیم المسجد لا یجوز لہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمتہ وھذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی[2]

مسجد کے منتظم کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسجد یا فنائے مسجد میں دکانیں یا رہائش گاہ بنائے کیونکہ جب مسجد دکان یا رہائش گاہ بن جائے تو اس کا احترام برقرار نہیں رہتا، اور یہ جائز نہیں۔ فنا مسجد کے تابع ہے لہذا اس کا حکم مسجد والا ہی ہوتا ہے۔ محیط سرخسی میں یُونہی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ١١٤٩ یکم ذیقعدہ ١٣٢٧ھ

ایک شخص کچہری میں ملازم ہے فرصت کے وقت دن و رات میں مسجد میں قیام کرکے سوتا ہے اور کھانا وغیرہ کھاتا ہے بہت عرصہ سے، اب منع کرنے پر جواب دیا کہ میں نیتِ اعتکاف کرلیتا ہُوں کوئی حرج میرے قیام اور کھانے سونے میں نہیں ہے۔

الجواب

اگر واقعی وہ ہر بار نیت اعتکاف کرتا اور کچھ دیر ذکرِ الٰہی کرکے کھاتا سوتا ہے تو حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ١١٥٠ از بریلی ۴ ربیع الاول ١٣٢٨ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عالم یا اور کوئی شخص مسجد میں سوئے اور مسند تکیہ مسجد میں اندر مسجد کے لگائے اور کھانا مسجد میں ایک جماعت کے ساتھ کھائے اور اُگالدان مسجد میں رکھے اور گھوڑے کی زین اور اسباب وغیرہ مسجد میں رکھے یہ سب شرع سے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ٥/٣٢١

[2] " " کتاب الوقف الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد " " ٢/٣٦٢

الجواب

مسجد میں سونا کھانا بحالتِ اعتکاف جائز ہے، اگر ایک جماعت معتکف ہو تو مل کر کھا سکتے ہیں، بہرحال یہ لازم ہے کہ کوئی چیز، شوربا یا شیرہ وغیرہ کی چھینٹ مسجد میں نہ گرے، اور سوائے حالتِ اعتکاف مسجد میں سونا یا کھانا دونوں مکروہ ہیں خاص کر ایک جماعت کے ساتھ کہ مکروہ فعل کا اور لوگوں کو بھی اس میں مرتکب بناتا ہے۔

عالمگیری میں ہے:

یکرہ النوم والاکل فیہ لغیر المعتکف[1] مسجد میں سونا اور کھانا غیر معتکف کے لئے مکروہ ہے۔ (ت)

مسند لگانا اگر براہِ تکبر ہے تو یہ خارج مسجد بھی حرام ہے۔

قال تعالٰی الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین[2] اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ متکبرین کا۔ (ت)

اور اگر براہِ تکبر نہیں کسی دوسرے نے اس کے لئے رکھ دی یہ اُس کی خاطر سے بدیں لحاظ کہ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

لایابی الکرامۃ الا حمار[3] عزت واحترام کا انکار کوئی گدھا ہی کرسکتا ہے (ت)

ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تو بھی یہ مسجد میں نہ ہونا چاہئے کہ ادبِ مسجد کے خلاف ہے، ہاں ضعف یا درد کے سبب مجبور ہو تو معذور ہے، اگالدان اگر پیک کے لئے رکھا ہے تو غیر معتکف کو مسجد میں پان کھانا خود مکروہ ہے اور اگر کھانسی ہے بلغم بار بار آتا ہے اس غرض کے لئے رکھا تو حرج نہیں، اور گھوڑے کا زین وغیرہ اسباب بھی بلاضرورت شرعیہ مسجد میں رکھنا نہ چاہئے، مسجد کو گھر کے مشابہ بھی کرنا نہ چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المساجد لم تبن لھذا[4] (مساجد ان چیزوں کی خاطر نہیں بنائی جاتی۔ ت) خصوصاً اگر چیزیں رکھے جن سے نماز کی جگہ رُکے تو سخت ناجائز وگناہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ[5]۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جو اللہ کے گھروں میں اللہ کا نام لینے سے روکے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۱

[2] القرآن ۳۹/۶۰

[3] کنزالعمال بحوالہ الدیلمی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ حدیث ۲۵۹۲۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/۱۵۵

[4] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد ؍ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۱۰

[5] القرآن ۲/۱۱۴

بااین ہمہ یہ بھی یاد رکھنا فرض ہے کہ حقیقۃً عالمِ دین ہادیِ خلق سُنّی صحیح العقیدہ ہو عوام کو اُس پر اعتراض اُس کے افعال میں نکتہ چینی اس کی عیب بینی حرام حرام حرام اور باعثِ سخت محرومی اور بدنصیبی ہے، اوّل تو لاکھوں مسائل و احکام فرقِ نیت سے متبدل ہوجاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امریٔ مانوی۔[1] اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ت)

علمِ نیت ایک عظیم واسع علم ہے جسے علمائے ماہرین ہی جانتے ہیں، عوام بیچارے فرق پر مطلع نہ ہوکر ان کے افعال کو اپنی حرکات پر قیاس کرتے اور حکم لگادیتے اور "کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر" کے مورد بنتے ہیں، اسی مسئلہ میں دیکھئے شرعاً اعتکاف کے لئے نہ روزہ شرط ہے نہ کسی قدر مدت کی خصوصیت، ولہٰذا مستحب ہے کہ آدمی جب مسجد میں جائے اعتکاف کی نیت کرلے، جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب بھی پائے گا۔ علما اعتکاف ہی کی نیت سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور اب اُن کو سونا، کھانا، پیک کے لئے اُگالدان رکھنا روا ہوگا، اور اس سے قطع نظر بھی ہو تو جاہل کو سُنّی عالم پر اعتراض نہیں پہنچتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث میں عالمِ بے عمل کی مثال شمع سے دی ہے کہ آپ جلے اور تمہیں روشنی ونفع پہنچائے، احمق وہ جو اُس کے جلنے کے باعث اُسے بُجھا دینا چاہے اس سے یہ خود ہی اندھیرے میں رہ جائے گا، علماء کو چاہئے کہ اگرچہ خود نیت صحیحہ رکھتے ہوں عوام کے سامنے ایسے افعال جن سے اُن کا خیال پریشان ہو نہ کریں کہ اس سے دو فتنے ہیں جو معتقد نہیں اُن کا معترض ہونا غیبت کی بلا میں پڑنا عالم کے فیض سے محروم رہنا اور جو معتقد ہیں اُن کا اس کے افعال کو دستاویز بناکر بے علمِ نیت خود مرتکب ہونا عالم فرقہ ملامتیہ سے نہیں کہ عوام کو نفرت دلانے میں اُس کا فائدہ ہو مسندِ ہدایت پر ہے، عوام کو اپنی طرف رغبت دلاتے میں اُن کا نفع ہے، حدیث میں ہے:

راس العقل بعد الایمان باللہ التودد الی الناس۔[2] ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑی عقلمندی لوگوں کے ساتھ محبت کرنا ہے۔ (ت)

دوسری حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: بشروا ولا تنفروا[3] ــــــ (محبت پھیلاؤ

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ ؍؍ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

[2] شعب الایمان فصل طلاقۃ الوجہ وحسن البشر الخ حدیث ۸۰۶۱ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۶/۲۵۵

[3] صحیح البخاری کتاب العلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تامیر الامراء علی البعوث الخ ؍؍ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۸۲

نفرت نہ پھیلاؤ۔ت) احیاناً ایسے افعال کی حاجت ہو تو اعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلہ شریعت عوام کو بتا دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: از الہ آباد مسجد صدر مرسلہ حافظ عبدالحمید صاحب فتحپوری ۱۶ جمادی الاولی ۱۳۳۱ھ

اگر کوئی مسجد میں بآواز بلند درود و وظائف خواہ تلاوت کر رہا ہو اُس سے علیحدہ ہو کر نماز پڑھنے میں بھی آواز کانوں میں پہنچتی ہے لوگ بھول جاتے ہیں خیال بہک جاتا ہے ایسے موقع پر ذکر بالجہر تلاوت کرنے والے کو منع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی آہستہ پڑھنے کو کہنا بالجہر سے منع کرنا، اگر نہ مانے تو کہاں تک ممانعت کرنا جائز ہے؟ اس کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین؟

الجواب

بیشک ایسی صورت میں اُسے جہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ نہی عن المنکر ہے اور کہاں تک کا جواب یہ کہ تاحدِ قدرت جس کا بیان اس ارشادِ اقدس حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے:

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلك اضعف الایمان[1]

جو تم میں کوئی ناجائز بات دیکھے اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ سے اُسے مٹا دے بند کر دے اور اُس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اسے بُرا جانے، اور یہ سب میں کمتر درجہ ایمان کا ہے۔(ت)

اور جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور قرآنِ عظیم کے استماع کے لئے کوئی فارغ نہ ہو وہاں جہراً تلاوت کرنے والے پر اس صورت میں دوہرا وبال ہے، ایک تو وہی خلل اندازیِ نماز وغیرہ کہ ذکر جہر میں تھا، دوسرے قرآنِ عظیم کو بے حرمتی کے لئے پیش کرنا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الفتح عن الخلاصۃ رجل یکتب الفقہ وبجنبہ رجل یقرأ القرأن فلا یمکنہ استماع القرأن فالاثم علی القاری وعلی ھذا لوقرأ علی

فتح میں خلاصہ سے ہے ایک آدمی فقہ لکھ رہا ہے اور اس کے پاس دوسرا شخص قرآن کی تلاوت کر رہا ہے جبکہ قرآن کا سننا ممکن نہیں تو اب گناہ تلاوت کرنے والے پر ہے۔ اسی طرح اگر اُونچی

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۵۱

السطح والناس نیام یأثم اھ ای لانہ یکون سببا لاعراضھم عن استماعہ او لانہ یوذیھم بایقاظھم[1]

جگہ پڑھتا ہے حالانکہ لوگ سوئے ہُوئے تھے تو پڑھنے والا گنہ گار ہوگا اس لئے کہ یہ شخص ان کے قرآن سُننے سے اعراض کا سبب بنا یا اس وجہ سے کہ ان کی نیند میں خلل واقع ہوگا۔ (ت)

اُسی میں غنیہ سے ہے :

یجب علی القاری احترامہ بان لایقرأہ فی الاسواق ومواضع الاشتغال فاذا قرأہ فیھا کان ھو المضیع لحرمتہ فیکون الاثم علیہ دون اھل الاشتغال دفعاً للحرج[2] واللہ تعالٰی اعلم

تلاوت کرنے والے پر یہ احترام لازم ہے کہ وہ بازار میں اور ایسے مقامات پر نہ پڑھے جہاں لوگ مشغول ہوں، اگر وہ ایسے مقام پر پڑھتا ہے تو وہ قرآن کا احترام ختم کرنے والا ہے لہذا دفع حرج کے پیشِ نظر یہ پڑھنے والا گنہ گار ہوگا، مشغول ہونے والے لوگ گنہ گار نہ ہونگے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک یا زیادہ شخص نماز پڑھ رہے ہیں یا بعد جماعت نماز پڑھنے آئے ہیں اور ایک یا کئی لوگ باآوازِ بلند قرآن یا وظیفہ یعنی کوئی قرآن کوئی وظیفہ پڑھ رہے ہیں یہاں تک کہ مسجد بھی گونج رہی ہے تو اس حالت میں کیا حکم ہونا چاہئے کیونکہ بعض دفعہ آدمی کا خیال بدل جاتا ہے اور نماز بھول جاتا ہے۔

الجواب

جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ باآواز پڑھنے سے اس کی نماز یا نیند میں خلل آئے گا وہاں قرآن مجید وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے، مسجد میں جب اکیلا تھا اور باآواز پڑھ رہا تھا جس وقت کوئی شخص نماز کے لئے آئے فوراً آہستہ ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۳: از ریاست نانپارہ ضلع بہرائچ محلہ توپ خانہ مرسلہ منشی حامد علی خاں صاحب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

زید اگر مسافرانہ طور پر کسی مقام پر وارد ہُوا اور وہاں اُس کا کوئی ایسا شخص شناسا نہ ہو کہ جس کے

---

[1] ردالمحتار فصل فی القرأۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۳

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

مکان میں قیام کرسکے اور بسبب پابندی نماز جماعت و وضو وغیرہ کسی مسجد میں ٹھہر جائے تو جائز ہے یا نہیں اور اس کا سلف سے ثبوت ہے یا نہیں، اور جو شخص زید کو بصورتِ مذکورہ جبراً مسجد سے نکالے اور کہے کہ یہ مسجد خالد کی مِلک ہے اور میں چونکہ ملازمِ خالد ہوں لہذا مجھے حکمِ خالد ہے کہ بے اِذن ہمارے کسی کو ہماری مسجد میں نہ رہنے دو اور اس پر بوسرِ پیکار ہو تو زید کا اخراج عن المسجد بصورتِ فتنہ و فساد جائز ہے یا نہیں، اور مسجد کی ملک کی نسبت خالد کی جانب جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد مذکورہ میں اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی مسجد پر مسجد ضرار کی تعریف صادق ہے یا نہیں؟

الجواب

ایسے مسافر کو مسجد میں ٹھہرنا بیشک جائز ہے، خود مسجد اقدس میں حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہدِ اقدس میں حکمِ انور سے اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم قیام پذیر تھے مسجد سے بالجبر اس کا اخراج ظلم ہے والظلم ظلمات یوم القیمۃ (ظلم قیامت کے روز تاریکیاں ہوگا۔ ت) ہاں نظر بحالاتِ زمانہ بعض مساجد میں اجنبی غیر معروف کا قیام نامناسب و وجہِ اندیشہ ہوتا ہے جیسے صدہا سال سے مسجد مدینہ طیبہ کے دروازے بعد عشا بند کردیتے ہیں اور سوا خدام کے سب لوگ باہر کر دئے جاتے ہیں، اگر واقعی ایسی صورت تھی تو نرمی کہنا چاہئے تھا اور مسجد کو خالد کی مِلک کہنا ظلم ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: وان المسٰجد للہ مسجدیں خالص اللہ کے لئے ہیں۔ بہرحال اُس مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، نہ وہ مسجد ضرار ہوسکتی ہے، یہ جہل محض ہے۔ پھر اگر یہ مسجد اموال وغیرہ سے محلِ احتیاط مذکور نہیں یا زید مشتبہ نہیں تو اسے جبراً نکال دینے والے پر لازم ہے کہ اُس سے معافی چاہے کہ مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دینا بہت سخت ہے۔

من اذی مسلمًا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ[1] (الحدیث)

جس نے کسی مسلمان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے بلاشبہ اللہ تعالٰی کو اذیت دی۔ (الحدیث۔ ت)

زید کو چاہئے کہ اگر مسجد میں قیام کرے سونے اور کھانے سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کرکے کچھ ذکرِ الٰہی کرکے کھائے سوئے کہ مسجد میں کھانا سونا معتکف کو بلاخلاف جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر بحوالہ طبرانی اوسط مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۶/ ۹

کنز العمال حدیث ۴۳۷۰۳ " مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۱۰

مجمع الزوائد باب فیمن تخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ " دار الکتاب بیروت ۲/ ۱۷۹

مسئلہ ۱۵۲: از شہر کمولا مسئولہ منیر الدین صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مٹی کا تیل مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ جائز کہتے ہیں اور عدمِ جواز کی دلیل چاہتے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

مٹی کے تیل میں سخت بدبُو ہے اور مسجد میں بدبو کا لے جانا کسی طرح جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اکل من ھذہ الشجرۃ المنتنۃ فلا یقربن مسجدنا فان الملٰئکۃ تتاذی مما یتاذی منہ الانس[1]۔ رواہ الشیخان عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جس شخص نے اس بدبودار پودے کو کھایا وہ ہماری مساجد کے قریب نہ آئے کیونکہ ملائکہ کو بھی ہر اُس شئ سے تکلیف ہوتی ہے جس سے انسانوں کو ہوتی ہے۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر علامہ سید شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحۃ کریھۃ ماکولا اوغیرہ[2]۔

حدیث کے مطابق ہر اس شئ کا یہی حکم ہے جس کی بُو اچھی نہ ہو خواہ وہ شئ کھائی جاتی ہو یا نہ۔ (ت)

ہاں مٹی کے تیل میں بعض انگریزی عطر جن کو لونڈر کہتے ہیں ملانے سے اُس کی بدبُو جاتی رہتی ہے اس صورت میں جائز ہوجائے گا بشرطیکہ اس لونڈر میں اسپرٹ وغیرہ کوئی ناپاک شئ نہ ہو ورنہ ناپاک تیل کا بھی مسجد میں جلانا جائز نہیں ہے۔ دُرمختار میں ہے:

کرہ تحریما ادخال نجاسۃ فیہ فلا یجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسجد میں نجاست داخل کرنا مکروہ تحریمی ہے، لہذا ناپاک تیل کے ساتھ وہاں چراغ جلانا درست نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب من اکل ثوما الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۰۹
صحیح البخاری کتاب الاذان باب ما جاء فی الثوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱۸
[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۹
[3] درمختار ؍؍ ؍؍ ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

مسئلہ ۱۱۵۵ از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی رحیم بخش بنگالی ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں روغن مٹی کا جلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام ہے مگر جبکہ اُس کی بُو بالکل دُور کردی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۵۶ از داناپور محلہ سگونہ مسئولہ محمد حنیف خاں ۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے جس میں تین دروازے لگے ہیں، صبح کی نماز میں بوجہ سردی کے تینوں در بند کرکے اور چراغ جلا کر لوگ نماز پڑھا کرتے ہیں اور نمازِ صبح اپنے وقت پر ادا کرتے ہیں، ایک شخص کہتا ہے کہ چراغ جلا کر نماز نہ پڑھنا چاہئے منع ہے مگر کوئی ثبوت اس کا نہیں دیتا ہے اس لئے دریافت طلب ہے کہ ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ اور کہاں تک اس کا کہنا صحیح ہے؟ مہربانی فرماکر جواب معہ حوالہ کتبِ فقہ شریف عنایت ہو۔

الجواب

وقتِ حاجت چراغ جلا کر نماز پڑھنے میں تو کوئی حرج نہیں،

وفیہ حدیث تمیم الداری رضی اللہ تعالٰی عنہ وایقادہ القنادیل فی المسجد الشریف و استحسانہ من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحدیث علی رضی اللہ تعالٰی عنہ لما رأی المسجدین ھو قال نور اللہ قبر عمر کما نور مساجدنا[1]

اس بارے میں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حدیث ہے، مسجد نبوی میں قندیلوں کا جلانا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انھیں پسند کرنا ثابت ہے، اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دونوں مساجد کو روشن دیکھا تو کہا، اللہ تعالٰی عمر (رضی اللہ عنہ) کی قبر کو اسی طرح روشن کرے جیسے اُنھوں نے مساجد کو روشن کیا۔ (ت)

مگر نماز کے وقت مسجد کے کواڑ بند کرنا ضرور ممنوع و بدعتِ سیئہ ہے۔ درمختار میں ہے:

کرہ غلق باب المسجد الا لخوف علی متاعہ بہ یفتی[2] اقول ھذا فی غیر وقت الصلوۃ

مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے البتہ اس صورت میں جائز ہے جب مسجد کا سامان چوری ہونے کا اندیشہ ہو،

---

[1] تاریخ الخلفاء فصل فی اولیات عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۷

[2] درمختار باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا " " " ۱/ ۹۳

لقول الشامی الا فی اوقات الصلٰوۃ[1] فکیف عند نفس قیام الصلٰوۃ ھذا مردود باجماع اھل الصلٰوۃ۔

فتوٰی بھی اسی پر ہے اھ میں کہتا ہُوں یہ وقتِ نماز کے علاوہ میں ہے، کیونکہ شامی نے کہا مگر اوقاتِ نماز میں دروازہ بند کرنا مکروہ ہے'' تو نماز کی جماعت ہو رہی ہو تو اس وقت منع کیوں نہ ہوگا! اور اس کے مردود ہونے پر تمام اہلِ نماز کا اجماع ہے۔ (ت)

اُس وقت چراغ روشن کرنا بھی اگر اسی کواڑ بند کرنے کی بنا پر ہو اگر بند نہ کریں چراغ کی حاجت نہ ہو تو یہ چراغ بھی بے حاجت کہ وُہ حاجت بروجہ باطل ہے اور اگر اتنے اندھیرے سے پڑھتے ہیں کہ کھُلے کواڑوں میں بھی حاجتِ چراغ ہو تو یہ خلاف افضل ہے، مذہبِ حنفی میں نمازِ فجر جس قدر وقت روشن کرکے پڑھی جائے زیادہ اجر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۵۷ شہر بریلی محلہ گھیر جعفر خاں محمود علی خاں ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اندرونِ مسجد مرزائی یعنی ٹین کے دالان کے دروں میں بغرضِ زیبائشِ مسجد گملے درختاں پھُول وغیرہ لٹکائے جانے کے لئے تیار کئے گئے ہیں جن میں کھاد وغیرہ پاک مٹی کی دی گئی ہے۔ اب چند حضرات کو اعتراض ہے کہ نئی بات مسجد میں نہیں ہونا چاہئے۔ از رُوئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر نمازیں نگاہ کے سامنے ہوں تو مکروہ ہیں اور زیادہ بلند ہوں تو حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۵۸ از منصور پور متصل ڈاک خانہ شیش گڈھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مسئولہ محمد شاہ خاں ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس باب میں، مسجد میں اکثر کاپیاں عربی کی و نقشجات وغیرہ چہار جانب دیواروں پر مسجد کی نصب کئے جاتے ہیں منجملہ اُن کے منبر کے قریب دیوار پر عربی و مناجات ایسے موقع پر نصب یعنی چسپاں کئے جاتے ہیں کہ بروقت پڑھنے کے امام کے پسِ پشت یا اس سے کسی قدر اونچے یعنی قریب پس گردن عربی مناجات ہوتے ہیں، ایسی صُورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

ایسی چیزوں کا دیوارِ قبلہ میں نصب کرنا نہ چاہئے جس سے لوگوں کا نماز میں دھیان بٹے اور اتنی نیچی ہونا کہ خطبہ میں امام کی پُشت اس کی طرف ہو، یہ اور بھی نامناسب ہے۔ ہاں اگر اس سے بلند رہے تو یہ حرج اس میں نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار، باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۵

مسئلہ ۱۵۹: از علی گڑھ کالج مسئولہ حضرت مولانا محمد سلیمان اشرف صاحب بہاری (رحمۃ اللہ علیہ) پروفیسر دینیات، خلیفۂ اعلٰحضرت رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۳۳۲ھ

مسجد میں طلائی نقش ونگار جائز ہے یا نہیں؟ کیا نمازیوں کے پیشِ نظر گل بُوٹے چمکتے دمکتے محلِ صلوٰۃ نہیں؟ کیا اس طرح کی زیبائش مسجد کی من جہت معبد ہونے کے شایانِ شان نہیں؟ محض مختصر جواب اس کا تحریر فرماکر فقیر کو ممنون فرمائیں، یہاں مسئلہ درپیش ہے کالج کی مسجد منقش و مطلا کی جارہی ہے۔ فقط

الجواب

مساجد میں زینت ظاہری زمانہ سلف صالحین میں فضول وناپسند تھی کہ اُن کے قلوب تعظیم شعائر اللہ سے مملو تھے ولہذا احادیث میں مباہاۃ فی المساجد کو اشراط ساعت سے شمار فرمایا، اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا:

لتزخرفنّھا کما زخرفت الیھود والنصارٰی[۱] تم مساجد کو اسی طرح مزیّن کروگے جس طرح یہود ونصارٰی نے مزیّن کیں۔ (ت)

تبدلِ زمان سے علماء نے تزیینِ مساجد کی اجازت فرمائی کہ اب تعظیم ظاہر مورث عظمت فی العیون و وقعت فی القلوب ہوتی ہے فکان کتحلیۃ المصحف فیہ من تعظیمہ (یہ ایسے ہی ہے جیسے تعظیم کی خاطر قرآن حکیم کو طلا کی صورت میں لکھا جائے۔ ت) مگر اب بھی دیوارِ قبلہ عموماً اور محراب کو خصوصاً شاغلاتِ قلوب سے بچانے کا حکم ہے بلکہ اولٰی یہ ہے کہ دیوارِ یمین وشمال بھی ملہیات سے خالی رہے کہ اُس کے پاس جو مصلّی ہو اُس کی نظر کو پریشان نہ کرے۔ ہاں گنبدوں، میناروں، سقف اور دیواروں کی وہ سطح کہ مصلیوں کے پسِ پشت رہے گی ان میں مضائقہ نہیں اگرچہ سونے کے پانی سے نقش ونگار ہوں بشرطیکہ اپنے مال حلال سے ہوں، مسجد کا مال اُس میں صرف نہ کیا جائے، مگر جبکہ اصل بانیِ مسجد نے نقش ونگار کئے ہوں یا واقف نے اس کی اجازت دی ہو یا مالِ مسجد فاضل بچا ہو، اور اگر صرف نہ کیا جائے تو ظالموں کے خورد بُرد میں جائے گا پھر جہاں جہاں نقش ونگار اپنے مال سے کرسکتا ہے اُس میں بھی دقائق نقوش سے تکلف مکروہ ہے سادگی ومیانہ روی کا پہلو ملحوظ رہے۔ امام ابن المنیر شرح جامع صحیح میں فرماتے ہیں:

استنبط منہ کراھۃ زخرفۃ المساجد لاشتغال قلب المصلی بذلك اولصرف المال اس سے مساجد کا مزیّن کرنا مکروہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں نمازی کے دل کا مشغول یا مال کا

---

[۱] صحیح للبخاری کتاب الصلوٰۃ باب بنیان المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۴

فی غیر وجہہ نعم اذا وقع ذلك علی سبیل تعظیم المساجد ولم یقع الصرف علیہ من بیت المال فلا باس بہ ولو اوصی بتشیید مسجد وتحمیرہ وتصفیرہ و نفذت وصیتہ لانہ قد حدث للناس فتاوی بقدر ما احدثوا وقد احدث الناس مؤمنھم وکافرھم تشیید بیوتھم وتزیینھا ولو بنینا مساجد نا باللبن وجعلناھا متطامنۃ بین الدور الشاھقۃ وربما کانت لاھل الذمۃ لکانت مستھانۃ[1]

غلط طور پر استعمال لازم آتا ہے، ہاں جب یہ تزیین مساجد کی تعظیم کی خاطر ہو اور بیت المال سے نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کسی شخص نے مسجد کو پختہ کرنے اور اسے سُرخ و سفید کرنے کی وصیت کی تو اس کی وصیت نافذ ہوگی کیونکہ لوگوں میں فتوٰی اُن کے حال کے مطابق ہوتا ہے اب لوگ خواہ مومن ہیں یا کافر ہر کوئی اپنے گھر کو مزین کر رہا ہے اب اگر ہم اپنی مساجد کو کچی اینٹوں سے بنائیں گے اور انھیں بلند عمارات کے درمیان چھوٹا بنائیں تو ان کی توہین ہوگی جبکہ یہ مکانات اہل الذمہ کے بھی ہوسکتے ہیں (ت)

درمختار میں ہے:

(ولا باس بنقشہ خلا محرابہ) فانہ یکرہ لانہ یلھی المصلی، ویکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوھا، خصوصا فی جدار القبلۃ، قال الحلبی وفی حظر المجتبٰی وقیل یکرہ فی المحراب دون السقف والمؤخر انتھی وظاھرہ ان المراد بالمحراب جدار القبلۃ فلیحفظ، (بجص وماء ذھب) لو (بمالہ) الحلال (لامن مال الوقف) فانہ حرام (وضمن متولیہ لو فعل) النقش او البیاض الا اذا خیف طمع الظلمۃ فلا باس بہ، کافی، والا اذا کان لاحکام البناء او الواقف

(مسجد کو محراب کے علاوہ منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں) کیونکہ محراب کا نقش و نگار نمازی کو مشغول کر دیتا ہے، البتہ بہت زیادہ نقش و نگار کے لئے تکلف کرنا خصوصاً دیوارِ قبلہ میں مکروہ ہے۔ حلبی اور مجتبٰی کے باب الحظر میں ہے کہ محراب کا منقش کرنا مکروہ ہے چھت یا پچھلی دیوار کا منقش کرنا مکروہ نہیں اھ اور ظاہر یہی ہے کہ محراب سے مراد دیوارِ قبلہ ہے، پس اسے محفوظ کرلو (چونے اور سونے کے پانی سے) اگرچہ (اپنے مال) حلال سے ہو (مال وقف سے نہیں) کیونکہ وہ حرام ہے (متولی نے اگر کیا تو وہ ضامن ہوگا) نقش یا سفیدی البتہ جب ظالموں سے مال وقف کو خطرہ ہو تو کوئی حرج نہیں، کافی، اور اس صورت میں

---

[1] ارشاد الساری بحوالہ ابن المنیر باب بنیان المسجد مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۴۰

فعل مثلہ لقولھم انہ یعمر الوقف کما کان وتمامہ فی البحر[1]

جب یہ بنا کی پختگی کے لئے یا واقف نے خود ایسے کیا ہو کیونکہ فقہاء نے فرمایا کہ وقف کی مرمت حسبِ سابق کرنا ہے۔ اس کی تفصیل بحر میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں بحر سے ہے:

واراد وامن المسجد داخلہ فیفید ان تزیین خارجہ مکروہ[2] اھ رایتنی کتبت علیہ مانصہ، اقول فی ھذہ الافادۃ نظر ظاھر، بل الظاھر منہ جوازہ بلاکراھۃ بالشروط الثلثۃ ان یکون بمالہ الحلال ولا یتکلف دقائق النقوش لان خارج المسجد لیس محل الھاء المصلی، وفیہ تعظیمہ فی العیون وزیادۃ وقعتہ فی القلوب وترغیب الناس فی حضورہ وتعمیرہ، وکل ذلک مطلوب محبوب، وانما الامور بمقاصدھا، وانما لکل امرئ مانوی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہاں انھوں نے داخلِ مسجد مراد لیا ہے جو واضح کر رہا ہے کہ باہر مسجد کی تزیین مکروہ ہے اھ میں نے اس پر جو لکھا وہ یہ ہے کہ اس افادہ میں نظر ظاہر ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ شروطِ ثلٰثہ کے ساتھ بلاکراہت جائز ہے یہ کہ اپنا مال حلال کا ہو اور نقوش میں تکلف نہ ہو کیونکہ خارج مسجد نمازی کو مشغول نہیں کرتا اس میں دیکھنے میں تعظیم اور دلوں میں وقعت کا اضافہ اور لوگوں کا حضور و آبادی میں شوق کا سبب ہے اور ان میں سے ہر شیئ مطلوب محبوب ہے، اور امور کا اعتبار ان کے مقاصد پر ہوتا ہے، ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۶: از فیض آباد مسجد مغلپورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبدالعلی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

مسجد کے کنارے کسی بزرگ کی قبر ہو اور وہاں گانا مع آلات ڈھولکی وغیرہ ہو اور تماشائی لوگ اندر مسجد کے بلالحاظ پاکی اور ادب کے اور گاگر کے وقت ہجوم ہو لوگ اندر مسجد داخل ہوں، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مزامیر کے ساتھ گانا اور اُس کا سُننا دونوں حرام ہیں اور حرام فعل کا مسجد میں کرنا اور سخت، اور گاگر کا ہجوم اگر کسی

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ و مایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] ردالمحتار " " " " مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۷

منکرِ شرعی پر مشتمل نہیں، نہ یہ وقت نماز کا ہو جس سے نمازیوں پر تنگی ہو، نہ یہ لوگ مسجد کی بے حرمتی کریں تو حرج نہیں، اور بے ثبوت شرعی مسلمانوں کو سمجھ لینا کہ ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخل ہوئے بدگمانی ہے اور بدگمانی حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۱: از لال پور ضلع پیڑا بنگال مرسلہ مولوی ابوسعید محمد عارف مورخہ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی مسجد میں کُرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنے کو بعض لوگ عدمِ سنّت کہتے ہیں سنّت ہونے کی دلیل چاہتے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

واعظ کا کُرسی پر مسجد میں بیٹھنا جائز ہے جبکہ نماز اور نمازیوں کا حرج نہ ہو، ایک آدھ بار حدیث سے یہ ثابت ہے مگر ایک آدھ بار سے فعل سنّت نہیں بن جاتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۲: از چوہڑکوٹ بارکھاں ملک بلوچستان ۲۱ محرم ۱۳۳۷ھ

مجموعہ فتاوٰی عبدالحی صفحہ ۵۵ و مجموعہ فتاوٰی ہمایونی تصنیف مولٰنا مفتی عبدالغفور نے چارپائی والے مسئلہ مسجد میں جواز لکھا ہے وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعتکاف کے موقع میں سریر پر سوئے تھے۔

الجواب

حدیث قولی اور فعلی جب متعارض ہوں تو عمل حدیث قولی پر ہے ان المسجد لم تبن لھذا[1] (مساجد کی بنا ان چیزوں کے لئے نہیں۔ ت) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اونٹ پر سوار مسجد الحرام شریف میں داخل ہوئے اور یونہی کعبہ معظمہ کا طواف فرمایا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ زخمی ہوئے خون اُن کے زخموں سے جاری تھا اُن کے لئے مسجد اقدس میں خیمہ نصب فرمایا کہ قریب سے عیادت فرمائیں کہ سوا مسجد شریف کے کوئی مکان نشست کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس نہ تھا۔ کیا ان احادیث سے استناد کرکے کوئی ایسی جرأت کرسکتا ہے! واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳ تا ۱۱۶۴: از شہر بریلی مسئولہ کفایت اللہ یکم رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ:

(۱) مسجد میں استعمالی جوتا رکھنا چاہیے یا نہیں؟ چونکہ زید نے ایک مولوی صاحب کی زبانِ مبارک سے سُنا ہے کہ جوتا مسجد کے اندر رکھنا حرام ہے اس وجہ سے منع کیا تو جواب ہوا کہ ہر مسجد میں جوتا رکھتے دیکھتے ہیں اور

---

[1] سُنن ابن ماجہ باب النہی عن انشاد الضوال فی المسجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶

کہتے ہیں کہ عیدگاہ اور جامع مسجد میں بھی دیکھا اور یہاں تک کہا کہ شرع کی کتابوں میں بھی دیکھا ہے تو جُوتا خشک پاک ہے اور مسجد میں کوئی حرج نہیں آیا اس میں کیا حکم ہے ؟

(۲) اگر غسل خانہ مسجد کے فرش سے جُدا ہے اور غسل خانہ اتنا تر رہتا ہے کہ پاؤں پر تری لگ جاتی ہے تو جُوتا پہن کر جانا چاہئے یا ویسے ہی ؟

الجواب

(۱) اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ جُوتا رکھنے کی ہو تو وہیں رکھے جائیں مسجد میں نہ رکھیں اور اگر باہر کوئی جگہ نہیں تو باہر جھاڑ کر تلے ملاکر ایسی جگہ رکھیں کہ نماز میں نہ اپنے سجدے کے سامنے ہو نہ دوسرے نمازی کے، نہ اپنے دہنے ہاتھ کو ہوں نہ دُوسرے نمازی کے، نہ اُن سے قطعِ صف ہو اور ان سب پر قادر نہ ہوں تو سامنے رکھ کر رومال ڈال دیں۔

(۲) جُوتا پہن کر جانا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۶۵ یکم ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر نمازی مسجد میں جُوتا سامنے رکھتے ہیں، منع کرنے پر کہتے ہیں کہ کہاں منع ہے؛ کس قول سے منع ہے ؟

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان احدکم اذا قام فی الصلٰوۃ فانما یناجی ربہ وان ربہ بینہ وبین القبلۃ فلا یبزقن احدکم قبل قبلتہ، ولکن عن یسارہ او تحت قدمہ[۱]۔ رواہ البخاری عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

تم میں سے جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وُہ اپنے رب سے مناجات وسرگوشی کرتا ہے اور نمازی اپنے اور قبلہ کے درمیان قبلہ کی جانب نہ تھوکے البتہ بائیں جانب اور پاؤں کے نیچے تھوک دے۔ اسے بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرمایا:

اذا قام احدکم الی الصلٰوۃ فلا یبصق

جب تم میں سے کوئی نماز شروع کرے تو سامنے

---

[۱] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ باب حک البزاق بالید من المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۸

امامه، فانما یناجی الله مادام فی مصلاہ ولاعن یمینه فان عن یمینه ملکا ولیبصق عن یسارہ او تحت قدمه فیدفنها[1] - رواہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔

نہ تھوکے کیونکہ جب تک وُہ نماز میں ہے اپنے رب سے ہم کلام ہے، نہ ہی دائیں طرف تھوکے کیونکہ اس کے دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے، البتہ بائیں طرف یا قدم کے نیچے تھوک لے اور اسے دفن کر دے۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور فرمایا:
اذاصلی احدکم فلایضع نعلیه عن یمینه ولا عن یسارہ فتکون عن یمین غیرہ الا ان لایکون علی یسارہ احد ولیضعھما بین رجلیه[2] - رواہ ابوداود عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔ واللہ تعالٰی اعلم

جو تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو جوتے نہ دائیں طرف رکھے نہ بائیں طرف کیونکہ وہ کسی کی دائیں جانب ہوگی البتہ اُس صورت میں جب بائیں جانب کوئی نہ ہو، اور انھیں اپنے دونوں پاؤں کے درمیان رکھ لے۔ اسے ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۶۶: از سرائے چھبیلہ ضلع بلند شہر مرسلہ راحت اللہ امام مسجد جامع ۱۹ رمضان ۱۳۳۸ھ

مسجد کے چاہ سے عموماً پانی بھرنا اپنے گھروں کو اور ننگے پیروں سے آنا اور رسّی سے بھی وہ خراب پیر لگتے ہیں پھر اس کی چھینٹیں کنویں میں ضرور جاتی ہیں، منع کرنے پر کہتے ہیں کہ پہلے سے یونہی بھرتے آئے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب

کنویں کی ممانعت نہیں ہوسکتی، رسّی ڈول اگر مسجد کا ہے اس کی حفاظت کریں، غیر نماز کے لئے اُس سے نہ بھرنے دیں، دربارۂ طہارت اوہام کو شریعت نے دخل نہیں دیا ورنہ عافیت تنگ ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۶۷: از بریلی شہر کہنہ مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۰ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مسجد میں درخت پھلدار مثلاً جامن مولسری کھنّی وغیرہ کے ہو اور پھل اس مقدار پر آیا کہ جس کو فروخت کیا جائے، ایسی صورت میں وُہ پھل نمازی یا غیر نمازی بلا کچھ قیمت ادا کئے ہُوئے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب دفن النخامۃ فی المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۹

[2] سُنن ابوداؤد〃 باب المصلی اذا خلع نعلیہ الخ 〃 آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۹

کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ دیگر یہ کہ مسجد میں درخت بیلہ، چنبیلی، مولسری کا ہے اس کے پھول نمازی لوگ بلا کوئی قیمت ادا کئے ہوئے گھر کو لا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

مسجد میں بے ضرورت شدیدہ درخت بونا منع ہے اور اس کے پھل پھول بے قیمت نہیں لے سکتے۔ ہندیہ میں ہے:

اذا غرس شجرا فی المسجد فالشجر للمسجد کذا فی الظھیریۃ[1]۔

جب کسی نے مسجد میں پودا لگایا تو وہ مسجد ہی کا ہوگا، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فی فتاوی اھل سمرقند مسجد فیہ شجرۃ تفاح یباح للقوم ان یفطروا بھذا التفاح قال الصدر الشھید رحمہ اللہ تعالٰی المختار انہ لا یباح کذا فی الذخیرۃ[2] اھ

فتاوٰی اہل سمرقند میں ہے، ایک مسجد میں ناشپاتی کا درخت ہے لوگ اس کی ناشپاتی کے ساتھ روزہ افطار کرتے ہیں۔ صدر الشہید کہتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ یہ جائز نہیں، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اھ

اقول وھذا تصحیح صریح من امام جلیل ولا شك انہ ھو قضیۃ الوقفیۃ فان الوقف کما لا یملك لا یباح فیقدم علی ما فی صلح الخانیۃ قبیل فصل المھایاۃ، طریق غرس فیہ رجل شجرۃ الفرصاد قالوا لا باس بہ اذا کان لا یضر بالطریق و یطیب للغارس ورقھا و اکل فرصادھا وان کانت الشجرۃ فی المسجد قال الفقیہ ابوجعفر رحمۃ اللہ تعالٰی

اقول (میں کہتا ہوں) یہ ایک عظیم امام کی صراحۃً تصحیح ہے اور بلا شبہ یہ معاملہ وقف سے متعلق ہے اور وقف جس طرح کسی کی ملکیت نہیں ہوتا اسی طرح وہ کسی کے لئے مباح نہیں ہوتا' اور جو کچھ خانیہ میں مہایات کی فصل سے تھوڑا سا پہلے ہے اس پر اس قول کو تقدیم حاصل ہے کہ راستہ میں ایک شخص نے تُوت کا درخت لگادیا تو فقہاء نے فرمایا: جب وہ راستہ کے لئے ضرر رساں نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور درخت لگانے والے کے لئے اس کے پتّے اور پھل کا استعمال مباح ہوگا اور اگر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۷

[2] " " " " " " " " " " ۲/ ۴۷۷

لا باس باکل توتھا ولا یجوز اخذ ورقھا[۱]ـ واللہ تعالٰی اعلم

درخت مسجد میں ہے تو فقیہ ابوجعفر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: اسے اپنے توت کا پھل کھانا جائز اور پتوں کا لینا ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۶۸ ازلبسولی ضلع بدایوں مرسلہ خلیل الرحمان صاحب ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مساجد میں معاملاتِ دُنیا کی باتیں کرنے والوں پر کیا ممانعت ہے اور بروزِ حشر کیا مواخذہ ہوگا؟

الجواب

دُنیا کی باتوں کے لئے مسجد میں جاکر بیٹھنا حرام ہے۔ اشباہ ونظائر میں فتح القدیر سے نقل فرمایا:

"مسجد میں دنیا کا کلام نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔"

یہ مباح باتوں کا حکم ہے پھر اگر باتیں خود بُری ہوئیں تو اس کا کیا ذکر ہے، دونوں سخت حرام درحرام، موجبِ عذابِ شدید ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۶۹ ازغازی پور محلہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش محرر دفتر ججی غازی پور ۷ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں شور وشر کرنا اور دنیا کی باتیں کرنا اور اسی طرح سے وضو میں درست ہے یا نہیں، اور اپنے پاس سے غیبت کرنے والوں اور تہمت رکھنے والوں اور جن میں شیوہ منافقت کا مفسدہ کا انداز پایا جائے نکلوا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مسجد میں شور وشر کرنا حرام ہے، اور دنیوی بات کے لئے مسجد میں بیٹھنا حرام، اور نماز کے لئے جاکر دنیوی تذکرہ مسجد میں مکروہ اور وضو میں بے ضرورت دُنیوی کلام نہ چاہئے۔ اور غیبت کرنے والوں اور تہمت اٹھانے والوں منافقوں مفسدوں کو نکلوا دینے پر قادر ہو تو نکلوا دے جبکہ فتنہ نہ اُٹھے ورنہ خود اُن کے پاس سے اٹھ جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۷۰ ازشہر بریلی مدرسہ منظرالاسلام مسئولہ غلام جان صاحب طالب العلم ۱۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد ویران شدہ یعنی چھت وغیرہ اُس کا گر گیا صرف دیواریں و دیگر آثار اُس کے سب نمودار ہیں اُس مسجد کے متعلق جو دُکان ہو اُس کا کرایہ دوسری مسجد پہ

---

[۱] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصلح فیما یجوز لاحد الشریکین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۱

خرچ ہوسکتا ہے یا نہ ؟ اور اُس کرایہ میں سے دُوسری مسجد کے پیش امام کو دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

نہیں جائز، بلکہ اس کے کرایہ سے اُسی مسجد کی تعمیر کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷۱ ازمراد آباد محلہ اصالت پورہ مسئولہ کارد علی صاحب ۵ا محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صحنِ مسجد میں کچھ قبریں آگئی ہیں اور ان قبروں میں فرش پختہ بنادیا گیا ہے اب کوئی نشان قبر کا صحنِ مسجد میں معلوم نہیں ہوتا ہے البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فلاں فلاں کی قبریں ہیں لہٰذا یہ معلوم کرنا ہے کہ اس صحنِ مسجد میں کہ جہاں قبریں تھیں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور جو نمازیں پڑھی ہیں وہ نمازیں ہوگئیں یا نہیں ؟ سوال کا جواب بحوالہ کتب احادیث ارقام فرمائیں۔

الجواب

مسلمانوں کی قبریں ہموار کرکے صحنِ مسجد میں شامل کرلینا حرام ہوا اور اُن قبروں پر نماز حرام ہے اور اُن کی طرف نماز حرام ہے، قبر اُوپر کے نشان کا نام نہیں کہ اُس کے مٹنے سے قبر جاتی رہے بلکہ اُس جگہ کا نام ہے جہاں میت دفن ہے، جتنی نمازیں اس طرح پڑھی گئیں سب پھیری جائیں اور قبروں کے نشان بدستور بنادے جائیں کہ مسلمان اُن پر پاؤں رکھنے اور چلنے اور اُن پر اور اُن کی طرف نماز پڑھنے کی آفتوں سے محفوظ رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۷۲ ازشاہی علاقہ رام پور مرسلہ نادر شاہ خاں و انعام اللہ خاں ۶ جمادی الاُخریٰ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد کے یمین و یسار قبرستان خام ہے نشانِ قبور موجود ہیں، قبرستان کو نئی مٹی سے یا پختہ چبوترہ باندھ کر فرش مسجد کا بڑھالیا جائے ایسا کہ بالکل نشانِ قبر بالکل ظاہر نہ رہے تو اُس پر نماز پڑھنا درست ہے یا ناجائز ؟ بینوا توجروا

الجواب

ناجائز و حرام ہے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنا بھی حرام، اور قبر پر نماز پڑھنی حرام، اور حرام تو اس ناجائز فعل میں قبروں کی بھی بے عزتی ہے اور نماز کا بھی نقصان۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۷۳ منشی مردان علی از بجنور محلہ قاضی خاں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد بجنور جو محلہ قاضیان میں واقع ہے اُس کا فرش موجودہ شرقاً و غرباً یعنی عرض میں بہت کم ہے کہ جو بعض جمعہ کو نمازیوں کے لئے کافی نہیں ہوتا لہٰذا اُس کے فرش بڑھانے کی تدبیر درپیش ہے درصورت بڑھانے فرش کے ایک قبر پختہ جس کا حضیرہ زمین سے قریب بارہ گرہ کے اونچا بنا ہُوا ہے بیچ فرش میں پڑگئی، صاحبِ قبر کے انتقال کو قریب سو سال کے گزری ہوں گی

لہذا علمائے دین کی خدمت میں التماس ہے کہ اس قبر کو کیا کیا جائے تاکہ نماز میں کچھ حرج نہ ہو، یا فرش کے برابر کردی جائے یا اونچی رہنے دی جائے؟ درصورت بحالتِ موجودہ رکھنے قبر کے، نماز میں کچھ حرج ہوگا یا نہیں؟ ورثائے صاحبِ قبر سوائے ایک شخص کے قبر کو برابر کرنے کے لئے راضی ہیں اگر برابر کرنا درست ہو تو یہ بھی مع حوالہ کتبِ فقہ تحریر کیا جائے کہ کتنے میعاد کے بعد برابر کرنا درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں قبرِ مسلمان کو برابر کردینا کہ لوگ اس پہ چلیں پھریں، اُٹھیں بیٹھیں، نماز پڑھیں، محض حرام ہے۔

کما نطقت بہ احادیث جمۃ وقد صرح علمائنا ان المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام کما فی فتح القدیر ورد المحتار وغیرھما۔

جیسے کہ اس پر تمام احادیث شاہد عادل ہیں اور ہمارے علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ قبرستان میں نئے بنائے گئے راستے پر چلنا حرام ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

پھر اس برابر کرنے سے نماز کا بھی کچھ آرام نہیں بلکہ نقصان ہے کہ قبر پر نماز پڑھنا حرام، اور قبر کی طرف بے حائل نماز پڑھنا بھی مسجد صغیر میں مطلقاً حرام اور کبیر میں اتنے فاصلے تک حرام کہ جب نماز خاشعین کی پڑھی اور قیام میں موضع سجود پر نظر جمائے تو قبر تک نگاہ پہنچے، اور عام مساجد صغیر ہیں، مسجد کبیر ایسی ہے جیسے جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے، اور قبر اُس جگہ کا نام ہے جہاں میت دفن ہے، اُوپر کا بلند نشان حقیقتِ قبر میں داخل نہیں تو اُس کے برابر کردینے سے قبر قبر ہی رہے گی غیر قبر نہ ہو جائے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

تکرہ الصلوۃ علیہ والیہ لورود النھی عن ذلک[1]

قبر پر اور قبر کی طرف نماز مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعنۃ اللہ علی الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد[2]۔ رواہ الشیخان وغیرھما عن ام المؤمنین الصدیقۃ

اللہ تعالٰی کی لعنت ہو یہود و نصارٰی پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا۔ اسے بخاری ومسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ

---

[1] ردالمحتار | باب صلوۃ الجنائز | مطبوعہ مصطفی البابی مصر | ۱/۶۶۷

[2] صحیح البخاری | کتاب الصلوۃ | " قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۶۲

صحیح مسلم کتاب المساجد باب النھی عن بناء المسجد علی القبور مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۰۱

وعبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔ | اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ قبر کو فرش کے برابر کریں اور اگر فرش اونچا ہوکر آئے گا تو قبر جس قدر نیچی ہو رہنے دیں اور اُس کے گرداگرد ایک ایک بالشت کے فاصلے سے ایک چار دیواری اٹھائیں کہ سطح قبر سے پاؤ گز یا زیادہ اونچی ہو، ان دیواروں پر پتھر ڈال دیں یا لکڑیاں چُن کر پاٹ دیں کہ چھت ہوجائے، اب یہ ایک مکان ہوگیا جس کے اندر قبر ہے، اب اس کی چھت پر اور اُسی کی دیوار کی طرف ہر طرح نماز جائز ہوگئی کہ یہ نماز قبر پر یا قبر کی طرف نہ رہی بلکہ ایک مکان کی چھت پر یا اس کی دیوار کی جانب ہوئی اور اس میں حرج نہیں۔ مسلک متقسط[ف] میں ہے:

ان کان بین القبر والمصلی حجاب فلا تکرہ الصلٰوۃ۔[1] | اگر قبر اور جائے نماز کے درمیان پردہ ہو تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔(ت)

خلاصہ و ذخیرہ وغیرہما میں ہے:

ھذا اذا لم یکن بین المصلی وھذہ المواضع حائل کالحائط وان کان حائطاً لا تکرہ۔[2] | یہ اس وقت ہے جب جائے نماز اور ان مقامات کے درمیان پردہ مثلاً دیوار وغیرہ حائل نہ ہو، اور اگر دیوار ہے تو کراہت نہیں۔(ت)

اور بہتر یہ ہے کہ ان مختصر دیواروں میں جنوباً شمالاً دیوار جانبِ قبلہ میں بھی کچھ باریک جالیاں رکھیں، اس سے دو فائدے ہوں گے: اوّلاً میت کی قبر تک ہواؤں کا آنا جانا کہ بحکمِ حدیث موجب نزولِ رحمت ہے۔ دوم جالیاں دیکھ کر ہر شخص سمجھ لے گا کہ یہ قبر نہیں اور اس پر یا اس کی طرف نماز پڑھنے میں اندیشہ نہ کرے گا ورنہ ناواقف اُسے بھی قبر جان کر احتراز کرے گا اور صحنِ مسجد کے اندر اتنی جگہ تین چار گرہ بلندی رہنے کو جاہل نادانوں کی طرح ناگوار نہ جانیں کہ اس میں میت واحیا ومسجد وقبر سب کی بھلائی ہے کما اشرنا الیہ (جیسا کہ ہم نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] مسلک متقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم الخ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۴۲

[2] خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۶۰

ف: کتاب مذکور کے الفاظ یوں ہیں: بل لایکون بینہ وبینہ حجاب من جدارہ والا فلا تکرہ الصلٰوۃ۔ نذیر احمد

مسئلہ ١١٤ از شہر الہ آباد زیر جامع مسجد چوک مرسلہ مرزا واحد علی خوشبو ساز ٢٩ شوال ١٣٣٧ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں ایک مدرسہ ہے جس میں تعلیم کلام مجید و تفسیر و فقہ وحدیث کی ہوتی ہے، بعض منتظمین نے چاہا کہ تعلیم مسجد سے اُٹھا دی جائے، بعد گفتگو بسیار کے یہ طے پایا کہ دونوں طرف سے تحریریں ہوجائیں اور رجسٹری کردی جائے، منتظمانِ مسجد لکھ دیں کہ ہم مدرسہ نہ اٹھائیں گے، جب تک مدرسہ تین شرائط پر قائم رہے گا، ایک یہ کہ سات آٹھ برس کے لڑکے نہ داخل ہوں، دُوسرے مدرسہ میں تعلیم ہندی ناگری انگریزی غیر مذہب کی تعلیم نہ داخل ہو، مدرسہ مسجد کی کسی چیز پر قبضہ نہ کرے۔ مہتممِ مدرسہ نے اس کو تسلیم کیا اور تحریر کردیا کہ ہم اس کے پابند رہیں گے، بکر کہتا ہے کہ یہ تحریر کرنا اور رجسٹری کرانا جائز نہیں ہے منتظمین کو شرعًا یہ حق حاصل نہیں کہ اس قسم کی تحریر کرائیں اور رجسٹری کرائیں۔ زید کہتا ہے کہ یہ سب جائز ہے جو جو کام مسجد میں جائز ہیں اس کی مزاحمت کسی کو جائز نہیں لہٰذا عدمِ مزاحمت کی توثیق کرانا شرعًا کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ کوئی متولی کسی نمازی سے کہہ دے یا لکھ دے کہ ہم تم کو نماز سے کبھی نہ روکیں گے جب تک تم کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ گے اور مسجد میں فساد کی بات نہ کروگے لہٰذا کس کا قول صحیح ہے زید کا یا بکر کا؟ بینوا توجروا

الجواب

مسجد میں تعلیم بشرائط جائز ہے:

(١) تعلیم دین ہو۔

(٢) معلّم سُنّی صحیح العقیدہ ہو، نہ وہابی وغیرہ بددین کہ وُہ تعلیمِ کفر و ضلال کرے گا۔

(٣) معلّم بلا اُجرت تعلیم کرے کہ اُجرت سے کارِ دنیا ہوجائے گی۔

(٤) ناسمجھ بچّے نہ ہوں کہ مسجد کی بے ادبی کریں۔

(٥) جماعت پر جگہ تنگ نہ ہو کہ اصل مقصد مسجد جماعت ہے۔

(٦) غل شور سے نمازی کو ایذا نہ پہنچے۔

(٧) معلّم خواہ طالب علم کسی کے بیٹھنے سے قطعِ صف نہ ہو۔

ان شرائط کا اگر وثیقہ لکھا لیا جائے کیا مضائقہ ہے بلکہ بہتر ہے وُہ تحریر کہ لکھانا چاہتے ہیں اس کی پہلی شرط ان میں کی چوتھی اور دوسری اُن میں کی پہلی ہے اور تیسری کوئی خاص تعلیم کی نہیں مطلقًا ہے اُس کا لکھا لینا بھی اچھا ہے گرمی کی شدت وغیرہ کے وقت جبکہ اور جگہ نہ ہو بضرورت معلّم باجرت کو اجازت ہے مگر نہ مطلقًا، یُونہی سلائی پر سینے والا درزی اگر مسجد کی حفاظت اور اُس میں بچّوں کو نہ آنے دینے کے لئے مسجد میں بیٹھے اور اپنا سِیتا بھی رہے تو اجازت دی ہے یوں ہی غیرِ نماز کے وقت متعلمان علم دین کو تکرارِ علم میں رفعِ صوت کی حدیث میں فرمایا:

جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم[1]

اپنی مساجد کو اپنے بچّوں اور دیوانوں سے بچاؤ۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

قالوا لایجوز ان تعمل فیه (ای فی المسجد) الصنائع لانه مخلص لله تعالٰی فلا یکون محلا لغیر العبادة غیر انهم قالوا فی الخیاط اذا جلس فیه لمصلحة من دفع الصبیان و صیانة المسجد لاباس به للضرورة ولا یدق الثوب عند طیه دقا عنیفا والذی یکتب ان کان باجر یکره وان کان بغیر اجر لایکره قال فی فتح القدیر هذا اذا کتب القراٰن و العلم لانه فی عبادة اما هؤلاء المکتبون الذین یجتمع عندهم الصبیان و اللغط فلا ولو لم یکن لغط لانهم فی صناعة لاعبادة اذهم یقصدون الاجارة لیس هو لله تعالٰی بل للارتزاق ومعلم الصبیان القراٰن کالکاتب ان کان لاجر لا وحسبة لاباس به[2] اھ

فقہاء نے فرمایا کہ مسجد میں کوئی عمل جائز نہیں یعنی مسجد میں کوئی کاروبار جائز نہیں کیونکہ وہ خالصۃً اللہ تعالٰی کے لئے بنائی گئی ہوتی ہے تو اب وہ عبادت کے علاوہ کسی دوسری شَے کا محل نہیں بن سکتی البتہ اس صورت میں مثلاً کوئی درزی وہاں اس لئے بیٹھ کر کام کرتا ہے کہ بچے داخل نہ ہوں اور مسجد کی حفاظت ہو، تو چونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن وہ بھی کپڑے کو لپیٹتے وقت سخت آواز سے کپڑے کو نہ جھاڑے، اسی طرح اگر وہاں کوئی لکھتا ہے اور اس کا معاوضہ لیتا ہے تو مکروہ ہے اور اگر معاوضہ نہیں لیتا تو مکروہ نہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہ اس وقت ہے جب قرآن اور علم لکھ رہا ہو کیونکہ یہ عبادت ہے، لیکن یہ کتابت سکھانے والے لوگ جن کے پاس بچّے اکٹھے ہوں اور شور ہوتا ہو وُہ جائز نہیں اگرچہ عملاً شور نہ ہو کیونکہ یہ کاروبار ہے نہ کہ عبادت، کیونکہ وُہ تو معاوضہ و اجر کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالٰی کی رضا کے حصول کی خاطر، بلکہ یہ رزق کمانے کے لئے ہے، اور بچّوں کو قرآن کی تعلیم دینے والے کا حکم بھی کاتب کی طرح ہے اگر معاوضہ کی خاطر ہے تو جائز نہیں اور اگر رضائے الٰہی کے لئے ہے تو کوئی حرج نہیں اھ (ت)

فتاوٰی خلاصہ میں قبیل کتاب الحیض ہے:

المعلم الذی یعلم الصبیان باجر اذا جلس

وُہ استاد جو بچّوں کو معاوضہ کے لئے پڑھاتا ہو اگر گرمی

---

[1] سنن ابن ماجہ | باب مایکرہ فی المساجد | ” ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ص ۵۵
المعجم الکبیر | حدیث ۷۶۰۱ | ” مکتبہ فیصلیہ بیروت | ۸/۱۵۸
[2] بحرالرائق | باب مایفسد الصلوٰۃ و مایکرہ فیہا | مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۳۵

فی المسجد یعلم الصبیان لضرورۃ الحر وغیرہ لایکرہ وفی نسخۃ القاضی الامام رحمہ اللہ وفی اقرار العیون جعل مسئلۃ المعلم کمسألۃ الکاتب والخیاط فان کان یعلم حسبۃ لاباس بہ وان کان باجر یکرہ الا اذا وقع ضرورۃ۔[۱]

وغیرہ کی وجہ سے مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے تو مکروہ نہیں، اور قاضی امام رحمہ اللہ کے نسخہ اور اقرار العیون میں مسئلہ علم کو مسئلہ کاتب اور مسئلہ درزی کی طرح ہی قرار دیا گیا ہے کہ اگر وہ رضائے الٰہی کے لئے تعلیم دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر معاوضہ لیتا ہے تو مکروہ ہے البتہ اس صورت میں جائز جب ضرورت ہو (ت)

درمختار میں ہے:

اذا ضاق فللمصلی ازعاج القاعد ولو مشتغلا بقراءۃ اودرس۔[۲]

جب نمازی کے لئے جگہ تنگ ہو تو بیٹھے ہُوئے آدمی کو اٹھا سکتا ہے خواہ وہ تلاوت میں مصروف ہو یا تعلیم دے رہا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اقول وکذا اذالم یضق ولکن من قعودہ قطع للصف۔[۳]

میں کہتا ہوں اسی طرح اس کا حکم ہے جس کے بیٹھنے کی وجہ سے صف منقطع ہو رہی ہو اگرچہ تنگی نہ ہو (ت)

درمختار مکروہات وممنوعاتِ مسجد میں ہے:

ورفع صوت بذکر الا للمتفقھۃ۔[۴]

ذکر بلند آواز سے کرنا منع ہے مگر اس شخص کے لئے جو تعلیم دے رہا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الا ان یشوش جھرھم علی نائم اومصل اوقارئ الخ۔[۵]

البتہ اس صورت میں بھی جائز نہیں جب ذکر بالجہر سے کسی سونے والے کی نیند، کسی نمازی کی نماز یا تلاوت کرنے والے کی تلاوت میں خلل کا اندیشہ ہو۔ (ت)

---

[۱] خلاصۃ الفتاوٰی قبیل کتاب الحیض مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۹
[۲] درمختار قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴
[۳] ردالمحتار " " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۰
[۴] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳
[۵] ردالمحتار " " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸۸

مناقب کردری میں ہے :

عن ابن عیینۃ قال مررت بہ (ای بالامام رضی اللہ تعالٰی عنہ) وھو مع اصحابہ فی المسجد قد ارتفعت اصواتھم، فقلت یا اباحنیفۃ ھذا المسجد والصوت لایرفع فیہ فقال دعھم فانھم لایفقھون الا بہ[1] واللہ تعالٰی اعلم

ابن عیینہ سے ہے کہ میں ان (امام رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے پاس سے گزرا، آپ ساتھیوں کے ساتھ مسجد میں تھے لیکن ان کی آواز بلند تھی، میں نے کہا: اے ابوحنیفہ! یہ مسجد ہے اس میں آواز بلند نہیں ہونی چاہئے۔ فرمایا: ان کو چھوڑ دو کیونکہ دینی علوم کو اس آواز کے بغیر حاصل نہیں کرسکتے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۷۵ سائل مذکور الصدر

ایک مسجدِ قدیم چندہ کے روپیہ سے از سرِ نو تعمیر کی گئی اس کی مغربی دیوار پر عبارتِ ذیل تین ۳ پتھر میں کندہ کرکے ہر سہ محراب کے اُوپر چسپاں کی گئی، عبارت یہ ہے :

"یہ جامع مسجد مع دُکانات جنوبی وشرقی وحمام شاہی عہد کے بنے ہوئے ایک عرصہ تک متولیوں کے اہتمام میں رہی، آخری متولی کی بے ایمانیوں سے حمام مسجد سے نکل گیا اور مسجد کی مغربی دیوار پر ایک شخص کا دومنزلہ مکان بن گیا، مغربی دیوار اور گنبد کی دیوار شق ہوگئی، دکاناتِ مسجد کی نسبت متولی مذکور نے اپنی خانگی جائداد ہونے کا دعوٰی کیا، بالآخر متولی بحکم کچہری تولیت سے خارج کردیا گیا اور مسجد دکانات کا انتظام کچہری کی طرف سے کمیٹی کو سپرد ہوا، اس کمیٹی نے حمام کو واپس لے کر جزوِ مسجد قرار دیا اور اُس وقت سے مسجد کی زینت وآبادی میں روزافزوں ترقی ہوتی رہی، مسجد کی مغربی دیوار اور گنبد کی ڈاٹ شق ہوجانے سے مسجد کے گرجانے کا اندیشہ تھا لہذا مسجد کی کل موجودہ عمارت بنیاد سے از سرِ نو کمیٹی کے زیرِ اہتمام تعمیر کی گئی تعمیر کا کام ۱۳۳۱ھ میں شروع ہُوا ۱۳۳۶ھ میں ختم ہُوا، تعمیر میں چالیس ہزار روپیہ خرچ ہُوا جس میں سے ایک ہزار نوسو دُکانات کے کرایہ سے ملا اور باقی چندہ جمع کیا گیا، ضلع الہ آباد کے علاوہ دیگر اضلاع کے مسلمانوں اور والیانِ ملک نے بھی چندہ عطا فرمایا، دُکاناتِ زیرین مسجد مع حمام وقف ہیں ان کی آمدنی اخراجاتِ مسجد میں صَرف ہُوتی ہے، اللہ تعالٰی اس مسجد کو حوادثِ زمانہ سے محفوظ رکھے اور جملہ مسلمانان معاونین مسجد کو جزائے خیر عطا فرمائے، ناظرین ارکانِ کمیٹی وسیکریٹری و دیگر کارکنان کے حق میں دعائے مغفرت کریں۔ سیّد امیر الدین احمد غفرلہ المخاطب بہ خان بہادر سیکریٹری

---

[1] المناقب للکردری الامام ابوحنیفہ واصحابہ فاسوا علی السنۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۲/۷۳

کمیٹی انتظام جامع مسجد چوک الہ آباد ساکن دائرہ شاہ رفیع الزماں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ واقع محلہ یحیٰی پور شہر الہ آباد۔"

زید کہتا ہے کہ بچند وجوہ یہ عبارت چسپاں کرانا مغربی دیوار پر درست نہیں ہے، اوّل یہ کہ درمختار میں لکھا ہے کہ مغربی دیوار پر نقش کرنا درست نہیں ہے،

وھو ھذا (ولاباس بنقشہ خلا محرابہ) فانہ یکرہ لانہ یلھی المصلی ویکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوھا خصوصا فی جدار القبلۃ قالہ الحلبی وفی حظر المجتبی وقیل یکرہ فی المحراب دون السقف والمؤخر اھ وظاھرہ ان المراد بالمحراب جدار القبلۃ فلیحفظ۔[1]

اور وُہ یہ ہے (مسجد کو محراب کے علاوہ منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں) کیونکہ محراب کا منقش کرنا مکروہ ہے وہ نمازی کو مشغول کر دیتا ہے اور باریک نقش ونگار کے لئے تکلّف کرنا خصوصاً دیوارِ قبلہ میں مکروہ ہے۔ حلبی نے کہا کہ المجتبٰی کے باب الحظر میں ہے کہ بعض کے نزدیک محراب میں نقش ونگار مکروہ، مگر چھت یا پچھلی دیوار پر مکروہ نہیں۔ اور اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ محراب سے مراد قبلہ کی دیوار ہے، اسے محفوظ کرلو۔ (ت)

اور یہاں نحوھا کا لفظ بھی ہے کہ جو ہر ایک ایسی چیز کو شامل ہے کہ جس سے دل بٹنے کا اندیشہ ہو۔

دوم یہ کہ اس میں متولی سابق کی خیانت لکھی ہے جن کو اس لقب سے یہاں ہر شخص جانتا ہے وُہ اپنے کردار کو پہنچ بھی چکے اور کچہری نے بھی ان کو تولیت سے علیحدہ کر دیا لیکن وہ جب دنیا سے رحلت فرمائیں گے تو اُن کی بُرائی ہمیشہ کے لئے کندہ رہے گی اور لوگ بُرائی سے اُن کو یاد کریں گے، اور یہ حدیث شریف میں منع ہے۔

سوم یہ کہ ایسے موقع پر کسی کا نام ہونا شہرت اور ریا سے خالی نہیں اور یہ غیر مستحسن ہے، جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

وعن عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا ای معبدا فیتناول معبد الکفرۃ فیکون للہ لاخراج ما بنی معبدا لغیر اللہ قالہ ابن الملک والاظھر ان یکون المسجد علی

حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کے لئے مسجد (عبادت گاہ) بنائی، یہ کافروں کے عبادت خانے کو بھی شامل ہے۔ اب "اللہ کی خاطر" سے وہ عبادت گاہ خارج ہو جائے گی جو

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

يا به ويكون لله لاخراج ما بنى للريا والسمعة ولذا قيل من كتب اسمه على بنائه دل ذلك منه على عدم اخلاصه قال ابن حجر وهو ظاهر مالم يقصد بكتابة اسمه نحو الدعاء والترحم وفيه ان الدعاء والترحم يحصل مجملا و مبهما فلا يحتاج الى تعيين الاسم[1]۔

غیر اللہ کی خاطر ہو۔ یہ ابن الملک کا قول ہے۔ اور اظہر یہی ہے کہ مسجد کا یہی حکم ہے، اب "اللہ کی خاطر" سے وُہ مسجد نکل جائے گی جو ریا اور دکھاوے کی خاطر ہو، اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس نے مسجد پر اپنا نام لکھا تو یہ عدم اخلاص پر دلیل ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں یہی ظاہر ہے جب تک نام لکھنے سے مقصد دعا و رحمت نہ ہو اس پر اعتراض یہ ہے کہ دعا و رحمت مجملاً ہوجاتی ہے لہذا نام کی تعیین کی ضرورت نہیں۔ (ت)

چہارم یہ کہ ایک خاص ایسے شخص کے نام ہونے سے اُس کا اور اُس کے خاندان کا ایک قسم کا استحقاق ثابت ہوتا ہے اور آئندہ یہ مسجد کی آمدنی کے حق میں نہایت مضر ہوگا جیسا کہ تمام اوقاف میں ہو رہا ہے، بہرحال اگر اس میں کوئی اختلاف بھی کرے تو اختلافی بات مسجد میں رہنا اچھا نہیں، احتیاط کا یہی منشا ہے کہ یہ پتھر نہ رہے۔ بکر کہتا ہے کہ یہ پتھر چھپاں کرنا درست ہے بہت مساجد میں ایسے کتبے لگے ہُوئے ہیں اور نمازیں وہاں نظر لے جانے کی ضرورت کیا ہے اور نام کندہ کرانا دُعا کے واسطے ہے اور اس خیال سے کہ کسی منتظم ذمہ دار کے نام ہونے کی ضرورت ہے، بہرحال زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟ بینوا توجروا

الجواب

اس سوال کا جواب رمضان ۱۳۳۷ھ میں دیا جا چکا ہے اس کی نقل مرسل ہے وہی جواب ہے اس میں دیوارِ قبلہ پر نام کا سوال زائد ہے، بیشک دیوارِ قبلہ میں عام مصلیوں کے موضع نظر تک کوئی چیز ایسی نہ چاہئے جس سے دل بٹے اور ہو تو کپڑے سے چھپا دی جائے۔ احمد و ابوداؤد عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دعاہ بعد دخوله الكعبة فقال انى كنت رأيت قرنى الكبش حين دخلت البيت فنسيت ان آمرك ان تخمرهما فخمرهما فانه لاينبغی ان يكون فی قبلة البيت شیئ

رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دخولِ کعبہ کے بعد انھیں بلایا اور فرمایا جب میں بیت اللہ میں داخل ہُوا تو میں نے دُنبے کے دو سینگ دیکھے مجھے تجھ سے یہ کہنا یاد نہ رہا کہ انھیں ڈھانپ دے، پس ڈھانپ دو، کیونکہ قبلۂ بیت اللہ میں ایسی کسی

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ باب المساجد ومواضع الصلوۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۹۳

یلھی المصلی[1] شیئ کا ہونا مناسب نہیں جو نمازی کو مشغول کر دے۔ (ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کلید بردار کعبہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا: ہم نے کعبہ میں دُنبے کے سینگ ملاحظہ فرمائے تھے (دُنبہ کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ ہُوا اُس کے سینگ کعبہ معظمہ کی دیوارِ غربی میں لگے ہُوئے تھے) ہمیں تم سے یہ فرمانا یاد نہ رہا کہ ان کو ڈھانک دو اب ڈھانکو کہ نمازی کے سامنے کوئی چیز ایسی نہ چاہئے جس سے دل بٹے۔ ہاں اگر اتنی بلندی پر ہو کہ سر اٹھا کر دیکھنے سے نظر آئے تو یہ نمازی کا قصور ہے، اُسے آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کب جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

لینتھین اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء فی الصلوٰۃ او لتخطفن ابصارھم۔[2] رواہ احمد ومسلم والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

وہ جو نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں یا تو اس سے باز آئیں گے یا ان کی نگاہ اُچک لی جائیگی یعنی واپس نہ آئے گی اندھے ہوجائیں گے۔ اسے امام احمد، مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نام کندہ کرانا نیت پر ہے، اگر بہ نیتِ دُعا ہے بے شُبہہ روا ہے اور مبہم دعا کافی ہونا بالتعیین دعا چاہنے کا نافی نہیں، اور اگر مقصود نام ہے بیشک حرام ہے، مگر مسلمان پر بدگمانی کس نے جائز کی، یہ امرِ قلب ہے وُہ جانے اور اس کا رب۔ پہلی جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ میں بھی اس کا جواب جا چکا تھا، یہی حکم تھا، وہ مجمل یہ قدرے مفصل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷: از شہر دفتر انجمن خادم المسلمین مسؤلہ گوہر علی حسینی معتمد انجمن ۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ سقفِ مساجد پر بخیال شوکتِ اسلام اسلامی سیاہ جھنڈا یعنی لوائے اسلام نصب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

شوکتِ اسلام اطاعتِ اسلام میں ہے، مسجد پر جھنڈا ایک نئی بات ہے، اور کوئی مزاحمت ہو تو سُبکی وخفت، اور اس کا اندیشہ نہ ہو تو فی نفسہٖ کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل مروی از امرأۃ ام عثمان بن طلحہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۵/۳۸۰

[2] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب النہی عن رفع البصر الی السماء الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۸۱

مسئلہ ۱۱۰: از بھیرہ شاہ پور ملک پنجاب دروازہ ملتانی مسئولہ فضل حق صاحب چشتی ۵ رمضان ۱۳۲۹ھ

بخدمت جناب سلطان العلماء المتبحرین برہان الفضلاء والمتصدرین کنز الہدایۃ والیقین شیخ الاسلام والمسلمین مولینا مفتی العلامہ شاہ احمد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ مرزائی وغیرہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسجد میں راگ منع ہیں اور حتی الامکان منع ہیں، چونکہ مولود بھی راگ ہیں اس لئے یہ قطعاً ناجائز ہیں۔ بیّنوا توجّروا۔

الجواب

مجلس میلاد مبارک کہ روایات صحیحہ سے ہو اور اشعار کہ پڑھے جائیں مطابق شرع مطہر ہوں اور الحان سے پڑھنے والے مرد غیر امرد ہوں، مسجد میں بھی جائز ہے کہ مساجد ذکر الٰہی کے لئے بنیں اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر بھی ذکر الٰہی ہے، حدیث میں ہے رب عزوجل نے کریمہ و رفعنالك ذکرك کے نزول کے بعد کہ ہم نے بلند کیا تمہارے لئے تمہارا ذکر، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھیج کر ارشاد فرمایا: اتدری کیف رفعت لك ذکرك[1] جانتے ہو میں نے تمہارا ذکر تمہارے لئے کیونکر بلند فرمایا؟ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عرض کی: تو خوب جانتا ہے۔ فرمایا: جعلتك ذکرا من ذکری فمن ذکرك فقد ذکرنی[2] میں نے تمہیں اپنے ذکر میں سے ایک ذکر بنایا تو جس نے تمہارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ قادیانی مرتدین ہیں ان کی بات پر کان لگانا جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۱: مسجد میں مسائل کا بطور وعظ کے قبل نماز کے کوئی نفل پڑھتا ہو کوئی سنتیں، بیان کرنا چاہئے یا نہیں، یا بعد نماز کے؟

الجواب

مسائل قبل نماز خواہ بعد نماز، ایسے وقت بیان کئے جائیں کہ لوگ سننے کے لئے فارغ ہوں، نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] کتاب الشفاء الباب الاول فی ثناء اللہ تعالٰی فصل اول مطبوعہ شرکت صحافیہ ترکی ۱/۱۵
تفسیر دُرمنثور آیۃ ورفعنالک ذکرک کے تحت مذکور ہے منشورات مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۶/۳۶۴

[2] کتاب الشفاء الباب الاول فی ثناء اللہ تعالٰی فصل اول مطبوعہ شرکت صحافیہ فی البلاد العثمانیہ ترکی ۱/۱۵

مسئلہ ۱۱۷۹ ازجاورہ مرسلہ مولوی حافظ مصاحب علی صاحب یکم رجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں اگر نماز کے واسطے صفیں باندھ کر منتظرِ جماعت یا خطبہ بیٹھے ہوں اور مشغولِ ذکرِ الٰہی ہوں اس صورت میں کسی حاکم یا مشائخ یا رئیس یا بادشاہ یا خود امام مسجد کے آجانے پر کسی شخص کو یا عام لوگوں کو تعظیم کے لئے کھڑا ہونا یا استقبال کو بڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ لوگ جماعت یا خطبہ کے انتظار میں نہ ہوں اور ابھی امام خطبہ کے لئے نہیں گیا تو اپنے باپ یا پیر یا استاذِ علمِ دین کے لئے ہر شخص قیام کرسکتا ہے، اور اگر عالمِ دین کا تشریف لانا ہو تو تمام مسجد قیام کرے، ان کی تعظیم بعینہٖ اللہ و رسول کی تعظیم ہے جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، باقی صرف دنیوی عزت یا تونگری رکھنے والے کے لئے بلاضرورت ومجبوری جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۸۰ غرہ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مقام پر بہت قبریں ہوں اُس مقام کو پاٹ کر اُس پر مسجد بنائی جائے اُس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

سائل مظہر ہے کہ قبرستان عامہ مسلمین کے خاص مواضع قبور پر مٹی ڈال کر چبوترہ بنایا اور اُس پر عمارت قائم کرکے اُسے مسجد ٹھہرایا یہ قطعًا ناجائز و باطل ہے، نہ وہ مسجد مسجد ہوسکتی ہے فان الوقف لا یملك فلا یوقف مرۃ اخری علی جھۃ اخری (کیونکہ وقف کسی کی ملکیت نہیں رہتا لہذا دوبارہ کسی دوسرے پر وقف نہیں کیا جاسکتا۔ ت) نہ اُس میں نماز مباح لان القبر لا یخرج عن القبریۃ باضافۃ تراب علیہ فھی صلوۃ علی القبر ثم ھو تصرف فی الوقف بما لیس لہ و تغییر لہ عما قد کان لہ فلا یجوز (کیونکہ قبر پر مٹی زیادہ ڈالنے سے قبر، قبریت سے خارج نہیں ہوسکتی لہذا یہ نماز قبر پر ہوگی پھر یہ وقف میں ایسا تصرف و تبدیلی ہے جو اس کے لئے جائز نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۸۱ تا ۱۱۸۴ از میرٹھ علاقہ جودھپور متصل مسجد جامع چوٹھ کی گلی مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب وکیل کچامن ۸ ذی الحجہ یوم چہارشنبہ ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کثر اللہ جماعتہم سوالات مستفسرۂ ذیل کے جوابات میں:

(۱) ہمارے ادھر ایک قوم ہے جس کا پیشہ شراب کشید کرنے کا ہے اور مذہبًا مسلمان ہے اس قوم میں کچھ آدمیوں نے دو چار پشت سے شراب کی کشید موقوف کردی ہے اور دوسرے پیشے مثلًا پیشہ بساطی

اور معماری وغیرہ وغیرہ جن سے اکلِ حلال میسر ہو سکتا ہے اختیار کر لئے ہیں ان لوگوں نے ایک مسجد بنائی ہے اس میں ہم لوگوں کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(۲) مذکورہ بالا قوم کے بعض مسلمان ابھی تک شراب کشید کرتے ہیں مگر وُہ نماز اور روزہ کے پابند ہیں، یہ لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں اُسی میں وضو بناتے ہیں مگر مسجد میں جب داخل ہوتے ہیں اس وقت شراب سے بدن کو ملوث نہیں رکھتے بلکہ کپڑوں سے اور بدن کی طہارت سے داخل ہوتے ہیں اس صورت میں ان کو مسجد میں آنے دینا چاہئے یا نہیں اور وضو کرنے دیں یا منع کیا جائے اور جماعت میں شریک کریں یا نہ کریں؟

(۳) وہ مسلمان جنہوں نے شراب کی کشید ترک کر دی ہے ان کے یہاں کی دعوت قبول کی جائے یا نہیں اور ان کی بنا کردہ مسجد میں امامت کرنے والے کے حق میں شریعت سے کیا حکم ہے ؟

(۴) قوال یعنی بڑھ مچھے اور طوائف بڑھیا کو مسجد میں آنے دینا چاہئے یا نہیں اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؛ بینوا توجروا۔

الجواب

وُہ مسجد کہ ان لوگوں نے بعد توبہ مال حلال سے بنائی ہے بیشک مسجد شرعی ہے اور اس میں نماز فقط ہو سکتی ہی نہیں بلکہ اس کے قُرب وجوار والوں اہلِ محلّہ پر اس کا آباد رکھنا واجب ہے، اس میں اذان واقامت وجماعت و امامت کرنا ضرور ہے۔ اگر ایسا نہ کریں گے گنہگار ہوں گے، اور جو اس میں نماز سے روکے گا وہ ان سخت ظالموں میں داخل ہوگا جن کی نسبت اللہ عزوجل فرماتا ہے :

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا۔[۱]	اس سے بڑھ کر کون ظالم جو اللہ کی مسجدوں سے روکے اُن میں خدا کا ذکر ہونے سے، اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

اور ان تائبوں کی دعوت بھی قبول کی جائے کہ اب اس کا مال بھی حلال ہے اور توبہ سے گناہ بھی زائل، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔[۲] رواہ ابن ماجۃ بسند حسن والبیھقی	جس نے گناہ سے توبہ کر لی وہ ایسے ہے جیسے گناہ کیا ہی نہیں۔ اسے ابن ماجہ نے بسندِ حسن، بیہقی نے سنن

---

[۱] القرآن ۲/۱۱۴

[۲] سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب ذکر التوبہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳
السنن الکبرٰی کتاب الشہادات باب شہادت القاذف " دار صادر بیروت ۱۰/۱۵۴

فی السنن والطبرانی فی الکبیر عن عبد اللہ بن مسعود والحکیم الترمذی عن ابی سعید الخدری والبیھقی فی الشعب والسنن وابن عساکر عن ابن عباس وفی السنن عن عقبۃ الخولانی والاستاذ القشیری فی رسالتہ والدیلمی وابن النجار عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، حکیم ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، بیہقی نے شعب الایمان میں، اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور سنن میں عقبہ خولانی سے، اور استاد القشیری نے اپنے رسالہ میں، اور دیلمی اور ابن نجار نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور ان میں جو لوگ اب تک اس فسقِ عظیم میں مبتلا ہیں اگرچہ مستحقِ لعنتِ خدا ہیں مگر جبکہ پاک بدن پاک کپڑوں سے مسجد میں آتے ہیں تو انھیں وضو مسجد وجماعت سے نہیں روک سکتے اگر ان کے آنے سے فتنہ نہ ہو، یونہی قوال کو بھی، اور عورتیں اگرچہ پارسا اور بڑھیا ہوں مسجد سے ممنوع ہیں، خصوصًا زنا پیشہ فاحشات کہ ان کے باہمی وہ رسوم سُنے گئے ہیں جن کا بعد ایمان قائم رہنا سخت دشوار ہے، قوال وغیرہ جو مسلمان مرے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاتا ہو چند صور استثنائی مذکور فقہیہ کے سوا سب کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلٰوۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم یموت برا کان اوفاجرا وان ھو عمل الکبائر[1] رواہ ابوداؤد وابویعلٰی والبیھقی بسند حسن صحیح عن ابی ھریرۃ ومعناہ لابن ماجۃ عن واثلۃ بن الاسقع وللطبرانی فی الکبیر وابی نعیم فی الحلیۃ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

ہر مسلمان کے جنازہ کی نماز تم پر فرض ہے وہ نیک ہو یا بد، اگرچہ اس نے کبیرہ گناہ کیے ہوں۔ اسے ابوداؤد، ابویعلٰی اور بیہقی نے سندِ حسن صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور معنًا اسے ابن ماجہ نے حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸۵: از بریلی مسئولہ شیخ العزیز بسطامی دوم ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے واسطے دریاں وغیرہ

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الغزو مع ائمۃ الجور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۳
السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ خلف من لا یحمد فعلہ ؍؍ دار صادر بیروت ۳/ ۱۲۱ و ۸/ ۱۸۵

بنوائیں مگر کچھ دنوں وہاں جمعہ ہو کر رہ گیا اب وُہ چاہتا ہے کہ یہ دریاں کسی دوسری مسجد میں دے دُوں، پس یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب دریاں سپرد کر دیں مِلکِ مسجد ہو گئیں، جب تک ناقابلِ استعمال نہ ہو جائیں واپس نہیں لے سکتا نہ دوسری مسجد میں دے سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب ادراك الفريضة

(نمازِ فرض کو پالینے کا بیان)

مسئلہ ۱۱۸۶: ازاوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں ازمکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ یکم ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دیندار ومفتیان ورع شعار دریں مسئلہ کہ مردے نیت چہار رکعت نماز سنت خواہ نفل نمودہ یک رکعت نماز باتمام رسانیدہ بادائے رکعت دوم برخاست دراں وقت کسے تکبیر نماز فرض گفت اداکنندۂ نفل وسنت بر چہار رکعت تمام نماید یا بر دو رکعت اکتفا سازد و دو رکعت باقیہ را بخواند یا نہ؟ بیّنوا توجروا۔

علمائے شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے چار رکعت نماز سنّت یا نفل کی نیت کرکے شروع کی ابھی دوسری رکعت کی طرف اٹھا تھا کہ نماز فرض کی جماعت کے لئے تکبیر ہوگئی نفل وسنت ادا کرنے والا چار رکعت پُوری کرے یا دو پر اکتفاء کرلے، باقی دو رکعات ادا کرے یا نہ؟ بینوا توجروا

الجواب

مصلی نفل از آغاز ثنا تا انجام تشہد در ہرچہ کہ باشد چوں ہنوز در شفع اول ست و بہر شفع دوم یعنی رکعت ثالثہ قیام نکردہ کہ جماعت فرض قائم شد لاجرم برہمیں دو رکعات پیشیں اکتفا نماید و بجماعت درآید

نفل ادا کرنے والا نمازی ثنا سے تشہد کے آخر تک جو پہلی دو رکعت میں ہے ابھی تیسری رکعت کی طرف اس نے قیام نہیں کیا تھا کہ جماعت فرض کھڑی ہوگئی تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وُہ انھیں دو رکعات پر اکتفا کرے

فی الدر المختار الشارع فی نفل لا یقطع مطلقا و یتمه رکعتین[1]

و دو رکعت کہ باقی ماند قضائے آنہا بر ذمہ اش نیست زیرا کہ ہر شفع نفل نماز جداگانہ است تا در شفع دوم آغاز نکرد واجب نشد وچوں واجب نشد قضا نیاید۔

فی الدر المختار لا قضاء لو نوی اربعا و قعد قدر التشہد ثم نقض[2]

وہمیں ست حکم سنن غیر راتبہ مانند چار رکعت قبلیہ عصر و عشا کہ آنہم نافلہ بیش نیست اما سنن راتبہ رباعیہ کہ قبلیۂ ظہر و جمعہ است و ہمچو سائر رواتب حکمہا دارد فائق بر احکام نفل مطلق ایں جا علماء را معرکے عظیم ست بسیاری آنہا را نیز در حکم مذکور ہمرنگ نوافل داشتہ اند پس اگر جماعتِ ظہر قائم شد یا امام بخطبۂ جمعہ رفت ہر کہ در شفع اول سنت است ہمیں بر دو رکعت سلام دہد ایں ست روایت نوادر از امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کما فی الہدایۃ واز امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نیز کما فی فتح القدیر وبہمیں قول رجوع فرمود امام شیخ الاسلام علی سغدی کما فیہ ایضاً وقاضی نسفی نیز کما فی الشامی عن الوجیز وفی غنیۃ الحلبی من الاوقات المکروھۃ عن قاضی خان

اور جماعت میں شریک ہو جائے۔

درمختار میں ہے نوافل میں شروع ہونے والا انھیں مطلقاً قطع نہیں کرسکتا بلکہ دو رکعات پُوری کرے۔

اور جو دو رکعات باقی تھیں ان کی قضا اس کے ذمہ نہیں کیونکہ نوافل کی ہر دو رکعت الگ نماز ہے، جب تک دُوسرے شفع کا آغاز نہیں کیا جاتا وہ لازم نہیں ہوگا اور جب وُہ واجب ہی نہیں ہوا تو اسکی قضا کیسے لازم ہوگی!

درمختار میں ہے قضا لازم نہیں اگرچہ نمازی نے چار کی نیت کی تھی اور اس نے مقدارِ تشہد بیٹھ کر نماز توڑ دی۔

اور غیر مؤکدہ سُنن کا حکم بھی یہی ہے مثلاً عصر اور عشا کی پہلی سنتیں، ان کا درجہ بھی نوافل کا ہے لیکن وہ چار سنن مؤکدہ جو مثلاً ظہر اور جمعہ سے پہلے ہیں تو ان کا حکم نوافل سے فائق ہوتا ہے، اس جگہ علما کا بہت زیادہ اختلاف ہے ان سنن مؤکدہ کو نوافل کا درجہ دیا گیا ہے، اب اگر جماعتِ ظہر کھڑی ہوگئی یا امام نے خطبہ شروع کردیا تو جو شخص سنن کی پہلی دو رکعات میں ہے وہ دو رکعت پر سلام کہہ دے، یہ روایت نوادر امام ابو یوسف سے ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور امام اعظم سے بھی مروی ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اسی قول کی طرف امام شیخ الاسلام علی سغدی نے رجوع کیا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور قاضی نسفی نے بھی یہی کہا ہے جیسا کہ شامی میں وجیز سے اور حلبی کی غنیہ کے اوقات مکروہہ

---

[1] درمختار — باب ادراک الفریضہ — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۹۹

[2] درمختار — باب الوتر والنوافل — " " — ۱/۹۷

وامام[7] بقالی را نیز ہمیں سومیل ست کما قالہ الکمال وشمس[8] الائمہ سرخسی راہم کمذ ذکر ایضا وتبعہ فی الغنیۃ وفی مراقی الفلاح واقرہ فی رد المحتار وللعبد الضعیف فیہ وقفۃ واللہ تعالیٰ اعلم وظاہر ہدایہ اختیار اوست کما فی الشامی وظاہر کافی شرح وافی للامام النسفی نیز کمارأیتہ فیہ وبرہمیں[9] جزم کردہ است علامہ[10] طرابلسی در برہان ومواہب الرحمٰن ومولیٰ خسرو در درر وعلامہ کرکی[11] در فیض وظاہر اعلامہ[12] علی مقدسی را نیز ہمیں سومیلان ست کما فی رد المحتار وعلامہ[13] ابراہیم حلبی در متن ملتقی ہمبریں اعتماد کرد وقول دیگر را بلفظ قیل آورد ودر خانیہ[14] اول الصلوٰۃ فصل معرفۃ الاوقات فرمود بہ اخذ المشائخ ودر فتح[15] انہ اوجہ تلمیذ[16] محقق علامہ محمد حلبی در حلیہ پس از نقاش فرماید ھو کما قال در نور[17] الایضاح علامہ شرنبلالی ونیز در ادراک الفریضہ از حاشیۂ او بر درر الحکام است ھو الاوجہ خاتمۃ المحققین علامہ شامی نیز ہمیں را تایید وتشیید کرد بریں قول ایں دو رکعت کہ گزاردہ است نفل محض گردد ودو باقی را قضا نیست علی ما ھو ظاھر الروایۃ وارجح التصحیحین کما حققہ فی رد المحتار باز بعد از فرض بلکہ علی اولی الترجیحین عندی کما حققتہ علی ھامش حاشیۃ الشامی پس از سنت بعدیہ ایں سنن قبلیہ را ادا کند تاہم سنت ادا شود وہم فضل جماعت واستماع خطبہ از دست نرود

میں قاضی خاں سے ہے، اور امام بقالی نے بھی اسی طرف میلان کیا ہے جیسا کہ شیخ کمال نے فرمایا، اور شمس الائمہ سرخسی نے بھی یہی فرمایا جیسا کہ یہ بھی مذکور ہے، اور اسی کی اتباع غنیہ اور مراقی الفلاح میں ہے، اور رد المحتار میں اس کو ثابت رکھا ہے، لیکن اس عبد ضعیف کو اس میں توقف ہے، ظاہراً ہدایہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ شامی میں ہے، اور کافی شرح وافی للامام نسفی سے بھی یہی ظاہر ہے جیسا کہ میں نے اسے دیکھا ہے، اور اسی پر علامہ طرابلسی نے برہان اور مواہب الرحمٰن میں جزم کیا، ملا خسرو نے درر، علامہ کرکی نے فیض اور علامہ علی مقدسی نے بھی ظاہراً اسی کی طرف میلان کیا ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے. علامہ ابراہیم حلبی نے ملتقی کے متن میں اسی پر اعتماد کیا ہے اور دوسرے قول کو لفظ "قیل" کے ساتھ بیان کیا' خانیہ نے باب الصلوٰۃ کی فصل فی معرفۃ الاوقات میں فرمایا کہ مشائخ نے اسی پر عمل کیا ہے۔ فتح میں ہے کہ یہی مختار ہے، تلمیذ محقق علامہ محمد حلبی نے حلیہ میں اسے نقل کرکے کہا وہ اسی طرح ہے جو انھوں نے فرمادیا ہے' نور الایضاح میں علامہ شرنبلالی اور اس کے ادراک الفریضہ کے حاشیہ میں درر الحکام سے ہے کہ یہی مختار ہے' خاتمۃ المحققین علامہ شامی نے بھی اسی قول کی تائید کی ہے، اس قول پر یہ جو رکعات ادا کی گئی ہیں محض نفل ہیں اور باقی دونوں کی قضا نہیں جیسا کہ ظاہر الروایت سے واضح ہے اور دونوں اقوال کی تصحیح میں یہی راجح ہے جیسا کہ رد المحتار میں اس کی تفصیل ہے، پھر فرض کے بعد

فی نور الایضاح وشرحه مراقی الفلاح للعلامة الشرنبلالی ان کان فی سنة الجمعة فخرج الخطیب او فی سنة الظهر فاقیمت الجماعة سلم علی راس رکعتین، و هو الاوجه لجمعه بین المصلحتین، ثم قضی السنة اربعا بعد الفرض مع ما بعده فلا یفوت الاستماع والاداء علی وجه اکمل اھ[1] ملخصا.

بلکہ میرے نزدیک دونوں ترجیحات میں سے پہلی ہے جیساکہ میں نے شامی کے حاشیہ میں تحقیق کی ہے ان میں پہلی سنتوں کو بعد کی سنتوں کے بعد ادا کرلے تاکہ سنت ادا ہوجائے اور فضیلتِ جماعت اور خطبہ کی سماعت کا ثواب بھی ہاتھ سے نہیں جائیگا' نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے اگر نمازی جمعہ کی سنتیں ادا کررہا ہے اور خطیب آگیا یا ظہر کی سنتیں ادا کررہا ہے تو تکبیر جماعت کہی گئی تو دو رکعات پر سلام پھیر دے کیونکہ دونوں مصلحتوں کو جمع کرلینا ہی مختار ہے، پھر فرائض کے بعد ان پہلی چار سنتوں کو قضا کرلے تو اب خطبہ کا سننا (جو فرض تھا) فوت نہ ہوا اور ادائیگی بھی وجہ کامل پر ہوگی اھ تلخیصاً

قول دیگر آنکہ مصلی این دو سنت ہر چہار رکعت اتمام کند اگرچہ ہنوز تحریمہ بستہ است کہ جماعتِ ظہر یا خطبۂ جمعہ آغاز نہادند زیرا کہ این ہمہ رکعات ہمچو نماز واحدست لہذا در قعدۂ اولی درود نخواند نہ در شروع ثالثہ ثنا وتعوذ آرد وچوں در شفع اولیں خبر بیع شنود و بشفع دوم انتقال نمود شفعہ ساقط نشود وہمچنان زن مخیرہ را اختیار از دست نرود و کذلک تا از ہر چہار فراغ نیابد خلوت بازن صحیح نشود وکمال مہر لازم نیاید کل ذلک فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للامام العلامة الزیلعی، عامہ مشائخ بترجیح وتصحیح این قول تصریح نمودہ اند، امام ولوالجی وصاحب منتقی

دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں سنتوں (قبل از ظہر وجمعہ) کی چار چار رکعات پوری کرلے اگرچہ خطبہ جمعہ یا ظہر کی جماعت کھڑی ہوجائے کیونکہ یہ تمام نماز واحد کی طرح ہیں یہی وجہ ہے کہ پہلے قعدہ میں درود اور تیسری رکعت میں ثنا اور تعوذ نہیں پڑھا جاتا، جب کسی نے پہلی دو رکعات میں خرید وفروخت کی خبر سنی اور وہ دوسری دو رکعات میں شروع ہوگیا تو اس سے حقِ شفعہ ساقط نہیں ہوجاتا۔ اسی طرح صاحبِ اختیار عورت کا اختیار بھی ساقط نہیں ہوتا ———

اسی طرح جب تک وہ خاتون چار رکعات سے فارغ نہیں ہوجاتی عورت کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں پائی جائیگی،

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۵

وصاحب محیط وعلامہ شمنی فرمودند الصحیح انہ
یتمہا اربعا[1] کما فی البحر من ادراك الفریضۃ
خود علامہ زین در بحر بعد نقلش فرمود الظاهر ما صحح
المشائخ لانہ لاشك ان فی التسلیم علی راس
الرکعتین ابطال وصف السنیۃ لا لاکمالہا
وتقدم انہ لایجوز الخ[2] برادرش علامہ عمر بن نجیم
در نہر اورا مقرر داشت کما فی رد المحتار
در فتاوی صغری فرمود علیہ الفتوی علامہ شرنبلالی
در جمعہ غنیہ ذوی الاحکام فرماید قولہ وان کانت
سنۃ الجمعۃ یسلم علی راس الرکعتین، اقول
الصحیح خلافہ وهو انہ یتم سنۃ الجمعۃ
اربعا وعلیہ الفتوی کما فی الصغری، و
هو الصحیح کما فی البحر عن الولوالجیۃ
والمبتغی لانہا بمنزلۃ صلوۃ واحدۃ
واجبۃ اھ[3] امام ظہیر الدین مرغینانی در ظہیریہ
فرمود هو الصحیح[4] کما فی القہستانی
والغنیۃ شرح المنیۃ من الاوقات
المکروهۃ وہمچناں در سراج وہاج ست[5] کما
فی الهندیۃ امام سرخسی فرماید هو

مہر کامل لازم نہ ہوگا۔ یہ تمام گفتگو امام علامہ زیلعی کی
تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔ عام مشائخ
نے اسی قول کو ترجیح اور اسی کی تصحیح پر تصریح کی ہے۔
امام ولوالجی، صاحب مبتغی، صاحب محیط اور علامہ شمنی
فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ نمازی چار رکعات پوری
کرے، جیسا کہ بحر کے ادراک الفریضہ میں ہے، خود
علامہ زین بحر میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد
لکھتے ہیں ظاہر یہی ہے جس کی تصحیح مشائخ نے فرمائی
ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دو رکعات کے بعد
سلام وصف سنیت کے ابطال کے لئے ہے نہ کہ
ان کے اکمال کے لئے، اور پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ جائز
نہیں الخ، ان کے بھائی علامہ عمر بن نجیم نے نہر میں اسی
کو ثابت رکھا ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے، فتاوی
صغری میں فرمایا "فتوی اسی پر ہے۔" علامہ شرنبلالی
نے غنیہ ذوی الاحکام کے جمعہ میں فرمایا ماتن کا
قول (اگر نماز جمعہ کی سنتیں ادا کر رہا ہے تو دو
رکعتوں پر سلام پھیر لے) میں کہتا ہوں کہ صحیح اس کے
خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کی چار رکعتیں ادا کرے
اسی پر فتوی ہے جیسا کہ صغری میں ہے اور یہی صحیح ہے

---

[1] بحر الرائق باب ادراک الفریضہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۱
[2] " " " " " " " " " "
[3] غنیۃ ذوی الاحکام علی الدرر الحکام باب الجمعۃ " مطبوعہ احمد کامل دار سعادت بیروت ۱/ ۱۴۱
[4] غنیۃ المستملی بحوالہ المرغینانی الشرط الخامس هو الوقت مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۴۲
[5] فتاوی ہندیہ بحوالہ السراج الوہاج الباب العاشر فی ادراک الفریضہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۲۰

الاصح[۱] کما فیہا ایضا علامہ غزی[۱۴]
در متن تنویر الابصار فرمود علی
الراجح علامہ دمشقی[۱۵] در در مختار
تقریرش کرد وگفت خلافا لما
رجحہ الکمال[۲] و در جمعہ
تبعا للبحر فرمود یتم فی
الاصح[۳] در مجمع الانہر[۱۶] گفت صححہ
اکثر المشائخ[۴] ہم در آنست
الصحیح انہ یتم[۵] تا آنکہ محرر
مذہب حضرت امام[۱۷] محمد رحمۃ اللہ تعالٰی
علیہ در مبسوط کہ از کتب ظاہر الروایۃ
ست بایں معنی ایما فرمود ناہیک
بہ حجۃ و قدوۃ محقق علی
الاطلاق در فتح فرماید الیہ
اشار فی الاصل[۶]

جیسے بحر میں ولوالجیہ اور المبتغٰی سے ہے کیونکہ یہ
بمنزل ایک نماز واجبہ کے ہے اھ امام ظہیر الدین
مرغینانی ظہیریہ میں فرماتے ہیں یہی صحیح ہے جیسا کہ
قہستانی اور غنیہ شرح منیہ کے اوقات مکروہہ میں ہے،
اسی طرح سراج وہاج میں ہے جیسے فتاوٰی ہندیہ
میں ہے، امام سرخسی فرماتے ہیں کہ یہی اصح ہے اور
اسی میں یہ بھی ہے علامہ غزی نے متن تنویر الابصار
میں فرمایا کہ راجح یہی ہے، علامہ دمشقی نے درمختار
میں اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا یہ مخالف ہے
اس بات کے جس کو کمال نے ترجیح دی اور باب جمعہ
میں بحر کی اتباع میں فرمایا اصح قول یہی ہے مجمع الانہر
میں فرمایا اکثر مشائخ نے اسی کو صحیح کہا ہے اور اس
میں یہ بھی ہے کہ صحیح یہی ہے کہ نمازی چار رکعات
ادا کرے، حتی کہ محرر مذہب حضرت امام محمد رحمہ اللہ
تعالٰی نے مبسوط جو کتب ظاہر الروایہ میں سے ہے میں
اسی کی طرف اشارہ کیا اور یہی حجت کافی ہے قدوۃ
محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا اسی کی طرف
(امام محمد نے) اصل میں اشارہ فرمایا ہے۔

---

۱ فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ المحیط السرخسی الباب العاشر فی ادراک الفریضہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲۰
۲ درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹
۳ " باب الجمعۃ " " " " ۱/۱۱۳
۴ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب ادراک الفریضہ " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۴۱
۵ " " " " " " " " "
۶ فتح القدیر باب ادراک الفریضہ " نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۱۱

اقول دیدی کہ ہر جانب قوتے ست بس علیہ و رفعتے شامخۂ جلیلہ اما دلیل قول اول کہ امام ابن الہمام قدس سرہ ذکر فرمود گو بدل چسپندہ تر باشد لکن عامہ تصحیحات صریحہ ایں طرف ہجوم آوردہ ولفظ ھو الصحیح کہ از جمہور ائمہ طراز دامن قول دوم شد بر لفظ ھو الوجہ کہ از امام محقق علی الاطلاق نصیبۂ قول اول ست گراں سنگیہا دارد ہم از روئے مادہ وہم از راہ ہیئت وہم از جہت زوائد کما لا یخفی علی الفقیہ النبیہ العارف باسالیب الکلام۔ آں طرف اگر بہ اخذ المشائخ ست کہ بظاہر مراد بایشاں مشائخ خود امام قاضی خاں ست ایں طرف صححہ اکثر المشائخ ست ونیز آنکہ از عامۂ الفاظ اکد ست واقوی اعنی لفظ علیہ الفتوی باز آں طرف اگر از حضرات شیخین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت نوادر ست ایں جانب اشارۂ اصل واشارۂ اصل نہ چیزے ست سہل علماء سپید گفتہ اند کہ مفہوم متون بر منطوق فتاوی تقدم دارد علامہ سیدی احمد حموی در غمز العیون نگارد غیر خاف ان ما فی المتون والشروح ولو کان بطریق المفہوم مقدم علی ما فی الفتاوی وان لم یکن فی عبارتہا اضطراب[1] و پیداست کہ نسبت نوادر بہ اصول ہمچو نسبت فتاوی ست بمتون وبالآخر مسئلہ ازاں قبیل ست کہ انسان ہر دو قول

اقول (میں کہتا ہوں) آپ نے دیکھ لیا کہ ہر طرف قوت ہے، تو نہایت بلند اور جلیل رفعت دونوں میں ہے پس قول اول پر جو دلیل امام ابن ہمام قدس سرہ نے ذکر کی ہے وہ اگرچہ دل کو پسند ہے لیکن عام تصحیحات صریحہ کا ہجوم اس طرف زیادہ ہے کہ جہاں لفظ "ھو الصحیح" ہے جو کہ جمہور ائمہ کا خاص انداز جس کو دوسرے قول نے اپنے دامن میں لے رکھا ہے اور لفظ "ھو الوجہ" جو کہ محقق علی الاطلاق کی طرف سے قولِ اول کے لئے مزید وزنی ہے ہیئت، مادہ اور زائد امور، ہر لحاظ سے، جیسا کہ کلام کے اسلوب سے واقف فقیہ اور ماہر پر مخفی نہیں، اس طرف اگر مشائخ کی پسند ہے جو کہ بظاہر خود امام قاضی خاں سے مراد ہے تو دوسری طرف بھی "صححہ المشائخ" اور "صححہ المشائخ" کے الفاظ ہیں نیز وہاں "علیہ الفتوی" کے الفاظ بھی ہیں جو کہ عام الفاظ کی نسبت زیادہ تاکید اور قوت پر دال ہیں، پھر اگر وہاں (پہلے قول) کی طرف نوادر روایت کے مطابق شیخین (امام اعظم وامام ابویوسف) رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مذہب مذکور ہے تو یہاں (دوسرے قول) کے لئے اصل (مبسوط امام محمد) کا اشارہ موجود ہے جبکہ اصل کا اشارہ کوئی معمولی بات نہیں ہے مشہور علماء کا قول ہے کہ "متون" کا مفہوم بھی فتاوی کے "منطوق" (ظاہر عبارت) پر مقدم ہے۔ علامہ سیدی احمد حموی نے غمز العیون میں لکھا ہے کہ مخفی نہیں کہ

---

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الحجر والماذون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۴۹

بر ہر چہ خواہد عمل نماید ہیچ جائے ملامت نیست ومن فقیر بقول اخیر خود را مائل تر می بینم بوجوہے کہ شنیدی ومی شنوی۔ **فاقول** بر دلیل قول اول می تواں گفت کہ سنت چوں از وقت خود برگشت نقصان پذیرفت وسنت بروجہ سنت ادا نشد وسنن مکملات فرائض ست وشک نیست کہ تکمیل کامل اکمل از تکمیل ناقص ست پس نقصان سنن بنقصان فرائض منجر شود پس در تسلیم بر رکعتین ہم ابطال وصف سنیت ست بے آنکہ بروجہ سنت انجبار یابد وہم انعدام تکمیل فرض ست علی الوجہ الاکمل بخلاف اتمام کہ سنت از نقصان محفوظ مطلق ماند ودر فرض اگر جہتے از اکملیت فوت شود جہتے دیگر بدست آید ھذا ما ورد علی قلبی و العلم بالحق عند ربی ان ربی بکل شیئ علیم۔

متون اور شروح میں جوبات بطور مفہوم ہے وہ فتاوٰی کے واضح اقوال پر مقدم ہے، حاصل یہ کہ نوادر کا مقابلہ اصول سے ایسے ہے جیسا کہ فتاوٰی کا متون سے ہے یعنی اصول کے اشارہ کو نوادر کی تصریحات پر ترجیح ہے غرضیکہ یہ مسئلہ اس قبیل سے ہے کہ اس کے دونوں اقوال میں سے جس پر انسان چاہے عمل کرے تو کوئی اعتراض نہیں ہے، اور میں خود دوسرے قول کی طرف اپنے آپ کو مائل پاتا ہوں اس کے وجوہ کچھ تو آپ نے سُن لئے اور کچھ کو سُنیں گے **فاقول** پہلے قول کی دلیل پر کہا جاسکتا ہے کہ جب سنت اپنے وقت سے مؤخر ہوجائے تو وہ ناقص ہوجاتی ہے اور یہ سنت بطریقہ سنّت ادا نہ ہوگی جبکہ سنتیں فرائض کو کامل بناتی ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ کامل چیز کا مکمل کرنا زیادہ کامل ہوتا ہے ناقص چیز کی تکمیل کے مقابلہ میں، تو یوں سنت کا نقصان فرض کے نقصان کا باعث ہوتا ہے، توجب دو رکعتوں پر سلام سنّت کے وصف میں نقصان ہے جو کہ پورا نہیں ہوتا، تو اس سے فرض کی تکمیل میں عدم لازم آئے گا کہ فرض اکمل نہ ہوسکے گا برخلاف اس بات کے کہ جب سنت کو تمام کیا جائے تو وُہ نقصان سے مطلقاً محفوظ رہے گی تو اس سے اگرچہ فرض کے اکمل ہونے میں فرق آیا مگر دوسری وجہ (سنتوں کی تکمیل) سے متبادل کمال حاصل ہوجائے گا۔ یہ ہے وُہ جو میرے دل میں ڈالا گیا اور حقیقی علم میرے رب کو ہے، میرا رب ہر چیز کا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۸۷: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب
۲۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ بکر وضو نمازِ فجر کا کر کے ایسے وقت میں آیا کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہے، جو سنت پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے اور جماعت میں ملتا ہے تو سنتیں فوت ہوتی ہیں، اس صورت میں سنتیں پڑھے یا قعدہ میں مل جائے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

اس صورت میں بالاتفاق جماعت میں شریک ہوجائے کہ جماعت میں ملنا سنتیں پڑھنے سے اہم و

آکد ہے، جب یہ جانے کہ سنتیں پڑھوں گا تو جماعت ہوچکے گی بالاتفاق جماعت میں مل جانے کا حکم ہے اگرچہ ابھی امام رکعت ثانیہ کے شروع میں ہو، قعدہ تو ختمِ نماز ہے اس میں کیونکر امید ہوسکتی ہے کہ امام کے سلام سے پہلے یہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں مل سکے گا،

فی الدرالمختار اذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغاله بسنتها ترکها لکون الجماعة اکمل[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم

درمختار میں ہے جب کسی کو یہ خطرہ ہو کہ اگر فجر کی سنتیں ادا کیں تو جماعت فوت ہوجائے گی تو وہ سنتیں ترک کردے کیونکہ جماعت اکمل ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۸۸: ۱۵ رمضان المبارک

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فرض تنہا پڑھ چکا تھا اب مسجد میں جماعت قائم ہوئی اور یہ اس وقت مسجد میں موجود ہے تو اب اسے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

ظہر وعشا میں ضرور شریک ہوجائے کہ اگر تکبیر سُن کر باہر چلا گیا یا وہیں بیٹھا رہا تو دونوں صورت میں مبتلائے کراہت وتہمت ترکِ جماعت ہوا اور فجر وعصر ومغرب میں شریک نہ ہو کہ قولِ جمہور پر تین رکعت نفل نہیں ہوتے اور چوتھی ملائے گا تو بسبب مخالفتِ امام کراہت لازم آئے گی اور فجر وعصر کے بعد تو نوافل مکروہ ہی ہیں اور ویسے بیٹھا رہے گا تو کراہت اور اشد ہوگی لہذا ان نمازوں میں ضرور ہوا کہ باہر چلا جائے۔

قال العلامة الشرنبلالی رحمة اللہ علیه فی نورالایضاح وشرحه مراقی الفلاح ان خرج بعد صلٰوته منفردا لایکرہ لانه قد اجاب داعی اللہ مرة فلا تجب علیه ثانیا الا انه یکرہ خروجه اذا اقیمت الجماعة قبل خروجه فی الظهر وفی العشاء، لانه یجوز النفل فیهما مع الامام یتهم بمخالفة الجماعة کالخوارج والشیعة۔ قد قال

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں فرمایا جب تنہا نماز ادا کرکے کوئی مسجد سے باہر نکلا تو کراہت نہیں کیونکہ اس نے ایک دفعہ اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کی آواز پر لبیک کہا ہے لہذا دوبارہ اس پر واجب نہیں البتہ اس صورت میں کراہت ہوگی جب اس کے نکلنے سے پہلے ظہر اور عشا کی جماعت کے لئے تکبیر کہہ دی گئی کیونکہ ان میں امام کے ساتھ نوافل ادا کرسکتا ہے تاکہ

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم، فیقتدی فیھما ای الظھر والعشاء متنفلا لدفع التھمۃ عنہ، ویکرہ جلوسہ من غیر اقتداء لمخالفۃ الجماعۃ بخلاف الصبح والعصر والمغرب لکراھۃ النفل، والمخالفۃ فی المغرب[1] الٰی آخرہ قال العلامۃ الطحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فی حاشیۃ المراقی قولہ لکراھۃ النفل ای بعد الصبح والعصر وفی النھر ینبغی ان یجب خروجہ لان کراھۃ مکثہ بلا صلٰوۃ اشد[2] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ سبحنہ اتم واحکم۔

جماعت کی مخالفت کی تہمت اس پر نہ لگے مثلاً خوارج اور شیعہ وغیرہ اسے نہ کہا جائے۔ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالٰی اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمت کے مقامات پر نہ کھڑا ہو، لہذا وہ شخص ظہر و عشا میں نفل کی نیت سے اقتدا کرے تاکہ اس پر تہمت نہ لگے، اور اقتداء نہ کرتے ہُوئے بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ جماعت کی مخالفت ہے بخلاف صبح، عصر اور مغرب کے، کیونکہ یہاں نفل مکروہ ہیں، اور مغرب میں (امام) کی مخالفت لازم آئے گی الخ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے حاشیہ المراقی میں کہا ماتن کا قول نفل مکروہ ہونے کی وجہ سے، یعنی صبح اور عصر کے بعد، نہر میں ہے کہ ان اوقات میں مسجد سے چلے جانا واجب ہے کیونکہ بغیر نماز کے وہاں ٹھہرنا یہ زیادہ ناپسند ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ سبحنہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۱۸۹ از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار ۱۳۲۵ھ

فجر کی سنت وقت قائم ہوجانے جماعت کے کب تک ادا ہوجانا چاہیئے اور جو رہ جاتی ہیں تو کیا بعد فرضوں کے بھی ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

اگر جانے کہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوجاؤں گا تو سنتیں پڑھ لے اگرچہ التحیات ہی ملتی سمجھے ورنہ فرضوں میں شریک ہوجائے، اور اول سنتوں کو قضا کرنا چاہے تو بعد بلندیٔ آفتاب کرے فرضوں کے بعد طلوع سے پہلے جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراک الفریضہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح " " " " " " " " " "

مسئلہ ۱۱۹۰ ازچمن سرائے سنبھل مرسلہ احمد خاں صاحب ۸ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نزدیک علمائے حنفیہ اہلسنت وجماعت کے صبح کی سنت اگر فرض جماعت سے ہوتے ہوں تو پڑھے یا نہیں؟ بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر فرض نماز کی دوسری رکعت کا رکوع بھی مل جانے کا یقین ہو تو سنتیں پڑھ لے ورنہ سورج نکلنے پر ادا کرے، بعض کا قول ہے قاعدہ اخیرہ کی شرکت بھی کافی ہے سنّت کو پہلے پڑھے، بعض کہتے ہیں کہ جس وقت تکبیر اولٰی فرضوں کی ہو ترکِ سنت کرے فرضوں میں فوراً شریک ہوجائے اور پھر نمازِ سنّت نہ بعد سلام پڑھے وقت ہونے پر نہ بعد طلوعِ آفتاب۔

الجواب

تیسرے شخص کا قول محض باطل ہے اور پہلے دو قول صحیح ہیں اور اُن میں دُوسرا اصح ہے اگر تشہد تک بھی جماعت میں ملنا دیکھے تو صبح کی سنتیں صف سے دُور ادا کرکے شامل ہوجائے، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ سنتیں پڑھنے میں جماعت بالکل فوت ہوجائے گی تو اُس وقت نہ پڑھے اور جماعت میں شریک ہوجائے پھر بعد فرض نہیں پڑھ سکتا جب تک آفتاب بلند نہ ہو اگر پڑھے گا گنہ گار ہوگا' ہاں بعد بلندی پڑھے تو مستحب ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

باب قضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کی قضار کا بیان)

مسئلہ ۱۱۹۱ ۲۸ محرم ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فوتِ جماعت کے خوف سے سنتیں فجر کی ترک کیں اور جماعت میں شامل ہوگیا اب وہ ان سنتوں کو فرضوں کے بعد سُورج نکلنے سے پیشتر پڑھے یا بعد، بینوا توجروا

الجواب

جبکہ فرضِ فجر پڑھ چکا تو سنتیں سُورج بلند ہونے سے پہلے ہرگز نہ پڑھے، ہمارے سب ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اس پر اجماع ہے بلکہ پڑھے تو سورج بلند ہونے کے بعد دوپہر سے پہلے پڑھ لے، نہ اس کے بعد پڑھے نہ اُس سے پہلے۔ ردالمحتار میں ہے :

اذا فاتت وحدھا فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع لکراھۃ النفل بعد الصبح واما بعد طلوع الشمس فکذلک عندھما، وقال محمد احب الی ان یقضیھا الی الزوال کما فی الدرر[1]

جب فجر کی سنتیں تنہا فوت ہوجائیں تو بالاتفاق طلوعِ آفتاب سے پہلے ادا نہ کی جائیں کیونکہ نمازِ فجر کے بعد نوافل مکروہ ہیں، رہا معاملہ طلوعِ فجر کے بعد کا، تو شیخین کے نزدیک قضا نہیں، اور امام محمد نے فرمایا کہ زوال تک سنتیں قضا کرلینا میرے نزدیک پسندیدہ ہیں جیسا کہ درر میں ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۵۳۰

اور یہ خیال کہ اس میں قصداً وقت قضا کردینا ہے ناواقفی سے ناشئ، یہ سنتیں جب فرضوں سے پہلے نہ پڑھی گئیں خود ہی قضا ہوگئیں کہ اُن کا وقت یہی تھا کہ فرضوں سے پیشتر پڑھی جائیں، اب اگر فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے گا جب بھی قضا ہی ہوں گی ادا ہرگز نہ ہوں گی الا تری الی قولہ لا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع فقد سمی صلٰوتہا قبل الطلوع بعد الفرض قضاء (کیاآپ نے ان کے یہ الفاظ نہیں دیکھے کہ بالاتفاق طلوعِ آفتاب سے پہلے سنتیں قضا نہ کی جائیں تو انھوں نے فرائض کے بعد طلوع سے پہلے ان کی ادائیگی کو قضا کا نام دیا ہے۔ ت) لیکن طلوع سے پہلے قضا کرنے میں فرضِ فجر کے بعد نوافل کا پڑھنا ہے اور یہ جائز نہیں، لہٰذا ہمارے اماموں نے اس سے منع فرمایا اور بعد طلوع وُہ حرج نہ رہا لہٰذا اجازت دی واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۲: از کلکتہ تار نب براہ ڈاک خانہ ویلزلی اسٹریٹ ۶؎ مرسلہ رشید احمد خاں ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

جناب مولوی صاحب بعد آداب کے عرض خدمت میں یہ ہے کہ اگر زید برابر نماز پڑھتا رہے لیکن یکم جنوری سے ۱۵ تک قضا ہوگئی ۱۶ سے پھر پڑھی اور قضا بھی ترتیب وار ادا کرنے لگا۔ ۲۰ تک برابر پڑھتا رہا پھر پانچ روز کی قضا ہوگئی ۲۵ سے شروع کی تو قضا کس طرح ادا کرے یعنی ترتیب وار جیسی یکم جنوری کی صبح پھر ظہر و عصر و مغرب و عشا پھر ایسے ہی ۱۵ تاریخ تک رفتہ رفتہ دو چار یوم میں ادا کرچکا اب ۱۵ سے ۲۰ تک تو پہلے ہی پڑھ چکا ہے۔ ۲۰ سے ۲۵ تک کے قضا پھر اسی طور پر ادا کرے یا کیا حکم ہے؟ باقی آداب!

الجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، زید پر نہ اُن ۱۵ دن کی قضا میں ترتیب ضرور تھی نہ ان پانچ دن کی قضا میں ضرور ہے اُسے اختیار ہے اُن میں جو نماز چاہے پہلے ادا کرے جو چاہے پیچھے کہ قضا نمازیں جب پانچ فرضوں سے زائد ہوجاتی ہیں ترتیب ساقط ہوجاتی ہے یعنی باہم ان میں بھی ہر ایک کی تقدیم و تاخیر کا اختیار رہتا ہے اور اُن میں اور وقتی نماز میں بھی رعایت ترتیب کی حاجت نہیں رہتی پھر ان نمازوں کے حق میں ترتیب نہ باہمی نہ بلحاظ وقتی کوئی کبھی عود نہیں کرتی اگرچہ ادا کرتے کرتے چھ سے کم رہ جائیں مثلاً اب اسی صورت میں زید پر پانچ دن کی پچیس ۲۵ نمازیں ہیں جب دو ہی رہ جائیں گی تو بھی اسے اختیار ہے کہ اس کی ادا سے پہلے وقتیہ نماز پڑھ لے، ہاں اصح مذہب پر اتنا لحاظ ضرور ہے کہ نماز نیت میں معین مشخص ہوجائے ھوالاحوط من تصحیحین (دونوں تصحیحوں میں احوط یہ ہے۔ ت) مثلاً دس فجریں قضا ہیں تو یُوں گول نیت نہ کرے کہ فجر کی نماز کہ اس پر ایک فجر تو نہیں جو اسی قدر بس ہو بلکہ تعیین کرے کہ فلاں تاریخ کی فجر، مگر یہ کیسے یاد رہتا ہے اور ہو بھی تو اس کا خیال حرج سے خالی نہیں لہٰذا اس کی سہل تدبیر یہ نیت ہے کہ پہلی فجر جس کی قضا مجھ پر ہے، جب ایک پڑھ چکے پھر یوں ہی پہلی فجر کی نیت کرے کہ ایک تو پڑھ لی اس کی قضا اس پر نہ رہی نو کی ہے اب ان میں کی پہلی نیت میں آئے گی یونہی اخیر تک نیت کی جائے، اسی طرح باقی سب نمازوں

میں کمے اور جس سے ترتیب ساقط ہو، جیسے یہی دس یا چھ فجر کی قضا والا پہلی کی جگہ پچھلی بھی کہہ سکتا ہے نیچے سے اوپر کو ادا ہوتی چلی جائے گی، ردالمحتار میں ہے:

لایلزم الترتیب بین الفائتۃ والوقتیۃ ولا بین الفوائت اذا کانت الفوائت ستا کذا فی النھر[1]۔

جب فوت شدہ نمازیں چھ ہوجائیں تو فوت شدہ نمازوں کے درمیان اور فوت شدہ اور وقتی نمازوں کے درمیان ترتیب لازم نہیں رہتی، جیساکہ نہر میں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

ولا یعود لزوم الترتیب بعد سقوطہ بکثرتھا، ای الفوائت بعود الفوائت الی القلۃ بسبب القضاء لبعضھا علی المعتمد، لان الساقط لا یعود[2]۔

اکثر فوت شدہ نمازوں کو قضا کرلینے پر ترتیب لوٹ نہیں آتی یعنی اگر فوت شدہ نمازیں کثیر تھیں ان میں سے اکثر قضا کرلیں اور باقی تھوڑی رہ گئیں تو معتمد قول کے مطابق ترتیب نہیں لوٹتی، کیونکہ ساقط لوٹ کر نہیں آتا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

یعین ظھر یوم کذا علی المعتمد والاسھل نیتہ اول ظھر علیہ او اٰخر ظھر[3] الخ وتمامہ فی ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

معتمد قول کے مطابق اس بات کا تعین کیا جائے کہ فلاں دن کی ظہر ہے، اور سب سے آسان یہ ہے کہ اول ظہر یا آخر ظہر کی نیت کرلی جائے۔ اس کی تمام تفصیل ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹۳ ۲۹ صفر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ فجر کی سنتیں بعد جماعتِ فرض کے مسبوق ادا کرے، درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

سنّتِ فجر کہ تنہا فوت ہُوئیں یعنی فرض پڑھ لئے سنتیں رہ گئیں اُن کی قضا کرے تو بعد بلندیٔ آفتاب

---

[1] ردالمحتار باب قضاء الفوائت مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۸
[2] درمختار " " " " مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱
[3] " " باب شروط الصلوٰۃ " " " ۱/۶۷

پیش از نصف النہار شرعی کرے، طلوعِ شمس سے پہلے اُن کی قضا ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک ممنوع و مکروہ ہے

لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاصلوٰۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس[1] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے "صبح کے بعد سورج کے بلند ہونے تک نماز نہیں۔" واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۹۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ صبح کی نماز بوقت خطبہ کے جائز ہے، اور عمرو کہتا ہے بوقت خطبہ کے جائز نہیں اس واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہے لاصلوٰۃ و لاکلام (اُس وقت نہ نماز ہے نہ گفتگو۔ ت)، ان دونوں میں کون حق پر ہے اور کون مطابق حدیث شریف کے عمل کرتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

جو صاحبِ ترتیب نہیں اُسے قضا نماز بھی خطبہ کے وقت ادا کرنی جائز نہیں کہ بعد کو بھی پڑھ سکتا ہے اور صاحبِ ترتیب کو وقتی نماز سے پہلے قضا کا ادا کرنا ضرور، ورنہ وقتی بھی نہ ہوگی، ایسے شخص نے اگر ابھی قضائے فجر ادا نہ کی اور خطبہ شروع ہوگیا تو اُسے قضا پڑھنے سے ممانعت نہیں بلکہ ضرور لازم ہے ورنہ جمعہ بھی نہ ہوگا، ہاں بلاعذر شرعی اتنی دیر لگانی کہ خاص خطبہ کے وقت پڑھنی پڑے اُسے بھی جائز نہیں۔

لتادیہ الی ترک الاستماع وھو فی نفسہ محظور وکل ما ادی الی محظور محظور۔

کیونکہ اس میں خطبہ کا عدمِ سماع لازم آرہا ہے جو فی نفسہ ممنوع ہے اور ہر وہ شیئ جو ممنوع تک پہنچائے ممنوع ہوتی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولاکلام الی تمامھا خلا قضا فائتۃ لم یسقط الترتیب بینھا وبین الوقتیۃ فانھا لاتکرہ[2]

جب امام جمعہ آجائے تو اتمامِ جمعہ تک نہ نماز ہے نہ کلام، البتہ فوت شدہ نماز کی قضا مکروہ نہیں کیونکہ فوت شدہ اور وقتی نماز کے درمیان ترتیب ساقط نہیں ہوئی تھی۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب لاتتحری الصلوٰۃ قبل غروب الشمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۲ و ۸۳

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

سراج وغیرہ میں ہے ، لضرورة صحة الجمعة والا لا[1] (جمعہ کی صحت کے پیشِ نظر ہے ورنہ نہیں۔ ت)

ردالمحتار میں ہے :

قولہ فانها لاتکره) بل يجب فعلها قوله والا لا) ای وان سقط الترتيب تکره[2]۔ انتهى والله تعالٰی اعلم۔

ماتن کا قول " کیونکہ اس میں کراہت نہیں" بلکہ اس کا کرنا واجب ہے (ورنہ نہیں) یعنی اگر ترتیب ساقط ہوچکی ہو تو کراہت لازم آئے گی انتہی ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی سنّت فجر کی قضا ہوگئیں اب وُہ قضا کرے یا نہیں اور اگر قضا کرے تو کس وقت، اور یہ سنتیں بیٹھ کر بھی بلا عذر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

سنّتِ فجر بلامجبوری و معذوری بیٹھ کر نہیں ہوسکتیں، اور اگر مع فرض قضا ہُوئی ہوں تو ضحوۂ کبرٰی آنے تک اُن کی قضا ہے اس کے بعد نہیں، اور اگر فرض پڑھ لئے سنتیں رہ گئی ہیں تو بعد بلندیٔ آفتاب اُن کا پڑھ لینا مستحب ہے قبل طلوع روا نہیں ۔عالمگیریہ میں ہے :

سنة الفجر لايجوز ان يصليها قاعدا مع القدرة على القيام ولذا قيل انها قريبة من الواجب كذا فى التاتارخانية ناقلا عن النافع ولايجوز اداؤها راكبا من غير عذر كذا فى السراج الوهاج والسنة اذا فاتت عن وقتها لم يقضها الا ركعتى الفجر اذا فاتتا مع الفرض يقضيهما بعد طلوع الشمس الى وقت الزوال ثم يسقط هكذا فى محيط السرخسى وهو الصحيح هكذا فى البحر الرائق واذا فاتتا بدون الفرض

فجر کی سنتیں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ واجب کے قریب ہیں۔ تاتارخانیہ میں نافع سے اسی طرح منقول ہے، بغیر عذر کے سواری کی حالت میں بھی انھیں ادا کرنا جائز نہیں، جیسا کہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور سنتیں اگر اپنے وقت سے قضا ہوجائیں تو ان کی قضا نہیں البتہ اگر فجر کی سنتیں فرائض کے ساتھ رہ جائیں تو طلوعِ شمس کے بعد زوال سے پہلے پہلے قضا کی جائیں اس کے بعد ساقط ہوجائیں گی، اسی طرح محیط سرخسی میں ہے کہ یہی صحیح ہے، اسی طرح البحرالرائق میں ہے

---

[1] سراج الوہاج

[2] ردالمحتار　باب الجمعہ　مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر　۱/۶۰۲

لایقضی عندھما خلافا لمحمد رحمہ اللہ تعالٰی کذا فی المحیط السرخسی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جب یہ سنتیں فرض کے بغیر رہ جائیں توشیخین کے نزدیک ان کی قضا نہیں، امام محمد کی رائے اس کے خلاف ہے (کہ قضا کی جائیں)، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹۶ ۲ شعبان ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی چار سنتیں قبل عشا کے فوت ہوگئیں مثلاً جماعت قائم ہوگئی نہ پڑھنے پایا شریک ہوگیا، اب بعد نماز اُن کی قضا جائز ہے یا نہیں؟ علمائے عصر سے بعض مولویوں نے فرمایا قضا کرے اور اُن کے خلاف بعض عالموں نے فتوی لکھا کہ اُن کی قضا نہیں وہ مستحب ہیں اور قضا سنّت مؤکدہ کی ہے، نہ مستحب کی۔ جب اُس کا محل جاتا رہا پڑھنا بھی دُور ہوا، اور بعض اجلۂ فضلا نے یہ تحریر فرمایا کہ اُن کی قضا خلافِ قیاس وخلافِ اجماعِ فقہا ہے، اور اگر لازم سمجھے گا تو بدعتِ مذمومہ ہوگا، اس صورت میں قولِ فیصل کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب قولِ فیصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ یہ سنتیں اگر فوت ہوجائیں تو ان کی قضا نہیں، علامہ علائی درمختار میں فرماتے ہیں:

اما ماقبل العشاء فمندوب لایقضی اصلا[2]۔

عشا کے فرائض سے پہلے جو رکعتیں ہیں وہ مستحب ہیں ان کی قضا نہیں۔ (ت)

لیکن اگر کوئی بعد دوسنت بعدیہ کے پڑھے تو کچھ ممانعت بھی نہیں، علامہ طحطاوی حاشیہ شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں:

لامانع من قضاء التی قبل العشاء بعدھا[3]۔

عشا کی پہلی سنتوں کو عشا کے بعد ادا کر لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (ت)

ہاں اس شخص سے وہ سننِ مستحبہ ادا نہ ہوں گی جو عشا سے پہلے پڑھی جاتی تھیں بلکہ ایک نفل نماز مستحب ہوگی جیسے تراویح

---

[1] فتاوی ہندیۃ باب فی النوافل مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۲
[2] درمختار باب ادراک الفریضۃ ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۰
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب ادراک الفریضہ ؍؍ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۶

وسنتِ مغرب و دوسنت عشاکہ اُن کی قضا نہیں، پھر اگر کوئی آج کی فوت شدہ تراویح کل پڑھے تو نفل ہوں گے نہ سُنن و تراویح نہ شرعاً مکروہ وقبیح۔ علامہ امین الدین محمد ردالمحتار میں انہی سُننِ عشا کی نسبت فرماتے ہیں:

لوقضاها لا تکون مکروهة بل تقع نفلا مستحبا لا علی انها هی التی فاتت عن محلها کما قالوه فی سنة التراویح[1]

اگر انھیں قضا کرلیا جائے تو کراہت نہیں بلکہ نفل مستحبہ ہوجائیں گی اور یہ اپنے محل سے فوت ہونے والی نماز نہیں بلکہ (یہ نئی نماز ہوگی) جیسا کہ فقہاء نے تراویح کے بارے میں فرمایا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار کی مبحثِ تراویح میں ہے:

لا تقضی اذا فاتت اصلا و لا وحده فی الاصح فان قضاها کانت نفلا مستحبا و لیس بتراویح کسنة مغرب و عشاء[2]

جب تراویح فوت ہوجائیں تو ان کی قضا نہیں نہ جماعت سے نہ اکیلے، اصح قول کے مطابق۔ اور اگر کوئی قضا کرلیتا ہے تو نفلِ مستحب بن جائیں گی اور یہ نمازِ تراویح نہ ہوگی جیسا کہ مغرب وعشا کی سنتوں کا حکم ہے۔ (ت)

اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) تحقیقِ مقام و تنقیحِ مرام یہ ہے کہ حقیقۃً قضا نہیں مگر فرض یا واجب کی،

الاداء فی محل اداء النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم داخل فی مطلق السنة فما ادی فی غیر المحل لا یکون سنة فلا یکون قضاء اذا القضاء مثل الفائت بل عینه عند المحققین نعم ما عین له النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم محلا بعد فوته فیقع سنة فیکون قضاء حقیقة۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ادائیگی کا وقت بھی سنت میں شامل ہے لہذا جو اس کے علاوہ وقت میں ادا ہوں گے وہ سنت ہی نہیں ہوں گے لہذا قضا کہاں! کیونکہ قضاء فوت شدہ کی مثل بلکہ محققین علماء کے ہاں عین نماز ہوتی ہے، ہاں فوت ہونے کے بعد جس کا وقت خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمادیا وہ ادائیگی سنت ہوگی اور قضا بھی حقیقی ہوگی۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۱

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۸

باقی نوافل وسنن اگرچہ موکدہ ہوں مستحق قضا نہیں کہ شرعاً لازم ہی نہ تھی جو بعد فوت ذمہ پر باقی رہیں،

فی الھدایۃ الاصل فی السنۃ ان لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب[1] اھ و تمام تحقیقہ فی الفتح۔

ہدایہ میں ہے اصل سنّت میں یہ ہے کہ اس کی قضا نہیں کیونکہ قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اھ اور اس پر تمام گفتگو فتح میں ہے۔ (ت)

مگر بعض جگہ برخلاف قیاس نص وارد ہوگیا کہ وہی سنّتیں جو ایک محل میں ادا کی جاتی تھیں بعد فوت دوسری جگہ ادا فرمائی گئیں جیسے فجر کی سنّتیں جبکہ فرض کے ساتھ فوت ہوں بشرطیکہ بعد بلندی آفتاب وقبل از زوال ادا کی جائیں یا ظہر کی پہلی چار سنّتیں جو فرض سے پہلے نہ پڑھی ہوں تو بعد فرض بلکہ مذہب ارجح پر بعد سنت بعدیہ کے پڑھیں بشرطیکہ ہنوز وقتِ ظہر باقی ہو نص علی کل ذٰلک فی غیر ما کتاب کرد المحتار (اس پر متعدد کتب مثلاً ردالمحتار میں تصریح ہے۔ ت) ان شرائط کے ساتھ جب یہ دونوں سنّتیں بعد فوت پڑھی جائیں گی تو بعینہا وہی سنّتیں ادا ہوں گی جو فوت ہوئی تھیں اور ان کے سوا اور فوت شدہ سنّتیں یا یہی سنّتیں بے مراعات ان شرائط کے پڑھی جائیں گی تو صرف نفل ہوں گی نہ سنت فائتہ۔

بالجملہ جو یہ کہے کہ ان کی قضا کا حکم ہے وُہ خطا پر ہے اور جو کہے ان کی قضا ممنوع ہے وہ بھی غلطی پر ہے اور جو کہے ان کی قضا نہیں مگر بعد کو پڑھ لے تو کچھ حرج نہیں وہ حق پر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۹۷ مسئولہ حافظ مولوی عبدالوحید صاحب ۲۹ جمادی الاولی ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ صبح کی سنّتیں قضا قبل طلوعِ شمس کے پڑھنا بہتر ہے اور عمرو کہتا ہے بعد کو بہتر ہے اول حدیث پر عمل کرنا چاہئے، اور عمرو کہتا ہے دوسری حدیث پر عمل کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر صبح کی نماز اور سنّتیں بسبب خوفِ جماعت خواہ کسی اور وجہ سے رہ گئیں تو اُن کی قضا اگر کرے تو بعد بلندیٔ آفتاب پڑھے قبل طلوع نہ صرف خلافِ اولٰی بلکہ ناجائز وگناہ وممنوع ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما صحاح وسنن ومسانید میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الصلٰوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے طلوعِ سحر کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک نماز سے

---

[1] الہدایۃ باب ادراک الفریضہ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ دستگیر کالونی کراچی ۱/ ۱۳۳

تغرب[1] — منع کیا ہے۔ (ت)

صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاصلٰوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولابعد العصر حتی تغرب الشمس[2]۔

صبح کے بعد سورج کے بلند ہونے تک نماز نہیں اور عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک نماز نہیں۔ (ت)

صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن الصلٰوۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس وعن الصلٰوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس[3]۔

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک اور صبح کے بعد طلوعِ آفتاب تک نماز سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

علما فرماتے ہیں اس مضمون کی حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر ہیں ذکرہ المناوی فی التیسیر فی شرح الجامع الصغیر (اسے امام مناوی نے التیسیر فی شرح الجامع الصغیر میں ذکر کیا ہے۔ ت)

درمختار میں ہے:

کرہ نفل قصدا ولو تحیۃ مسجد وکل ماکان واجبا لغیرہ کمنذور ورکعتی طواف والذی شرع فیہ ثم افسدہ ولو سنۃ فجر بعد صلٰوۃ فجر وعصر[4] اھ ملخصا۔

نمازِ فجر اور عصر کے بعد وہ تمام نوافل ادا کرنے مکروہ ہیں جو قصداً ہوں اگرچہ تحیۃ المسجد ہوں، اور ہر وہ نماز جو غیر کی وجہ سے لازم ہو مثلاً نذر اور طواف کے نوافل اور ہر وہ نماز جس میں شروع ہوا پھر اسے توڑ ڈالا اگرچہ وہ فجر اور عصر کی سنتیں ہی کیوں نہ ہوں اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الکراھۃ ھنا تحریمیۃ ایضا کما صرح بہ فی الحلیۃ ولذا عبر فی الخانیۃ و

یہ کراہت تحریمہ ہے جیسا کہ اس کی تصریح حلیہ میں ہے، اسی لئے خانیہ اور خلاصہ میں عدمِ جواز سے تعبیر کیا گیا

---

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب الصلٰوۃ بعد الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۲

[2] " " " " " " لاتتحر الصلٰوۃ الخ ۱/ ۸۳

[3] " " " " " " الصلٰوۃ بعد الفجر ۱/ ۸۲ و ۸۳

[4] درمختار کتاب الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۱

الخلاصة بعد ما الجواز والمراد عدم الحل[1]۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ حلال نہیں۔ (ت)

امام احمد و ترمذی و حاکم بسند صحیح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلهما بعد ما تطلع الشمس[2]۔ قال الحاکم صحیح و اقرہ الذہبی فی التلخیص۔

جس نے صبح کی سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ بعد طلوعِ آفتاب پڑھے۔ امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا اور امام ذہبی نے تلخیص میں اس کی صحت کو برقرار رکھا۔ (ت)

رہی حدیثِ ابوداؤد:

حدثنا عثمٰن بن ابی شیبۃ نا ابن نمیر عن سعد بن سعید ثنی محمد بن ابراھیم عن قیس بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رأی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا یصلی بعد صلٰوۃ الصبح رکعتین فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلٰوۃ الصبح رکعتان فقال الرجل انی لم اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلهما فصلیتهما الاٰن، فسکت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔

عثمان بن ابی شیبہ نے ہم سے بیان کیا کہ ابن نمیر نے سعد بن سعید سے کہ محمد بن ابراہیم نے قیس بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو بعد صلٰوۃِ صبح دو رکعتیں پڑھتے دیکھا فرمایا صبح کی دو ہی رکعتیں ہیں؛ اس شخص نے عرض کی: سنتیں میں نے نہ پڑھی تھیں وہ اب پڑھ لیں، اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔

و رواہ ابن ماجۃ حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ ثنا عبداللہ بن نمیر الخ سندا و متنا نحوہ غیر انہ قال قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم أصلٰوۃ الصبح مرتین[4]۔

اسے ابن ماجہ نے سنداً و متناً روایت کیا ہے اور کہا ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے عبداللہ بن نمیر سے بیان کیا الخ البتہ ان الفاظ کے علاوہ کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا صبح کی نماز دو دفعہ ہے؟ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۶

[2] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ما جاء فی اعادتھا بعد طلوع الشمس مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۵۷

[3] سنن ابوداؤد کتاب الصلٰوۃ باب من فاتتہ متی یقضیھا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۰

[4] سنن ابن ماجہ باب فی ما جاء فیمن فاتتہ الرکعتان الخ ” ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۲

اور اسی حدیث میں ترمذی کی روایت یُوں ہے :

حدثنا محمد بن عمرو السواق نا عبد العزیز بن محمد عن سعد بن سعید عن محمد بن ابراھیم عن جدہ قیس قال خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاقیمت الصلٰوۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مھلا یا قیس اصلاتان معاً، قلت یا رسول اللہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذاً[1]

محمد بن عمرو السواق نے ہم سے بیان کیا کہ عبد العزیز بن محمد نے سعد بن سعید سے، انھوں نے محمد بن ابراہیم سے انھوں نے اپنے دادا حضرت قیس سے بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے جماعت کے لئے تکبیر کہی گئی میں نے آپ کی اقتداء میں نمازِ صبح ادا کی، پھر رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چہرۂ اقدس پھیرا تو آپ نے مجھے نماز پڑھتے ہُوئے پایا، فرمایا: اے قیس! ٹھہر جا، کیا دو نمازیں اکٹھی ہوگئی ہیں؟ عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! میں فجر کی دو سنتیں ادا نہیں کرسکا۔ فرمایا: تو اب حرج نہیں۔ (ت)

جس میں بیان ہے کہ وُہ شخص خود یہی قیس تھے ان کاوُہ عذر سُن کر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تو اب حرج نہیں، یہ حدیث اُن احادیث جلیلہ صحیحہ کے مقابل لانے کے قابل نہیں،

اوّلاً اس کی سند منقطع ہے خود امام ترمذی نے بعد روایتِ حدیث فرمایا:

اسناد ھذا الحدیث لیس بمتصل محمد بن ابراھیم التیمی لم یسمع من قیس[2]

اس حدیث کی سند متصل نہیں کیونکہ محمد بن ابراہیم التیمی نے حضرت قیس سے سماع نہیں کیا۔ (ت)

ثانیاً خود سعد بن سعید پر اس کی سند میں اختلاف کیا گیا، بعض نے صحابی کو ذکر ہی نہ کیا، جامع ترمذی میں ہے:

وروی بعضھم ھذا الحدیث عن سعد بن سعید عن محمد بن ابراھیم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خرج فرأی قیسا۔[3]

بعض نے یہ حدیث اس سند سے بیان کی ہے سعد بن سعید، محمد بن ابراہیم سے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے اور قیس کو دیکھا۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۵۷

[2] " " " " " " " " "

[3] " " " " " " " " "

ثالثاً عامہ رواۃ نے اسے مرسلاً روایت کیا خود انھیں سعید کے دونوں بھائی عبدربہ بن سعید و یحیٰی بن سعید کہ دونوں سعد سے اوثق و احفظ ہیں مرسلاً روایت کرتے، جامع ترمذی میں ہے:

انما یروی ھذا الحدیث مرسلاً[1] (یہ حدیث مرسلاً مروی ہے۔ ت)

سنن ابی داؤد میں ہے:

روی عبدربہ و یحیی ابنا سعید ھذا الحدیث مرسلا ان جدھم[ع] زیدا صلی مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔

سعید کے بیٹے عبدربہ اور یحیٰی دونوں نے اس حدیث کو مرسلاً روایت کیا کہ ان کے دادا زید نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ (ت)

رابعاً مدار اس روایت کا سعد بن سعید پر ہے، جامع ترمذی میں ہے:

حدیث محمد بن ابراھیم لانعرفہ مثل ھذا الا من حدیث سعد بن سعید[3]۔

ہم محمد بن ابراہیم سے مروی اس حدیث کو سعد بن سعید کے علاوہ کسی سے نہیں جانتے۔ (ت)

اور سعد باوصف توثیق مقال سے خالی نہیں ان کا حافظہ ناقص تھا، امام احمد نے انھیں ضعیف کہا، امام نسائی نے فرمایا قوی نہیں، امام ترمذی نے فرمایا تکلموا فیہ من قبل حفظہ[4] یعنی ائمہ حدیث نے ان سعد میں ان کے حافظہ کی طرف سے کلام فرمایا۔ لاجرم تقریب میں ہے: صدوق سیئ الحفظ[5] آدمی سچے ہیں حافظہ برا ہے۔

[ع] وقع فی نسخ السنن الثلث التی عندی ان جدھم زیدا وھو مشکل فان جد یحیٰی قیس لا زید وقد انکرہ الحافظ فی الاصابۃ فقال بعد ذکرالروایۃ ھکذا قرأت ۱۲ منہ (م)

میرے پاس تینوں سنن کے نسخوں میں یہ ہے کہ ان کے جد کا نام زید ہے لیکن یہ محلِ اشکال ہے کیونکہ یحیٰی کے جد کا نام قیس ہے زید نہیں۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اس کا انکار کیا اور روایت ذکر کرنے کے بعد کہا میں نے اسی طرح پڑھا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۵۷

[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب من فاتتہ متی یقضیھا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۰

[3] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۵۷

[4] تہذیب التہذیب ترجمہ سعد بن سعید ۸۷۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ہند ۳/۴۷۱

[5] تقریب التہذیب ″ ۲۲۴۴ حرف السین المہملۃ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۳۴۳

ان وجوہ کی نظر سے یہ حدیث واحد خود اُن احادیث صحیحہ کثیرہ کے مقابل نہ ہوسکتی خصوصاً اس حالت میں کہ وہ مثبت ممانعت ہیں اور یہ ناقل اجازت، اور قاعدہ مسلّمہ ہے کہ جب دلائلِ حلت وحرمت متعارض ہوں حرمت وممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۹۸ ۴ صفر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سننِ اربعہ جو بروز جمعہ قبل از خطبہ پڑھی جاتی ہیں اگر وہ کسی عذر سے ترک ہوجائیں تو بعد خطبہ اور فرضوں کے اُن کی ادا ہے یا نہیں؟ بینوا بحوالۃ الکتاب وتوجروا عند اللہ الوہاب۔

الجواب

ہے اور سنتوں ہی کی نیت کرے وہ سنت ہی واقع ہوں گی،

فی الدرالمختار بخلاف سنۃ الظھر وکذا الجمعۃ فانہ ان خاف فوت رکعۃ یترکھا ویقتدی، ثم یأتی بھا علی انھا سنۃ فی وقتہ ای الظھر[1]

درمختار میں ہے کہ بخلاف ظہر کی سنتوں کے اور اسی طرح جمعہ کی سنتوں کے، اگر ایک رکعت کے فوت ہونے کا خطرہ ہے تو سنتیں چھوڑ کر امام کی اقتدا کرے پھر ان کو وقت ظہر میں ادا کرے۔ (ت)

ہاں اگر وقتِ ظہر نکل گیا تو اب قضا نہیں لما قدمنا (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۹۹ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فرض فجر کی جماعت سے پڑھے اور سنت اس کی فوت ہوئیں بوجہ ادائے فرض کے اب ان سنتوں کو بعد ادائے فرض پڑھے یا بعد طلوعِ آفتاب اور وقت بھی ادائے سنت کا باقی ہو اور کسی کے فرض وسنّت دونوں فوت ہوئے ہوں تو ان سنت وفرض کو بعد طلوع آفتاب کے پڑھے اور سنت کی قضا کس وقت تک چاہئے؟

الجواب

جب فجر کے فرض پڑھ لئے تو آفتاب بلند ہونے سے پہلے سنتیں پڑھنے کی اجازت نہیں اگرچہ فجر کا ابھی ایک گھنٹا وقت باقی ہو، ہاں بعد بلندئ آفتاب پڑھے۔ اور جس کے فرض وسنّت دونوں فوت ہوئے ہوں وہ طلوع کے بعد استواء سے پہلے فرض وسنت دونوں کی قضا کرے، اور اگر یہ وقت بھی گزر گیا بعد زوال فرضوں کی قضا

---

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۰

پڑھے تو اب سنتوں کی قضا نہیں والمسائل مبسوطۃ فی الدر وغیرہ عامۃ الاسفار الغر (ان مسائل کی تفصیل دُرّ اور دیگر کتبِ مبارکہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰: از ملک بنگال ضلع نواکھالی ڈاک خانہ چندراگنج موضع ودالیا مرسلہ محمد ابراہیم ۶ شوال ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص عمر بھر نماز کبھی نہیں پڑھی اب یہ شخص مرگیا تو اس وقت اس کی قضائے عمری کی کیا صورت ہے اس کا اگر کوئی تدارک ہوسکے تو کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر وقتِ بلوغ نہ معلوم ہو تو مرد کے لئے اس کی عمر سے بارہ برس اور عورت کے لئے ۹ برس کم کریں اور باقی تمام برسوں کے دن کرکے ہر دن کی نماز کے لئے آٹھ سو دس تولے گیہوں کہ سو روپے بھر کے سیر سے کچھ کم نو سیر ہوئے یا سولہ سو بیس تولہ جَو یا ان کی قیمت ادا کریں، کُل کے ادا کی طاقت نہ ہو تو جس قدر پر قدرت ہو محتاج کو دے کر قابض کردیں محتاج اپنی طرف سے پھر اُن کو ہبہ کردے، یہ قبضہ کرکے پھر کفارہ میں محتاج کو دیں وُہ بعد قبضہ پھر اُن کو ہبہ کردے، یہ پھر قبضہ کرکے کفارہ میں دیں، یُونہی دَور کرتے رہیں یہاں تک کہ ادا ہوجائے۔ عورت کی عادتِ حیض اگر معلوم ہو تو اس قدر دن اور نہ معلوم ہو تو ہر مہینے سے تین دن نو برس کی عمر سے پچاس برس کی عمر تک مستثنٰی کریں مگر جتنی بار حمل رہا ہو مدتِ حمل کے مہینوں سے ایام حیض کا استثناء نہ کریں عورت کی عادت دربارۂ نفاس اگر معلوم ہو تو ہر حمل کے بعد اُتنے دن مستثنٰی کرے اور نہ معلوم ہو تو کچھ نہیں کہ نفاس کے لئے جانب اقل میں شرعاً کچھ تقدیر نہیں ممکن ہے کہ ایک ہی منٹ آکر فوراً پاک ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۱: از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی صاحب رمضان المبارک ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے محقق دین ومفتیانِ مدقق پابند شرع متین دریں مسئلہ کہ اکثر عوام الناس در آخر جمعہ رمضان المبارک نماز قضائے عمری پنجوقتہ متخلف امام می خوانند درست است یا ممنوع زیرا کہ نماز قضا بدون ادا ساقط و دور نمی شود اگر کسے روز جمعہ آخری رمضان شریف قضائے نماز تمام عمر بہ نیت قضائے عمری بخواند کہ ادا شود تعجب ست انتہی ونیز صورت نماز قضائے روز متفرقہ چیست یعنی

علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں عوام الناس امام کی اقتداء میں پانچ وقتی نماز قضاءِ عمری پڑھتے ہیں یہ درست ہے یا ممنوع؟ کیونکہ قضا نماز جب تک ادا نہ کی جائے ساقط نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی شخص رمضان کے آخری جمعہ کو تمام عمر کی قضا نمازوں کی نیت سے قضاءِ عمری پڑھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تمام عمر کی نمازیں ساقط ہوجائیں گی اس پر

قضائے عصر یکے روز سہ شنبہ و نماز قضائے عصر دوم چہار شنبہ اگر ایں ہر دو مردم نماز قضائے عصر جدا گانہ بجماعت ادا نمایند درست ست یا منع چراکہ نماز ہر دو مردم روز یکے نیست علاوہ بریں امام صاحبِ ترتیب ست و مقتدیان ازیں خوبی عاری پس چنیں امام نماز قضائے یقینی مقتدیان کہ اکثر قضائے نماز ذمہ اوست فارغ الذمہ میشوند یا حکم آں چہ۔ اعنی پس ادا کنندۂ نفل نماز فرض بچہ طور ادا می شود بشرح بسیط بیان فرمایند بحوالہ عبارت کتب رحمۃ اللہ علیکم اجمعین۔

تعجب ہے انتہی، مختلف دنوں کی نمازوں کی قضا کی صورت کیا ہے؟ مثلاً ایک آدمی کی منگل کی عصر اور دوسرے کی بدھ کی عصر قضا ہوگئی ہے اگر دونوں عصر کی قضا آپس میں باجماعت ادا کرتے ہیں تو یہ درست ہے یا ممنوع؟ کیونکہ دونوں کی نماز ایک دن کی نہیں۔ علاوہ ازیں امام صاحبِ ترتیب ہے لیکن مقتدی صاحبِ ترتیب نہیں، اس طرح کے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز سے ان کی قضا نمازیں ساقط ہوجائینگی یا ان کا حکم کیا ہے یعنی نفل ادا کرنے سے فرض کس طرح ساقط ہو سکتے ہیں؟ عبارتِ کتب کے حوالہ جات سے تفصیلاً بیان فرمائیں تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ (ت)

الجواب

ایں طریقہ کہ بہر تکفیر صلوات فائتہ احداث کردہ اند بدعتِ شنیعہ در دین نہادہ اند حدیثش موضوع و فعلش ممنوع و ایں نیت و اعتقاد باطل و مدفوع اجماعِ مسلمین بر بطلان ایں جہالت شنیعہ و ضلالت فظیعہ قائم ست حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ اند:

من نسی صلوٰۃ فلیصلہا اذا ذکرھا لا کفارۃ لہا الا ذٰلک[1] ہر کہ نمازے فراموش کرد چوں یاد آید آں نماز باز گزارد جز ایں مر اورا کفارہ نیست اخرجہ احمد والبخاری ومسلم واللفظ لہ والترمذی

فوت شدہ نمازوں کے کفارہ کے طور پر یہ جو طریقہ (قضائے عمری) ایجاد کر لیا گیا ہے یہ بدترین بدعت ہے اس بارے میں جو روایت ہے وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہے یہ عمل سخت ممنوع ہے، ایسی نیت و اعتقاد باطل و مردود، اس جہالتِ قبیحہ اور واضح گمراہی کے بطلان پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے،

جو شخص نماز بھول گیا تو جب اسے یاد آئے اسے ادا کرلے۔ اس کا کفارہ سوائے اس کی ادائیگی کے کچھ نہیں۔ اسے امام احمد، بخاری، مسلم (مذکورہ الفاظ بھی اسی کے ہیں)، ترمذی، نسائی اور دیگر محدثین نے حضرت

---

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب من نسی صلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۴
صحیح مسلم باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ " نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۴۱

والنسائی وغیرھم عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری در موضوعاتِ کبیر گوید:

حدیث "من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعۃ من رمضان کان ذلک جابرا لکل صلوٰۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ" باطل قطعا، لانہ مناقض للاجماع علی ان شیئا من العبادات لاتقوم مقام فائتۃ سنوات[1] الخ

امام ابن حجر مکی در تحفہ شرح منہاج الامام النووی باز علامہ زرقانی در شرح مواہب امام قسطلانی رحمہم اللہ تعالٰی فرمایند:

اقبح من ذلک مااعتید فی بعض البلاد من صلوٰۃ الخمس فی ھذہ الجمعۃ عقب صلوٰتھا زاعمین انھا تکفر صلوات العام او العمر المتروکۃ وذلک حرام لوجوہ لا تخفی[2]

واقتدائے قاضی عصر امروز بقاضی عصر دیروز ناروا است زیرا کہ اتحاد نماز شرط صحت اقتدا است وہمچناں اقتدائے مفترض بمتنفل نیز کہ زنہار درست نباشد پس بدیں صور تنہا ذمہ از نماز فارغ نشود۔

فی نورالایضاح وشرحہ مراقی الفلاح

انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری موضوعات کبیر میں کہتے ہیں:

حدیث "جس نے رمضان کے آخری جمعہ میں ایک فرض نماز ادا کرلی اس سے اس کی ستر سال کی فوت شدہ نمازوں کا ازالہ ہوجاتا ہے" یقینی طور پر باطل ہے کیونکہ اس اجماع کے مخالف ہے کہ عبادات میں سے کوئی شیئ سابقہ سالوں کی فوت شدہ عبادات کے قائم مقام نہیں ہوسکتی الخ۔ امام ابن حجر مکی تحفہ شرح منہاج للامام النووی میں پھر علامہ زرقانی شرح مواہب امام قسطلانی رحمہم اللہ تعالٰی میں فرماتے ہیں:

اس سے بھی بدتر وہ طریقہ ہے جو بعض شہروں میں ایجاد کرلیا گیا ہے کہ جمعہ کے بعد پانچ نمازیں اس گمان سے ادا کرلی جائیں کہ اس سے سال یا سابقہ تمام عمر کی نمازوں کا کفارہ ہے اور یہ عمل ایسی وجوہ کی بنا پر حرام ہے جو نہایت ہی واضح ہیں۔

باقی آج کی عصر قضا کرنے والے کی اقتدا میں کل کی عصر قضا کرنے والا نماز ادا نہیں کرسکتا کیونکہ اقتداء کے لئے نماز کا ایک ہونا شرط ہے اور اسی طرح فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرنا ہرگز درست نہیں لہذا اس صورت میں نمازوں کا ذمہ ساقط نہیں ہوگا۔

نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں

---

[1] الموضوعات الکبرٰی حدیث ۹۵۳ مطبوعہ دارالکتب العربیۃ بیروت ص ۲۴۲

[2]

شرط صحة الاقتداء ان لایکون الامام مصلیا فرضا غیر فرضه ای غیر فرض الماموم کظھر وعصر وظھرین من یومین[۱] اھ ملخصا وفی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار لامفترض بمتنفل وبمفترض فرضا اٰخر کمصلی ظھر أمس بمصلی ظھر الیوم، لان اتحاد الصلوٰتین شرط[۲] انتھت ملخصة واللہ تعالٰی اعلم

ہے اقتدا کے لئے یہ شرط ہے کہ امام اور مقتدی کے فرائض الگ الگ نہ ہوں مثلاً ایک ظہر اور دوسرا عصر یا دونوں دو دونوں کی ظہر ادا کر رہے ہوں (تو پھر اقتداء جائز نہ ہوگی) تلخیصا۔ تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ فرض ادا کرنے والا، نفل پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک اور فرض پڑھنے والا ہے دوسرا دوسرے فرض والا ہے ان کا ایک دوسرے کی اقتدار کرنا بھی جائز نہیں مثلاً کل کی ظہر پڑھنے والے کی آج کی ظہر پڑھنے والا اقتدا کرے کیونکہ دونوں کی نمازوں کا ایک ہونا شرط ہے انتہت تلخیصاً واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۰۲ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس پر قضا نمازیں زیادہ ہوں وہ ان کی نیت کیونکر کرے اور قضا میں کیا کیا نماز پھیری جاتی ہے اور جس کے ذمہ قضائیں بہت کثیر ہیں جن کی ادا سخت دشوار ہے تو آیا اس کے لئے کوئی تخفیف نکل سکتی ہے جس سے ادا میں آسانی ہوجائے کہ ادا میں جلدی منظور ہے کہ موت کا وقت معلوم نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

قضا ہر روز کی نماز کی فقط بیس رکعتوں کی ہوتی ہے دو فرض فجر کے، چار ظہر، چار عصر، تین مغرب، چار عشا کے، تین وتر۔ اور قضا میں یوں نیت کرنی ضرور ہے کہ نیت کی میں نے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی یا پہلی ظہر جو مجھ سے قضا ہوئی، اسی طرح ہمیشہ ہر نماز میں کیا کرے، اور جس پر قضا نمازیں بہت کثرت سے ہیں وہ آسانی کے لئے اگر یوں بھی ادا کرے تو جائز ہے کہ ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلٰی کی جگہ صرف ایک بار کہے، مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نماز میں یاد رکھنا چاہئے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہنچ جائے اس وقت سبحان کا سین شروع کرے اور جب عظیم کا میم ختم کرے اُس وقت رکوع سے سر اٹھائے اسی طرح جب سجدوں میں پورا پہنچ لے اُس وقت تسبیح شروع کرے اور جب پوری تسبیح ختم کرلے اُس وقت سجدہ سے

۱؎ مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۵۸

۲؎ ردالمحتار معہ الدرالمختار " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۹

سر اٹھائے۔ بہت سے لوگ جو رکوع سجدہ میں آتے جاتے یہ تسبیح پڑھتے ہیں بہت غلطی کرتے ہیں۔ ایک تخفیف کثرت قضا والوں کی یہ ہوسکتی ہے، دوسری تخفیف یہ کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ فقط سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ تین بار کہہ کر رکوع میں چلے جائیں مگر وہی خیال یہاں بھی ضرور ہے کہ سیدھے کھڑے ہو کر سُبحان اللہ شروع کریں اور سبحان اللہ پُورے کھڑے کھڑے کہہ کر رکوع کے لئے سر جُھکائیں۔ یہ تخفیف فقط فرضوں کی تیسری چوتھی رکعت میں ہے وتروں کی تینوں رکعتوں میں الحمد اور سورت دونوں ضرور پڑھی جائیں۔ تیسری تخفیف پچھلی التحیات کے بعد دونوں درودوں اور دُعا کی جگہ صرف اللھم صل علی محمد و آلہ کہہ کر سلام پھیر دیں۔ چوتھی تخفیف وتروں کی تیسری رکعت میں دُعائے قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار ربِّ اغفرلی کہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۰۳ از مولوی عبداللہ صاحب مدرس منظر الاسلام محلہ سوداگران بریلی ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قضائے عمری نماز ادا کرنے کی حالت میں جو نفل ہر وقت کی نمازیں پڑھے جاتے ہیں وہ قبول ہوں گے یا نہیں ؟

الجواب

خالی نفلوں کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۰۴ کتاب ترکیب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ ایک شخص تین بجے رات سے جاگتا رہا اور وقتِ نمازِ صبح صادق سو گیا اور آفتاب نکل آیا تو وہ وقت کی نماز پڑھے ثواب اس کو ادا کا ملے گا وقت میں قضا کا لفظ نہ کہے۔

الجواب

اُس نماز کے قضا ہو جانے میں شک نہیں کہ نماز کے لئے شرعاً اوقات معین ہیں،

قال اللہ تعالیٰ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا[1]۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہُوا فرض ہے۔

اور قضا ہو جانے کے یہی معنی ہیں کہ شرعاً جو وقت مقرر فرمایا گیا تھا وہ جاتا رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للصلوٰۃ اولا و اخرا وان اول وقت الفجر حین یطلع الفجر وان اخر وقتھا بیشک ہر نماز کے لئے اول و آخر ہے اور بیشک نمازِ صبح کا اول وقت طلوعِ فجر کے وقت ہے اور اس کا

---

[1] القرآن ۴/۱۰۳

حین تطلع الشمس[1]۔ رواہ الترمذی والامام الطحاوی بسند صحیح عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ مطولا وھذا مختصر۔

آخر طلوعِ شمس پر ہے۔ اسے امام ترمذی اور امام طحاوی نے بسندِ صحیح اعمش سے، انھوں نے ابوصالح سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تفصیلاً روایت کیا ہے اور یہ مختصر ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں:

ھذا اتفاق المسلمین ان اول وقت الفجر حین یطلع الفجر و اٰخر وقتھا حین تطلع الشمس[2]۔

یعنی اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نماز صبح کا وقت طلوعِ فجر سے شروع ہوتا ہے اور طلوعِ شمس پر جاتا رہتا ہے۔

اما ما ذکر فی بعض کتب الفقۃ مرفوعا من نام عن صلوۃ اونسیھا فلیصلھا اذا ذکرھا فان ذلک وقتھا **فاقول** الحدیث فی الصحیحین بلفظ من نسی صلوۃ فلیصلھا اذا ذکرھا لاکفارۃ لھا الا ذلک[3] اخرجاہ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وفی لفظ لمسلم عنہ من نسی صلوۃ او نام عنھا فکفارتھا ان یصلھا اذا ذکرھا[4] وفی اٰخر لہ عنہ فلیصلھا اذا ذکرھا فان اللہ عزوجل یقول اقم الصلوۃ لذکری[5]۔ ولہ عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ فلیصلھا

جو بعض کتبِ فقہ میں مرفوعاً روایت مروی ہے کہ جو شخص نماز سے سو گیا یا اسے بھول گیا تو وہ جب یاد آجائے اسی وقت نماز ادا کرے کیونکہ یہی اس کا وقت ہے۔ **فاقول** (میں کہتا ہوں) اس حدیث کو بخاری و مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو نماز بھول گیا وہ یاد آنے پر ادا کرے اس نماز کا کفارہ سوائے اس کے کچھ نہیں۔ مسلم شریف میں انہی سے یہ روایت ان الفاظ میں ہے: جو شخص نماز ادا کرنا بھول گیا یا سو گیا نماز رہ گئی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسے ادا کرے۔ مسلم کی دوسری روایت جو اسی صحابی سے مروی ہے میں یہ الفاظ ہیں کہ جب نماز

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب منہ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۲
[2] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۰۳
[3] صحیح البخاری باب من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکرالخ ؍؍ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۴
صحیح مسلم باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ ؍؍ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۴۱
[4] و [5] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

حين ينتبه لها فاذا كان الغد فليصلها عند وقتها[1]
وله كالستة الا البخاری والترمذی عن
ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه كاخر الفاظه
عن انس رضی الله تعالیٰ عنه وللترمذی و
صححه والنسائی فی حديث ابی قتادة رضی الله
تعالیٰ عنه فليصلها اذا ذكرها[2] ومثله لابی يعلی
والطبرانی فی الكبير عن ابی حنيفة رضی الله
تعالیٰ عنه ونحوه لهذا فی الاوسط عن
ابی سعيد الخدری رضی الله تعالیٰ عنه و
لمالك فی موطاه عن زيد بن اسلم
عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم اذا
رقد احدكم عن الصلوٰة او نسيها ثم[3]
فزع اليها فليصلها كما كان يصليها لوقتها[4]
وللطبرانی عن ميمونة بنت سعد رضی الله
تعالیٰ عنها اذا ذكرها فليصلها وليحسن صلوٰته
وليتوضأ فليحسن وضوءه فذلك كفارته[5]
وليس فی شیئ من ذلك "فان ذلك وقتها" بل
قد ارشد صلی الله تعالیٰ عليه وسلم

یاد آئے تو اسے ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
نماز میری یاد کے لئے قائم کرو۔ اور مسلم نے حضرت ابو قتادہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ وہ
شخص جب بیدار ہو تو ادا کرے اور جب دوسرا دن
آئے تو اسے وقت پر ادا کرے۔ بخاری کے سوا صحاح
ستہ میں ایسے ہی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث کے آخری الفاظ اس طرح
نقل کئے ہیں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی
مروی ہیں۔ ترمذی اور نسائی میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: پس اسے پڑھ لے
جب اسے یاد آئے۔ ترمذی نے اس روایت کو
صحیح کہا ہے، ابو یعلی اور المعجم الکبیر للطبرانی میں یہ حدیث
امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے،
اسی طرح اوسط میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے اور امام مالک کے موطا میں زید بن اسلم سے مروی ہے کہ
نبی اکرم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز سے سو جائے یا اسے
بھول جائے پھر اسے نماز کے (قضاء) ہونے کا خوف
لاحق ہوا تو اسے اسی طرح ادا کرے جس طرح وقتی نماز

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۹
[2] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی النوم عن الصلوٰۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۲۵
سنن النسائی کتاب المواقیت فیمن نام عن صلوٰۃ 〃 المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱/۷۱
[3] موطا امام مالک کتاب وقوت الصلوٰۃ باب النوم عن الصلوٰۃ 〃 میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۰
[4] المعجم الکبیر مروی از میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۵/۳۵

فی حدیث ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بقولہ فاذا کان الغد فلیصلھا عند وقتہا ان الذی یصلی الیوم لیس لوقتہ والیہ یؤمی حدیث زید فلیصلھا کما کان یصلیھا لوقتہا نعم للطبرانی فی الاوسط و البیھقی فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ رفعا من نسی صلوٰۃ فوقتہا اذا ذکرھا[1] وقد نص البیھقی علٰی تضعیفہ فانی تقوم بہ الحجۃ بل ولئن صح لم یقادح الاجماع علی انہ یقبل التاویل ای انہ مطالب بھا الاٰن کما یطالب بھا فی وقتہا۔

ادا کرتا ہے۔ طبرانی میں حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ جب اسے یاد آئے ادا کرے اور اچھی طرح وضو کرے پس یہی اس کا کفارہ ہے۔ ان تمام روایات میں یہ الفاظ کہ "یہی اس کا وقت ہے" ہرگز نہیں ہیں بلکہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث ابو قتادہ کے الفاظ "دوسرے دن کی نماز اپنے وقت پر ادا کرے" کے ذریعے یہ رہنمائی عطا فرما دی ہے کہ آج اس نے جو نماز پڑھی وہ وقت پر نہ تھی۔ حدیث زید کے الفاظ "اسے اسی طرح ادا کرے جیسے وقتی ادا کرتا ہے" بھی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں، ہاں طبرانی نے اوسط اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو نماز بھول گیا اس کا وقت وہی ہے جب اسے یاد آئے۔ لیکن امام بیہقی نے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح کر دی ہے تو یہ روایت دلیل کیسے بن سکتی ہے، بلکہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اجماع کو توڑ نہیں سکتی، علاوہ ازیں اس کی تاویل کرنا درست ہے کہ جب نماز یاد آئی ہے تو اس سے اس کی ادائیگی کا اسی طرح مطالبہ ہے جیسے کہ اس کے وقت میں تھا۔ (ت)

وقت میں قضا کا لفظ کہنے کی تو کوئی حاجت اُس میں بھی نہیں جبکہ جیتے جاگتے قصداً معاذ اللہ قضا کر دی ہو بلکہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قضا بہ نیت ادا اور ادا بہ نیت قضا دونوں صحیح ہیں مگر اُس سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں جبکہ وہ یقیناً قضا ہے تو قضا کہنے میں کیا مضائقہ رکھا ہے، رہا ادا کا ثواب ملنا یہ اللہ عزوجل کے اختیار میں ہے اگر وُہ جانے گا کہ اس نے اپنی جانب سے کوئی تقصیر نہ کی صبح تک جاگنے کے قصد سے بیٹھا تھا اور بے اختیار آنکھ لگ گئی تو ضرور اُس پر گناہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اما انہ لیس فی النوم تفریط انما التفریط علی من لم یصل الصلوٰۃ حتی یجیئ وقت الصلوٰۃ الاخرٰی[2]۔ رواہ مسلم عن

سو جانے کی وجہ سے نماز رہ گئی تو گناہ نہیں لیکن جس شخص نے جان بُوجھ کر نماز نہ پڑھی حتی کہ دوسری نماز کا وقت آگیا تو یقیناً گنہگار رہو گا۔ اسے مسلم نے حضرت ابو قتادہ

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم اوسط باب فیمن نام عن الصلوٰۃ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱/ ۳۲۲
السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب لاتفریط علی من نام عن صلوٰۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۲/ ۲۱۹
[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۹

ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وللنسائی و الترمذی وصححہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ انہ لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ[1]

رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ نسائی اور ترمذی نے اسی صحابی سے ان الفاظ میں روایت کی ہے سوجانے کی صورت میں گناہ نہیں البتہ بیداری میں گناہ ہے۔ (ت)

اور جب اس کی جانب سے کوئی تقصیر نہیں تو امید یہی ہے کہ ثواب نماز کامل عطا ہو مگر اس سے وہ نماز قضا سے خارج نہ ہوجائے گی ثواب کا مدار نیت پر ہے بے کئے ثواب محض نیت پر مل جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں ارشاد ہے کہ جو نماز کے قصد پر چلا اور جماعت ہوچکی جماعت کا ثواب پائے گا لیکن اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ جماعت فوت نہ ہوئی وھذا ظاھر جدا (یہ بالکل واضح ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۰۵: از نجیب آباد ضلع بجنور محلہ مجید گنج مرسلہ کریم بخش صاحب ٹھیکیدار ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

قضا نماز کی جماعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ تنہا پڑھنا افضل ہے یا باجماعت؟ اور مسجد میں یا مکان پر؟ اگر جماعت ہوسکتی ہے تو صبح وعشا ومغرب کی نماز خاموش پڑھنا چاہئے یا بآواز؟ اور ہر ایک قضا عین وقت ہی پر پڑھی جائے مثلاً عشا کی عشا کے وقت اور ظہر کی ظہر کے وقت علی ہذا القیاس یا حتی الامکان جلد بلاتعینِ وقت؟

الجواب

اگر کسی امر عام کی وجہ سے جماعت بھر کی نماز قضا ہوگئی تو جماعت سے پڑھیں، یہی افضل ومسنون ہے اور مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں، اور جہری نمازوں میں امام پر جہر واجب ہے اگرچہ قضا ہو۔ اور اگر بوجہ خاص بعض اشخاص کی نماز جاتی رہی تو گھر میں تنہا پڑھیں کہ معصیت کا اظہار بھی معصیت ہے قضا حتی الامکان جلد ہو تعینِ وقت کچھ نہیں ایک وقت میں سب وقتوں کی پڑھ سکتا ہے، درمختار میں ہے:

یکرہ قضاؤھا فیہ (ای فی المسجد) لان التاخیر معصیۃ فلا یظھرھا۔ بزازیۃ[2]

مسجد میں نماز کی قضا مکروہ ہے کیونکہ تاخیر معصیت ہے جس کا اظہار نہیں ہونا چاہئے، بزازیہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وفی الامداد انہ اذا کان التفویت لامر عام فالاذان فی المسجد لایکرہ لانتفاء العلۃ

امداد میں ہے جب نماز کا فوت ہونا کسی عام امر کی وجہ سے ہو تو اب مسجد میں قضا کے لئے اذان مکروہ نہیں

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت فیمن نام عن صلوٰۃ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱/ ۷۱
جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ ماجاء فی النوم عن الصلوٰۃ ″ امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۵
[2] درمختار ″ باب الاذان مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۹

كفعله صلى الله تعالٰی علیه وسلم لیلة التعریس[1]۔

کیونکہ وُہ علت معدوم ہے جیسے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں کیا تھا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یجهر الامام وجوبا فی الفجر و اولی العشائین اداءً وقضاءً[2]۔ والله تعالٰی اعلم

امام فجر اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعات میں جہراً قراءت کرے خواہ نماز ادا پڑھائے یا قضاء۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۰۶: از نواب گنج ضلع بریلی مرسلہ امانت علی شاہ ۱۷ رمضان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص کی بہت نمازیں قضا ہوگئی ہیں یا اُس نے دیر سے نماز شروع کی تو اُس کو کیا کرنا چاہئے کہ اُس کی پچھلی نمازیں پُوری ہوجائیں۔

الجواب

اُن نمازوں کی قضا کرے جس قدر روز پڑھ سکے اُسی قدر بہتر ہے مثلاً دس دن کی روز پڑھے یا آٹھ کی یا سات کی، اور چاہے ایک وقت میں پڑھے یا متفرق اوقات میں، اور ہر بار یُوں نیت کرے کہ سب میں پہلی وہ نماز جو مجھ سے قضا ہوئی، جب ایک پڑھ لی پھر یُوں نیت کرے یعنی اب جو باقیوں میں پہلی ہے، اخیر تک اتنی پڑھے کہ اب اُس پر قضا باقی رہنے کا گمان نہ رہے، قضا ہر روز کی صرف بیس رکعت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۰۷ و ۱۲۰۸: دبیر انجمن نعمانیہ لاہور ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) ایک شخص جس نے اپنی چالیس سال کی عمر تک باوجود مسلمان کہلانے کے نماز روزہ حج زکوٰۃ ادا نہ کی ہو یا کبھی کچھ کرلیا اور کبھی کچھ نہیں اور بعد ازاں وُہ تائب ہوا اور تجدیدِ ایمان کی اور کسی اہل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ اس شخص کو بھی ان عبادات کا اعادہ فرض ہوگا یا تجدیدِ ایمان کافی ہوگی کیونکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے تمام نقائص کو رفع کر دیتا ہے اور کسی کبائر وغیرہ کا بھی وُہ جواب دہ نہیں رہتا۔

(۲) اگر اس کی عمر ایسی مدت تک پہنچ گئی ہے کہ وہ سب قضا نمازیں کھڑے ہو کر ادا نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر ادا کرنے سے ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب

(۱) نماز روزہ حج زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا جتنے دنوں ادا نہ کرے گا اس کی قضا اس پر

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۸۸

[2] درمختار فصل و یجہر الامام ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۹

فرض رہے گی، کافر کا اسلام لانا اُس کے اگلے کبائر کو محو کر دیتا ہے، مسلمان صرف تجدیدِ اسلام سے اپنے گناہوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک توبہ نہ کرے، جو فرائض ترک کئے ہیں اُس سے توبہ میں یہ بھی شرط ہے کہ اُن کی قضا کرے صرف زبانی توبہ توبہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جب تک کھڑے ہونے کی طاقت ہے کھڑا ہونا فرض ہے اگرچہ لکڑی یا آدمی یا دیوار کے سہارے سے، جتنی اس طور سے پڑھ سکے کھڑے ہو کر پڑھے، جب تھک جائے تھم جائے، اس طرح ادا میں اگر قصور کرے گا اور موت آگئی تو امید ہے کہ مولیٰ تعالیٰ باقی نمازیں معاف فرمائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۰۹ جس شخص نے نمازِ صبح نہ پڑھی ہو تو اس کی جمعہ اور عید کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

عید کی تو مطلقاً ہو جائے گی اور جمعہ کی بھی اگر صاحبِ ترتیب نہ ہو یعنی اُس کے ذمہ پانچ نمازوں سے زیادہ قضا جمع ہو گئی ہوں اگرچہ ادا کرتے کرتے اب کم باقی ہوں، اگر صاحبِ ترتیب ہے تو جب تک صبح کی نماز نہ پڑھ لے جمعہ نہ ہوگا، اگر صبح کی نماز اسے یاد ہے اور وقت اتنا تنگ ہو گیا کہ صبح کی نماز پڑھے تو ظہر کا وقت ہی نکل جائے اور یہ جمعہ میں ہونا متوقع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۱۰ از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاکخانہ کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ عبدالغنی صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اُس پر کفارہ صوم وصلوٰۃ کا واجب تھا بسبب غربت کے، حیات میں ادا نہ کیا، اب اس کے وارثوں نے قرض لے کر اُس کی جانب سے ایک قرآن شریف ہدیہ مسکین کو دے دیا اُس صورت میں کفارہ مذکورہ ذمۂ زید سے ساقط ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

بازار کے بھاؤ سے وُہ نسخہ مصحف شریف جس قیمت کا تھا بقدر اُس کے کفارہ ادا ہونے کی امید ہے مثلاً دو روپیہ ہدیہ کا تھا تو دو روپے کے گیہوں جتنے کفارے کو کافی ہوں وہی ادا ہو سکتا ہے باقی نماز روزے زید کے ذمّے بدستور رہے، قرآن مجید بیشک بے بہا ہے اُس کے ایک کلمے ایک حرف کی برابر ساتوں آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے برابر نہیں ہو سکتے، مگر ان امور میں اعتبار مالیت کا ہے، قرآن عظیم مال نہیں، ہاں یہ کاغذ و جلد جو متضمن نقوش ہیں یہ مال ہیں انھیں کی قیمت ملحوظ ہوگی وبس، ورنہ یُوں تو جس پر دس کروڑ روپے کسی کے قرض آتے ہوں ایک کلمہ اللہ پرچہ پر لکھ کر دے دے اور دین سے ادا ہو کر بے شمار اس کا اُس پر فاضل رہے وھذا کلہ ظاھر جدا (اور یہ سارا اچھی طرح واضح ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۱۱ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مرگیا اُس نے عمر بھر نماز نہ پڑھی یا کبھی کبھی پڑھی اُس کی عمر ستر پچھتر برس کی ہُوئی کفارۂ نماز کے بہت سے گیہوں یا جَو ہوں گے اور اس قدر مال نہیں تو اس کے ادا ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً بارہ برس ادنیٰ مدت بلوغ کی نکال کر ساٹھ برس کی نمازیں اُس کے ذمہ تھیں سال کے دن تین سو چھپن ہیں تو ایک سال کی نمازوں کے فدیے دو ہزار ایک سو تیس ہُوئے اور ساٹھ برس کے ایک لاکھ ستائیس ہزار آٹھ سو ایک نماز کا فدیہ گیہوں سے نصف صاع یعنی بریلی کی تول سے ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی اور انگریزی سیر سے کہ اسّی روپیہ بھر کا ہے پونے دو سیر اور پون چھٹانک اور بیسواں حصّہ چھٹانک کا یعنی ایک سیر تیرہ چھٹانک پانچواں حصہ چھٹانک کا کم، اس مقدار کو ۲۱۳۰ میں ضرب دیں تو سال بھر کی نمازوں کا کفارہ ہوا اور ۱۲۷۸۰۰ میں ضرب دیں تو ساٹھ سال کا، یہ تقریباً پونے پانچ ہزار من گیہوں ہُوئے، اس قدر دینے کی طاقت نہیں تو جتنے کی قدرت ہو اُس قدر فقیر کو دے کر مالک کردیں قبضہ دلادیں پھر فقیر اپنی طرف سے انھیں ہبہ کردے یہ پھر دوبارہ نیت کفارہ اُسے دے کر قبضہ دلادیں وہ پھر انھیں ہبہ کردے یہ سہ بارہ ایسا ہی کریں یہاں تک کہ یہ اُلٹ پھیر اُس مقدار کو پہنچ جائے جتنے بڑی مقدار سے دور کریں گے جلد ختم ہوگا دَور کے لئے یہ بھی کرسکتے ہیں کہ کسی سے مثلاً سَو روپیہ کی تھیلی قرض لے کر وہ کفارے میں فقیر کو دیں اور یُوں ہی اُلٹ پھیر کریں کہ روپے سے دَور آسان ہوگا، اخیر میں فقیر کو کچھ دے کر راضی کریں۔ فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

ان لم یکن لہ مال یستقرض نصف صاع ویعطیہ المسکین علی الوارث ثم الوارث علی المسکین ثم وثم حتی یتم لکل صلوٰۃ نصف صاع کما ذکرنا[1] اھ وتفصیل الکلام فی فتاونا۔ واللہ تعالٰی اعلم

اگر میّت کا مال نہیں تو نصف صاع قرض لے کر مسکین کو دیا جائے پھر وہ مسکین اسے وارث پر صدقہ کرے پھر وارث مسکین پر، اسی طرح کرتے جائیں یہاں تک کہ ہر نماز عوض نصف صاع ہوجائے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اھ۔ اور تفصیلی گفتگو ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱۲ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا انتقال ہُوا اور اُس کی نمازیں و روزہ قضا ہیں

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ التاسع عشر فی الفوائت مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶۹

اُس کے ورثا اُن کا فطرہ ادا کرنا چاہتے ہیں اور اُس مقام پر آبادی اہل ہنود رعیت و مسلمان رعیت و سادات کی ہے جو بوجہ قحط سال انتہادرجہ کے محتاج ہیں اور ذوالقربٰی اور ہمسایہ بھی احتیاج رکھتے ہیں تو اس فطرہ کو ان سب پر تقسیم کرنا جائز یا ناجائز اور دینا اولٰی اس میں سے کس گروہ کو ہے، متوفی کی سکونت سے دُور مقامات میں طلباء دین کو دینا اولٰی ہے یا مذکورین سابقین جو اسی آبادی میں اور قرب وجوار میں محتاج ہیں اور ایک نماز و روزہ کے فطرہ کو پورا ایک شخص کو دینا جائز ہے یا اُس کی قیمت کرکے نقد دینا جائز ہے یا نہیں، اگر نماز و روزہ کا غلّہ یا قیمت حساب لگا کر مساکین پر کم و بیش تقسیم کر دے تو جائز ہے یا نہیں یعنی ایک سو نمازیں اور پچاس روزہ کا فطرہ پیمائش کرکے انبار کیا یا اُس کی قیمت جمع کی اور پانچسو مساکین پر تقسیم کرنا منظور ہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب

یہ صدقہ حضرات سادات کرام کے لائق نہیں اور ہنود وغیرہم کفار ہند اس صدقے کے لائق نہیں ان دونوں کو دینے کی اصلاً اجازت نہیں، نہ ان کے دیے ادا ہو۔ مسلمین مساکین ذوالقربٰی غیر ہاشمیین کو دینا دونا اجر ہے مدرسۂ دینیہ کے طلبۂ علم دین کے صحیح العقیدہ کو بھیجنے کی اجازت ہے اگرچہ وُہ دوسرے شہر میں ہوں حتی کہ زکوٰۃ بھی۔ درمختار میں ہے:

کرہ نقلھا الا الی قرابۃ او احوج او اصلح و انفع للمسلمین او الی طالب علم۔[1]

زکوٰۃ کی رقم کا دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب دوسرے مقام پر رشتہ دار یا زیادہ محتاج یا زیادہ صالح یا مسلمانوں کا زیادہ نفع ہے یا طالب علم ہو۔ (ت)

اقارب وجیران اور دور کے طلبۂ علم دونوں میں ایک ایک وجہ اولیت کی ہے جو اسے انفع معلوم ہو اُس پر عمل کرے چاہے اناج دے یا اُس کی قیمت ایک فقیر کو متعدد نمازوں روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے جب تک وہ اُس کے دینے سے مالکِ نصاب نہ ہوجائے، ہاں مدیون ہو تو بقدر دین ہزار نصابوں کی مقدار ایک کو دے سکتا ہے کسی فقیر کو ایک کفارہ کی مقدار سے کم نہ دے بلکہ پُوری مقدار یا مقادیر یا اُس کی یا اُن کی پوری قیمت ہو احتیاط اس میں ہے خروجا عن الخلاف (اختلاف سے بچنے کے لئے۔ ت) درمختار میں اسی کفارہ کے بارے میں ہے:

لوادی للفقیر اقل من نصف صاع لم یجز

اگر فقیر کو نصف صاع سے کم دیا تو یہ جائز نہیں اور اگر اسے

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۱

ولو اعطاہ الکل جاز[1] — تمام دے دیا تو جائز۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا ثانی قولین حکاھما فی التتارخانیۃ بدون ترجیح وظاھر البحر اعتمادہ والاول منھما انہ یجوز کما یجوز فی صدقۃ الفطر[2]۔

یہ ان دو اقوال میں سے دوسرا ہے جنھیں تتارخانیہ میں بغیر ترجیح کے نقل کیا اور بحر سے اسی پر اعتماد کا اظہار ہو رہا ہے اور پہلا قول یہ ہے کہ یہ اسی طرح جائز ہے جس طرح صدقۃ الفطر جائز ہے۔ (ت)

یہاں سے ظاہر ہوا کہ سو نمازوں اور پچاس روزوں کا فدیہ ڈیڑھ سو مساکین سے زائد کو نہ دیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۱۳ از موضع بکہ جیبی والا علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ملک پنجاب میں رواج ہے کہ میت کے جنازہ کے وقت اسقاط کرتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اسقاط کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اگر میت پر نماز روزہ قضا ہیں اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا جس کے ثلث سے بحالتِ وصیت اُس کا فدیہ ادا ہوسکے یا وصیت نہ کی اور سب ورثا ادائے فدیہ پر راضی نہیں تو پہلی صورت میں اُس کے تہائی مال کا حساب لگائیں کہ اس سے کس قدر کا فدیہ ادا ہوسکتا ہے، مثلاً فرض کرو کہ چہارم کی قدر ہے تو ثلث مال فقیر کو بہ نیتِ فدیہ دیں فقیر اُسے لے کر پھر وارث کو ہبہ کر دے یہ پھر بہ نیتِ فدیہ دے فقیر پھر لے کر ہبہ کر دے اور ہر بار فقیر و وارث قبضہ کرتے جائیں یہاں تک کہ فدیہ ادا ہوجائے، یا مال بالکل نہیں ہے تو وارث مثلاً ڈیڑھ سیر گیہوں یا اس کی قیمت کسی سے قرض لے کر اُس کا الٹ پھیر کرلے اگرچہ ہزار بار یا زائد میں فدیہ کی حد تک پہنچے۔

فی الدرالمختار لومات وعلیہ صلوات فائتۃ واوصی بالکفارۃ یعطی لکل صلوۃ نصف صاع من بر کالفطرۃ وکذا حکم الوتر و

درمختار میں ہے اگر کوئی شخص فوت ہوجاتا ہے اور اس پر نمازیں ہیں اور وہ اپنے کفارہ کی وصیت کرجاتا ہے تو ہر نماز کے عوض فطرہ کی طرح گندم کا نصف صاع دیا جائیگا

---

[1] درمختار — باب قضاء الفوائت — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

[2] ردالمحتار — 〃 〃 〃 — 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۳

الصوم وانما یعطی من ثلث مالہ، ولولم یترك مالا یستقرض وارثہ نصف صاع مثلا ویدفعہ للفقیر ثم یدفعہ للفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم[1]

وتر اور روزے کا بھی یہی حکم ہے اور یہ اس کے تہائی مال سے دیا جائے گا اور اگر میت نے مال ہی نہیں چھوڑا تو وارث نصف صاع قرض لے کر کسی فقیر کو دے اور پھر فقیر وارث کو دے، اسی طرح دیتے رہیں یہاں تک کہ تمام نمازوں کا عوض ہو جائے۔(ت)

اس کے سوا یہ جو عوام میں رائج ہے کہ سارے فدیہ کے عوض ایک قرآن دے دیا کہ وہ تو بے بہا ہے یُوں ادا نہیں ہوتا قرآن مجید بیشک بے بہا ہے مگر جو بے بہا ہے یعنی کلامِ الٰہی کہ ورقوں میں لکھا ہے وہ مال نہیں، نہ وہ دینے کی چیز ہے تو جو مال ہے یعنی کاغذ اور پٹھے اسی کی قیمت معتبر ہوگی اور وُہ جب مقدار فدیہ کو نہ پہنچے گی فدیہ کیونکر ادا ہوگا وھذا ظاھر جدا (یہ نہایت ہی واضح ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۱۴ از دھولقہ ضلع احمد آباد گجرات مسئولہ محمد یوسف صاحب ۲۲ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

بخدمت ہادیِ برحق مولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام برکاتہ، گزارش یہ ہے کہ ہم قصبہ دھولقہ کے رہنے والے ہیں ہم لوگ بالکل سیدھے سادھے اور صرف راہِ حق کے تلاش کرنے والے ہیں، کسی فریق یا پارٹی سے ہمیں کوئی لگاؤ یا تعلق نہیں، آپ کے حکم پر ہمیشہ گردن جُھکانے کو تیار ہیں مگر ہم لوگوں میں اُردو کی معمولی لیاقت کے اور علم نہیں ہے آپ کا ایک فتوی اول گجراتی کتاب میں چھپا ہے اور دوسری ایک تحریر مولوی علاء الدین صاحب پر آئی ہُوئی چھپی ہے، ان دونوں تحریروں کو سمجھنے کی ہم لوگ لیاقت نہیں رکھتے اس لئے خدمتِ والا میں عرض کرتے ہیں کہ ہمارے اس قصبہ میں چھبیس سیر گیہوں فی سیر ۸۰ روپیہ کے حساب سے اور نقد سوا روپیہ اور ایک کلام اللہ شریف اتنی چیزوں کا حیلہ اس طرح کرتے ہیں کہ جنازہ کا امام کچھ پڑھتا ہے کیا پڑھتا ہے وُہ ہمیں معلوم نہیں بعد پڑھنے کے حاضر فقیروں میں تین دَور کرا دیتا ہے اور پھر وُہ چیزیں امام وغیرہ بانٹ لیتے ہیں، یہ حیلہ شریعت کے مطابق ہے اور جائز ہے یا نہیں؟ صرف مختصر جواب اردو آسان لفظوں میں ہو گا تو بھی ہماری کافی تسلی ہوگی۔

الجواب

امامِ جنازہ جو کچھ پڑھتا ہے اگر اُس میں کوئی بات خلافِ شرع نہ ہو (مثلاً یہ نہ ہو کہ اس میت کے گناہ ہم نے اپنے سر لئے یا اس کا عذاب و ثواب ہمارے اوپر کہ ایسا کہنا شریعت میں حرام ہے) اور وہ لوگ جن پر اُن چیزوں کا دَور کرانا ہے، فقیر محتاج زکوٰۃ لینے کے قابل ہوں تو اس چھبیس سیر گیہوں کی جو قیمت وہاں اُس وقت

---

[1] درمختار باب قضاء الفوائت مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

بازار کے بھاؤ سے ہو اور اُس مصحف شریف کا جو ہدیہ وہاں اُس وقت ہو اور وہ سوا روپیہ ان کے مجموعہ کو ان دَور والے محتاجوں مصرفِ زکوٰۃ کے سہ چند میں ضرب دینے سے جو حاصل ہو یہ مال جتنے نماز روزوں کا کفارہ ہو اُس قدر کا ہوگیا اگر میّت پر زیادہ کفارہ تھا تو باقی اُس کے ذمہ پر باقی رہا مثلاً وہ گیہوں تین روپے کے ہوں اور وہ مصحف پونے تین روپے ہدیہ کا ہو تو یہ اور وہ سوا روپیہ مل کر سب سات روپیہ کا مال ہوا اب اگر دَور میں اس فقیر ہیں اور اُن پر تین بار دَور ہوا تو گویا تیس[۳۰] فقیروں کو سات سات روپے دئے گئے مجموع دوسَو دس[۲۱۰] روپے ہُوئے، میّت پر نماز روزے وغیرہ کا مطالبہ اگر اس قدر یا اس سے کم تھا تو سب ادا ہوگیا اور زیادہ کا تھا تو جتنا زائد تھا باقی رہا مثلاً اُس کے نماز روزوں کے حساب سے جتنے گیہوں کفارہ کے ہوتے اُن کی قیمت وہاں اُس وقت کے بھاؤ سے ہزار روپے تھی اور یہ دوسَو دس[۲۱۰] روپے ہُوئے تو سات سَو نوے[۷۹۰] روپے کا مطالبہ میّت پر رہا، اور اگر دَور والوں میں بعض وُہ ہوں کہ اگرچہ فقیر بنتے ہیں مگر مالدار ہیں حاجتِ اصلیہ کے علاوہ چھپّن[۵۶] روپے کے مال کے مالک ہیں تو اُن کے شامل ہونے سے دَور میں حرج نہ آئے گا فقط اتنا ہوگا کہ دَور میں اُن کا شمار نہ ہوگا مثلاً دس[۱۰] فقیروں پر دَور کیا اور اُن میں تین[۳] غنی تھے تو سات ہی پر دَور سمجھا جائے گا، صورتِ مذکورہ میں تیس[۳۰] فقیروں کی جگہ اکیس[۲۱] ہی رکھے جائیں گے اور دوسَو دس[۲۱۰] روپے کی جگہ ایک سَو سینتالیس[۱۴۷] روپے کا کفارہ ادا ہوگا، ہاں اگر اُن میں کوئی بھی محتاج نہ ہو اسب غنی تھے تو بیشک کفارہ بالکل ادا نہ ہوگا، غرض یہ حیلہ یا تو بالکل کافی ہے جبکہ میّت پر مطالبہ اسی قدر یا اس سے کم ہو ورنہ نافع ضرور ہے جبکہ ان دَور والوں میں ایک بھی فقیر ہو کہ آخر کچھ نہ کچھ مطالبہ تو میّت پر سے کم ہُوا، ہاں جیسے بہت عوام دَور ہی نہیں کرتے ایک مصحف شریف دے دیا اور سمجھ لیے کہ عمر بھر کا سب کفارہ ادا ہوگیا' یہ محض مہمل و باطل ہے، یُونہی یہاں جب پُورے مطالبہ کے قدر نہ ہو تو اُس سے بالکل ادا سمجھ لینا غلط و باطل ہے پھر بھی اس سے اُس حیلہ کا جتنا فائدہ ہے زائل نہیں ہوتا، بعض کو کُل سمجھ لینا اُن کی غلطی ہے جیسے کسی کے ہزار روپے زید پر قرض ہوں اور زید سَو[۱۰۰] روپے ادا کرے اور سمجھ لے کہ سب ادا ہوگیا تو یہ اُس کی غلطی ہے، مگر اس غلطی کے سبب وہ سَو[۱۰۰] روپیہ جو ادا کئے باطل نہ ہوجائیں گے وہ فائدہ اسے حاصل رہے گا کہ اب ہزار کی جگہ نَو سَو[۹۰۰] کا مطالبہ اُس پر رہا، بہرحال اس میں فائدہ ضرور ہے مگر اُس طرح کی کوئی خلافِ شرع بات نہ کہی جاتی ہو، جس کی مثال اُوپر گزری، بغیر اس کے اُسے مطلقاً ناجائز بتانے والا محض غلطی پر ہے، البتہ مسلمانوں کو مناسب یہ ہے کہ وُہ طریقہ دَور کا کریں جس سے میّت پر سے باذنہٖ تعالیٰ سب مطالبہ ادا ہوجائے، اس کا بیان ہمارے فتوٰی میں مفصل موجود ہے اور اس پر یہ اعتراض کہ قرآن مجید کا صدقہ حرام بلکہ کفر ہے جہل وحماقت ہے ورنہ[۱] مسکین طالب علم کو قرآن مجید دینا حرام و کفر ہو، اسے صدقہ کہہ کر نہ دے ہبہ کہے جب بھی تو صدقہ ہی ہوگا جیسا کہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

الھبۃ للفقیر صدقۃ والصدقۃ علی الغنی ھبۃ۔[1]

ہبہ فقیر کے لئے صدقہ اور صدقہ غنی کے لئے ہبہ ہوجاتا ہے۔(ت)

اور محققین کے نزدیک یہاں نفس قربت مؤثر وان کان الاثر اشد مع الاسقاط (اگرچہ اثر اسقاط کے ساتھ اشد ہے۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الذی نعقلہ ان کلا من التقرب و الاسقاط موثر۔[2]

ہم یہ سمجھے ہیں کہ تقرب اور اسقاط دونوں ہی مؤثر ہیں۔(ت)

ثانیاً قرآن مجید وقف کرنے کا جواز کتب مذہب میں مصرح ہے، درمختار میں ہے:

وفی الدرر وقف مصحفا علی اھل مسجد للقراءۃ ان یحصون جاز وان وقف علی المسجد جاز ویقرأ فیہ۔[3]

درر میں ہے اگر کسی نے برائے تلاوت اہل مسجد کے لئے قرآن وقف کیا تو وہ اسے محفوظ رکھیں تو جائز ہے اور اگر مسجد کے لئے وقف کیا تو بھی جائز ہے اور اس سے تلاوت بھی جائز ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ان یحصون جاز ھذا الشرط مبنی علی ما ذکرہ شمس الائمۃ من الضابط وھو انہ اذا ذکر للوقف مصرفا لابد ان یکون فیھم تنصیص علی الحاجۃ حقیقۃ کالفقراء او استعمالا بین الناس کالیتامی والزمنی لان الغالب فیھم الفقر فیصح للاغنیاء والفقراء منھم ان کانوا یحصون والا فللفقراء منھم فقط۔[4]

ماتن کا قول "اگر اسے وہ محفوظ رکھیں" یہ اس ضابطہ پر مبنی ہے جس کا تذکرہ شمس الائمہ نے کیا کہ جب واقف وقف کے لئے کوئی مصرف بیان کرے تو ضروری ہے کہ لوگوں میں اس کی حاجت وضرورت بیان کرے خواہ وہ ضرورت حقیقۃً ہو مثلاً ضرورتِ فقراء یا لوگوں کے درمیان استعمالاً ہو مثلاً یتامٰی اور بے دست وپا لوگ، کیونکہ ان میں اغلب طور پر فقر ہوتا ہے پس اغنیاء وفقراء کے لئے یہ صحیح ہوگا جبکہ وہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوں ورنہ فقط فقراء کیلئے ہوگا۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتح القدیر " نوریہ رضویہ سکھر

[3] درمختار کتاب الوقف " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[4] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۱۱

وقف بھی صدقہ ہی ہے بلکہ صدقہ جاریہ مستمرہ حتیٰ کہ اگر خاص چند اغنیاء پر ہو جب بھی اس کا آخر فقراء کے لئے ہونا لازم،
صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی:

ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یستامرہ فیھا فقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان شئت حبست اصلھا وتصدقت بھا قال فتصدق بھا عمر انہ لایباع ولا یوھب ولا یورث وتصدق بھا فی الفقراء و فی القربی و فی الرقاب و فی سبیل اللہ و ابن السبیل و الضیف[۱]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیبر میں کچھ زمین حاصل کی تو رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اس کے بارے میں آپ سے رہنمائی حاصل کی جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو اسے (منتقل ہونے سے) روک لیں اور صدقہ کردیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے صدقہ کردیا اسی طرح کہ نہ اسے بیچا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا۔ اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور اسے فقراء، قریبی رشتہ داروں، غلاموں کی آزادی، راہِ خدا میں، مسافروں اور مہمانوں کے لئے صدقہ کردیا۔ (ت)

یہ حدیث محرر المذہب سیدنا امام محمد نے مبسوط میں یوں روایت فرمائی:

اخبرنا صخر بن جویریۃ مولی عبد اللہ بن عمران عمر بن الخطاب کان لہ ارض تدعی ثمغا وکان نخلا نفیسا فقال یارسول اللہ انی استفدت ما لا ھو عندی نفیس افا تصدق بہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصدق باصلہ لا یباع ولا یوھب ولا یورث ولکن تنفق ثمرتہ فتصدق بہ عمر فی سبیل اللہ و فی الرقاب و للضیف وللمسافر و

ہمیں صخر بن جویرہ جو کہ عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام تھے، نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک ثمغ نامی زمین کا ٹکڑا تھا اور وہاں نہایت اچھا کھجوروں کا باغ تھا انھوں نے حضور اکرم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا میں نے ایسا مال حاصل کیا ہے جو میرے نزدیک نہایت ہی قیمتی ہے کیا میں اسے صدقہ کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا اصل صدقہ کردو اس طرح کہ نہ اسے بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ہی اس کا وارث بنایا جائے لیکن اس کا پھل خرچ کیا جائے۔

---

[۱] صحیح مسلم باب الوقف مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۴۱

وابن السبیل ولذی القربیٰ[1]، الحدیث۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے راہِ خدا، غلاموں کی آزادی، مہمان نوازی، مسافر، ابن سبیل اور قریبی رشتہ داروں پر صدقہ کر دیا۔ (ت)

صحیح بخاری کے بھی بعض طرق میں بالفاظِ امام محمد ہے: تصدق باصلہ لا یباع[2]، الحدیث (اس کا اصل صدقہ کر دو اسے فروخت نہ کیا جائے، الحدیث۔ ت)

مانعین کیا کہتے ہیں اُس صورت میں جبکہ مثلاً کوئی اہلِ خیر سَو مصحف شریف اُن کے مدرسہ یا یتیم خانے میں بھیجے کہ ان میں غربا کے بچے اور یتامٰی پڑھا کریں اُس کا یہ فعل حسن و باعثِ ثواب ہے یا حرام و موجبِ عذاب بلکہ معاذ اللہ کفر، اور اگر اس نے نذر مانی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دس مصحف شریف فقرائے مسلمین کو دُوں گا تو یہ نذر حلال ہے یا حرام و کفر، اور اگر وصیت کی ہو کہ میری مِلک کے مصاحف سب میرے بعد فقرائے مسلمین کو دے دئے جائیں اور وہ ثلث مال سے زائد نہ ہوں تو یہ وصیت صحیح یا باطل اور یہ دینا وصی پر واجب ہے یا حرام، پھر یہ حکم صرف مصحف شریف کے لئے ہے یا کتبِ حدیث و فقہ کے لئے بھی، طرفہ یہ کہ مانعین کے امام الطائفہ گنگوہی کے فتاوٰی حصہ ۳ میں ہے:

سوال: خرید کر قرآن دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب: زکوٰۃ کے روپے سے قرآن کتاب کپڑا وغیرہ جو کچھ خرید کر دے دیا جائے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اھ۔

بات یہ ہے کہ مانعین حقیقتِ امر سے غافل ہیں جو اس کی تحقیقِ بازغ کا طالب ہو ہمارے فتاوٰی کی طرف رجوع کرے وباللہ التوفیق واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۱۵: از ریاست رام پور مرسلہ حبیب اللہ بیگ جماعت مولوی فاضل اورنٹیل کالج ۱۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طریقہ اسقاط جو ملک افغانستان میں مروج ہے وہ شرعاً ثابت اور مستحسن ہے یا نہیں، اگر ثابت ہے تو اُس کی کیا دلیل ہے، اور فدیۂ صوم اگرچہ منصوص ہے لیکن فدیۂ صلوٰۃ پر کون سی نص ہے اور یہ یعنی دوران قرآن کیوں متروک العمل ہے اور یہ ہندوستان میں کیوں مروج نہیں، برتقدیر ثانی یہ عبارت فتاوٰی سمرقندیہ کی بالکل غلط ثابت ہُوئی ہے وُہ یہ ہے:

لما صنف الامام الربانی محمد بن حسن الشیبانی کتاب الحیل فی کل باب انکر | جب امام ربانی محمد بن حسن الشیبانی نے ہر معاملہ کے بارے میں کتاب الحیل لکھی تو اس پر علماءِ بغداد نے

---

[1] سنن الدارقطنی باب کیف یکتب مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۴/ ۱۹۳

[2] صحیح البخاری باب الوقف وکیف یکتب 〃 قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۹

عليه علماء البغداد بلغوا تلك القصة الى
خليفة البغداد فقال الخليفة ارسل الى ذلك
فان كان موافقا للاصول فبها والا فنخرقه
فقال ان العلماء احسادوا وانكروا حسدا
فجاء الامام بذلك الكتاب الى الخليفة فنظر
فيه فتعجب فطلب العلماء وقال انظروا
فيه بدقت النظر من غير حسد فلما
رأوه قالوا فقد احسن محمد ضاعف
الله اجره الى الابد ثم سئل الخليفة عن
الامام من اى اصل اخرجت تلك المسائل
قال اخرجت من قصة ايوب و يوسف
وسنة حيلة الرباء والحد فقال
الخليفة للعلماء من انكر الحلية فقد انكر
القرآن والحديث و اجماع العلماء
فالتعزير واجب عليه فلما حول
ورقة وقع النظر على حيلة الاسقاط
فقال الامام اسهل طريقته ان
يبيع الوارث على الفقير مصحفا قابل
القراءة ثم يهب الفقير للوارث ثم
فثم حتى يتم لعل الله يجعل فدية
الصوم والصلوٰة والزكوٰة وغيرها
فقال العلماء قلت قولا حسنا بارك الله فى
عمرك فاكتب فى كتابك فكتب الامام
تلك الحيلة فى كتابه فشاع فى زمان الخليفة
الدرالبرر للامام الغزالى قال الشارح السمرقندى

اعتراض کیا یہ بات خلیفہ بغداد کو پہنچی تو اس نے کہا وہ
کتاب مجھے لاکر دو اگر اس کی عبارات اصول کے موافق
ہیں تو ٹھیک ورنہ ہم اسے جلا دیں گے اور علماء نے
اعتراض حسداً کیا تھا، امام نے کتاب خلیفۂ وقت کو
دی اس نے جب اسے پڑھا تو بہت متعجب ہوا، علماء
کو طلب کیا اور کہا حسد سے بالاتر ہوکر دقتِ نظر سے
اس کا مطالعہ کرو، جب انھوں نے اس کتاب کو پڑھا
توسب کہنے لگے کہ امام محمد نے بہت خوب کام کیا ہے
اللہ تعالیٰ تاقیامت ان کو اجر عطا فرمائے، پھر خلیفہ نے
امام سے پوچھا ان مسائل کا استنباط کرتے وقت کونسی
اصل آپ کے پیشِ نظر تھی، تو انھوں نے فرمایا میں نے
حضرت ایوب، حضرت یوسف علیہم السلام کے واقعات
اور حیلہ ربا کی سنت اور حد سے انھیں مستنبط کیا ہے خلیفہ
نے علماء سے کہا جو شخص حیلہ کا انکار کرتا ہے اس نے تو
قرآن، حدیث اور اجماع کا انکار کیا تو اس پر تعزیر لازم
ہے۔ جب خلیفہ نے کتاب کا ایک ورق اٹھایا تو اس کی
نظر حیلہ اسقاط پر پڑی، امام نے کہا کہ حیلہ کا آسان طریقہ
یہ ہے کہ وارث محتاج کو قابلِ قرأت قرآن بیچ دے
پھر وہ فقیر اس وارث کو ہبہ کردے۔ پھر اسی طرح
مسلسل کیا جائے حتیٰ کہ پورا ہوجائے شاید اللہ تعالیٰ
اسے روزہ، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا فدیہ بنا دے۔ علما
نے کہا کہ آپ نے بہت خوب بات فرمائی ہے اللہ تعالیٰ
تمھاری عمر میں برکت دے بس اسے اپنی کتاب میں
تحریر فرما دو اور یہ طریقہ خلیفہ کے دور میں مروج رہا الدر
البرر للامام غزالی۔ شارح سمرقندی نے فرمایا: ہمیں

حدثنا عباس بن سفیان عن ابن عتیبة عن ابن عوف عن محمد عن عبد الله قال قال عمر ایها المومنون اجعلوا القرآن وسیلة لنجاة الموتی فتحلقوا و قولوا اللهم اغفر لهذا المیت بعزة القرآن وتناولوا بایدیکم وفعل عمر فی آخر خلافته فی وفاة امرأة ملقبة الحبیبة بنت عربد زوجة ملاب لجزء من القرآن فمالوا الی عمر ولم یشتهر فی خلافة عثمان ثم اشتهر فی خلافة هارون الرشید من غیر انکار دوران القرآن بحیلة الاسقاط فاصله ثابت عن عمر وهذا وان لم یذکر فی کتب المشهورة من الاحادیث ولکنه مشهور فی بعض الکتب من التواریخ بسند قوی کما قال المورخ اللبیب صاحب الفتوح اخبرنا ابو عاصم عن ابن جریج عن ابن شهاب عن ابن سلمة عن ابن موسیٰ قال فعل عمر دوران القرآن لجزء منه بحلقة عشرین رجلا بعد صلوة الجنازة لامرأة ملقبة بحبیبة بنت عربد زوجة ملاب لرجل من الانصار ما حفظنا اسمه فانکار مطلقة الحیلة کفر وعن حیلة الاسقاط فسق لانه ثبت عن عمر، اخبرنا سعید بن ایوب عن جمیع عن عبد الله بن ابی بکر انه اوجد عمر بدور القرآن

عباس بن سفیان نے ابن عتبہ سے انھوں نے ابن عوف سے انھوں نے محمد انھوں نے عبد اللہ بن عمر سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے اہلِ ایمان! قرآن کو مُردوں کی نجات کے لیۓ وسیلہ بناؤ اور حلقہ بناکر یُوں عرض کرو اے اللہ! اس میّت کو عزّتِ قرآن کی برکت سے بخش دے اور اسے ایک دوسرے کے ہاتھ میں دو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری دَور میں حبیبہ بنت عربد زوجۂ ملاب کی وفات کے موقعہ پر قرآن کے ایک حصہ سے ایسا کیا، لیکن یہ عمل خلافتِ عثمان میں مشہور نہ ہوا پھر ہارون الرشید کے زمانہ میں قرآن کا دَور حیلۂ اسقاط کے لۓ بغیر کسی اعتراض کے مشہور رہا تو اس حیلہ کی اصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت، اور یہ بات اگرچہ مشہور کتبِ احادیث میں نہیں لیکن کتبِ تاریخ میں سندِ قوی کے ساتھ مشہور ہے جیسا کہ عظیم مورّخ صاحب الفتوح نے بیان کیا کہ ہمیں ابو عاصم نے ابن جریج سے انھوں نے ابن شہاب، انھوں نے ابن سلمہ، انھوں نے ابن موسیٰ سے بتایا کہ حضرت عمر نے بیس آدمیوں کے حلقہ میں قرآن کے ایک جزء کو لیا دیا اور یہ اس خاتون کے جنازہ کے بعد کیا جو ملاب انصاری کی بیوی اور حبیبہ بنت عربد کے لقب سے مشہور تھی اس کا نام محفوظ نہیں، تو مطلقاً حیلہ کا انکار کفر اور حیلۂ اسقاط کا انکار فسق ہے کیونکہ یہ حضرت عمر سے ثابت ہے ہمیں سعید نے ایوب سے، انھوں نے جمیع سے انھوں نے عبد اللہ بن ابی بکر سے بتایا کہ نمازِ جنازہ کے بعد قرآن کا دَور حضرت عمر رضی اللہ

بعد صلوة الجنازة انتھی فتاوی سمرقندی من عتبة ۔ | تعالیٰ عنہ نے ایجاد کیا انتہی، فتاوٰی سمرقندی میں عتبہ کے حوالے سے منقول ہے۔ (ت)

نیز اس میں دورانِ قرآن کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہے وُہ صحیح ہے یا نہیں اور اس کی سند کیسی ہے؟

الجواب

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے سوا اور حضرات سے جو کچھ روایات بے سرو پا اس عبارت میں مذکور ہیں سب باطل و افترا ہیں، نہ یہ عبارت فتاوٰی سمرقندیہ میں ہے اُس پر بھی افترا ہے، اور بےچارہ افتراء کرنے والا عربی عبارت بھی باقاعدہ نہ بنا سکا اپنی ٹوٹی پھوٹی جاہلانہ خرافات کو صحابہ وائمہ کی طرف منسوب کیا مسئلہ دَور عامہ کتبِ متداولہ مذہب میں مصرح ہے خود مصحف شریف سے ہو یا کسی مال سے مگر ہر بار کے دینے میں اُتنا ہی مجرا ہوگا کہ بازاری نرخ سے وہ مصحف شریف جتنے ہدیہ کا ہے یہ جاہلانہ خیال کہ یہ تو بے بہا ہے ایک ہی دفعہ میں اگلے پچھلے بلکہ سات پشت کے سب کفارے ادا ہو جائیں گے محض جاہلانہ خیال باطل ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا بما لامزید علیہ (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اتنی تفصیل سے بیان کیا ہے جس پر اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ ت) فدیۂ صلوٰۃ پر اگرچہ نصِ شارع علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نہ آیا نص مجتہد مذہب ہے وکفی بہ حجۃ (یہ دلیل کے لئے کافی ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

باب سُجُود السهو

(سجدۂ سہو کا بیان)

مسئلہ ۱۲۱۶ ۷ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص الحمد شریف پڑھ کر سوچتا رہا کہ کون سی سورت پڑھوں اور اس میں کچھ دیر لگ گئی تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر بقدر ادائے رکن ای مع سنتہ کما فی الغنیۃ (یعنی سنت کے مطابق جیسے غنیہ میں ہے۔ت) یعنی مثلاً جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہہ لیتا اتنے وقت تک سوچتا رہا تو سجدۂ سہو لازم ہے ورنہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

التفکر الموجب للسھو ما لزم منہ تاخیر الواجب او الرکن عن محلہ بان قطع الاشتغال بالرکن او الواجب قدر اداء رکن وھو الاصح[1] اھ ملخصا. واللہ تعالٰی اعلم

ایسا سوچنا جو سہو کا سبب ہے وہ ہوگا جو واجب یا رکن کو اپنے مقام سے مؤخر کردے مثلاً ادائے رکن کی مقدار کسی رکن یا واجب سے اعراض کرلیا جائے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۵۸

مسئلہ ۱۲۱: ۲۳ جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام جمعہ کی نماز میں دوسری رکعت میں بعد فاتحہ کے واذکر فی الکتٰب موسٰی سے وہبنا لہ تک کہ تین آیات قصار ہوگئیں پڑھ کر بند ہوگیا کسی قدر تامل کرکے پھر دوبارہ واذکر سے وہبنا لہ تک پڑھا پھر سہ بارہ یہیں تک پڑھ کر کچھ تامل کیا جب آگے کو نہ چلا رکوع کر دیا، اس صورت میں امام پر سجدۂ سہو آیا یا نہیں؟ اگر آیا اور نہ کیا تو فاسد ہوئی یا کیسی؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر ایک بار بھی بقدر ادائے رکن مع سنت یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک تامل کیا سجدۂ سہو واجب ہوا، ردالمحتار میں ہے:

التفکر الموجب للسھو مالزم منہ تاخیر الواجب اوالرکن عن محلہ بان قطع الاشتغال بالرکن اوالواجب قدر اداء رکن وھو الاصح[1]۔

ہر وہ تفکر سہو کا موجب ہے جو واجب یا رکن کو اپنے مقام سے مؤخر کردے مثلاً ادائے رکن کی مقدار کسی رکن یا واجب سے اعراض کرلیا جائے، یہی اصح ہے۔ (ت)

اگر نہ کیا نماز مکروہِ تحریمی ہوئی جس کا اعادہ واجب، درمختار میں ہے:

تعاد وجوبا فی العمد والسھو ان لم یسجد لہ[2]۔

دانستہ یا نادانستہ سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز کا لوٹانا واجب ہے (ت)

اصل حکم یہ ہے مگر علماء نے جمعہ وعیدین میں جبکہ جمع عظیم کے ساتھ ادا کئے جائیں بخوف فتنہ سجدۂ سہو کا ترک اولٰی رکھا ہے۔ درمختار میں ہے:

السھو فی صلٰوۃ العید والجمعۃ والمکتوبۃ والتطوع سواء والمختار عند المتاخرین عدمہ فی الاولیین لدفع الفتنۃ کما فی جمعۃ البحر واقرہ المصنف وبہ جزم فی الدرر[3]۔

سہو نمازِ عید، جمعہ، فرض اور نوافل میں برابر ہے، متاخرین کے نزدیک پہلی دو (نمازِ عید وجمعہ) میں دفعِ فتنہ کی وجہ سے سجدۂ سہو نہ کرنا مختار ہے، جیسا کہ بحر کے باب الجمعہ میں ہے، مصنف نے اسے ثابت رکھا اور درر میں اسی پر جزم ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۸

[2] درمختار باب صفۃ الصلٰوۃ 〃 مجتبائی دہلی ۱/۷۱

[3] درمختار باب سجود السہو 〃 〃 〃 ۱/۱۰۳

ردالمحتار میں ہے:

فی جمعۃ حاشیۃ ابی السعود عن العزمیۃ انہ لیس المراد عدم جوازہ بل الاولٰی ترکہ لئلا یقع الناس فی فتنۃ[1]

حاشیہ ابوالسعود کے باب الجمعہ میں عزمیہ کے حوالے سے ہے کہ اس سے مراد سجدۂ سہو کا عدمِ جواز نہیں بلکہ اس لئے اولٰی ہے تاکہ لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں (ت)

پس جہاں جمعہ بھی جماعتِ عظیم سے نہ ہوتا ہو بلاشبہہ سجدہ کرے، اگر نہ کیا اعادہ کرے، اگر وقت نکل گیا ظہر پڑھ لیں۔ ردالمحتار میں ہے:

قیدہ الوافی بما اذا حضر جمع کثیر والا فلا داعی الی الترک[2]

وافی نے اس بات کے ساتھ مقید کردیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب حاضرین کثرت کے ساتھ ہوں، اور اگر اتنا کثیر اجتماع نہیں تو پھر سجدۂ سہو کے ترک کی ضرورت نہیں۔ (ت)

اُسی میں ہے:

المرجح وجوب الاعادۃ فی الوقت وبعدہ[3] واللہ تعالٰی اعلم

ترجیح یہی ہے کہ وقت کے اندر یا وقت کے بعد نماز کو لوٹایا جائے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نمازِ جمعہ رکعتِ اول میں بقدر یا جزءِ الصلوٰۃ کے پڑھکر ایک منٹ سے زیادہ ساکت رہا اور بعد تمام کرنے نماز کے سجدہ بھی نہ کیا جب لوگوں نے کہا تم نے سجدۂ سہو نہیں کیا تو جواب دیا کہ مسئلہ اسی طرح ہے جیسا کہ میں نے کیا، آیا یہ قولِ زید صحیح ہے یا غلط؟ اور وہ نماز کامل ہوئی یا ناقص؟ بینوا توجروا

الجواب

ایک منٹ تو بہت ہوتا ہے اگر بقدر تین تسبیح کے بھی ساکت رہا تو سجدۂ سہو لازم ہے، اصل حکم یہی ہے، ردالمحتار میں خاص اس کی تصریح ہے مگر نمازِ جمعہ میں جبکہ ہجومِ نمازیان کثیر ہو سجدۂ سہو ساقط کردیا گیا ہے کما فی ردالمحتار ایضا (جیسا کہ ردالمحتار میں بھی ہے۔ ت) پس اُس نماز میں ہجوم کثیر تھا تو زید نے سجدۂ سہو کا

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۶
[2] ردالمحتار " " " " "
[3] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ " " " ۱/۵۳۶

ترک بجا کیا اور اگر تھوڑے آدمی تھے تو بے جا اور سخت بے جا، اور وہ ناقص نماز ہُوئی ظہر اعادہ کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واکرم۔

مسئلہ ۱۲۱۹ دو رکعت تراویح کی نیت کی قعدۂ اولٰی بھول گیا تین پڑھ کر بیٹھا اور سجدہ کیا تو نماز ہُوئی یا نہیں؟ اور ان رکعتوں میں جو قرآن شریف پڑھا اس کا اعادہ ہو یا نہیں؟ اور چار پڑھ لیں تو یہ چاروں تراویح ہوئیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صُورتِ اولٰی میں مذہبِ اصح پر نماز نہ ہُوئی، اور قرآن عظیم جس قدر اس میں پڑھا گیا اعادہ کیا جائے، فی ردالمحتار لوتطوع بثلاث بقعدۃ واحدۃ کان ینبغی الجواز اعتبارا بصلوۃ المغرب لکن الاصح عدمہ لانہ قد فسد مااتصلت بہ القعدۃ وھوالرکعۃ الاخیرۃ لان التنفل بالرکعۃ الواحدۃ غیر مشروع فیفسد ماقبلھا[1]۔ (ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے تین نوافل ایک قعدہ کے ساتھ ادا کئے تو مغرب کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے ان کو جائز کہنا چاہئے مگر اصح یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ رکعت (آخری) باطل ہوجائے گی جس کے ساتھ قعدہ نہیں کیونکہ ایک نفل مشروع نہیں لہذا پہلے بھی فاسد ہوں گے۔ (ت)

اور چار پڑھ لیں اور قعدۂ اولٰی نہ کیا تو مذہبِ مفتی بہ پر یہ چاروں دو ہی رکعت کے قائم مقام گنی جائیں گی باقی اور پڑھ لے کماصرح بہ فی ردالمحتار عن النہر الفائق عن الزاھدی (جیساکہ ردالمحتار میں نہر الفائق سے زاہدی کے حوالے سے ہے۔ ت) اور دونوں قعدے کئے تو قطعاً چاروں رکعتیں ہوگئیں ولاکراھۃ ایضا کمایفیدہ التعلیل المذکور فی ردالمحتار نعم الافضل فیھا مثنی مثنی کما لایخفی (اب بھی کراہت نہیں جیسے کہ ردالمحتار میں مذکور علّت اسی کا فائدہ دیتی ہے البتہ دو رکعات افضل ہیں جیسا کہ واضح ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۰ اگر امام پر سہو ہوا اور وہ سجدہ نہ کرے تو مقتدیوں کی نماز صحیح اور ان پر سے سجدۂ سہو ساقط ہوجائیگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

بیشک۔ فی التنویر یجب (ای سجدۃ السھو) علی منفرد ومقتد بسھوامامہ ان (تنویر میں ہے (سجدۂ سہو) تنہا نماز والے پر بھی واجب، اور امام کی سہو کی وجہ سے مقتدی پر بھی

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۵۱۲

سجد امامہ[1] اھ ملتقط قلت فالشرط یفید انہ ان لم یسجد الامام لم یجب علی المقتدی و بالسقوط صرح فی البحر الرائق نعم بقی نقصان یظھر ان یعید لانجبارہ ان اطلع علیہ وھذا لاینافی الصحۃ اذ الصحیح یقابل الفاسد ھو الباطل فی العبادات کما صرح بہ ائمتنا فی غیر ما کتاب ۔ واللہ تعالٰی اعلم

لازم ہوتا ہے بشرطیکہ امام سجدہ کرے اھ تلخیصاً ، میں کہتا ہوں یہ شرط بتا رہی ہے کہ اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی پر لازم نہ ہوگا ، بحرالرائق میں اس کے ساقط ہونے کی تصریح ہے ، ہاں نقص باقی رہ جائے گا ۔ اور اگر امام کی غلطی پر مطلع ہو جائے تو کمی کے ازالے کی خاطر نماز لوٹا لی جائے ، لیکن یہ صحت کے منافی نہیں کیونکہ صحیح فاسد کے مقابل ہوتا ہے اور عبادات میں فاسد باطل ہی ہوتا ہے جیسا کہ مختلف کتب میں ہمارے ائمہ نے تصریح کی ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲۱ ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز فرض یا وتر میں پہلا قعدہ بھول کر کھڑا ہوگیا یا کھڑا ہونے لگا تو اس صورت میں کیا حکم ہے لوٹ آئے یا نہ لوٹے ؟ اور اگر کھڑا ہوگیا یا کھڑا ہونے کے قریب تھا اس کے بعد لوٹ آیا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟ اگر ہو جائے گی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر ابھی قعود سے قریب ہے کہ نیچے کا آدھا بدن ہنوز سیدھا نہ ہونے پایا جب تو بالاتفاق لوٹ آئے اور مذہبِ اصح میں اس پر سجدۂ سہو نہیں اور اگر قیام سے قریب ہوگیا یعنی بدن کا نصف زیریں سیدھا اور پیٹھ میں خم باقی ہے تو بھی مذہب اصح وارجح میں پلٹ آنے ہی کا حکم ہے مگر اب اس پر سجدۂ سہو واجب ، اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو پلٹنے کا اصلاً حکم نہیں بلکہ ختم نماز پر سجدہ سہو کرلے پھر بھی اگر پلٹ آیا بہت بُرا کیا گنہگار ہوا ، یہاں تک کہ حکم ہے کہ فوراً کھڑا ہو جائے ، اور امام ایسا کرے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کریں کھڑے رہیں یہاں تک کہ وہ پھر قیام میں آئے ، مگر مذہبِ اصح میں نماز یُوں بھی نہ جائے گی صرف سجدۂ سہو لازم رہے گا ۔

فی تنویر الابصار والدر المختار و رد المحتار (سہا عن لقعود الاول من الفرض) ولو عملیا اما النفل فیعود مالم یقید بالسجدۃ

تنویر الابصار ، ردالمحتار اور درمختار میں ہے کہ (اگر فرض کا قعدہ اول بھول گیا) اگرچہ وہ فرض عملی ہو ، رہا معاملہ نفل کا تو لوٹ آئے جب تک رکعت کا سجدہ نہیں کیا

---

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

(ثم تذکرہ عاد الیہ) وتشھد ولا سھو علیہ
فی الاصح (مالم یستقم قائما) فی ظاھر
المذھب وھو الاصح فتح[1] یعنی اذا عاد
قبل ان یستقیم قائما وکان الی القعود
اقرب فانہ لا سجود علیہ فی الاصح وعلیہ
الاکثر، اما اذا عاد وھو الی القیام اقرب
فعلیہ سجود السھو کما فی نور الایضاح و
شرحہ بلا حکایۃ خلاف فیہ وصحح
اعتبار ذلك فی الفتح بما فی الکافی ان
استوی النصف الاسفل وظھرہ بعد منحن
فھو اقرب الی القیام وان لم یستو
فھو اقرب الی القعود[2] وان استقام قائما
لایعود وسجد للسھو فلو عاد الی القعود
لاتفسد لکنہ یکون مسیئا[3] ای یاثم کما فی
الفتح فلو کان اماما لایعود معہ القوم تحقیقا
للمخالفۃ ویلزمہ القیام للحال شرح
المنیۃ عن القنیۃ[4]۔ ویسجد لتاخیر
الواجب وھو الحق بحر[5] اھ ملخصا۔ واللہ
تعالٰی اعلم

(پھر اسے یاد آیا تو اس کی طرف لوٹ آئے) اور تشہد
پڑھے اور اصح قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو نہیں (جب
تک وہ سیدھا کھڑا نہیں ہوا) ظاہر مذہب کے مطابق،
اور یہی اصح ہے فتح۔ یعنی سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے
لوٹا حالانکہ قعود کے قریب تھا تو اب اصح قول کے مطابق
اس پر سجدۂ سہو نہیں، اور اکثریت کی یہی رائے ہے،
اور اگر لوٹا لیکن قیام کے قریب تھا تو اس پر سجدۂ سہو
لازم ہوجائے گا جیساکہ نور الایضاح اور شرح میں
اسے بلا اختلاف ذکر کیا ہے اور کافی کی اس عبارت کو
فتح میں صحیح اعتبار کیا ہے کہ اگر نصف اسفل سیدھا
مگر پشت ابھی ٹیڑھی تھی تو نمازی قیام کے قریب، اور
اگر برابر نہیں تو نمازی قعود کے قریب ہوگا، اور اگر
کھڑا ہوگیا نہ لوٹا تو سجدہ سہو کرے اور اگر اب بھی
واپس لوٹ آتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی البتہ گنہگار
ہوگا جیساکہ فتح میں ہے، اگر وہ امام ہے اور کھڑا ہوکر
واپس لوٹے تو مقتدی اس کی موافقت میں واپس
نہ لوٹیں تاکہ مخالفت ظاہر کریں تو اس امام پر اس وقت
قیام لازم ہے، شرح المنیہ میں قنیہ سے ہے اور تاخیر
واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے، اور یہی حق ہے بحر
اھ تلخیصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار — باب سجود السہو — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۰۲
[2] ردالمحتار — " — " مصطفی البابی مصر — ۱/۵۵۰
[3] درمختار — " — " مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۰۲
[4] ردالمحتار — " — " مصطفی البابی مصر — ۱/۵۵۰
[5] درمختار — " — " مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۰۲

مسئلہ ۱۲۲۲ ۴ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قعدہ اخیرہ کے بعد گمان ہُوا کہ یہ قعدہ اولیٰ تھا کھڑا ہوگیا اور قبل سجدہ کے یاد آگیا تو اب عود کرکے دوبارہ التحیات پڑھ کر سجدۂ سہو میں جائے یا ویسے ہی سجدہ کو چلا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب

عود کرکے بیٹھنا چاہئے اور معاً سجدۂ سہو میں چلا جائے دوبارہ التحیات نہ پڑھے۔

فی الدرالمختار و ان قعد فی الرابعۃ مثلا قدر التشھد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائما صح[1]۔

درمختار میں ہے کہ اگر چوتھی رکعت میں مثلاً تشہد کی مقدار بیٹھ گیا پھر کھڑا ہُوا تو لوٹ آئے اور سلام پھیر دے اگر کھڑے کھڑے سلام پھیر دے تب بھی صحیح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ثم قام ای ولم یسجد قولہ عاد وسلم ای عاد للجلوس، وفیہ اشارۃ الی انہ لایعید التشھد، وبہ صرح فی البحر، قال فی الامداد: والعود للتسلیم جالسا سنۃ لان السنۃ التسلیم جالسا[2] الخ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم

ماتن کا قول "پھر کھڑا ہوا" یعنی پھر سجدہ نہ کیا، ماتن کا قول "لوٹے اور سلام کہے" یعنی بیٹھنے کے لئے لوٹے۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ تشہد نہ لوٹائے۔ اور بحر میں اس کی تصریح ہے۔ امداد میں ہے سلام بیٹھ کر پھیرنے کے لئے لوٹنا سنّت ہے کیونکہ سنّت یہی ہے کہ سلام بیٹھ کر پھیرا جائے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۳ از شہر کہنہ بریلی ۱۱ جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ ترک آرد قعدۂ اولٰی رالیکن باستادن نزدیک ترشد آں گاہ نشست باز باقی نماز گزارد دریں حال نماز او جائز است یا نے؟ بینوا توجروا

علمائے دین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ نمازی نے پہلا قعدہ ترک کردیا، وُہ سیدھا کھڑا ہونے کے قریب تھا وہاں سے لوٹ آیا اور باقی نماز ادا کی اس صورت میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ہرکہ در فرض یا وتر قعدۂ اولٰی فراموش کردہ استادہ

جو شخص فرض یا وتر کا قعدۂ اولٰی بھول کر کھڑا ہوجائے

---

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۲

[2] ردمختار " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۸۷

تا بتمامہ ایستادہ نشود بسوئے قعود رجوعش باید پس
اگر ہنوز بقعود اقرب بود سجدہ سہو نیست و
اگر بقیام نزدیک تر شدہ باشد سجدۂ سہو لازم
آید تا نیمۂ زیریں از بدن انسان راست نشدہ است
بہ نشستن نزدیک است وچوں ایں نصف راست
شد و پشت ہنوز خمیدہ است بایستادن قریب است
و اگر بتمامہ راست ایستاد آنگاہ نشستن روا نیست
اگر بقعدۂ اولیٰ باز میگردد گنہگار شود اما راجح آنست
کہ نماز دریں صورت ہم از دست نرود و سجدۂ سہو
واجب شود۔

فی الدرالمختار سہا عن القعود الاول ولو
عملیا ثم تذکرہ عاد الیہ ولا سہو
علیہ فی الاصح مالم یستقم قائما فی
ظاہر المذہب وھو الاصح فتح وان
استقام قائما لا یعود فلو عاد لا تفسد
لکنہ یکون مسیئا ویسجد لتاخیر
الواجب وھو الاشبہ کما حققہ الکمال
وھو الحق بحر[1] اھ مختصرا و فی
ردالمحتار قولہ ولا سہو علیہ فی
الاصح یعنی اذا عاد قبل ان یستقم
قائما وکان الی القعود اقرب فانہ لا سجود
علیہ فی الاصح وعلیہ الاکثر اما
اذا عاد وھو الی القیام اقرب فعلیہ

اگر سیدھا کھڑا نہیں ہوا تھا تو اسے قعدہ کی طرف لوٹ آنا
چاہئے اب اگر بیٹھنے کے قریب تھا تو اس پر سجدۂ سہو
لازم نہیں اور اگر قیام کے قریب تھا تو سجدہ لازم ہوگا۔
جب بدن کا نچلا حصہ سیدھا نہیں ہوا تو وہ بیٹھنے کے
قریب ہوگا اور اگر نصف حصہ سیدھا ہوگیا مگر پشت
ابھی ٹیڑھی تھی تو وہ کھڑے ہونے کے قریب ہے، اور
اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو اس وقت بیٹھنا جائز نہیں، اب
اگر قعدۂ اولیٰ کی طرف لوٹتا ہے تو گنہگار ہوگا لیکن
راجح یہی ہے کہ اس صورت میں بھی نماز باطل نہ ہوگی سجدۂ
سہو لازم ہوگا۔

درمختار میں ہے (اگر نمازی فرض کے قعدۂ اولیٰ
میں بھول گیا) اگرچہ فرض عملی ہو پھر یاد آگیا تو اس کی
طرف لوٹ آئے اور اصح قول کے مطابق سجدۂ سہو نہ ہوگا
جب تک وہ سیدھا کھڑا نہ ہوجائے، ظاہر مذہب
یہی ہے اور یہی اصح ہے فتح، اور اگر سیدھا کھڑا
ہوگیا تو نہ لوٹے اگر لوٹ آیا تو نماز فاسد نہ ہوگی البتہ
گنا ہگار ہوگا، تاخیر واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے
یہی مختار ہے جیسا کہ اس کی تحقیق کمال نے کی اور یہی
حق ہے بحر اھ اختصاراً، ردالمحتار میں ہے "ماتن کا
قول کہ "اس پر اصح قول کے سجدہ نہیں یعنی جب وہ سیدھا
کھڑا ہونے سے پہلے پہلے لوٹا اور وہ بیٹھنے کے قریب تھا
تو اب اس پر سجدہ نہیں، یہی اصح ہے اور اکثر کا قول ہے"
اور جب وہ لوٹا حالانکہ قیام کے قریب تھا تو اب اس پر

---

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

سجود السهو کما فی نور الایضاح و شرحه بلا حکایة خلاف فیه وصحح اعتبار ذلك فی الفتح بما فی الکافی ان استوی النصف الاسفل وظهره بعد منحن فهو اقرب الی القیام، وان لم یستو فهو اقرب الی القعود، قوله لکنه یکون مسیئا ای ویاثم کما فی الفتح فلو کان اماما لا یعود معه القوم تحقیقا للمخالفة ویلزمه القیام للحال شرح المنیة عن القنیة اھ[۱] ملتقطا۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم

سجدۂ سہو لازم ہوگا جیسا کہ نورالایضاح اور اس کی شرح میں اس مسئلہ کو بغیر کسی اختلاف کے ذکر کیا ہے اور کافی کی عبارت کو فتح میں صحیح کہا ہے کہ اگر نمازی کا نصف سیدھا ہوگیا حالانکہ پشت ابھی ٹیڑھی تھی تو یہ قیام کے قریب ہوگا اور اگر نصف اسفل سیدھا نہیں تو وہ قعود کے قریب ہے۔ ماتن کے قول "یکون مسیئا" کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ گنہگار ہے فتح، اور اگر وہ امام ہے تو وہ نہ لوٹے اور لوٹ گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن گناہگار ہوگا۔ اور واجب کی تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو کرے، یہی اشبہ بالحق ہے جیسا کہ کمال نے اس کی تحقیق کی، اور یہی حق ہے بحر اھ مختصراً۔ اس پر فی الحال قیام لازم ہے شرح منیہ میں قنیہ کے حوالے سے ہے اھ ملتقطا واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۴: ۲۲ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی امام بھول کر سجدۂ سہو کرلے تو اس صورت میں نمازِ امام و مقتدیان اور بعد سجدۂ سہو کے جو مقتدی ملے ان سب کی نماز کیسی ہوگی؟ اور حقیقت میں سہو نہیں تھا۔ بینوا توجروا

الجواب

امام ومقتدیانِ سابق کی نماز ہوگئی جو مقتدی اس سجدۂ سہو میں جانے کے بعد ملے اُن کی نماز نہیں ہوئی کہ جب واقع میں سہو نہ تھا دہنا سلام کہ امام نے پھیرا ختمِ نماز کا موجب ہوا یہ سجدہ بلا سبب لغو تھا تو اس سے تحریمہ نماز کی طرف عود نہ ہوا اور مقتدیانِ مابعد کو کسی جزءِ امام میں شرکتِ امام نہ ملی لہذا ان کی نماز نہ ہوئی ولہذا اگر سجدہ سہو میں مسبوق اتباعِ امام کرے بعد کو معلوم ہو کہ یہ سجدہ بے سبب تھا اُس کی نماز فاسد ہوجائے گی کہ ظاہر ہوا کہ محلِ انفراد میں اقتدا کیا تھا، ہاں اگر معلوم نہ ہوا تو اس کے لئے حکمِ فساد نہیں کہ وہ حالِ امام کو صلاح وصواب پر حمل کرنا ہی چاہئے۔ درمختار میں ہے:

---

[۱] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۰

سلام من علیہ سجود سھو یخرجہ من الصلٰوۃ خروجا موقوفا ان سجد عاد الیھا والا لا[1]

اس کا سلام جس پر سجدۂ سہو تھا نماز سے موقوف خروج ہے اگر سجدہ کرلیا تو وہ نماز کی طرف لوٹ آیا ورنہ نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

انہ اذا سجد وقع لغوا فکانہ لم یسجد فلم یعد الی حرمۃ الصلٰوۃ[2]

جب اس نے سجدہ کیا تو یہ لغو ہوگا گویا اس نے سجدہ سہو کیا ہی نہیں، لہذا وہ حرمتِ نماز کی طرف نہیں لوٹا۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی قاضی خاں سے ہے:

اذا ظن الامام ان علیہ سھوا فسجد للسھو وتابعہ المسبوق فی ذلک ثم علم ان الامام لم یکن علیہ سھو الاشھر ان صلٰوتہ تفسد وان لم یعلم انہ لم یکن علی الامام سھو لم تفسد صلٰوۃ المسبوق[3]

جب امام کو یہ گمان ہو کہ اس پر سجدۂ سہو ہے اور اس نے سجدہ سہو کیا اور مسبوق نے بھی اس کی اتباع میں سجدہ کیا پھر اس نے جانا کہ امام پر سجدۂ سہو نہ تھا تو مشہور یہی ہے کہ اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر اسے اس بات کا علم نہیں کہ امام پر سجدۂ سہو نہیں تھا تو مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی (ت)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: ھو المختار کذا فی المحیط[4] (یہی مختار ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۵: از رامپور سررشتہ پولیس مرسلہ سید جعفر حسین صاحب محرر سہ شنبہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

زید نمازِ مغرب میں اخیر رکعت میں آکر جماعت میں شریک ہوا، خالد جو امام تھا ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو میں چلا گیا، اب زید ایک طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو میں جائے یا بدوں سلام کے سجدہ کرے؟ بعضے علماء کہتے ہیں کہ اگر اس نے بھی قصداً سلام پھیرا تو نماز مسبوق کی فاسد ہوگئی ورنہ نہیں، اور شامی اور بحرالرائق وغیرہما میں جو

---

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۳

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۵

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسبوق " نولکشور لکھنؤ ۱/۴۸

[4] طحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السہو " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۳

روایت لکھی ہے وہ درباب اخیر سلام ہے نہ درباب سلام سہو۔ اور فریقین کی دلیل یہی دونوں کتاب کی روایت ہے اس کا فیصلہ چاہئے، رامپور کے علماء سے بخوبی فیصلہ جس سے تسلی ہو نہ ہوسکا۔ بینوا توجروا

الجواب

حکم مسئلہ میں قولِ اوّل صحیح ہے فی الواقع مسبوق سلام سے مطلقاً ممنوع وعاجز ہے جب تک فوت شدہ رکعات ادا نہ کرلے امام سجدۂ سہو سے قبل یا بعد سلام پھیرتا ہے اُس میں اگر قصداً اس نے شرکت کی تو اس کی نماز جاتی رہے گی کہ یہ سلام عمدی اس کے خلال نماز میں واقع ہوا ہاں اگر سہواً پھیرا تو نماز نہ جائے گی

لکونہ ذکرا من وجہ فلا یجعل کلاما من غیر قصد وان کان العمد والخطأ والسھو کل ذلک فی الکلام سواء کما حققہ علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی۔

کیونکہ یہ من وجہ ذکر ہے لہذا اسے بغیر قصد کے کلام قرار نہ دیا جائے اور اگرچہ عمد، خطا اور سہو کلام میں برابر ہیں جیسا کہ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کی تحقیق کی ہے۔ (ت)

بلکہ وہ سلام جو امام نے سجدۂ سہو سے پہلے کیا اگر مسبوق نے سہواً امام سے پہلے یا معاً بلا وقفہ اُس کے ساتھ پھیرا تو ان صورتوں میں مسبوق پر سہو بھی لازم نہ ہوا کہ وہ ہنوز مقتدی ہے اور مقتدی پر اس کے سہو کے سبب سجدہ لازم نہیں، ہاں یہ سلامِ اخیر اگر امام کے بعد پھیرا تو اس پر سجدہ اگرچہ کرچکا ہو دوبارہ لازم آیا کہ اپنی آخر نماز میں کرے گا، اس لئے اب یہ منفرد ہوچکا تھا۔ خزانۃ المفتین میں شرح مختصر امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی سے ہے:

علیہ سجدۃ من صلب الصلوۃ سلم وھو ناس لھا ثم تذکر فانہ بھذا السلام لا یخرج عن حرمۃ الصلوۃ بالاجماع حتی صح الاقتداء وان عاد الامام و سجد یسجد ھذا المقتدی معہ علی طریق المتابعۃ ولا یعتد بھذہ السجدۃ لانہ لم یدرک الرکوع ویتشھد مع الامام ولا یسلم اذا سلم الامام ویسجد سجدتی السھو مع الامام فاذا سلم الامام ثانیا لا یسلم ھو ایضا بل یقوم الی قضاء ما سبق[1] اھ باختصار

اگر کسی شخص پر نماز کا سجدہ تھا اس نے اسے بھول کر سلام پھیر دیا اسے پھر سجدہ یاد آگیا تو وہ اس سلام کی وجہ سے بالاتفاق حرمتِ نماز سے خارج نہیں ہوا حتی کہ اس کی اقتداء درست ہے اور اگر امام لوٹا اور سجدہ کیا اور مقتدی نے امام کی متابعت میں سجدہ کرلیا تو یہ اس سجدہ کی وجہ سے تجاوز کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ اس نے امام کو رکوع میں نہیں پایا، امام کے ساتھ تشہد پڑھے لیکن جب امام سلام کہے تو یہ سلام نہ کہے البتہ امام کے ساتھ دونوں سجود سہو کرے جب امام دوبارہ سلام پھیرے تو وہ اب بھی سلام نہ کہے بلکہ گزشتہ رکعات کی قضا کیلئے کھڑا ہوجائے اھ اختصارا (ت)

---

[1] خزانۃ المفتین

دیکھو مسبوق کو سجدۂ سہو سے قبل وبعد دونوں وقت سلام سے منع فرمایا، حلیہ شرح منیہ للامام ابن امیر الحاج میں ہے :

موافقة المقتدی المدرك للامام فی سجود السهو ظاهر واما المسبوق فلا یتابعه بالسلام للخروج عن الصلوة وقد بقی علیه ارکان الصلوة ویتابعه فی سجود السهو وعن ابراهیم النخعی انه لایسجد بسهوه اصلا لان محل السهو بعد السلام وانه لایتابعه فیه فلا یتصور المتابعة فی السهو ولنا ان سجود السهو یؤدی فی تحریمة الصلوة فکانت الصلوة باقیة واذا بقیت التبعیة فیتابعه فیما یؤدی من الافعال[1]

مدرک مقتدی کی امام کے ساتھ سجدہ سہو میں موافقت واضح ہے۔ رہا مسبوق کا معاملہ تو وُہ امام کے اس سلام میں اتباع نہ کرے جو نماز سے خارج ہونے کے لئے تھا کیونکہ اس پر نماز کے ارکان کی ادائیگی رہتی ہے البتہ سجدہ سہو میں اتباع کرے۔ امام ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ مسبوق امام کے سہو کی وجہ سے ہرگز سجدہ نہ کرے کیونکہ سجدہ سہو سلام کے بعد ہوتا ہے اور جب وہ سلام میں امام کی اتباع نہیں کر رہا تو سجدہ میں متابعت کیسے متصور ہوسکتی ہے ہماری رائے یہ ہے کہ سجدۂ سہو نماز کی حرمت میں ادا ہوتا ہے تو ابھی نماز باقی ہے اور جب تابعیتِ امام باقی ہے تو ان افعال میں امام کی اتباع کی جائے جو ادا ہورہے ہیں (ت)

محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں :

لوسبق الامام الساهی الحدث بعد سلامه استخلف لیسجد الخلیفة کما لو بقی علیه التسلیم ولیس للمسبوق ان یتقدم فی هذا الاستخلاف لانه لایقدر علیه اذ محله بعد السلام وهو غیر قادر علی السلام وانما یسجد قبل السلام حالة الاقتداء بمن یسجد قبله وهو هنا

اگر بھُول جانے والے امام کو حدث لاحق ہوگیا اور اس نے کسی کو خلیفہ بنایا تاکہ وہ سجدۂ سہو کرائے جیساکہ امام پر سلام کہنا باقی ہو تو حدث لاحق ہوجائے تو خلیفہ یہ کام سرانجام دے اور مسبوق کے لئے جائز نہیں کہ وُہ ایسی صورت میں خلیفہ بنے کیونکہ وُہ سجدہ سہو پر قادر نہیں ہوتا کیونکہ یہ سجدہ سلام کے بعد ہوگا اور مسبوق سلام پر قادر نہیں البتہ وُہ حالتِ اقتدا میں

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

قد صار اماما للمستخلف ومع هذا الو تقدم لم تفسد لانه يقدر على الاتمام فی الجملة بان يتاخر و يقدم مدركا ليسلم بهم و يسجد ويسجد الخليفة المسبوق معهم لانه الأن مقتد ثم يقوم الی قضاء ما سبق به[1] الخ۔

سلام سے پہلے امام کی سجدہ سہو میں اقتدا کرسکتا ہے اور مذکورہ صورت میں تو مسبوق امام کا امام بن جائیگا اس کے باوجود اگر مسبوق آگے ہوگیا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ نماز کے اتمام پر قادر تو ہے ہی مثلاً یُوں کہ خود پہلے ہٹ جائے اور کسی مدرک مقتدی کو آگے کردے جو نمازوں کو سلام پھرائے اور سجدہ سہو کرائے اور خلیفہ مسبوق بھی ان کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ اب یہ مقتدی ہے پھر گزشتہ نماز کیلئے قیام کرے۔ (ت)

رہی عبارتِ بحر الرائق کہ بعد بیان اس امر کے کہ مسبوق سجدۂ سہو میں امام کی متابعت کرے گا، فرمایا:

ثم المسبوق انما يتابع الامام فی السهو لا فی السلام فيسجد معه ويتشهد فاذا سلم الامام قام الی القضاء فان سلم فان كان عامدا افسدت والا فلا ولا سجود عليه ان سلم قبل الامام اومعه وان سلم بعده لزمه لكونه منفردا حينئذ[2]۔

پھر مسبوق امام کی سجدۂ سہو میں اتباع کرے مگر سلام میں نہیں، پس مسبوق امام کے ساتھ سجدہ کرے، تشہد پڑھے، اور جب امام سلام پھیرے تو یہ گزشتہ نماز کیلئے کھڑا ہوجائے۔ اور اگر مسبوق سلام پھیرتا ہے تو اگر عمداً کیا تو نماز فاسد ورنہ نہیں۔ اگر مسبوق نے امام سے پہلے یا اس کے ساتھ سلام پھیر دیا تو اب اس پر سجدۂ سہو نہیں، اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو اب سجدۂ سہو لازم ہوگا کیونکہ اب وہ منفرد ہے (ت)

اسی طرح اُس سے ردالمحتار میں ہے:

حيث قال قوله والمسبوق يسجد مع امامه قيد بالسجود لانه لايتابعه فی السلام بل يسجد معه ويتشهد[3] الخ

ماتن کا قول "مسبوق اپنے امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے" یہاں سجدہ کے ساتھ مقید ہے کیونکہ سلام میں اتباع نہیں بلکہ سجدہ کرے اور تشہد پڑھے الخ (ت)

---

[1] فتح القدیر، باب سجود السہو، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۴

[2] بحرالرائق، " ، " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۰۰

[3] ردالمحتار، " ، " مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

اس میں تحقیق وقولِ فیصل یہ ہے کہ ان سلم بعدہ (اگر مسبوق نے امام کے بعد سلام پھیرا۔ ت) سے یقیناً سلامِ اخیر مراد ہے جس کے بعد سمجھ نہیں کہ اس سے پہلا سلام جس کے بعد امام نے سجدۂ سہو کیا اگر مسبوق سہواً امام کے بعد بھی پھیرے گا اُس پر سہو لازم نہیں ہوسکتا کہ وُہ اب بھی مقتدی ہے تو لکونہ منفردا حینئذ (کیونکہ اب وہ منفرد ہے۔ ت) وہاں صادق نہیں اور قولِ بحر لا فی السلام (سلام میں نہیں۔ ت) وقول شامی قید بالسجود لانہ لایتابعہ فی السلام (ماتن نے سجدہ کی قید لگائی ہے کیونکہ سلام میں اتباع نہیں کی جائیگی۔ ت) میں یا تو نظر با طلاق لفظ وعموم حکم مطلق سلام مراد ہے خواہ سجدۂ سہو سے پہلے ہو یا بعد یا بقرینۂ مقام سلام قبل سجدۂ سہو مراد لیجئے یعنی سجدۂ سہو میں مسبوق بھی اگرچہ متابعتِ امام کرے گا مگر فقط سجدے میں شریک ہوگا و لہذا متابعت میں سجود کی قید لگادی کہ پیروی اسی پر مقصور ہے سلام میں مسبوق متابعت نہیں کرسکتا۔

وھذا معنی واضح جلی یسبق الی الذھن اول مایسمع ھذا الکلام اذا صفت القریحۃ عن ظلام الاوھام۔

یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ مذکورہ کلام سنتے ہی انسان کا ذہن اس طرف چلاجاتا ہے بشرطیکہ اوہام کی تاریکیوں سے ذہن صاف ہو۔ (ت)

اور اُسے خاص سلام اخیر بعد سجودِ سہو پر حمل کرنا محض بے دلیل ہے جس پر اصلاً قرینہ نہیں بلکہ ظاہراً قرینہ اس کے خلاف کی طرف مشیر کما لایخفی علی العارف البصیر (جیسا کہ عارف بصیر پر مخفی نہیں۔ ت) باقی دو جگہ جو لفظ ان سلم (اگر سلام پھیرا۔ ت) واقع ہے اگر سیاق سخن ونظم کلام دیکھئے تو وہ بھی مثل ان سلم بعدہ (اگر مسبوق نے امام کے بعد سلام پھیرا۔ ت) سلام اخیر بعد سجود سہو میں ہیں کہ اذا سلم الامام (جب امام نے سلام پھیرا۔ ت) سے یقیناً یہی سلامِ اخیر مراد ہے جو یسجد معہ ویتشھد (امام کے ساتھ سجدہ کرے اور تشہد پڑھے۔ ت) کے بعد اور قام الی القضاء (گزشتہ نماز کے لئے کھڑا ہو جائے۔ ت) اُس سے متصل ہے تو کلام آتی اسی صورت کی طرف ناظر ہونا زیادہ متبادر ہے خصوصاً ان تشقیقوں میں ایک شق ان سلم بعدہ (اگر امام کے بعد سلام پھیرے۔ ت) بلاشبہہ مختص بسلام آخر ہے اور حکم پر نظر کیجئے تو دونوں ان سلم (اگر سلام پھیرے۔ ت) متوسط میں جو بیان ہے سلام قبل سجدہ وبعد سجدہ دونوں کو عام ہے کما اشرنا الی کل ذلك (جیسا کہ ہم نے ان تمام شقوں کی طرف اشارہ کیا۔ ت) علامہ سید طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں قول شارح:

ان سلم مع الامام مقارنا لہ اوقبلہ ساھیا فلاسھو علیہ لانہ فی حال اقتدائہ و ان سلم بعدہ یلزمہ السھو لانہ منفرد[1]

اگر مسبوق نے امام کے ساتھ یا پہلے بھول کر سجدہ کرلیا تو اب اس پر سجدۂ سہو نہیں کیونکہ وہ حالتِ اقتداء میں ہے اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو اب سجدۂ سہو لازم ہوگا کیونکہ وہ اب تنہا نماز ادا کررہا ہے۔ (ت)

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود السھو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۳

کی یہی شرح فرمائی ؛

حیث قال قولہ وان سلم مع الامام الخ سواء فی ذلك تسلیمۃ التحلیل الاولی وتسلیم سجود السھو لظھور العلۃ فی ذلك وقولہ وان سلم بعدہ ای بعد سلام الامام من سجود السھو فقط اما سلامہ بعد سلام الامام الاول من الصلوٰۃ فلا یلزم بہ السھو لانہ لما سجد للسھو معہ عاد الی الاقتداء ولا سھو علی المقتدی فتامل فیہ کلہ[1] اھ

ان کے الفاظ یہ ہیں قول "اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سلام کہا الخ" میں نماز سے فارغ ہونے کے لئے سلام یا سجدۂ سہو کے لئے سلام دونوں برابر ہیں کیونکہ علت ایک ہے قولہ اگر مسبوق نے اس کے بعد سلام پھیرا یعنی امام کے فقط سجودِ سہو کے سلام کے بعد پھیرا اگر امام کے پہلے سلام کے بعد پھیرا تو بھی مسبوق پر سجدۂ سہو نہیں کیونکہ جب وہ امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا تو وہ اقتداء کی طرف لوٹ آیا اور مقتدی پر سجدۂ سہو نہیں ہوتا، اس تمام گفتگو میں خوب غور وفکر سے کام لو اھ (ت)

بالجملہ بحر وشامی کی ان عبارات سے فریق ثانی کا مسئلۂ نزاعیہ پر استدلال محض باطل، اور فریقِ اوّل کا اُن سے استناد بوجہ تطرقِ احتمال گونہ ناکامل، اور حکمِ مسئلہ میں حق فریقِ اوّل کے ساتھ ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۶، ۱۲۲۷ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) چار رکعت نماز میں درمیانی قعدے میں تشہد کے بعد سہواً اللھم صل کہاں تک پڑھے کہ سجدۂ سہو واجب ہوجائے۔

(۲) جماعت میں سجدۂ سہو کے قبل کا سلام اُس شخص کو جس کی ایک دو رکعت باقی ہے اور اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ سلام اختتامِ نماز کا ہے یا سجدۂ سہو کا ہے، چاہئے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) اللھم صل علی محمد وبہ یفتی (اللھم صل علٰی محمد اور اسی پر ہی فتوٰی ہے۔ ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

(۲) جائز نہیں، اور اگر قصداً پھیرے گا تو نماز جاتی رہے گی لوقوعہ حلال صلوتہ (کیونکہ یہ سلام

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۳

نماز کے درمیان ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۲۸ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قعدۂ اوّل میں شک ہُوا مگر یقین نہیں اور سجدہ سہو کا کیا، اب نماز جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۲۹ ۲۵ ربیع الاوّل شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے جہری نماز میں بعد الحمد قبل سورۃ اتنی دیر سکوت کیا کہ چھوٹی سورت پڑھ لیتا، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

الحمد شریف کے بعد امام نے سانس لیا اور آمین کہی اور شروع سورت کے لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور بسم اللہ کو خوب ترتیل سے ادا کیا تو اس قدر میں ایک سورت چھوٹی پڑھنے کی ضرور دیر ہو جائے گی مگر اس میں حرج نہیں بلکہ یہ سب باتیں مطابق سنّت ہیں، ہاں اگر ان کے علاوہ محض سکوت اتنی دیر کیا کہ تین بار سبحان اللہ کہہ لیتا تو یہ سکوت اگر بربنائے تفکّر تھا کہ سوچتا رہا کہ کیا پڑھوں، تو سجدۂ سہو واجب ہے، اگر نہ کیا تو اعادہ نماز کا واجب ہے، اور اگر وہ سکوت عمداً بلا وجہ تھا جب بھی اعادہ واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۳۰ ۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت (کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں۔ت) کہ ایک شخص نمازِ فرض پڑھتا ہے اور اس نے سہواً پچھلی دو رکعت میں بھی بعد الحمد کے ایک ایک سُورت پڑھی بعدہٗ سلام پھیرا اب اس کی نماز فرض ہوئی یا سنّت؟ جیسا ہو ویسا ہی ارقام فرمائیے، اور اگر وُہ سجدۂ سہو کر لیتا تو کیا اس کی نمازِ فرض ہو جاتی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

فرض ہوئی اور نماز میں کُچھ خلل نہ آیا، نہ اس پر سجدۂ سہو تھا بلکہ اگر قصداً بھی فرض کی پچھلی رکعتوں میں سورت ملائی تو کچھ مضائقہ نہیں صرف خلافِ اولیٰ ہے، بلکہ بعض ائمہ نے اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔ فقیر کے نزدیک ظاہراً یہ استحباب تنہا پڑھنے والے کے حق میں ہے امام کے لئے ضرور مکروہ ہے بلکہ مقتدیوں پر گراں گزرے تو حرام۔ درمختار میں ہے:

ضم سورۃ فی الاولیین من الفرض وھل یکرہ فی الاخریین المختار لا۔[1] ملخصاً

فرض کی پہلی دو رکعات میں سُورت کا ملانا، کیا آخری دو رکعتوں میں سورۃ ملانا مکروہ ہے؟ مختار قول کے مطابق مکروہ نہیں۔ ملخصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای لایکرہ تحریما بل تنزیہا لانہ خلاف السنۃ قال فی المنیۃ وشرحہا فان ضم السورۃ الی الفاتحۃ ساھیا یجب علیہ سجدتا السھو فی قول ابی یوسف لتاخیر الرکوع عن محلہ وفی اظھر الروایات لایجب لان القراءۃ فیھما مشروعۃ من غیر تقدیر والاقتصار علی الفاتحۃ مسنون لا واجب اھ وفی البحر عن فخر الاسلام ان السورۃ مشروعۃ فی الاخریین نفلا وفی الذخیرۃ انہ المختار وفی المحیط وھو الاصح اھ والظاھر ان المراد بقولہ نفلا الجواز والمشروعیۃ بمعنی عدم الحرمۃ فلا ینافی کونہ خلاف الاولی کما افادہ فی الحلیۃ[2] اھ ما فی ردالمحتار۔

یعنی مکروہِ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے کیونکہ خلافِ سنّت ہے۔ منیہ اور اس کی شرح میں ہے اگر بھول کر فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملائی تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق اس پر سجدۂ سہو ہوگا کیونکہ رکوع اپنے مقام سے مؤخر ہو گیا ہے، اور اظہر روایات کے مطابق اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں کیونکہ ان آخری رکعتوں میں بغیر مقرر کرنے کے قرأت مشروع ہے اور فاتحہ پر اکتفا سنت ہے واجب نہیں اھ اور بحر میں فخر الاسلام سے ہے کہ آخری رکعات میں سورۃ ملانا نفلی طور پر مشروع ہے۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ یہ مختار ہے۔ اور محیط میں اسی کو اصح کہا ہے اھ اور نفل سے واضح طور پر یہاں مراد جواز و مشروعیت بمعنی عدم حرمت ہے پس یہ اس کے خلافِ اولٰی ہونے کے منافی نہیں، جیسا کہ حلیہ میں ہے۔ ردالمحتار کی عبارت ختم ہوگئی۔

اقول لفظ الحلیۃ ثم الظاھر اباحتھا کیف لاوقد تقدم من حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ فی صحیح مسلم وغیرہ انہ

اقول (میں کہتا ہوں) کہ حلیہ کے الفاظ کہ پھر ظاہر سورت کا مباح ہونا ہے اور یہ کیسے نہ ہو کہ پیچھے صحیح مسلم وغیرہ کے حوالے سے گزرا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ

---

[1] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۱

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۳۳۸

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقرأ فی
صلوٰۃ الظھر فی الرکعتین الاولیین قدر
ثلثین اٰیۃ وفی الاخریین قدر خمسۃ عشرۃ
اٰیۃ او قال نصف ذلک فلاجرم ان قال فخر
الاسلام فی شرح الجامع الصغیر واما السورۃ
فانہا مشروعۃ نفلا فی الاخریین حتی
قلنا فی من قرأ فی الاخریین لم یلزمہ سجدۃ
سھو انتھی ثم یمکن ان یقال الاولی عدم الزیادۃ
ویحمل علی الخروج مخرج البیان لذلک
حدیث ابی قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یرید
ما قدم بروایۃ الصحیحین ان النبی صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقرأ فی الظھر فی
الاولیین بام القراٰن وسورتین وفی الرکعتین
الاخریین بام الکتاب الحدیث) وقول المصنف
المذکور (ای ولایزید علیہا شیئا) وقول
غیر واحد من المشائخ کما فی الکافی وغیرہ
ویقرأ فیہما بعد الاولیین الفاتحۃ فقط ویحمل
علی بیان مجرد الجواز حدیث ابی سعید رضی اللہ
تعالیٰ عنہ وقول فخر الاسلام فان النبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کان یفعل الجائز فقط فی بعض
الاحیان تعلیما للجواز وغیرہ من غیر کراھۃ فی حقہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کما یفعل الجائز لاالاولی
فی غالب الاحوال والفعل لاینافی
عدم الاولویۃ فیندفع بھذا ما عساہ یخال
من المخالفۃ بین الحدیثین المذکورین و

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں
تیس آیات اور آخری دو میں پندرہ آیات (یا نصف)
تلاوت فرماتے۔ فخر الاسلام نے شرح الجامع الصغیر
میں فرمایا آخری دو رکعات میں سورت بطور نفل
مشروع ہے حتی کہ اگر کسی نے سورت پڑھی تو ہم کہتے
ہیں کہ اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا انتہی، پھر یہ
کہنا ممکن ہے کہ عدم اضافہ (سورت) اولیٰ ہے اور
اس پر دلیل حدیثِ ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے
(اس سے مراد وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم کے حوالے
سے گزری کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی پہلی
دو رکعات میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور
آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے۔ الحدیث) اور
مصنف کا قول مذکورہ (یعنی اس (فاتحہ) پر اضافہ
نہ کیا جائے) اور متعدد مشائخ کا قول جس طرح کافی
وغیرہ میں ہے کہ پہلی دو رکعات کے بعد صرف فاتحہ
پڑھی جائے اور حدیثِ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو
محض جوازِ بیان پر محمول کیا جائے، اور فخر الاسلام کا قول
کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض جائز افعال
کو تعلیم جواز وغیرہ کیلئے بجالاتے جبکہ یہ آپ کے حق میں مکروہ نہیں جس طرح
آپ جائز کو غالب اوقات بجالاتے تھے اور فعل عدم اولیٰ کے
منافی نہیں ہوتا، اس گفتگو سے وہ تمام معاملہ
ختم ہوجاتا ہے جو خیال کیا گیا تھا کہ ان مذکورہ دونوں
احادیث اور اقوالِ مشائخ میں مخالفت ہے اھ شاید
آپ پر یہ بات مخفی نہیں رہی کہ نفل مشروع کو مکروہ تنزیہی
پر محمول کرنا نہایت ہی بعید ہے اور آخری رکعتوں

وبين اقوال المشائخ والله سبحٰنه اعلم اھ[1] ولعلك لايخفى عليك ان حمل المشروع نفلا على المكروه تنزيها مستبعد جدا وقراءة السورة فى الاخريين ليست فعلا مستحبا مستقلا يعتريه عدم الاولوية بعارض كصلٰوة نافلة مع بعض المكروهات وانما المستفاد من العلة ههنا هو استحباب فعلها فكيف يجامع عدم الاولوية والذى يظهر للعبد الضعيف ان سنية الاقتصار على الفاتحة انما تثبت عن المصطفى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى الامامة فانه لم يعهد منه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلٰوة مكتوبة الا اماما الا نادرا فى غاية الندرة فيكره للامام الزيادة عليها لاطالته على المقتدين فوق السنة بل لو اطال الى حد الاستثقال كره تحريما اما المنفرد فقد قال فيه النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فليطول ما شاء وزيادة خير ولم يعرضه ما يعارض خيريته فلا يبعد ان يكون نفلا فى حقه فان حملنا كلام المشائخ على الامام وكلام الامام فخر الاسلام وتصحيح الذخيرة والمحيط على المنفرد حصل التوفيق وبالله التوفيق هذا ما عندى والله سبحنه وتعالى اعلم۔

میں سورت کا پڑھنا مستقل فعل مستحب نہیں کہ اسے کسی عارضہ کی وجہ سے عدمِ اولویت لاحق ہو جیسے کہ نفل نماز کسی مکروہ پر مشتمل ہو اور یہاں علت سے قرأت سورت کا استحباب ثابت ہو رہا ہے تو اب یہ عدمِ اولویت کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ اس عبدِ ضعیف پر یہ چیز واضح ہوئی ہے کہ فاتحہ پر اکتفا کرنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امامت کی صورت میں منقول ہے کیونکہ آپ کی فرض نماز جو بھی منقول ہے وہ امام ہونے کی صورت میں ہی ہے البتہ شاذ و نادر ہی کوئی فرض نماز اس کے علاوہ ہوگی لہٰذا امام کے لئے فاتحہ پر اضافہ مکروہ ہوگا کیونکہ یہاں مقتدیوں پر سنّت سے بڑھ کر طوالت ہو جاتی ہے بلکہ اگر اتنی طوالت کی کہ مقتدیوں پر گراں گزری تو یہ کراہت تحریمی ہوگی۔ اگر آدمی تنہا نماز ادا کر رہا ہے تو اس میں رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ نماز جتنی لمبی کرنا چاہے کرے اور فاتحہ پر اضافہ خیر ہے اور اس کے خیر ہونے کے خلاف کوئی دلیل بھی نہیں تو منفرد کے حق میں اس اضافہ کا نفل ہونا بعید نہیں، اگر ہم کلامِ مشائخ کو امام پر اور امام فخر الاسلام اور تصحیح ذخیرہ اور محیط کو منفرد پر محمول کرلیں تو موافقت پیدا ہو جائے گی اور توفیق دینے والا اللہ ہی ہے اور یہ میرے نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے۔

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

مسئلہ ۱۲۳۱ از اترولی ضلع علی گڈھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب مدرس ۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے ساتھ یا اکیلا بعد التحیات کے سجدہ سہو کا ایک سلام بعد کرنا چاہئے یا کہ دونوں طرف سلام پھیر کے ؟

الجواب

ایک سلام کے بعد چاہئے ، دوسرا سلام پھیرنا منع ہے ، یہاں تک کہ اگر دونوں قصداً پھیر دے گا سجدۂ سہو نہ ہوسکے گا اور نماز پھیرنا واجب رہے گا ، درمختار میں ہے :

یجب بعد سلام واحد عن یمینه فقط وھو الاصح بحر وعلیه لواتی بتسلیمتین سقط عنه السجود[1] الخ ۔

فقط دائیں جانب سلام کے بعد واجب ہے اور یہی اصح ہے بحر ۔ اور اگر سجدۂ سہو لازم تھا اور اس نے دونوں طرف سلام پھیر دیا تو سجود ساقط ہوجائیگا الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

وعلیه فیجب ترك التسلیمة الثانیة[2] الخ ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم ۔

اگر سجدۂ سہو لازم ہو تو دوسرے سلام کا ترک ضروری ہوتا ہے الخ ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم (ت)

مسئلہ ۱۲۳۲ مرسلہ حافظ عبداللہ خاں موضع ٹھریا ضلع بریلی ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

نمازی کسی رکعت میں صرف الحمد پڑھے اور سہواً سورت نہ ملائے اور پھر سہو کا سجدہ کرے تو نماز ہوجائیگی یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب

جو سورت ملانا بھول گیا اگر اُسے رکوع میں یاد آیا تو فوراً کھڑے ہوکر سورت پڑھے پھر رکوع دوبارہ کرے پھر نماز تمام کرکے سجدۂ سہو کرے اور اگر رکوع کے بعد سجدہ میں یاد آیا تو صرف اخیر میں سجدۂ سہو کرلے نماز ہوجائے گی اور پھیرنی نہ ہوگی ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳۳ از تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ مولٰنا مولوی احمد بخش ساکن ڈیرہ غازی خاں مہتمم مدرسہ محمودہ محمودیہ ، ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

سیّدی سندی اعتضادی وعلیہ اعتمادی الجرالبحر العلامۃ الفہامۃ الالمعی اللوذعی حضرت مجدد المائۃ الحاضرہ

---

[1] درمختار | باب سجود السہو | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت | ۱/ ۱۰۱

[2] ردالمحتار | ؍؍ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/ ۷۸

ادام اللہ برکاتہم والقابہم الٰی یوم الدین آداب عجز ونیاز بے انداز بجالاکر عرض کرتا ہُوں کہ خاکسار کو ہر لحظہ عافیت مزاج شریف و قضائے حاجات ذات مستجمع الصفات اہم مآرب واعظم مطالب ہے ان ایام میں ایک واقعہ پیش آیا جس میں بعض ابناء الزمان مخالف ہیں اور مفصل طور پر میری اس تحریر ناقص سے جو بغرض استصواب ابلاغ خدمت اقدس ہے واضح ہوگا چونکہ جناب کے بغیر خاکسار کا کوئی محلِ اعتماد نہیں اس لئے تکلیف دی گئی ہے کہ براہِ بندہ نوازی جواب باصواب سے جو مدلل و مفصل ہو خاکسار کو معزز و ممتاز فرمائیں عین عنایت ہوگی اور اس تقریر کے اخیر میں اپنی رائے صائب سے آگاہ فرماکر بدستخط خاص مزین فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

یارب بك الاعتصام و منك التوفیق

ویاشفیق یارفیق نجنی من کل ضیق

(اے میرے رب کریم! تُو ہی میرا آسرا ہے اور تجھ ہی سے توفیق ہے۔ اے شفیق و رفیق! مجھے ہر تکلیف سے نجات عطا فرما)

مسئلہ: اگر موتم سے سہو ہو تو اعادۂ صلٰوۃ اُس پر واجب نہیں کیونکہ جمیع فقہاء نے متون اور شروح میں تصریح فرمائی ہے کہ موتم پر اپنے سہو سے سجدۂ سہو لازم نہیں کیونکہ اگر وُہ اکیلا سجدۂ سہو ادا کرے تو مخالفتِ امام لازم ہے اور اگر امام بھی اس کے ساتھ سجدہ کرے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے یعنی اصل تابع اور تابع اصل بن جاتا ہے' اس بیان سے یہ استفادہ کیا جائے گا کہ گویا مقتدی کی نماز میں کوئی ایسا نقص واقع نہیں ہوا یا کراہت جس کے جبر کے لئے سجدۂ سہو واجب ہو، پس اس بناء پر اعادہ لازم نہیں کیونکہ اعادہ وجود کراہت پر متفرع ہے و اذ لیس فلیس (جب کراہت نہیں تو اعادہ نہیں۔ت)

سوال: علامہ شامی نے نہر فائق سے نقل کیا ہے کہ:

ثم مقتضی کلامھم انہ یعیدھا بثبوت الکراھۃ مع تعذر الجابر[1] انتھی۔

کلامِ فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ثبوتِ کراہت کی وجہ سے لوٹائی جائے گی انتہی (ت)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدمِ لزومِ سجدۂ سہو اس امر پر مبنی ہے کہ اس کا ادا کرنا ناممکن ہے نہ یہ کہ اُس کی نماز میں کوئی نقص یا کراہت واقع نہیں بلکہ نماز مکروہ ہے اور حسبِ کلیہ مسلّمہ فقہاء کہ "جو نماز کراہت سے ادا ہو اُس کا اعادہ لازم ہے" اعادہ لازم ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۸۲

جواب: اگر ایسا ہو تو لازم آتا ہے کہ فقہاء نے احادیثِ ذیل کی مخالفت کی جس سے یہ مفہوم ہے کہ امام مقتدی سے سجدۂ سہو کو اٹھالیتا ہے جیسا کہ قراءت کو۔

حدیث اوّل: مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الامام ضامن (الحدیث)[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: امام ضامن ہوتا ہے (الحدیث)۔ (ت)

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مقتدی کی نماز کا متکفل ہے اگر مخالف سجودِ سہو کو اس کفالت سے خارج ہونے کا دعوٰی کرے تو اس کے لئے مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول اپنی شرح مرقاۃ میں ای متکفل لصلوٰۃ المؤتمین بالاتمام[2] (یعنی امام مقتدیوں کی نماز کے اتمام کے لئے کفیل ہوتا ہے۔ ت) اور ناقلاً عن ابن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ:

والضمانۃ اما لحملھم نحو القراءۃ عن المسبوق او السھو عن الساھی[3]۔

امام کے ضامن ہونے کا یہ معنٰی ہے کہ وہ مسبوق کی طرف سے قراءت اور بھول جانے والے کے سہو کا ضامن ہوتا ہے۔ (ت)

اور علامہ عینی کا قول شرح صحیح بخاری میں:

یعنی ان صلوتھم فی ضمن صلوٰۃ الامام صحۃ وفسادًا[4]۔

یعنی مقتدیوں کی نماز صحت اور فساد کے لحاظ سے امام کی نماز کے تابع ہے۔ (ت)

ونیز ان کا قول:

ونستدل بما فی صحیح ابن حبان الامام ضامن بمعنی یضمنھا صحۃ وفسادًا[5]۔

اور ہم صحیح ابن حبان کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ امام ضامن ہے یعنی وہ نماز کی صحت اور فساد کا ضامن ہوتا ہے۔ (ت)

اور نیز ان کا قول:

وقال ابن الملک لانھم المتکفلون (ای الائمۃ ۱۲) لھم

اور ابن الملک نے کہا کہ ائمہ اپنے مقتدیوں کی نماز کے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، باب فضل الاذان واجابت المؤذن، فصل ثانی، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ص ۶۵
[2] و [3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ″ ″ ″ ″ ″ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۶۵
[4] عمدۃ القاری شرح بخاری، باب اذا لم یتم الامام واتم من خلفہ، ادارۃ الطباعۃ منیریۃ بیروت ۵/۲۲۹
[5] ″ ″ باب اذا طوّل الامام وکان للرجل حاجۃ الخ ″ ″ ″ ۵/۲۳۹

صحة صلوتهم وفسادها وكمالها ونقصانها بحكم المتبوعية والتابعية[1] — فساد وصحت اور نماز کے کامل وناقص ہونے کے ضامن ہوتے ہیں متبوع اور تابع کے اعتبار سے یہ حکم ہوگا (ت)

کفایت نہ کریں تو گوسر وخشت۔

حدیث دوم: مراقی الفلاح میں ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الامام لکم ضامن یرفع عنکم سھوکم وقراءتکم[2] — رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: امام تمہارے لئے ضامن ہے وہ تمہاری سہو اور قراءت کو اٹھالیتا ہے۔ (ت)

اسی حدیث کے مطابق حضرت ابن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیثِ اول کی تفسیر فرمائی جو پہلے ذکر ہوچکی ہے اور جس کا ترجمہ کب سے نام حق میں "سہو اورا امام برگیرد" (اس کے سہو کو امام اٹھالیتا ہے۔ ت) سے کیا گیا نیز اس حدیث کے متعلق حضرت امام طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رفع سہو کے ساتھ رفعِ قراءۃ کا ذکر کرنے سے یہ اشارہ ہے کہ جیسا کہ مقتدی پر ترکِ قراءۃ سے کوئی گناہ نہیں اسی طرح سہو کے ترک کرنے سے بھی کوئی گناہ نہیں، اس کے بعد نہر فائق کی عبارت متقدمۃ الذکر نقل کرکے فرماتے ہیں: وقد علمت مفاد الحدیث افادہ بعض الافاضل[3] (آپ حدیث کا وُہ معنٰی جان چکے جو بعض افاضل نے بیان کیا۔ت) یعنی کہ مفاد حدیث کے مخالف ہے جو نہر سے منقول ہُوا۔

حدیث سوم: علامہ شامی نے معراج الدرایہ سے نقل کیا ہے کہ عدم لزوم سجدہ سہو کے ثابت کرنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال کیا جائے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی: لیس علی من خلف الامام سھو[4] (جو امام کے پیچھے ہو اس پر (سجدہ) سہو نہیں۔ت)

حدیث چہارم: حضرت قطب شعرانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کشف الغمہ میں بہ صفحہ ع و ع فرماتے ہیں:

وکانوا لایسجدون لسھوھم خلف الامام ویقولون الامام یحمل اوھام من خلفہ — صحابہ اپنے سہو کی وجہ سے امام کے پیچھے سجدہ نہیں کرتے تھے اور یہ کہتے کہ امام اپنے مقتدیوں کے وہموں کو

---

[1] عمدۃ القاری

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح " " " " "

[4] رد المحتار " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۸۲

من المامومين وكذلك كان يقول صلى الله تعالٰى عليه وسلم من سها خلف الامام فليس عليه سهو و امامه كافيه فان سها الامام فعليه وعلى من خلفه السهو[1] انتهى

اٹھالیتا ہے اور اسی طرح رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو امام کے پیچھے بھول گیا اس پر (سجدۂ) سہو نہیں اور اس کا امام کافی ہے اور اگر امام بھول گیا تو امام اور اس کے مقتدی دونوں پر سجدۂ سہو لازم ہوگا انتہی (ت)

جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک و امامه كافيه (اور اس کا امام کافی ہے۔ت) اور پھر اسی پر عمل صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم مخالف کے برخلاف کافی حجت ہے اگر مخالف ان احادیث متذکرہ بالا کے متعلق کہے کہ سوائے حدیث اول کے باقی احادیث کسی کتابِ حدیث سے منقول نہیں اور نہ کوئی سند ذکر کی گئی ہے اور ان کے ناقلین حضرت قطب شعرانی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور طحطاوی اور صاحبِ مراقی الفلاح اور صاحبِ معراج الدرایہ نقادِ حدیث میں سے نہیں لہذا یہ احادیث قابلِ اعتبار نہیں، تو اس کے جواب میں مجھے مختصر طور پر یہ کہنا ضروری ہے کہ حدیثِ اول کے متعلق مولانا علی قاری اور ابن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اگر اتمامِ حجت کے لئے کافی سمجھے گئے تو دوسروں کے مناقب بیان کرنے اور حفظِ مراتب کے لئے موعظۃ سے چنداں کوئی حاصل نظر نہیں آتا ذوسرے یہ کہ کشف الغمہ کے متعلق اس قسم کا خیال اُس کتاب کے مقدمہ سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے جس میں فرماتے ہیں کہ کتبِ صحاح فلاں وفلاں سے یہ سب احادیث ماخوذ و منقول ہیں، تیسرے یہ کہ ایسے عذرات اہلِ تحقیق کے نزدیک قابلِ وقعت نہیں،

قال بعض الاذكياء فالمختار عندى جواز نقل الحديث من الكتب الصحاح والحسان بلاشرط ومن غيرها بشرط التنقيح على اهل العلم ومؤلفاتهم، وفى الاشباه من الفقه الحنفى نقل السيوطى عن ابى اسحٰق الاسفرائنى الاجماع على جواز النقل من الكتب المعتمدة ولايشترط اتصال السند الى مصنفيها[2] انتهى

بعض اذکیاء نے فرمایا کہ میرے نزدیک کتبِ صحاح اور حسان سے حدیث کا بلاشرط نقل کرنا جائز ہے اور ان کے علاوہ دیگر کتب سے اہلِ علم اور ان کی تصانیف سے بشرطِ تحقیق نقل کرنا جائز ہے، فقہ حنفی کی اشباہ میں ہے کہ امام سیوطی نے ابو اسحاق اسفرائنی سے نقل کیا ہے کہ معتمد کتب سے ان کے مصنفین تک اتصال سند کے بغیر بھی نقلِ حدیث کے جواز پر اجماع ہے انتہی (ت)

---

[1] کشف الغمہ باب سجود السہو مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۵۹

[2] الاشباہ والنظائر احکام الکتابۃ " ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۹۸

الغرض ان احادیث کے ہوتے ہی فقہا کے اس قول سے کہ سجدۂ سہو لازم نہیں ایسے معنی کا ارادہ کرنا جو احادیث کے برخلاف ہو تمام فقہا پر حملہ کرنے کے علاوہ عمداً ترک عمل بالحدیث نہیں تو اور کیا ہے پس بہتر ہے کہ فقہاء کے کلام سے بھی وہی مراد ہو جو احادیث سے ثابت ہو۔

سوال: صاحب النہر الفائق ثقات حنفیہ سے ہے، پس یہ کس طرح گوارا ہو سکتا ہے کہ اس کی رائے کے برخلاف حکم کیا جائے کہ کلام فقہا کا مقتضی نہ کراہت ہے اور نہ اعادہ۔

جواب: من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما (جو شخص دو مشکلات میں گھر جائے وہ ان میں سے آسان کو اختیار کرے۔ ت) صرف صاحبِ نہر فائق کا خلاف بمقابلہ اس کے کہ سب فقہاء کے کلام احادیث کے برخلاف ہو اور احادیثِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل نہ ہو نہایت ہی آسان ہے ولعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا (شاید اس کے بعد اللہ کوئی امر پیدا فرمادے۔ ت) اس کے بعد میں ان چند مسائل اور روایتِ فقہاء کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہُوں جس سے صاف ثابت ہے کہ مقتدی پر سجدۂ سہو کے نہ کرنے کی وجہ سے اعادہ لازم نہیں:

(۱) سجودِ تلاوت کے باب میں فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر موتم نے آیتِ سجدہ تلاوت کی تو سجدۂ تلاوت لازم نہیں نہ موتم پر اور نہ امام پر اور نہ کسی دوسرے مقتدی پر، اور اس کی دلیل صاحبِ شرح منیہ وغیرہ نے بعینہٖ وہی لکھی ہے جو سجودِ سہو کے لازم ہونے کی ہے، یعنی ان سجد الامام یلزم انقلاب المتبوع تابعا والا لزم مخالفتہم[1] انتہی (اگر امام سجدہ کرے گا تو یہ متبوع کا تابع ہونا لازم آئے گا ورنہ اس کی مخالفت لازم آتی ہے انتہی۔ ت) اگر اس دلیل کا مقتضی ثبوت کراہت اور اعادۂ صلوٰۃ ہو تو لازم آتا ہے کہ سجودِ تلاوت کے متعلق بھی ایسا حکم ہو حالانکہ یہاں نہ اعادۂ سجدۂ تلاوت ہے اور نہ اعادۂ صلوٰۃ۔

(۲) فتاوٰی قاضی کی روایت مندرجہ ذیل سے مدعا ثابت ہے اور وُہ یہ ہے:

اذا سہا المقتدی لایلزمہ سجود السہو انما یجب بالسہو والسبب انما یعمل عملہ اذا امکن اعتبارہ فی حق الحکم فامااذا لم یمکن اعتبارہ فی حق الحکم کان ملحقا بالعدم کما قال ابوحنیفۃ وابویوسف فی تلاوۃ المقتدی وکما فی بیع المحجور

جب کوئی مقتدی بھول جائے تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا کیونکہ سجدۂ سہو اس وقت لازم ہوتا ہے جب حقِ حکم میں نمازی کا اعتبار ممکن ہو اور جب حقِ حکم میں نمازی کا اعتبار ممکن نہ ہو تو سجدۂ سہو کالعدم تصور ہوتا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف

---

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح منیہ وغیرہ باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶۶

وشرائہ وھھنا لایمکن اعتبار سھو المقتدی فی حق الحکم وھو وجوب سجدۃ السھو[1] انتہی

نے مقتدی کی تلاوت کے بارے میں فرمایا، اور مجور کی بیع وشراء میں ہے اور یہاں حق حکم یعنی وجوب سہو میں مقتدی کی سہو کا اعتبار ممکن ہی نہیں انتہی (ت)

(۳) علامہ شامی صفحہ ۴۹۶ میں فرماتے ہیں اس مسئلہ کے متعلق کہ جہاں سجود ساقط ہوجائے اعادہ لازم ہوتا ہے یا نہیں

والذی ینبغی انہ ان سقط بصنعہ کحدث عمد مثلا یلزم والا فلا تامل[2] انتہی

اور وہ صورت جس میں نماز سے خروج بالارادہ ہوا مثلاً عمداً وضو توڑ دیا تو اب سجدۂ سہو ساقط مگر اعادۂ نماز لازم، اور اگر ایسی صورت نہیں تو اعادہ لازم نہ ہوگا، غور کیجئے، انتہی (ت)

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مانحن فیہ میں اس لئے کہ سقوط سجدۂ سہو مقتدی کے اپنے فعل اختیاری سے نہیں ہوا بلکہ اس لئے کہ امام کے پیچھے وہ ادا نہیں کرسکتا نہ قبل السلام نہ بعد السلام، اعادہ واجب نہیں۔

(۴) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۰۶ پر فرماتے ہیں:

وینبغی تقیید وجوب الاعادۃ بما اذا لم یکن الترک لعذر کالامی اومن اسلم فی اخر الوقت فصلی قبل ان یتعلم الفاتحۃ فلا تلزم الاعادۃ[3] انتہی

وجوبِ اعادہ کو اس قید کے ساتھ مقید کیا جانا چاہئے کہ یہ اس صورت میں ہے جب ترک (واجب) کسی عذر کی بنا پر نہ ہو مثلاً اُمّی کا ترک فاتحہ یا وہ شخص جو نماز کے آخری وقت میں اسلام لایا اور اس نے فاتحہ سیکھنے سے پہلے نماز ادا کی تو اب اعادۂ نماز لازم نہیں ہوگا (ت)

جس سے عیاں ہے مانحن فیہ میں بوجہ اس کے کہ ترک سجود بوجہ تعذر ہوا کل صرح بہ الفقہا (ان تمام کی فقہائے تصریح کی ہے۔ت) اعادہ لازم نہیں۔

(۵) فی الدالمختار یجب علی منفرد ومقتد بسھو امامہ ان سجد امامہ لوجوب المتابعۃ[4] انتہی فی رد المحتار

درمختار میں ہے کہ تنہا نمازی پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے اور امام کی بھول کی وجہ سے مقتدی پر بشرطیکہ امام سجدہ کرے کیونکہ مقتدی پر امام کی متابعت لازم

---

[1] فتاوٰی قاضی

[2] ردالمحتار	باب السجود السہو	مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۲/ ۷۹
[3] ردالمحتار	باب صفۃ الصلوٰۃ	" ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۱/ ۴۵۶
[4] درمختار	باب سجود السہو	" مطبع مجتبائی دہلی بھارت	۱/ ۱۰۲

قولہ ان سجد امامہ امالوسقط عن الامام بسبب من الاسباب بان تکلم او احدث معتمدا اوخرج من المسجد فانہ یسقط عن المقتدی بحر، والظاھر ان المقتدی تجب علیہ الاعادۃ کالامام ان کان السقوط بفعلہ العمد لتقرر النقصان بلاجابر من غیرعذر[1] تامل انتھی۔

ہے انتہی، قولہ "اگر امام نے سجدہ کیا" اور اگر امام سے کسی وجہ سے سجدہ ساقط ہوگیا مثلاً اس نے کلام کیا یا جان بُوجھ کر حادث ہوگیا یا مسجد سے نکل گیا تواب مقتدی سے بھی سجدۂ سہو ساقط ہوجائے گا بحر، اور ظاہر یہی ہے کہ اگر سقوطِ سجدہ عمداً ہو تو امام کی طرح مقتدی پر بھی اعادہ لازم ہوگا کیونکہ اب بغیر کسی عذر کے ایسے نقصان کا ثبوت ہوا جس کا کوئی ازالہ نہ ہوا غور کرو، انتہی (ت)

مانحن فیہ میں اگرچہ مقتدی کا اپنا سہو ہے نہ کہ سہوِ امام، لیکن جبکہ سجدۂ سہو کے ساقط ہونے میں عمد کو دخل نہیں لہذا اعادہ بھی واجب نہیں۔

(۶) آج تک اعادۂ صلوٰۃ کا عمل نامسموع ہے اگر وجوب اعادہ سے حکم کیا جائے لکھوکھا نمازیوں کی نمازیں ناجائز و تباہ ہوجاتی ہیں اور نمازی تارکِ صلوٰۃ اور آثم ٹھہرتے ہیں، حالانکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: الدین یسر[2] (دین میں آسانی ہے۔ ت) ونیز فرماتے ہیں: یسروا ولاتعسروا وبشروا ولاتنفروا[3] (آسانی کرو تنگی نہ کرو اور اچھی خبر دو، نفرت نہ پھیلاؤ۔ ت) یہاں تک کہ فقہاء کے نزدیک مختار یہ ہے کہ صلوٰۃِ عید و جمعہ میں سجودِ سہو ادا نہ کئے جائیں دفعاً للفتنۃ (فتنہ کے دفع کے لئے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم بالصواب وانا العبد العاصی المدعو باحمد بخش عفی عنہ۔

الجواب

اقول وباللہ التوفیق مؤیدا السائل الفاضل دام بالفضائل (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے سائل فاضل (جن کے فضائل ہمیشہ رہیں) کی تائید کرتے ہُوئے میں کہتا ہوں:)

(۱) بزار مسند اور بیہقی سنن میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار | باب سجود السہو | مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/ ۸۲

[2] صحیح بخاری | باب الدین یسر | " قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/ ۱۰

[3] " | باب کان النبی یتخولہم بالموعظۃ الخ | " " " | ۱/ ۱۶

لیس علی من خلف الامام سھو فان سھا الامام فعلیہ وعلی من خلفہ[1]۔
امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے پر سہو نہیں، اگر امام بھول گیا تو اس پر اور اس کے مقتدیوں پر سجدۂ سہو ہے۔ (ت)

مقتدی پر سہو کی نفی فرمائی اور وُہ نفیِ وقوع نہیں لاجرم نفیِ حکم ہے کما دلت علیہ کلمۃ علی (جیسا کہ اس پر "علی" کا حکم دلالت کر رہا ہے۔ ت) تو ثابت ہُوا کہ سہوِ مقتدی کوئی حکم نہیں رکھتا۔

(۲) طبرانی معجم کبیر میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لایؤم عبد قوما الا تولی ماکان علیھم فی صلوتھم[2]۔
کوئی آدمی کسی قوم کی امامت نہیں کرتا مگر وہ ہر اس شَی کا ذمہ دار ہوتا ہے جو قوم کی نماز میں ہوتا ہے (ت)

پر ظاہر کہ تولّی ماعلیھم یُونہی ہے کہ علیھم نہ رہے اگر مقتدی کو اپنے سہو کے سبب حکمِ اعادہ ہو تو امام سے اُن سے تحمل نہیں بلکہ ان پر اثقل کی تحمیل کہ بے اس کے دو سجدوں ہی سے کام چل جاتا اب ساری نماز کا اعادہ کرنا پڑا۔

(۳) بدائع امام ملک العلماء جلد اول صفحہ ۱۷۵ میں ہے: المقتدی اذا سھا فی صلوتہ فلا سھو علیہ[3] (اگر مقتدی نماز میں بھول جائے تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں۔ ت)

(۴) محیط پھر ہندیہ جلد اول صفحہ ۱۲۸ مصری میں ہے: لوترک الامام سجود السھو فلا سھو علی الماموم[4] (اگر امام نے سجدۂ سہو ترک کردیا تو مقتدی پر سجدۂ سہو نہیں۔ ت)

(۵) تبیین الحقائق امام زیلعی جلد اول صفحہ ۱۹۵

لوسلم المسبوق مع الامام ینظر فان سلم مقارنا لسلام الامام او قبلہ فلا سھو علیہ لانہ مقتد بہ وان سلم بعدہ یلزمہ السھو لانہ منفرد[5]۔
اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سلام کہہ دیا تو اب دیکھیں گے اگر اس نے امام کے ساتھ یا اس سے پہلے سلام کہہ دیا تو اب مقتدی ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا، اور اگر امام کے بعد سلام کیا تو اب منفرد ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (ت)

---

[1] سنن الکبرٰی للبیہقی
[2] المعجم الکبیر للطبرانی | مسند عقبہ بن عامر | مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت | ۱۷/۳۲۹
[3] بدائع الصنائع | فصل من یجب علیہ سجود السھو | " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۱۷۵
[4] فتاوٰی عالمگیری | الباب الثانی عشر فی السجود | " نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۱۲۸
[5] تبیین الحقائق | باب السجود | " المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر | ۱/۱۹۵

(۶) بحرالرائق جلد دوم صفحہ ۱۰۸:

المسبوق فیما یقضیہ کالمنفرد کما تقدم و علیہ یفرع ما اذا سلم ساھیا فان کان قبل الامام او معہ فلا سھو و ان کان بعدہ فعلیہ کما ذکرناہ[1]۔

مسبوق باقی رکعات ادا کرنے میں منفرد کی طرح ہوتا ہے جیسے گزرا، اس پر یہ صورت متفرع ہے کہ جب مقتدی نے بھُول کر سلام کہہ دیا تو اگر امام سے پہلے یا ساتھ ہے تو سجدۂ سہو لازم نہیں، اور اگر بعد میں ہے تو اس پر سجدہ لازم ہوگا جیسا کہ پیچھے گزرا۔ (ت)

ان چاروں عبارتوں میں مثل حدیث اول سہو مقتدی کی مطلقاً نفی فرمائی ہے یعنی اس کے لئے کوئی حکم نہیں کما قررناہ (جیسا کہ ہم نے اس کی تقریر کردی ہے۔ ت)

(۷) امام اجل ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار جلد اول صفحہ ۲۳۸ 'اقتدی مفترض بمتنفل' (فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء کرے۔ ت) میں فرماتے ہیں:

اما حکمہ بطریق النظر فانا قد رأینا صلٰوۃ المأمومین مضمنۃ بصلٰوۃ امامھم بصحتھا وفسادھا یوجب ذلك النظر الصحیح من ذلك انا رأینا الامام اذا سھا وجب علی من خلفہ لسھوہ ما وجب علیہ و لو سھوا ھم ولم یسہ ھو لم یجب علیھم ما یجب علی الامام اذا سھا[2]۔

لیکن اس کا حکم بطریق نظر ہے ہم دیکھتے ہیں کہ مقتدیوں کی نماز صحت وفساد کے اعتبار سے امام کی نماز کے تابع ہے، یہ نظر صحیح لازم کرتی ہے کہ جب امام بھُول گیا تو اس کی بھُول کی بنا پر جو کچھ امام پر لازم ہوا وہ اس کے پیچھے والوں پر بھی لازم ہوگا، اور اگر مقتدی بھول جائیں اور امام نہ بھُولے تو مقتدیوں پر وُہ چیز لازم نہیں ہوتی جو امام کے بھُولنے پر اس پر لازم ہوتی ہے۔ (ت)

امام (طحاوی) نے لم یجب علیھم السجود (مقتدیوں پر سجدہ واجب نہیں۔ ت) نہ فرمایا بلکہ ما یجب علی الامام (جو امام پر لازم (وہ مقتدیوں پر لازم ہے)۔ ت) کہ سجدہ و اعادہ دونوں کو شامل۔

(۸) ذخیرہ پھر ہندیہ جلد اول صفحہ ۱۳۰ میں ہے:

لوسھا الاول بعد الاستخلاف لا یوجب سھوہ شیئا[3]۔

اگر پہلا امام خلیفہ بنانے کے بعد بھُولتا ہے تو اس کی بھُول کوئی شیئ لازم نہیں کرتی۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق | باب سجود السہو | مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۱۰۰

[2] الطحاوی شرح معانی الآثار | باب الرجل یصلی الفریضۃ خلف من یصلی تطوعاً | " " " | ۱/۲۸۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ | باب الثانی عشر فی سجود السہو | مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۱۳۰

(۹) کافی امام اجل حاکم شہید جس میں جمیع کتب ظاہر الروایہ کو جمع فرمایا ہے ضمناً شرح امام سرخسی جلد اول صفحہ ۲۲۵ میں ہے :

اذا احدث الامام فی خلال صلوتہ و قد سہا فاستخلف رجلا یسجد خلیفتہ للسھو بعد السلام وان لم یکن الامام الاول سہا لزمہ سجود السھو لسھو الثانی ولوسہا الاول بعد الاستخلاف لایوجب سھوہ شیئا[۱]۔

اگر بھولے ہُوئے امام نے دورانِ نماز کسی کو اپنا خلیفہ بنایا تو سلام کے بعد خلیفہ سجدۂ سہو کرے ، اور اگر پہلا امام بُھولا نہیں تھا اور دوسرا امام (خلیفہ) بھول گیا تو پہلا امام واپس آیا تو وہ بھی خلیفہ کی بھُول کی وجہ سے سجدہ کرے ، اور اگر پہلا امام اپنا خلیفہ بنانے کے بعد بُھولا تو اس بھول سے سجدۂ سہو لازم نہ آئے گا۔ (ت)

امام سرخسی نے فرمایا ، لانہ صار فی حکم المقتدی[۲] (کیونکہ وہ مقتدی کے حکم میں ہو گیا ہے ۔ ت)

یہ خود محرر المذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص جلی ہے جو بوجہ عدم ذکر خلاف خود امام اعظم و امام ابو یوسف سب کا نص ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ، ان عبارات سے روشن بین سالبہ کلیہ ہے کہ مقتدی کا سہو اصلاً کسی چیز کو واجب نہیں کرتا اور عام کا حکم اُس کے ہر فرد میں قطعی ہوتا ہے تو خود نص ائمہ ثلٰثہ ابو حنیفہ و ابو یوسف و محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کہ مقتدی پر اپنے سہو کے سبب ہرگز نہ سجدہ ہے نہ اعادہ۔

(۱۰) لاجرم امام اجل طحاوی نے بعد عبارت مذکورہ صریح تر فرمایا :

تثبت ان المأمومین یجب علیھم حکم السھو لسھو الامام وینتفی عنھم حکم السھو بانتفائہ عن الامام[۳]۔

یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام کے سہو کی وجہ سے مقتدیوں پر سجدۂ سہو واجب ہے اور امام سے نفی کی صورت میں مقتدیوں سے بھی اس کی نفی ہوگی۔ (ت)

(۱۱) امام جلیل شمس الائمہ سرخسی مبسوط جلد اول صفحہ ۲۲۹ میں فرماتے ہیں :

اللاحق فی حکم المقتدی فیما یتم وسھو المقتدی متعطل[۴]۔

لاحق اپنی بقیہ رکعتوں میں مقتدی کے حکم میں ہوتا اور مقتدی پر سجدۂ سہو نہیں ہوتا ۔ (ت)

(۱۲) امام ملک العلما ابوبکر مسعود بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد اول صفحہ ۱۷۶ میں فرماتے ہیں :

---

[۱] و [۲] المبسوط للسرخسی باب سجود السھو مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۲۵

[۳] الطحاوی شرح معانی الآثار باب الرجل یصلی الفریضۃ خلف من یصلی تطوعا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸۰

[۴] المبسوط للسرخسی باب سجود السھو مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۲۹

المسبوق انما یتابع الامام فی سجود السھو لافی سلامہ وان سلم فان کان عامدا تفسد صلوته وان کان ساھیا لا تفسد ولا سھو علیہ لانہ مقتد وسھو المقتدی باطل۔[1]

مسبوق سجدۂ سہو میں امام کی اتباع کرے لیکن سلام میں نہ کرے، اور اگر اس نے سلام پھیر دیا تو اگر دانستہً تھا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر بھول کر تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اس پر سجدۂ سہو بھی نہیں کیونکہ وہ مقتدی ہے اور مقتدی کا سہو باطل ہوتا ہے۔ (ت)

وہیں فرمایا:

ان سلم قبل تسلیم الامام اوسلما معا لایلزمہ لان سھوہ سھو المقتدی وسھو المقتدی متعطل۔[2]

اگر مسبوق نے امام کے سلام سے پہلے سلام کیا یا دونوں نے اکٹھے سلام کیا تو مسبوق پر سجدہ سہو لازم نہیں کیونکہ اس کا سہو مقتدی کا سہو ہوتا ہے اور مقتدی کا سہو قابلِ اعتنا نہیں۔ (ت)

کیسے نصوصِ جلیلہ ہیں کہ مقتدی کا سہو معطل ہے باطل ہے اس کا کچھ حکم نہیں، اگر اعادہ واجب کرے تو یہ احکام ہی باطل معطل ہوں گے نہ کہ اُس کا سہو۔

(۱۴) **اقول** مسئلہ مسبوق نے حکم کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا، یہ تو تمام کتب میں تصریح ہے کہ مسبوق اگر سہواً امام کے ساتھ سلام پھیر دے اس پر سجدۂ سہو نہیں، اگر سہو مقتدی کچھ مؤثر ہوتا تو واجب تھا کہ مسبوق پر سجدہ واجب ہوتا کہ اپنی فائت رکعت یا رکعات پُوری کرکے آخر میں بجالاتا اور اب نہ امام کی مخالفت لازم آتی نہ قلب موضوع، مگر تصریح کرتے ہیں کہ اُس پر سے یہ سہو بوجہ اقتدا ساقط ہے تو ثابت ہُوا کہ سہو مقتدی اصلاً معتبر و ملحوظ ہی نہیں ورنہ باوصف امکان جابر قصداً ترک جابر کرائیں پھر خود ہی اعادہ کا حکم فرمائیں، یہ محال ہے کہ بلاعذر صحیح ترک جابر گناہ ہے، اور شریعت گناہ کا حکم نہیں دیتی۔

متون میں ہے: تجب سجدتان (دو سجدے واجب ہیں۔ ت)

فان قلت انما لایسجد بعد قضاء ما فاتہ لانھما صلوتان حکما وان اتحدت التحریمۃ وسھو صلوتہ لایسجد لہ فی اخری قال فی البدائع صفحہ ۱۷۶ فان قیل ینبغی ان لایسجد المسبوق مع الامام

اگر آپ سوال کریں کہ فوت شدہ رکعات کے بعد سجدہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اب اگرچہ تحریمہ کی وجہ نماز ایک ہے مگر حکماً دو نمازیں ہیں اور ایک نماز کا سجدہ دوسری نماز میں نہیں کیا جاتا، بدائع ص ۱۷۶ میں فرمایا اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسبوق کو امام کے ساتھ سجدہ نہیں

---

[1] و [2] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجود السھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۶

لانہ ربما یسھو فیما یقضی فیلزمہ السجود ایضا فیؤدی الی التکرار وانہ غیر مشروع، فالجواب ان التکرار فی صلوٰۃ واحدۃ غیر مشروع وھما صلوٰتان حکما وان کانت التحریمۃ واحدۃ لان المسبوق فیما یقضی کالمنفرد ونظیرہ المقیم اذا اقتدی بالمسافر فسھا الامام یتابعہ المقیم فی السھو وان کان المقتدی ربما یسھو فی اتمام صلوٰتہ[1] اھ

وفی الکافی شرح الوافی للامام النسفی الورقۃ ۸۵ فیمن قعد للرابعۃ ثم صلی خامسۃ ساھیا فضم سادسۃ مانصہ لایسجد للسھو قیاسا لان ھذا سھو وقع فی الفرائض وقد انتقل منہ الی النفل ومن سھا عن صلوٰۃ لایسجد لہ فی صلوٰۃ اخری[2] اھ۔

اقول ھما کصلوٰۃ واحدۃ فی حق الجبر لاتحاد التحریمۃ الاتری الی ما قالہ فی الکافی متصلا بالعبارۃ المذکورۃ ویسجد للسھو استحسانا لان النقصان دخل

کرنا چاہئے کیونکہ بعض اوقات بقیہ رکعتوں میں مسبوق بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو لازم آجاتا ہے تو اب سجدہ سہو میں تکرار ہوجائے گا اور یہ مشروع نہیں، تو جواب یہ ہے کہ سجدہ سہو کا تکرار ایک نماز میں نامشروع ہے اور اس صورت میں نماز اگرچہ تحریمہ کے لحاظ سے ایک ہے مگر حکم کے اعتبار سے دو نمازیں ہیں کیونکہ مسبوق بقیہ رکعات میں منفرد کی طرح ہوتا ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ مقیم جب مسافر کی اقتداء کرے اور امام بھول جائے تو سجدۂ سہو میں مقیم امام کی اتباع کرے گا اگرچہ بعض اوقات مقتدی بقیہ رکعتوں میں بھول جاتا ہے اھ

اور امام نسفی کی کافی شرح الوافی ص ۸۵ پر ہے ایسا شخص جس نے چوتھی رکعت کا قعدہ کیا پھر بھول کر پانچویں رکعت ادا کی تو وہ چھٹی رکعت بھی ساتھ ملالے کے بارے میں الفاظ ہیں کہ وہ قیاساً سجدۂ سہو نہ کرے کیونکہ یہ ایک سہو تھا جو فرائض میں واقع ہوا حالانکہ اب وہ نمازی نوافل کی طرف منتقل ہوچکا ہے اور جو شخص ایک نماز میں بھولا وہ اس کا سجدہ دوسری نماز میں نہیں کرسکتا اھ

اقول اتحادِ تحریمہ کی وجہ سے نقصان کو پورا کرنے کے لئے یہ دونوں ایک نماز کی طرح ہیں آپ نے کافی کی وہ عبارت نہیں دیکھی جو مذکورہ عبارت کے متصل ہے کہ (قیاساً تو نہیں) مگر بطورِ استحسان سجدہ کرے کیونکہ امام محمد کے نزدیک نقصان فرائض میں ہوا ہے کیونکہ

---

[1] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجود السھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷۶

[2] کافی شرح وافی ص ۸۵

فی فرضه عند محمد بترک السلام الذی هو واجب وهذا النفل بناء علی التحریمة الاولٰی فیجعل فی حق وجوب السهو کانها صلوٰة واحدة کمن صلی ست رکعات تطوعا بتسلیمة وسها فی الشفع الاول یسجد للسهو فی اخر الصلوٰة وان کان کل شفع صلوٰة علی حدة[1] اھ فاذا کان هذا فی صلوٰتین مستقلتین بل مختلفتین فرضیة وتنفلا فلان یکون فی اجزاء صلوٰة واحدة اولی وان اختلفت اقتداء وانفرادا، ویقطع النزاع ما نصوا علیه ان المسبوق ان لم یسجد لسهو الامام مع الامام یجب علیه ان یسجد له فی اٰخر ما یقضیه، قال فی البدائع صفحه ۱۷۶ ولو قام المسبوق الی قضاء ما سبق به ولم یتابع الامام فی السهو سجد فی اٰخر صلوٰته فان المسبوق یبنی ما یقضی علی تلك التحریمة فجعل الکل کانها صلوٰة واحدة لاتحاد التحریمة واذا کان الکل صلوٰة واحدة وقد تمکن فیها النقصان بسهو الامام لم یجز ذلك بالسجدتین فوجب جبرة[2] اھ فاذا کان هذا علیه بسهو امامه فلو کان لسهو نفسه حالة الاقتداء حکم

نمازی نے واجب سلام کو ترک کردیا ہے اور یہ (دو رکعتیں) پہلی تحریمہ کی ہی وجہ سے نفل بن رہی ہیں لہذا وجوبِ سجدہ سہو میں یہ دونوں ایک ہی نماز ہیں جس طرح کہ وُہ شخص جس نے چھ نوافل ایک سلام سے پڑھے اور پہلی دو رکعات میں بھول گیا تو اب اگرچہ یہاں ہر شفع مستقل نماز ہے مگر سجدۂ سہو آخر میں کرے گا اھ جب دو الگ الگ نمازوں بلکہ وُہ فرض ونفل کے اعتبار سے مختلف بھی ہیں کا حال یہ ہے تو ایک ہی نماز کے اجزا میں بطریقِ اولٰی ہونا چاہیے اگرچہ وہ اقتدا وانفراد کے لحاظ سے مختلف ہیں اور اب نزاع ختم ہوگیا جس پر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مسبوق نے سہوِ امام کی وجہ سے اگر امام کے ساتھ سجدہ نہیں کیا تو اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کرنا واجب ہوگا، بدائع کے صفحہ ۱۷۶ پر فرمایا کہ اگر مسبوق اپنی بقیہ نماز کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوگیا اور سہو میں امام کی اتباع نہ کی تو اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرے کیونکہ مسبوق نے بقیہ نماز کی بنا اسی سابقہ تحریمہ پر کی ہے تو اب اتحادِ تحریمہ کی وجہ سے مسبوق نے نماز کو ایک بنالیا ہے اور جب یہ تمام نماز ایک ہے اور اس میں سہوِ امام کی وجہ سے ایسا نقصان ہوچکا ہے جس کا ازالہ دو سجدوں سے نہیں ہوسکتا تو اس کا ازالہ واجب ہوگا اھ جب یہ بات امام کے سہو کی وجہ سے ہے تو اب اگر حالتِ اقتدا میں خود اس سے غلطی

---

[1] کافی شرح وافی ص ۸۵

[2] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷۷

لوجب علیہ ان یسجد لہ فی اٰخر صلٰوتہ لکن نصوا قاطبۃ انہ لیس علیہ فثبت باجماعھم ان سھو المقتدی لاحکم لہ۔

ہو جانے پر حکم لاگو ہو تو اس پر نماز کے آخر میں لازم ہوجانا چاہئے لیکن فقہائے قطعی تصریح کی ہے کہ اس پر اس صورت میں سجدہ سہو نہیں کیونکہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ مقتدی کی سہو پر کوئی حکم نافذ نہیں ہوسکتا۔ (ت)

(۱۵) یہیں سے روشن ہُوا کہ بحثِ نہر اصلاً قابلِ التفات نہیں اگرچہ سیّد ابو السعود نے اُس کا اتباع کیا اور علامہ شامی نے رد المحتار و منحۃ الخالق میں اُسے مقرر رکھا حدیث ہی کے مقابل اُن کی بحث معتبر نہ ہوتی، طحطاوی علی الدر المختار جلد اول صفحہ ۱۸۱ "مسئلہ دو۲ رکعت نفل قبل نماز مغرب" میں ہے:

فی البخاری انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال صلوا قبل المغرب رکعتین وھو امر ندب ومنع صاحب النھر لایظھر لوجود الدلیل المروی فی الصحیح[1]۔

بخاری میں ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب سے پہلے دو۲ رکعات ادا کرو۔ اور یہ حکم برائے ندب ہے، صاحبِ نہر نے اس سے منع کیا لیکن یہ (منع) واضح نہیں کیونکہ امرِ ندب صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (ت)

اسی طرف علامہ نے حاشیہ مراقی الفلاح میں اس مسئلہ دائرہ صفحہ ۳۰۲ میں اشارہ کیا ہے کلامِ نہر نقل کرکے فرمایا:

وقد علمت مفاد الحدیث افادہ بعض الافاضل[2]۔

آپ حدیث کا وہ معنی جان چکے جو بعض افاضل نے بیان کیا۔ (ت)

بلکہ ہم ثابت کرچکے کہ نص صریح امام اعظم و امام ابو یوسف و امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم و اطباق جملہ کتبِ مذہب کے خلاف ہے تو مقتضی کلامہم نہیں بلکہ نقیض کلامہم ہے ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق والحمد للہ رب العٰلمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۳۴: از رام پور مسئولہ محمد سعید صاحب

اگر امام پر سہو واجب ہو تو امام کے ساتھ لاحق کو سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں اور جو مصلی بعد اس سجدہ سہو امام کے ساتھ شریک ہووے اُن کی نماز کا بنا صحیح ہے یا نہیں؟

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۱

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۲

الجواب

امام کے سہو سے لاحق پر بھی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے مگر امام کے ساتھ نہ کرے بلکہ نماز پُوری کرکے، ہاں اگر سلامِ امام سے پہلے فوت شدہ نماز پُوری کرکے پھر شامل ہوگیا کہ امام کے ساتھ سلام پھیرا تو امام کے ساتھ ہی سجدہ سہو کرے ورنہ بعد اتمام۔ اگر قبل اتمام کے سجدہ سہو کرلے گا نماز تو نہ جائے گی مگر یہ سجدہ بیکار جائے گا اور خلافِ حکم کا مرتکب ہوگا اور بعد اتمام پھر سجدۂ سہو کرنا ہوگا، دُرمختار میں ہے:

اللاحق یسجد فی اٰخر صلٰوتہ ولو سجد مع امامہ اعادہ[1]۔

لاحق اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کرے اور اس نے امام کے ساتھ سجدہ کرلیا تو پھر دوبارہ لوٹائے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانہ فی غیر اوانہ ولا تفسد صلٰوتہ لانہ ما زاد الا سجدتین[2]۔

کیونکہ یہ اپنے وقت پر نہیں، البتہ نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس نے دو سجدوں کے علاوہ کسی شئی کا اضافہ نہیں کیا۔ (ت)

جو مصلی سجدۂ سہو کے بعد قعدہ میں شریکِ امام ہوئے شریکِ جماعت ہوگئے اُن کی بنا صحیح ہے باتفاقِ ائمہ۔

وانما الخلاف فی الجمعۃ والمذھب فیہ ایضا الصحۃ۔

اختلاف فقط جمعہ میں ہے اور اس میں بھی مذہب یہی ہے کہ یہ صحیح ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ادرکھا فی تشھد او سجود سھو (ولو فی تشھد ہ ش عن ط) یتمھا جمعۃ خلافا لمحمد کما یتم فی العید اتفاقا کما فی عید الفتح[3] واللہ تعالٰی اعلم

اگر کسی نے امام کو تشہد یا سجود سہو میں پالیا (اگرچہ تشہد جمعہ ہو، ش از ط) تو جمعہ ادا کرے البتہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف ہے جیسا کہ عید کو اگر تشہد میں پالینا ہے تو بالاتفاق عید ہی ادا کرے (فتح القدیر، باب العید) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

[3] درمختار باب الجمعۃ " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

مسئلہ ۱۲۳۵: ازچوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ در سجدہ سہو سلام بہر دو جانب گوید یا یکے جانب اگر امام باشد یا مفرد بکدام روایت فتوٰی است۔

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو کے لئے دونوں جانب سلام کہنا ہوتا ہے یا فقط ایک جانب امام ہو یا منفرد، کس روایت پر فتوٰی ہے۔ (ت)

الجواب

سلام ہمیں جانب راست دہد امام باشد خواہ منفرد تا آنکہ گفتہ اند کہ اگر سلام دیگر دہد سجدہ سہو ساقط شود و بزہ کار گردد۔

فقط دائیں جانب سلام کہنا ہوتا ہے خواہ امام ہو یا منفرد، حتّٰی کہ فقہائے نے فرمایا ہے کہ اگر دوسری جانب سلام کہتا ہے تو سجدہ سہو ساقط اور ایسے عمل سے گنہ گار ہوگا۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۳۶: از جڑدہ ضلع میرٹھ مسئولہ سید سراج احمد صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

چار رکعت والی نماز میں امام دو رکعت کے بعد بیٹھا اور التحیات کے بعد درود شریف شروع کردیا مقتدی کو معلوم ہوگیا ایسی حالت میں مقتدی امام کو اشارہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کرسکتا ہے تو کس طرح سے؟

الجواب

اُس کا معلوم ہونا دشوار ہے کہ امام آہستہ پڑھے گا، ہاں اگر یہ اتنا قریب ہے کہ اس کی آواز اس نے سُنی کہ التحیات کے بعد اُس نے درود شریف شروع کیا تو جب تک امام اللھم صلّ علٰی سے آگے نہیں بڑھا ہے یہ سُبحان اللہ کہہ کر بتائے اور اگر اللھم صل علٰی سیّدنا یا صل علٰی محمد کہہ لیا ہے تو اب بتانا جائز نہیں بلکہ انتظار کرے اگر امام کو خود یاد آئے اور کھڑا ہوجائے فبہا اور اگر سلام پھیرنے لگے تو اُس وقت بتائے، اس سے پہلے بتائے گا تو بتانے والے کی نماز جاتی رہے گی اور اس کے بتانے کو امام لے گا تو اُس کی اور سب کی جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳۷: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی احسان علی صاحب طالبعلم ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتر میں قبل دعائے قنوت کے سہوًا رکوع کیا اور دو ایک تسبیح بھی پڑھ چکا اب خیال ہُوا کھڑے ہو کر قنوت پڑھی تو اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

الجواب

تسبیح پڑھ چکا ہو یا ابھی کچھ نہ پڑھنے پایا ہو اُسے قنوت پڑھنے کے لئے رکوع چھوڑنے کی اجازت نہیں، اگر قنوت کے لئے قیام کی طرف عَود کیا گناہ کیا پھر قنوت پڑھے یا نہ پڑھے اس پر سجدہ سہو ہے۔ درمختار میں ہے:

ولو نسیہ القنوت ثم تذکرہ فی الرکوع لایقنت فیہ لفوات محلہ ولا یعود الی القیام ، فان عاد الیہ وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلوتہ ، وسجد للسہو قنت اولا لزوالہ عن محلہ[1] اھ (ملخصاً) اقول وقولہ ولم یعد الرکوع ای ولم یرتفض بالعود للقنوت لا ان لو اعادہ فسدت لان زیادۃ مادون رکعۃ لا تفسد نعم لا یکفیہ اذن سجود السہو لانہ اخر السجدۃ بھذا الرکوع عمدا فعلیہ الاعادۃ سجد للسہو اولم یسجد - واللہ تعالٰی اعلم -

اگر نمازی قنوت پڑھنا بھول گیا پھر اسے رکوع میں یاد آیا تو اب قنوت نہ پڑھے کیونکہ اپنے محل سے فوت ہوگئی ہے اور نہ اب قیام کی طرف لوٹے ، اگر لوٹ کر قنوت پڑھی اور رکوع دوبارہ نہ کیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی وہ سجدہ سہو کرے خواہ اس نے قنوت پڑھی یا نہ پڑھی کیونکہ قنوت اپنے مقام سے ہٹ گئی اھ (تلخیصاً) اقول، قولہ اور اس نے رکوع دوبارہ نہ کیا یعنی اس نے قنوت کی خاطر لوٹنے میں رکوع ترک نہ کیا ہو ، یہ معنی نہیں کہ اگر اس نے رکوع لوٹا لیا تو نماز فاسد ہوجائیگی کیونکہ رکعت سے کم کا اضافہ نماز فاسد نہیں کرتا ، ہاں اب سجدۂ سہو کافی نہیں کیونکہ اس نے عمداً سجدہ کو رکوع کی وجہ سے مؤخر کیا ، پس اب اس نماز کا اعادہ لازم ہے خواہ اس نے سجدۂ سہو کیا یا نہ کیا ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۳۸ ، ۱۲۳۹ از مانیاوالا ڈاک خانہ قاسم پور گڑھی ضلع بجنور مرسلہ سید کفایت علی صاحب

۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) امام کی نیت چار فرضوں کی تھی دو رکعت اولٰی ختم کرچکا تھا بیچ میں التحیات بھول گیا اور اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہوگیا، بعد کو مقتدی نے بتایا وہ بیٹھ گیا التحیات پڑھی اور آخر میں سجدۂ سہو کیا ، آیا مقتدی کی امام کی نماز ہوئی یا نہیں ؟

(۲) ایک شخص وتر پڑھ رہا تھا تیسری رکعت میں اللہ اکبر کہہ کر دعائے قنوت کا ارادہ تھا وہ بھول گیا اور بیٹھ کر سجدۂ سہو کیا ، پھر دوبارہ وتر پڑھے پھر وہیں آکر اللہ اکبر کہنا بھول گیا دعائے قنوت پڑھی سجدہ سہو کیا آیا ہوا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) اگر امام ابھی پورا سیدھا کھڑا نہ ہونے پایا تھا کہ مقتدی نے بتایا اور وہ بیٹھ گیا تو سب کی نماز ہوگئی

---

[1] دُرمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

اور سجدۂ سہو کی حاجت نہ تھی اور اگر امام پُورا کھڑا ہو گیا تھا اس کے بعد مقتدی نے بتایا تو مقتدی کی نماز اُسی وقت جاتی رہی اور جب اس کے کہنے سے امام لوٹا تو اس کی بھی گئی اور سب کی گئی، اور اگر مقتدی نے اُس وقت بتایا تھا کہ امام ابھی پُورا سیدھا نہ کھڑا ہُوا تھا کہ اتنے میں پُورا سیدھا ہو گیا اُس کے بعد لوٹا تو مذہب اصح میں نماز ہو تو سب کی گئی مگر مخالفتِ حکم کے سبب مکروہ ہُوئی کہ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد قعدۂ اولیٰ کے لئے لوٹنا جائز نہیں نماز کا اعادہ کریں خصوصاً ایک مذہبِ قوی پر نماز ہُوئی ہی نہیں، تو اعادہ فرض ہے، اسی کی امام زیلعی نے تصریح کی ہے اور یہی مشاہیر کتب میں ہے۔

وما بحث المحقق فی الفتح وتبعہ فی البحر ففیہ بحث بیناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار صفحہ ۴۷۹۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

محقق نے فتح میں بحث کی ہے، بحر میں اسی کی اتباع ہے اور اس میں بحث ہے جو ہم نے ردالمحتار صفحہ ۴۷۹ پر حاشیہ میں تحریر کی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) پہلی بار کہ دُعا قنوت پڑھنا بُھول گیا تھا اور سجدۂ سہو کر لیا وتر ہو گئے، دوبارہ پڑھنا گناہ ہوا، حدیث میں ہے: لا وتران فی لیلۃ[1] ایک رات میں دو وتر نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴۰ ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کو سہو ہوا یعنی کھڑا ہونا تھا بیٹھ گیا یا برعکس اس کے، تو کوئی مقتدی بجائے تسبیح (سُبحان اللہ) کے تکبیر (اللہُ اکبر) کہہ دے تو نماز میں اُس کی کچھ قباحت و خرابی نہیں آئے گی، اور جو شخص یہ کہے کہ امام کو اگر قعدہ کرنا ہے تو لفظ التحیات کہنا چاہئے اور جو قیام کرنا ہے، تو اللہُ اکبر، یعنی جونسا رکن کرنا ہے اُس میں کا پہلا لفظ کہنا چاہئے، صحیح ہے یا غلط؟

الجواب

نماز میں اللہُ اکبر یا التحیات کہنے سے خرابی نہیں، اور سنّت سُبحان اللہ کہنا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴۱ از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بورا ہا

۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا حکم ہے علمائے دین شرع متین کثرہم اللہ تعالٰی بقاہم کا اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص انتہائی سہو و نسیان کی وجہ سے کوئی بات ٹھکانے سے یاد نہیں رکھتا ہے یہاں تک کہ نماز کے لئے جب وضو کرتا ہے تو ایک ایک اعضاء کو دس دس مرتبہ دھوتا ہے اور پھر بھی اُس کو خیال ہوتا ہے کہ دو ہی مرتبہ یا ایک ہی مرتبہ دھویا ہے، نماز کے لئے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث طلق بن علی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۳/۴

کھڑا ہوا تو تکبیر تحریمہ پانچ پانچ مرتبہ کہی چار رکعت پڑھیں دو رکعت خیال کیں علٰی ہذا القیاس تسبیح رکوع و سجود میں غرضیکہ دُنیوی کاموں میں بھی مثلاً کوئی چیز کہیں رکھ دی یا کسی کو دے دی پھر خیال جو کیا اس کے خلاف ہُوا ایسی حالت میں اُس شخص نے ایک آدمی اُس کے ارکان و تسبیح و رکعت وغیرہ شمار کرنے کے لئے مقرر کیا تاکہ وُہ گن کر بتا دے آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور وُہ شخص ایسے سہو و نسیان کی حالت میں ان سب باروں میں کیا کرے؟

الجواب

آدمی مقرر کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۴۲ وکیل الدین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۱۰ محرم الحرام ۱۹۳۹ء

اگر امام نے رکعت ثانیہ میں سہو سے تین سجدے کئے اور اس کو ظن غالب دو سجدوں کا تھا تا خروج عن الصلوٰۃ امام کو بالکل یاد نہ ہوا، مقتدیان بہت تھے یعنی تین صف میں سے ہر صف میں ۲۵، ۲۶ اشخاص تھے لیکن امام کو کسی نے یاد کرایا نہیں، اب نمازِ امام و قوم کی صحت و عدمِ صحت کی وجہ کیا ہے؟

الجواب

فرض ادا ہوگیا، واجب ترک ہُوا، سجدۂ سہو لازم تھا، نمازیں پھیریں اُتنے آدمی، ایسی کثیر جماعت نہیں جس کے سبب سجدۂ سہو ساقط ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴۳ ضلع سکھر سندھ اسٹیشن ڈھرکی ڈاکخانہ خیر پور ڈھرکی خاص دربار معلی قادریہ چونڈے شریف
از طرف ابوالنصر فقیر سرور شاہ ۱۷ جمادی الآخر

ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی کہ شخصے را در نمازِ مغرب سجدہ سہو لازم بود نہ داد جبر نقصان گزاردیا نہ، اگر گزارد چگونہ نیت بندد و چند رکعت گزارد و ہمیں جبر نقصان حکم نفل دارد یا واجب یا فرض؟

اس بارے میں آپ (اللہ تعالٰی آپ پر رحمتیں نازل فرمائے) کا کیا فرمان ہے کہ ایک شخص پر نمازِ مغرب میں سجدۂ سہو لازم ہوگیا مگر اس نے نہ کیا اب نقصان کا ازالہ کرے یا نہ؟ اگر کرنا ہے تو کس نیت سے؟ کتنی رکعات ادا کرے اور یہ ازالہ نفل کا حکم رکھتا ہے یا واجب و فرض کا؟ (ت)

الجواب

جبر نقصان واجب است سہ رکعت بہ نیت اعادہ ہماں نمازِ مغرب برائے تلافیِ مافات کند۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نقصان کا اعادہ لازم ہے پھر دوبارہ تین رکعت اس نیت سے ادا کرے کہ میں کمی کا ازالہ کر رہا ہُوں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۴۳ تا ۱۲۴۵ از مدرسہ اہلسنت منظر اسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اِن مسائل میں :

(۱) فرضوں کی تیسری یا چوتھی رکعت میں بعد الحمد شریف کے کسی آیت کا پُورا یا نصف لفظ زبان سے نکل گیا یا رکوع میں سہواً ایک بار سُبحان ربی الاعلیٰ کہہ دیا، اسی طرح سجدہ میں اور اسی طرح فرضوں کی پہلی رکعت میں جبکہ مقتدی ہے سبحٰنك کے بعد اعوذ باللہ شریف پڑھ لی تو کیا الحمد شریف کا پڑھنا بھی ضرور ہوگا اور اوپر کی صورتوں میں سجدہ سہو ہوگا یا نہیں ؟

(۲) جماعت میں امام نے سمع اللہ لمن حمدہ کی جگہ اللہ اکبر کہا اور سجدۂ سہو نہیں کیا، کیا نماز ہُوئی یا نہیں ؟

(۳) فجر کے فرضوں میں دوسری رکعت کے بعد اور دیگر وقتوں میں چوتھی رکعت کے بعد امام یا منفرد التحیات پڑھنی بھُول کر کھڑا ہوگیا، اب اس کو کیا کرنا چاہیے ؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) ان میں سے کسی صورت میں سجدۂ سہو نہیں اور مقتدی کو الحمد شریف پڑھنا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) نماز ہوگئی اور سجدۂ سہو کی اصلاً حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) جبکہ قعدۂ اخیرہ بھُول کر زائد رکعت کے لئے کھڑا ہُوا تو جب تک اس رکعتِ زائدہ کا سجدہ نہیں کیا ہے بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدۂ سہو کرے، اور اگر اُس نے رکعتِ زائدہ کا سجدہ کرلیا تو اب فرض باطل ہوگئے پھر سے پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۴۶ از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بورا یا ۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کمال درجہ کا بھُول رکھتا ہے نماز کے اندر وضو و تکبیر و رکوع و سجود و قیام بلکہ ہر رکعت نماز پنجوقتی میں بھُول کے خوف سے بلند قراءت کے ساتھ پڑھتا ہے تاکہ ہم بھول نہ جائیں، کتنا ہی وُہ شخص دل میں خیال و غور کرکے پڑھتا ہے تاہم بھُول جاتا ہے کچھ بھی خیال نہیں رہتا ہے اور وُہ شخص جب نماز پڑھنے لگتا ہے تو ایک شخص کو اس غرض سے بٹھاتا ہے کہ جو کچھ سہو واقع ہو اس کو بتلاتا جائے اس شخص کو نماز کے اندر بہت پریشانی ہوتی ہے اس کے علاوہ وہ کہتا ہے کہ نماز چھوڑ دوں، پھر کہتا ہے کہ نماز کس طرح سے چھوڑوں، اور وُہ شخص بہت تندرست اور مستقل مزاج ہے ایسی حالت میں اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب

کسی شخص کو پاس بٹھا لینا اور اس کے بتانے پر نماز پڑھنا نماز باطل کرے گا، فجر و مغرب و عشاء میں منفرد کو باآواز پڑھنے کی اجازت ہے، ظہر و عصر میں صحیح مذہب پر اجازت نہیں، چارہ کار یہ ہے کہ وہ شخص جماعت میں مقتدی ہو کر پڑھے تو مقتدی کو قراءت کرنی نہ ہوگی اور امام کے افعال اُسے بتانے اور یاد دلانے والے ہوں گے، جماعت ویسے بھی واجب ہے، اور ایسے شخص پر تو نہایت اہم واجب ہے کہ بغیر اُس کے اس کی نماز ٹھیک ہی نہیں، سنتیں اور نفل جو پڑھے اُن میں کسی شخص کو امام کرلے کہ نفل محض میں تین تک جماعت جائز ہے، اور جب کوئی شخص امامت کو نہ ملے اپنی یاد پر پڑھے، رکعتوں میں اگر شبہہ ہو تو کم سمجھے، مثلاً ایک اور دو میں شبہہ ہو تو ایک سمجھے اور دو اور تین میں ہو تو دو، اور جہاں جہاں قعدہ اخیرہ کا شبہہ ہو تو وہاں بیٹھتا جائے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے، اور اگر کسی طرح اپنی یاد سے نماز ادا کرنے پر قادر ہی نہ ہو تو معاف ہے، درمختار میں ہے:

(ولو اشتبه علی مریض اعداد الرکعات والسجدات لنعاس یلحقه لایلزمه الاداء) و لو اداها بتلقین غیره ینبغی ان یجزیه کذا فی القنیة[1] قال العلامة ط قد یقال انه تعلیم وتعلم وهو مفسد کما اذا قرأ من المصحف او علمه اللسان القرأة وهو فی الصلٰوة[2] قال العلامة ش قلت وقد یقال انه لیس بتعلیم وتعلم بل هو تذکیر و اعلام فهو کاعلام المبلغ بانتقالات الامام فتأمل[3] اھ ورأیتنی کتبت علیه مانصه اقول فیه اھ الفتح

(اگر کسی مریض پر بسبب اُونگھ کے جو اسے لاحق ہوتی ہے رکعات و سجدوں کی تعداد میں اشتباہ پیدا ہوگیا تو اس پر ادائے نماز لازم نہیں) اور اگر غیر کی تلقین کی بنا پر انھیں ادا کرلیا تو چاہئے کہ یہ اسے کافی ہو جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ علامہ طحطاوی نے فرمایا اس پر یہی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعلیم و تعلّم ہے جو کہ مفسدِ نماز ہوتا ہے جیسے کہ کسی آدمی نے مصحف سے پڑھا اسے دوسرے آدمی نے قراءت سکھا دی حالانکہ وہ نماز میں تھا، علامہ شامی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ کہا گیا ہے کہ تعلیم و تعلم نہیں بلکہ یاد دلانا اور اطلاع کرنا ہے، پس یہ اسی طرح ہے جس طرح بڑے مجمع میں امام کے انتقالات کی اطلاع دینے والا ہوتا ہے فتأمل اھ میں نے وہاں یہ حاشیہ

---

[1] درمختار — باب صلٰوۃ المریض — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۱۰۴

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار — باب صلٰوۃ المریض — مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت — ۱/ ۳۱۹

[3] ردالمحتار — باب صلٰوۃ المریض — مطبوعہ مصطفی البابی مصر — ۱/ ۵۶۲

لایزید علی التذکیر بشیٔ وقد قال
قوم وصحح ان المقتدی اذا فتح علی
امامه بعد ما قرأ قدر الواجب تفسد صلوٰته
لانه تعلیم من دون ضرورة فان اخذ به
الامام فسدت صلوٰة الکل لانه تعلیم من
دون ضرورة والقائلون بالجواز (وهو
المعتمد) انما اعتمدوا علی انه للحاجة کما
بینه فی الحلیة مع الاعتراف بانه تعلیم
وتعلم انی استشهد بخلافه الیسوا قد
اجمعوا ان لو فتح علی المصلی غیره
فاخذ فسدت صلوٰته، وقد مر التنصیص
علی کل ذلک والاستشهاد بالمبلغ
لم یصادف محله فانهم جمیعا حینئذ
فی صلوٰة واحدة فالصواب عندی الجواب
بان هذا لضرورة وهی تجلب التیسیر
وبعد فیه .بعد کیف ولو جاز (هذا)
کان ینبغی ان یلزمه الاداء کما
یلزمه التوجه اذا وجد من یوجهه
ففی تجویزه ابطال اصل المسئلة المنقولة
فلا عبرة ببحث القنیة وقد یقال عن
هذا الاخیر انه قادر بقدرة غیرہ فلا یلزمه
وان فعل صح فلیتأمل حق التأمل ۔
واللہ تعالٰی اعلم۔

تحریر کیا ہے اقول اس میں لقمہ دینا یاد دلانے سے زائد
نہیں ہوتا اور ایک جماعت نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ مقتدی
جب اپنے امام کو قدر واجب قراءت کے بعد لقمہ دے
تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ
بغیر ضرورت کے تعلیم ہے ایسی صورت میں اگر امام نے
لقمہ لے لیا تو سب کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ یہ بغیر
ضرورت کے تعلم ہے اور جو جواز (اور معتمد بھی یہی ہے)
کے قائل ہیں انھوں نے اعتماد کرتے ہوئے کہا کہ یہ
ضرورت کی وجہ سے ہے جیسا کہ حلیہ میں بیان کیا گیا ہے
باوجود اس اعتراف کے کہ یہ تعلیم و تعلم ہے، میں اس
کے خلاف شہادت پیش کرتا ہوں،
کیا فقہاء کا اس پر اجماع نہیں کہ اگر غیر نمازی نے نمازی
کو لقمہ دیا اور اس نے قبول کر لیا تو نماز فاسد ہو جائیگی،
اور اس تمام گفتگو پر پہلے تصریحات گزر چکی ہیں اور مقتدی
مکبر کو بطور استشہاد پیش کرنا اپنے محل پر نہیں
کیونکہ مذکورہ صورت میں تمام کی نماز ایک ہے لہذا میرے
نزدیک درست جواب یہی ہے کہ یہ ضرورت ہے جو آسانی کا
تقاضا کرتی ہے اور ابھی اس میں بُعد ہے، کیسے ہو سکتا
ہے حالانکہ یہ جائز ہو تو مناسب تھا کہ اس پر ادا لازم ہو
جس طرح توجہ دلانے والے کی موجودگی میں توجہ کرنا لازم
ہے لہذا اس کے جواز میں اصل منقول مسئلہ کا ابطال
لازم آتا ہے اس لئے قنیہ کی بحث کا اعتبار نہیں ہوگا
اور اس آخری مسئلہ (جو اپنے آپ نماز درست نہیں
کر سکتا) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ دوسرے کی قدرت سے قادر ہوتا ہے اس لئے اس پر نماز کی صحت
لازم نہیں اور اگر اس نے غیر سے اصلاح لے لی تو صحیح ہے، اس میں مکمل غور کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتروں میں رکعتِ ثالث میں امام بجائے قنوت پڑھنے کے تکبیر قنوت کہہ کر رکوع کو چلا گیا اور مقتدیان کی تکبیر کہنے سے واپس ہوکر قنوت پڑھا اور پھر دوبارہ رکوع کیا اور سجدہ سہو کیا نماز ادا ہوگئی یا وتر فاسد ہوئے رکوع میں پُورا جُھک گیا تھا جب قنوت کی طرف رجوع کی۔ بینوا توجروا

الجواب

جو شخص قنوت بھول کر رکوع میں چلا جائے اُسے جائز نہیں کہ پھر قنوت کی طرف پلٹے بلکہ حکم ہے کہ نماز ختم کرکے اخیر میں سجدہ سہو کرلے پھر اگر کسی نے اُس حکم کا خلاف کیا تو بعض ائمہ کے نزدیک اُس کی نماز باطل ہوجائے گی اور اصح یہ ہے کہ بُرا کیا گنہگار ہُوا مگر نماز نہ جائے گی، ردالمحتار میں منتقی سے ہے:

لوسھا عن القنوت فرکع فانہ لوعاد وقنت لاتفسد علی الاصح[1] اھ وفیہ عن الفتح فی مسئلۃ العود الی التشھد بعد القیام للثالثۃ لایحل ولکنہ بالصحۃ لایخل[2] اھ

اگر قنوت بھول گئی اور رکوع کیا اب اگر لوٹ کر قنوت پڑھی تو اصح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی اھ اور اسی میں مسئلہ تیسری رکعت کی طرف قیام کے بعد تشہد کی طرف لوٹنا کے تحت ہے کہ یہ جائز نہیں البتہ صحتِ نماز میں مخل نہیں اھ (ت)

بہرحال اس عود کو جائز کوئی نہیں بتاتا تو جن مقتدیوں نے اُسے اس عودِ ناجائز کی طرف بلانے کے لئے تکبیر کہی اُن کی نماز فاسد ہُوئی امام اُن کے کہنے کی بنا پر نہ لوٹتا نہ اُن کے بتائے سے اُسے یاد آتا بلکہ اُسے خود ہی یاد آتا اور لوٹتا اگرچہ اُس کا یاد کرنا اور اُن کا تکبیر کہنا برابر واقع ہوتا تو اس صورت میں مذہب اصح پر امام اور باقی مقتدیوں کی نماز ہوجاتی یعنی واجب اُتر جاتا اگرچہ اس کراہتِ تحریم کے باعث اعادہ واجب ہوتا اب کہ وہ ان مقتدیوں کے بتانے سے پلٹا اور یہ نماز سے خارج تھے تو خود اُس کی بھی نماز جاتی رہی اور اُس کے سبب سب کی گئی لانہ امتثل امرھم اوتذکر بتکبیرھم فعاد برأی نفسہ فقد تعلم ممن ھو خارج الصلوۃ کما افادہ فی البحر (کیونکہ اس نے ان کی بات مانی یا اسے ان کی تکبیر سے یاد دہانی ہُوئی اور وُہ اپنی رائے سے لوٹا تو اب اس نے نماز سے خارج آدمی سے سیکھا یا جانا ہے، جیسا کہ بحر میں اس کا افادہ کیا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴۸: از شہر کہنہ ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

ترک آرد قعدۂ اولٰی لیکن با ستادن نزدیک تر شد آنگاہ

اگر پہلا قعدہ ترک کرکے تیسری رکعت کے لئے نمازی

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۵۱

[2] ″ ″ ″ ۱/ ۵۵۰

نشست باز باقی نماز گزارد دریں حال نمازِ او جائز است یا نے؟ بینوا توجروا

سیدھا کھڑا ہوگیا پھر واپس لوٹا اور باقی نماز ادا کی اس کی نماز ہُوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ہرکہ در فرض یا وتر قعدۂ اولٰی فراموش کردہ استادہ تا بتمامہ استادہ نشود بسوئے قعود رجوعش باید پس اگر ہنوز بقعود اقرب بود سجدۂ سہو نیست واگر بقیام نزدیک تر شدہ باشد سجدہ سہو لازم آید تا نیم زیریں از بدن انسان راست نشدہ است بہ نشستن نزدیک ست وچوں ایں نصف راست شد وپشت ہنوز خمیدہ است بہ استادن قریب ست اگر بتمامہ راست استاد آنگاہ نشستن روا نیست اگر بقعدہ اولٰی باز میگردد گناہگار شود اما راجح آنست کہ نماز دریں صورت ہم از دست نرود سجدہ سہو واجب شود فی الدر المختار سها عن القعود الاول من الفرض ولو عمليا ثم تذكره عاد اليه ولا سهو عليه فى الاصح مالم يستقم قائما فى ظاهر المذهب وهو الاصح فتح، وان استقام قائما لايعود فلو عاد لاتفسد لكنه يكون مسيئا ويسجد لتأخير الواجب وهو الاشبه كما حققه الكمال وهو الحق بحر[1] اھ مختصرا وفى ردالمحتار قوله ولا سهو عليه فى الاصح يعنى اذا عاد قبل ان يستتم قائما وكان

جو شخص فرض یا وتر میں پہلا قعدہ بھُول کر کھڑا ہونے لگے اگر وُہ سیدھا کھڑا نہیں ہوا تو واپس لوٹ آئے اب اگر وُہ قعود کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم نہ ہوگا اور اگر قیام کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم ہوگا، جب تک انسان کا نیچے والا حصہ سیدھا نہ ہو وہ بیٹھنے کے قریب ہوتا ہے اور اگر نیچے والا نصف حصہ سیدھا ہوجائے خواہ ابھی پشت ٹیڑھی ہو وہ کھڑا ہونے کے قریب ہوگا، اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو اب بیٹھنا جائز نہیں، اب اگر پہلے قعدے کی طرف لوٹ آتا ہے تو گنہگار ہوگا، اور راجح یہ ہے کہ اس کی نماز ختم نہ ہوگی اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ درمختار میں ہے اگر فرض (اگرچہ عملی ہوں) کے پہلے قعدے کو بھُول گیا پھر اُسے یاد آیا اور لوٹ آیا تو اب اصح قول کے مطابق اس پر سجدۂ سہو نہیں بشرطیکہ وُہ سیدھا کھڑا نہ ہُوا یہی ظاہر مذہب ہے اور یہی اصح ہے فتح۔ اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو نہ لَوٹے اگر لوٹ آیا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن گناہگار ہوگا اور تاخیرِ واجب کی وجہ سے سجدہ کرے اور یہی مختار ہے جیسا کہ اس کی تحقیق کمال نے کی ہے اور یہی حق ہے بحر اھ مختصرا۔ ردالمحتار میں ہے قولہ اصح

---

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مجتبائی دہلی ١/ ١٠٢

الی القعود اقرب فانہ لاسجود علیہ فی الاصح وعلیہ الاکثر[1]۔ و اﷲ تعالٰی اعلم۔

قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو نہیں یعنی جب کہ وہ بیٹھا کھڑے ہونے سے پہلے لوٹا حالانکہ وہ قعود کے قریب تھا تو اب اس پر اصح قول کے مطابق سجدہ نہیں اور اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے۔ (ت)

واﷲ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۵۰

باب سجود التلاوۃ

(سجدۂ تلاوت کا بیان)

مسئلہ ۱۲۴۹: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ جناب سید محمد ابراہیم صاحب ہشتم ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر کتبِ نظم ونثر میں آیاتِ سجدہ لکھی ہوتی ہیں اُن کا کیا حکم ہے آیا سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں؛ جیسے منقبت میں جناب مولوی عبدالقادر صاحب خصصہم اللہ بالمواہب کا شعر ہے:

راہِ حق میں کردیا سجدہ میں قرباں اپنا سر
ایسی واسجد واقترب کی کس نے کی تفسیر ہے

بینوا توجروا۔

الجواب

وجوبِ سجدۂ تلاوت، تلاوتِ کلماتِ معیّنہ قرآن مجید سے منوط ہے۔ وہ کلمات جب تلاوت کئے جائیں گے سجدہ تالی وسامع پر واجب ہوگا۔ کسی نظم یا نثر کے ضمن میں آنے سے غایت یہ ہے کہ اوّل وآخر کچھ غیر عبارت مذکور ہوئی جسے ایجابِ سجدہ میں دخل نہ تھا، نہ یہ کہ حکم سجدہ کی رافع ومزیل ہو اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا جس طرح حرف اسی قدر کلمات تلاوت کریں اور اول وآخر کچھ نہ کہیں سجدۂ سہو واجب ہوگا، ایسے ہی یہاں بھی کہ جس عبارت کا عدم و وجود یکساں ہے وُہ نظر سے ساقط اور حکمِ سکوت میں ہے وھذا ظاھر جدا (اور یہ نہایت واضح ہے۔ ت) ہاں قابلِ غور یہ بات ہے کہ سجدۂ تلاوت کس قدر قراءت سے ہوتا ہے اصل مذہب وظاہر الروایہ میں ہے کہ ساری آیت بتمامہا اس کا سبب ہے یہاں تک کہ اگر ایک حرف باقی رہ جائے گا سجدہ نہ آئے گا مثلاً اگر حج میں الم تران اللہ سے ان اللہ

یفعل ما تک پڑھ گیا سجدہ نہ ہوا جب تک یشاء بھی نہ پڑھے، اور یہی مذہب آثار صحابۂ عظام و تابعین کرام سے مستفاد اور ایسا ہی امام مالک و امام شافعی وغیرہما ائمہ کا ارشاد بلکہ ائمہ متقدمین سے اس بارے میں اصلاً خلاف معلوم نہیں کتب اصحاب سے متون کہ نقل مذہب کے لئے موضوع ہیں قاطبۃً اسی طرف گئے اور دلائل وکلمات عامۂ شروح کہ تحقیق وتنقیح کی متکفل ہیں اسی پر مبنی ومتبنی ہوئے اور اکابر اصحاب فتاوٰی بھی اُن کے ساتھ ہیں وقایہ[1] ونقایہ وملتقی الابحر میں ہے: تجب علی من تلا اٰیۃ[1] (سجدہ آیت کی تلاوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ت) کنز[2] ووافی میں ہے: تجب باربع عشر اٰیۃ[2] (سجدۂ تلاوت چودہ آیات کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ ت) تنویر[3] میں ہے: تجب بسبب تلاوۃ اٰیۃ[3] (سجدہ آیت کی تلاوت کی وجہ سے واجب ہوجاتا ہے۔ ت) غنیہ[4] میں ہے:

اذا قرأ اٰیۃ السجدۃ یجب علیہ ان یسجد[4] اھ ملخصا

جب کسی نے آیتِ سجدہ پڑھی تو اس پر سجدہ کرنا لازم ہے اھ ملخصا (ت)

خانیہ[5] میں ہے:

سجدۃ التلاوۃ تجب علی من تجب علیہ الصلوٰۃ اذا قرأ اٰیۃ السجدۃ او سمعھا[5]۔

سجدۂ تلاوت اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس پر نماز جبکہ اس نے آیت سجدہ پڑھی یا سُنی۔ ت)

برجندی[6] شرح نقایہ فتاوٰی ظہیریہ امام ظہیر الملۃ والدین مرغینانی سے ہے:

المراد بالاٰیۃ اٰیۃ تامۃ حتی لو قرأ اٰیۃ السجدۃ کلھا الا الحرف الذی فی اٰخرھا لا یسجد[6] الخ

آیت سے مراد پوری آیت ہے حتی کہ کسی نے آیت پڑھی مگر اس کا آخری حرف نہ پڑھا تو سجدہ لازم نہیں الخ (ت)

ہدایہ[11] میں ہے:

موضع السجدۃ فی حٰم السجدۃ عند قولہ تعالٰی لا یسأمون فی قول عمر رضی اللہ تعالٰی

حٰم السجدۃ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فرمان کے مطابق لا یسأمون پر سجدہ ہے، احتیاط کی

---

[1] شرح الوقایۃ	باب سجود التلاوۃ	مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی	۱/ ۲۲۹
[2] کنز الدقائق	"	" ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۱/ ۴۵
[3] درمختار	"	" مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۱۰۴
[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی	"	" سہیل اکیڈمی لاہور	ص ۴۹۸
[5] فتاوٰی قاضی خاں	فصل فی قرأۃ القرآن خطأً	" نولکشور لکھنؤ	۱/ ۷۵
[6] شرح نقایہ برجندی	فصل فی سجدۃ التلاوۃ	"	۱/ ۱۵۵

عنہ وھو الماخوذ للاحتیاط۔[1]

بناء پر اسی پر عمل ہے۔(ت)

فتح القدیر[2] میں ہے :

وجہہ انہ ان کان السجود عند تعبدون لا یضرہ التاخیر الی الاٰیۃ بعدہ وان کان عند لایسأمون ۰ لم یکن السجود قبل مجزئا۔[2]

اس کی وجہ یہ ہے اگر سجدہ تعبدون پر لازم ہوجاتا ہے تو اس کے بعد آیت اسے نقصان دہ نہیں اور اگر سجدہ لایسأمون پر ہو تو اب پہلے ہونے کی وجہ سے کافی نہ ہوگا۔(ت)

کافی[3] میں ہے :

موضع السجدۃ فی حم عند قولہ لایسأمون ۰ وھو مذھب ابن عباس و قال الشافعی عند قولہ ان کنتم ایاہ تعبدون ۰ وھو مذھب علی رضی اللہ تعالٰی عنھم لان الامر بالسجود فیھا والاحتیاط فیما قلنا لیخرج عن الواجب بیقین فانھا ان کانت عند الاٰیۃ الثانیۃ والسجود قبلھا غیر جائز فلو سجد عند تعبدون ۰ لا یخرج عن العھدۃ الخ[3]

سورہ حم میں سجدہ لایسأمون کے الفاظ پر ہے اور یہ حضرت ابن عباس کا مذہب ہے، امام شافعی کے مطابق سجدہ ان کنتم ایاہ تعبدون کے الفاظ پر ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے کیونکہ سجدہ کا حکم اسی میں ہے، اور احتیاط ہمارے قول میں ہے تاکہ مکلّف سے واجب کی ادائیگی بالیقین ہوجائے کیونکہ اگر سجدہ دوسری آیت پر ہے تو اس سے پہلے سجدہ جائز نہیں لہذا اگر سجدہ تعبدون پر کیا تو مکلف اپنی ذمہ داری سے عُہدہ برآنہ ہوگا الخ(ت)

ردالمحتار[4] میں امداد الفتاح[5] اس میں بحرالرائق[6] اس میں بدائع[7] سے ہے :

رجحنا الاول للاحتیاط عند اختلاف مذاھب الصحابۃ لانھا لو وجبت عند تعبدون ۰ فالتاخیر الی لایسأمون ۰ لا یضر بخلاف العکس

ہم نے صحابہ میں اختلاف کی وجہ سے احتیاطاً پہلے کو ترجیح دی ہے کیونکہ اگر سجدہ تعبدون پر لازم ہو تو لاسیأمون تک تاخیر نقصان دہ نہیں اور اس کے عکس میں نقصان ہے کیونکہ ایسی صورت میں وجوب

---

[1] الہدایہ فصل فی سجدۃ التلاوۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۳

[2] فتح القدیر " " " " " نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۶۵

[3] کافی شرح وافی

لانها تکون قبل وجود سبب الوجوب[۱] الخ — سبب سے پہلے ہوگا الخ (ت)

اسی طرح شرح[۱۸] وقایہ و مجمع[۱۹] الانہر و مستخلص[۲۰] وغیرہا میں ہے:

فقد نصوا علی ان سبب الوجوب الاٰیۃ بتمامھا حتی جعلوا التقدیم علیھا کتقدیم الصلٰوۃ علی وقتھا۔ — فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وجوبِ سجدہ کا سبب پوری آیت ہوتی ہے حتی کہ پوری آیت سے پہلے سجدہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے نماز وقت سے پہلے ادا کرلی ہو۔ (ت)

حلیہ[۲۱] میں ہے:

سجدۃ التلاوۃ واجبۃ فی الاعراف عقب اٰخرھا وفی الرعد عقب قولہ وظلالھم بالغدو والاٰصال ○ وفی النحل عقب قولہ ویفعلون مایؤمرون ○ وفی بنی اسرائیل عقب قولہ ویزیدھم خشوعا ○ وفی مریم عقب قولہ خروا سجدا وبکیا ○ وفی الحج عقب قولہ ان اللہ یفعل مایشاء ○ وفی الفرقان عقب قولہ وزادھم نفورا ○ وفی النمل عقب قولہ ویعلم ما تخفون وما تعلنون ○ وھو معزو الی اکثر الفقہاء وقال مالك عند قولہ رب العرش العظیم و ذکر النووی انہ الصواب وانہ مذھب الشافعی کما صرحت بہ اصحابہ وفی الٓمٓ السجدۃ عقب قولہ وھم لایستکبرون ○ وفی ص عقب قولہ واناب ○ وفی قول عند المالکیۃ وھو روایۃ عن مالك عقب

سجدۂ تلاوت اعراف میں آخری آیت کے بعد ہے رعد میں ظلالھم بالغدو والاٰصال کے بعد ہے، نحل میں ویفعلون مایؤمرون پر، بنی اسرائیل میں ویزیدھم خشوعا پر، مریم میں خروا سجدا وبکیا پر، حج میں ان اللہ یفعل مایشاء پر، فرقان میں وزادھم نفورا کے بعد، نمل میں ویعلم ما تخفون وما تعلنون پر۔ اور یہ اکثر فقہاء کی طرف منسوب ہے امام مالک رب العرش العظیم پر سجدہ کے قائل ہیں امام نووی نے کہا یہی صواب اور مذہب شافعی ہے جیسا کہ ان کے اصحاب نے تصریح کی ہے۔ الٓمٓ السجدۃ میں وھم لایستکبرون پر، ص میں واناب کے بعد، اور مالکیہ کے نزدیک مآب کے بعد، اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے

---

[۱] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۵

ما ب ۵ وفی حم السجدة عقب قوله ولا یسأمون ۵ ومشهور مذهب مالک عقب تعبدون ۵ وفی النجم عقب اٰخرها وفی الانشقاق عقب قوله لا یسجدون ۵ ومشهور مذهب مالک عقب اٰخرها وفی العلق عقب اٰخرها ثم لم یحك عن احد ممن قال بالسجود فی ھذه المواضع الاربعة عشر خلاف فی شیئ من محالها المذکورة فیما عدا المواضع الاربعة التی بینت الخلاف فیها نعم فی الذخیرة ذکر فی الرقیات الخ وذکر ههنا روایة غریبة عن الامام محمد رحمه الله تعالٰی اھ[1] ملتقطا

حم السجدۃ میں ولا یسأمون کے بعد، اور مذہب مالک میں مشہور تعبدون کے بعد ہے۔ النجم میں آخری آیت کے بعد، انشقاق میں لا یسجدون کے بعد، اور مذہب مالک مشہور اس کی آخری آیت پر، علق میں آخری آیت کے بعد لازم ہے، ان چودہ مقامات میں کوئی اختلاف مروی نہیں ماسوائے ان چار مقامات کے جن میں اختلاف ذکر کر دیا گیا ہے۔ ہاں ذخیرہ میں ہے کہ الرقیات میں ہے الخ اور وہاں امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت غریبہ ذکر کی گئی ہے اھ ملتقطاً (ت)

اقول فانظر الی قوله واجبة عقب کذا وعقب کذا فان عقب ظرف للوجوب فلا وجوب قبل تمام الاٰیة وانظر ما ذکر من اقوال المالکیة والشافعیة تستفید بها انهم ایضا معنا فی ذلك ثم انظر الی قوله لم یحك عن احد الخ تشعر به ان لاخلاف فیه لائمة السلف اللهم الا روایة نادرة عن امامنا الثالث رحمه الله تعالٰی۔

اقول آپ نے انکے الفاظ فلاں لفظ کے بعد، فلاں کے بعد واجب ہے، ملاحظہ کئے، لفظ عقب وجوب کے لئے جگہ کا بیان ہے پس تمام آیت سے پہلے سجدہ کا وجوب نہ ہوگا، مالکیہ اور شوافع جو اقوال ذکر کرتے ہیں انھیں دیکھیں ان سے مستفاد کہ اس معاملہ میں ہمارے ساتھ ہیں پھر یہ الفاظ دیکھو کہ کسی سے اختلاف مروی نہیں الخ جس سے واضح ہو رہا ہے کہ ائمہ سلف کو اس میں کوئی اختلاف نہیں مگر وہ روایت جو ہمارے تیسرے امام رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے۔ (ت)

اسی طرح شرح معانی الآثار امام طحاوی میں تصریح فرمائی کہ اواخر آیات موضع سجود ہے اور حم السجدہ میں اختلافِ محل یوں نقل کیا:

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

قال بعضهم موضعه تعبدون ٥ وقال بعضهم موضعه لا يسأمون ٥ وكان ابوحنيفة و ابويوسف ومحمد يذهبون الى المذهب الاخير واختلف المتقدمون فى ذلك[1] ـ ثم اسند عن ابن عباس و ابى وائل وابن سيرين و مجاهد وقتادة مثل مذهب اصحابنا وعن ابن مسعود وابن عمر مثل مذهب المالكية واسند عن مجاهد قال سألت ابن عباس عن السجدة التى فى حم قال اسجد باٰخر الاٰيتين[2] اھ ـ

قلت والباء للسببية ثم اخرج عنه بطريق اخر قال سجد رجل فى الاٰية الاولى من حم فقال ابن عباس عجل هذا بالسجود[3] ـ

پھر فرمایا :

فكانت هذه السجدة التى فى حم مما قد اتفق عليه واختلف فى موضعها وما ذكرنا قبل هذا من السجود فى السور الاخر فقد اتفقوا عليها وعلى مواضعها التى ذكرناها[4] الخ

بعض نے فرمایا کہ سجدہ کا مقام تعبدون ہے، بعض نے فرمایا لایسأمون ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد تینوں آخری کی طرف گئے ہیں، متقدمین نے اس میں اختلاف کیا ہے پھر انھوں نے سنداً بتایا کہ ابن عباس، ابووائل، ابن سیرین، مجاہد اور قتادہ کا مذہب ہمارے اصحاب کی طرح ہے، ابن مسعود اور ابن عمر کا مسلک مالکیہ والا ہے، اور مجاہد سے سنداً بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حم میں سجدہ کے بارے میں پُوچھا تو انھوں نے فرمایا دونوں آیات کے آخر میں سجدہ کرو اھ ۔

قلت (میں کہتا ہُوں کہ) باء سببیہ ہے پھر دوسری سند سے ابن عباس سے روایت کیا ایک آدمی نے حم کی پہلی آیت پر سجدہ کیا اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا : سجدہ میں جلدی کر دی ۔(ت)

حم کے سجدہ پر اتفاق ہے لیکن اس کے مقام میں اختلاف ہے اور جو اس سے پہلے سورتوں کے آخر میں سجدوں کا ذکر آیا ان پر اور ان کے مذکورہ مقامات پر اتفاق ہے الخ (ت)

امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں :

لو سجد قبل تمام الاٰية ولو بحرف لم يصح — اگر کسی نے تمام آیت سے ایک حرف بھی پہلے سجدہ کیا

---

[1] و [2] و [3] شرح معانی الآثار باب سجود التلاوۃ فی المفصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۷

[4] شرح معانی الآثار " " " " " " ۱/۲۴۷

لان وقتها انما یدخل بتمامها[1] تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس کا وقت تمام آیت پر شروع ہوتا ہے (ت)

اس مذہب جلیل الشان مشید الارکان پر شعر مذکور کے پڑھنے سننے سے سجدہ نہیں آسکتا کہ اس میں آیتِ سجدہ بتمامہا نہیں، اسی طرح ہر وہ نظم جس میں پُوری آیتِ سجدہ نہ ہو، اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ قرارت وسماعت نظم مطلقاً موجبِ سجدہ نہیں کہ آیات چاردہ گانہ[عہ] سے کوئی آیت وزن عروضی کی مساعدت نہیں فرماتی جسے نظم میں لانا چاہیں گے یا پُوری نہ آئے گی یا ترتیبِ کلمات بدل جائے گی بہرحال آیت بحالہا باقی نہ رہے گی،

اللھم الا اٰیتی النجم والعلق فلعل الوزن یسعھما فی بعض الشطور النادرۃ او الزحافات البعیدۃ او الابنیۃ الغریبۃ ولو بضم بعض الکلمات فی الاول او الاخر فلیعمل الفکر۔

ہاں، صرف سورہ نجم اور علق کی دو آیتوں میں وزنِ شعری کی گنجائش شاید بعض نادر وجوہ اور بعید تبدیلیوں اور اجنبی وزنوں میں وہ بھی اول یا آخر میں بعض کلمات ملانے کی وجہ سے پیدا ہوجائے، لہذا غور وفکر کو عمل میں لانا چاہئے۔ (ت)

ہاں بعض علمائے متاخرین کا یہ مذہب ہے کہ آیت سجدہ سے صرف دو کلمے پڑھنا موجبِ سجدہ ہے جن میں ایک وُہ لفظ جس میں ذکرِ سجود ہے جیسے آیت سوال میں لفظ واسجد اور دوسرا اُس کے قبل یا بعد کا، جیسے اُس میں واقترب ۵ یہ مذہب اگرچہ ظاہر الروایہ بلکہ روایاتِ نوادر سے بھی جُدا، اور مسلک ائمہ سلف وتصریح وتلویح متون شروح کے بالکل خلاف ہے مگر سراج وہاج وجوہرہ نیرہ ومراقی الفلاح میں اس کی تصحیح واقع ہُوئی، شرح نورالایضاح میں ہے :

قراءۃ حرف السجدۃ مع کلمۃ قبلہ او بعدہ من اٰیتھا توجب السجود کالایۃ المقروءۃ بتمامھا فی الصحیح[2]۔

صحیح قول کے مطابق اگر آیتِ سجدہ میں صرف آیۃ سجدہ کو اس کے ماقبل یا مابعد کلمہ کے ساتھ پڑھ لیا تو سجدہ لازم ہوجائے گا جیسے کہ تمام آیت کی تلاوت سے لازم ہوتا ہے۔ (ت)

علامہ طحطاوی اُس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں :

فی الجوھرۃ الصحیح افادہ انہ اذا قرأ حرف السجدۃ وقبلہ کلمۃ وبعدہ کلمۃ

جوہرہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب حرفِ سجدہ پڑھا اور اس کے ساتھ اس سے پہلے یا بعد کا کلمہ بھی پڑھا

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری ابواب سجود القرآن دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۸۱

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۱

[عہ] سجدے والی چودہ آیتیں۔

وجب السجود والا فلا۔[1] | تو سجدہ سہو لازم ہوگا اور اگر پہلے یا بعد کا کلمہ نہ پڑھا تو سجدہ لازم نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی السراج وھل تجب السجدۃ بشرط قراءۃ جمیع الآیۃ ام بعضھا فیہ اختلاف والصحیح انہ اذا قرأ حرف السجدۃ وقبلہ کلمۃ او بعدہ کلمۃ وجب السجود والا فلا۔[2]

سراج میں ہے کہ کیا سجدہ لازم ہونے کے لئے تمام آیت کی تلاوت ضروری ہے یا بعض کی، اس میں اختلاف ہے، اور صحیح یہی ہے کہ جب کسی نے حرفِ سجدہ کو اس سے پہلے یا بعد کے کلمہ کے ساتھ ملا کر پڑھا تو سجدۂ سہو لازم ہوجائے گا ورنہ نہیں۔ (ت)

علامہ ابن امیر الحاج نے ائمہ متقدمین کا مذہب بیان فرما کر روایت نادرہ رقیات ذکر کی جس کی نسبت فرمایا:

ذکر فی تتمۃ الفتاوی الصغری ان الفقیہ اباجعفر ذکرہ فی غریب الروایۃ عن محمد۔[3]

فتاوٰی صغرٰی کے تتمہ میں ہے کہ فقیہ ابوجعفر نے امام محمد سے ایک غریب روایت کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (ت)

پھر فرمایا:

وقال الفقیہ ابوجعفر اذا قرأ حرف السجدۃ ومعھا غیرھا قبلھا او بعدھا امر بالسجود وسجد وان کان دون ذلک لا یسجد۔[4]

فقیہ ابوجعفر نے فرمایا اگر کسی نے حرفِ سجدہ کو پڑھا اور غیر یعنی ماقبل اور مابعد کو بھی پڑھا تو اسے سجدہ کا حکم دیا جائے گا اور وہ سجدہ کرے اور اس کے بغیر پڑھا تو سجدہ لازم نہ ہوگا۔ (ت)

اس سے ظاہر کہ یہ مذہب صرف فقیہ ابوجعفر ہندوانی کا ہے ائمہ سے نوادر میں بھی منقول نہیں۔ **اقول** رہیں تصحیحیں وُہ تعددِ کتب سے متکثر نہیں ہوتیں کہ جسے منصب اجتہاد فتوٰی نہیں اُس کا ھو الصحیح (یہی صحیح ہے۔ ت) کہنا نقل محض وتقلید مجرد ہے، پھر خادمِ فقہ جانتا ہے کہ اجماعِ متون کی شان عظیم ہے خصوصاً جبکہ

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۱
[2] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۵
[3] و [4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

جماہیر شراح وکبرائے اہلِ فتاوٰی بھی ان کے ساتھ ہوں یہاں تک کہ بعض صریح تصحیحوں کو اسی وجہ سے نہ مانا گیا کہ مخالف متون ہیں کما بیناہ فی کتاب النکاح من العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ علی الخصوص (جیسا کہ ہم نے اس کا تفصیلی بیان "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کے کتاب النکاح میں خصوصی طور پر کیا ہے۔ت) جبکہ وُہ مذہب ائمہ مذہب سے منقول بھی نہیں صرف بعض مشائخ کا مسلک ہے اور حکم اُس قبیل سے نہیں جو اختلاف زمانہ سے بدل جائے، ایسی حالت میں اس تصحیح پر تعویل و اعتماد ضروری ہونا بغایت حیز منع و انکار میں ہے، لاجرم محقق ابن عابدین شامی نے عبارت مذکورۂ سراج کے بعد حٰم السجدہ میں تعبدون ہ و لا یسأمون ہ کا اختلاف اور اُس میں ہمارے علماء کا استدلال مذکور عن الامداد عن البحر عن البدائع نقل کرکے فرمایا:

الظاهر ان هذا الاختلاف مبنی علی ان السبب تلاوة اٰیة تامة کما هو ظاهر اطلاق المتون وان المراد بالاٰیة مایشمل الاٰیة والاٰیتین اذا کانت الثانیة متعلقة بالاٰیة التی ذکر فیها حرف السجدة وهذا ینافی مامر عن السراج من تصحیح وجوب السجود بقراءة حرف السجدة مع کلمة قبله اوبعده، لایقال مافی السراج بیان لموضع اصل الوجوب ومامر عن الامداد بیان لموضع وجوب الاداء او بیان لموضع السنة فیه لانا نقول ان الاداء لایجب فور القراءة کما سیأتی، ومامر فی ترجیح مذهبنا من قولهم لانها تکون قبل وجود سبب الوجوب، وقد ذکر مثله ایضا فی الفتح وغیره یدل علی ان الخلاف بیننا وبین الشافعی فی موضع اصل الوجوب

ظاہر یہی ہے کہ اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ سجدہ کا سبب پُوری آیت کی تلاوت ہے جیسا کہ متون کے اطلاق سے ظاہر ہے اور آیت سے مراد وُہ حصّہ ہے جو ایک آیت یا دو آیات پر مشتمل ہو جبکہ دُوسری آیت اس سے پہلی سے متعلق ہو جس میں صرف سجدہ ہے لیکن یہ بات سراج کی اس سابقہ تصریح کے منافی ہے کہ صرف سجدہ کو پہلے یا بعد کے کلمہ کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے سجدہ لازم ہوجاتا ہے (جواباً) یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سراج میں اصل وجوب کے مقام کا بیان ہے اور امداد کے حوالے سے جو گزرا اس سے مراد وجوب ادا کے مقام یا اس میں سنت طریقے کا بیان متصور ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ ادا، قراءت پر فی الفور لازم نہیں ہوتی جیسا کہ عنقریب آرہا ہے، ہمارے مذہب کی ترجیح میں فقہا کا جو قول گزرا کہ اختتامِ آیت سے قبل سجدہ سببِ وجوب سے پہلے ہونا لازم آئے گا اور اسی کی مثل فتح وغیرہ میں جو مذکور ہے وُہ دلالت کرتا ہے کہ ہمارے اور شوافع کے درمیان اصل وجوب کے مقام میں اختلاف ہے۔

وانہ لایجب السجود فی سورۃ حم السجدۃ الاعند انتھاء الآیۃ الثانیۃ احتیاطا کما صرح بہ فی الھدایۃ وغیرھا، لان الوجوب لایکون الا بعد وجود سببہ فلو سجدھا بعد الاٰیۃ الاولی لایکفی لانہ یکون قبل سببہ وبہ ظھران ما فی السراج خلاف المذھب الذی مشی علیہ الشراح والمتون[1] انتھی اقول تاملناہ فوجدناہ حقا و اما قولکم الظاھران ھذا الاختلاف الخ فلیس ھذا المحل الظاھر بل ھو المتعین قطعا کما لایخفی ثم العجب من علامۃ الشرنبلالی حیث جزم فی متنہ بما صححہ السراج وعول فی شرحہ علی کلام البدائع مع تنافیھما صریحا وللعبد الضعیف غفر اللہ تعالٰی لہ فی تحقیق ھذا المرام رسالۃ مستقلۃ الفتہا بعد ورود ھذا السؤال و اوضحت فیھا المرام بتوفیق الملک المتعال۔

اور سورہ حٰم السجدہ میں وہ سجدہ احتیاط کے پیشِ نظر دوسری آیت کے اختتام پر لازم کرتے ہیں جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے کیونکہ وجوب اپنے سبب کے بعد ہوتا ہے، اگر کسی نے پہلی آیت کے بعد سجدہ کرلیا تو کافی نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس کے سبب سے پہلے ہوگا اور اس سے ظاہر ہوگیا کہ سراج میں جو کچھ ہے وہ اس مذہب کے خلاف ہے جس پر متون اور شروحات ہیں انتہی **اقول** ہم نے اس پر غور کیا تو اسے حق پایا، باقی رہا معاملہ تمہارے اس قول کا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ اختلاف الخ تو یہ محل ظاہر ہی نہیں بلکہ قطعی طور پر متعین ہے جیسا کہ واضح ہے، پھر علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے کہ انہوں نے متن میں اس پر جزم کیا ہے جسے سراج نے صحیح قرار دیا اور شرح میں کلامِ بدائع پر اعتماد کیا حالانکہ ان دونوں کے درمیان صراحۃً منافات ہے عبدِ ضعیف (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) نے اس سوال کے بعد اس مسئلہ کی تحقیق پر مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے مقصد کو واضح کیا ہے۔ (ت)

بالجملہ اصل مذہب معلوم ہے تاہم محل وُہ ہے کہ سجود میں ضرر نہیں اور بر تقدیر وجوب ترک معیوب اور صریح تصحیح جاذب قلوب، لہٰذا انسب یہی ہے کہ اسی مذہب مصحح پر کاربند ہوکر شعر مذکور کی سماعت و قرأت پر سجدہ کرلیں اسی طرح ہر نظم ونثر میں جہاں آیت سجدہ سے صرف سجدہ مع کلمہ مقارنہ پڑھا جائے سجدہ بجا لائیں،

واللہ الموفق واعلم ان فی المسألۃ ثلثۃ مذاھب اخراجھا ما فی الرقیات وھو الوجوب باکثر الآیۃ مع حرف السجدۃ

اور اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے، واضح رہے کہ مسئلہ میں تین اور (بھی) مذاہب ہیں ان میں سے اجل وُہ ہے جو رقیات میں ہے کہ اگر کسی نے صرف

---

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶۵

مشی علیہ ماتنون کالتبیین والخلاصۃ والدر المختار وغیرھا ولکن لم یذل بالتصحیح والباقیان انزل درجۃ فلا یعرج علی شیئ منھا فی مخالفۃ المتون وعامۃ الشروح وقد ذکرنا الکلام علی کل ذٰلک فی رسالتنا المذکورۃ بتوفیق اللہ سبحٰنہ وتعالٰی. واللہ تعالٰی اعلم۔

سجدہ اکثر آیت کے ساتھ پڑھ لیا تو اس پر سجدہ واجب ہوجائے گا اور اسی کو بعض ماتنین نے اختیار کیا مثلاً صاحبِ تبیین، خلاصہ اور درمختار وغیرہ، لیکن اس کی تصحیح نہیں کی اور بقیہ دو درجہ کے لحاظ سے اتنے نیچے ہیں کہ وُہ متون اور اکثر شروحات کے مقابل نہیں آسکتے، ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس پر اپنے مذکورہ رسالے میں تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵۰: از مارہرہ منورہ باغ پختہ مرسلہ جناب سید محمد ابراہیم صاحب ۱۵ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سجداتِ کلام اللہ شریف وقتِ تلاوت معاً ادا کرے یا جس وقت چاہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سجدہ صلوٰتیہ جس کا ادا کرنا نماز میں واجب ہو اس کا وجوب علی الفور ہے، یہاں تک کہ دو تین آیت سے زیادہ تاخیر گناہ ہے اور غیر صلوٰتیہ میں بھی افضل واسلم یہی ہے کہ فوراً ادا کرے جبکہ کوئی عذر نہ ہو کہ اُٹھا رکھنے میں بھول پڑتی ہے وفی التاخیر اٰفات (دیر کرنے میں آفات ہیں۔ ت) ولہذا علماء نے اس کی تاخیر کو مکروہِ تنزیہی فرمایا مگر ناجائز نہیں،

فی الدرالمختار ھی علی التراخی علی المختار ویکرہ تاخیرھا تنزیھا، ان لم تکن صلویۃ فعلی الفور لصیرورتھا جزء منھا فیاثم بتاخیرھا[1] اھ ملخصا

درمختار میں ہے مختار یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت فی الفور لازم نہیں ہوتا اور اس کا موخر کرنا مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ وُہ نماز میں لازم نہ ہوا ہو، اور اگر نماز میں لازم ہوا تو فی الفور لازم ہوگا کیونکہ اب وہ نماز کا حصّہ بن جائیگا اب اس کی تاخیر سے گناہ ہوگا اھ ملخصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

تفسیر الفور عدم طول المدۃ بین

فی الفور کی تفسیر یہ ہے کہ تلاوت اور سجدہ کے درمیان

---

[1] درمختار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۵

التلاوۃ والسجدۃ بقراءۃ اکثر من اٰیتین اوثلاث علی ماسیأتی حلیۃ[1] انتھی، واللہ تعالٰی اعلم

دو یا تین آیات کی قراءت کی مقدار کا فاصلہ نہ ہوجائے جیساکہ عنقریب آرہا ہے حلیہ انتہی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۵۱: از بریلی محلہ ملوکپور مسئولہ مولوی حکیم حافظ امیر اللہ صاحب مدرس اول عربیہ اکبریہ ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اقرأ پڑھے فرضوں میں، اور ضم دو سورتوں کا آیا نہیں، اور سجدہ سورت کے آخر میں ہے، اور امام ہے اگر رکوع میں نیت کرے تو مقتدی کا سجدۂ تلاوت ادا نہ ہوگا، آیا یُوں جائز ہوگا کہ سورت ختم کرکے سجدہ کرے؟ پھر کھڑا ہوکر رکوع کرے یا تین سجدے کرے؟ مطلع فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع اگر صورتِ مستفسرہ میں امام نے فوراً رکوع کیا اور رکوع میں نیتِ سجدۂ تلاوت کرلی تو اس کا سجدہ تو ادا ہوگیا مگر جن مقتدیوں نے نیت نہ کی اُن کا سجدہ ایک مذہبِ علماء پر ادا نہ ہوگا۔

اعنی عند من لایتجزئ للماموم بنیۃ الامام وھما قولان حکاھما القھستانی۔

میری مراد وہ علماء ہیں جو امام کی نیت کو مقتدی کے لئے کافی نہیں سمجھتے، اور یہ دو قول ہیں جنھیں قہستانی نے نقل کیا ہے (ت)

نہ وہ آپ جُداگانہ سجدہ کرسکیں گے للزوم خلاف الامام (کیونکہ اس میں امام کی مخالفت لازم آرہی ہے۔ت) نہ سجدۂ نماز انھیں سجدۂ تلاوت سے کافی ہوگا اگرچہ وہ اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت بھی کرلیں لانہ لما نواھا الامام فی رکوعہ تعین لھا افادہ ح[2] قالہ ش (کیونکہ جب امام نے اس کی ادائیگی کی رکوع میں نیت کی تو وہی اس کے لئے متعین ہوگیا اسے 'ح' نے بیان کیا اور 'ش' نے نقل کیا۔ت) بلکہ اس کی سبیل ہوگی کہ بعد سلامِ امام سجدۂ تلاوت کریں پھر یہ سجدہ رافع قعدہ ہوگا کما تقرر فی مقرہ (جیساکہ اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے۔ت) تو فرض ہوگا کہ قعدہ کا اعادہ کریں نہ کریں گے تو نماز جاتی رہے گی۔

فی الدرالمختار عن القنیۃ لو نواھا فی رکوعہ ولم ینوھا المؤتم لم تجزہ و

درمختار میں قنیہ سے ہے اگر امام نے سجدۂ تلاوت کی نیت رکوع میں کرلی اور مقتدی نے نیت نہیں کی تو

---

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۹
[2] " " " ۱/۵۷۱

یسجد اذا سلم الامام ویعید القعدۃ ولو ترکہا فسدت صلوتہ[1]۔

مقتدی کے لئے کافی نہ ہوگا، لہٰذا جب امام سلام کہے تو مقتدی سجدہ کرے اور قعدہ کو لوٹائے، اور اگر مقتدی نے سجدہ کو ترک کر دیا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (ت)

جب یہ دقتیں ہیں تو ایسی حالت خصوصاً اس زمانۂ جہالت میں رکوعِ نماز سے سجدۂ تلاوت ادا کرلینا مقتدیوں کو فتنے میں ڈالنا ہے لہٰذا امام کو اس سے بچنا چاہئے۔

فی رد المحتار ینبغی للامام ان لاینویہا فی الرکوع[2]۔

ردالمحتار میں ہے کہ امام کا رکوع میں سجدہ (تلاوت) کی نیت کرنا مناسب نہیں۔ (ت)

اور اگر یہ کرنا ہے کہ سورت ختم کرکے فوراً سجدۂ تلاوت کرے اور اس کے بعد کھڑا ہو کر معاً رکوع میں چلا جائے تو سجدہ تو سب کا ادا ہوجائے گا مگر یہ فعل مکروہ ہوگا کہ سجود تلاوت و رکوع میں فصل نہ کیا۔

فی مراقی الفلاح لو رکع بمجرد قیامہ منہا کرہ[3]۔

مراقی الفلاح میں ہے کہ اگر سجدۂ تلاوت کے بعد محض قیام کرکے رکوع کرلیا تو مکروہ ہوگا۔ (ت)

بس اگر تلاوت کے لئے سجدۂ مستقلہ ہی کرنا چاہے تو اس کا یہ طریقہ اسلم کہ سجدہ سے اُٹھ کر دوسری سورت مثلاً سورت مستفسرہ میں سورۂ قدر یا تلاوت والنجم میں سورۂ قمر کے اول سے دو تین آیتیں خواہ زیادہ پڑھ کر رکوع کرے اس میں اگرچہ ایک رکعت میں دو سورتوں سے پڑھنا ہوگا اور فرضوں میں اس کا ترک اولٰی، مگر سورتوں میں فصل نہ ہو تو مکروہ نہیں، شرح صغیر منیہ میں ہے:

لوجمع بین السورتین فی رکعۃ واحدۃ الاولی ان لایفعل فی الفرض ولو فعل لایکرہ الا ان یترك بینہما سورۃ او اکثر[4]۔

اگر دو سورتیں ایک رکعت میں جمع کرلیں اور بہتر یہ ہے کہ فرائض میں ایسا نہ کیا جائے اور اگر ایسا کر بھی لیا تو کراہت نہیں مگر اس صورت میں جب ان کے درمیان ایک سُورۃ یا اکثر سُوَر ہوں۔ (ت)

---

[1] درمختار | باب سجود التلاوۃ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۵

[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷۱

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی | باب سجود التلاوۃ | مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۴

[4] صغیری شرح منیۃ المصلی | تتمات فیما یکرہ فعلہ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۵۶

بخلاف بعد سجود تلاوت بلافصل رکوع میں جانے کے کہ یہ مکروہ ہے کما قدمنا (جیسا کہ پیچھے ہم نے بیان کردیا۔ ت) تو اس کے دفع کو اُسے گوارا کیا جائے گا، مراقی الفلاح میں ہے:

اذا کانت اٰخر تلاوتہ ینبغی ان یقرأ ولو اٰیتین من سورۃ اخری بعد قیامہ منہا حتی لایصیر بانیا للرکوع علی السجود[1]

جب یہ آخری تلاوت ہو تو سجدہ تلاوت سے قیام کے بعد قراءت مناسب ہے اگرچہ وہ کسی دوسری سورت کی آیات ہوں تاکہ رکوع کی سجدہ پر بنا رکھنے والا نہ ہوجائے۔ (ت)

ایک طریقہ تو یہ تھا اور ان سب سے بہتر و خوشتر اور ہر خدشہ سے سالم و محفوظ تر یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں تلاوت کے لئے مستقل سجدہ اصلاً نہ کرے بلکہ آیت سجدہ پڑھتے ہی معاً نماز کا رکوع بجالائے اور اس میں نیت سجدہ نہ کرے پھر قومہ کے بعد فوراً نماز کے سجدہ اولٰی میں جائے اور اس میں نیت سجدہ کرے اب نہ کوئی قباحت یا کراہت یا تفویت فضیلت لازم ہوئی نہ مقتدیوں پر کچھ دقت آئی اگرچہ انھوں نے کہیں نیت سجدہ تلاوت کی نہ کی ہو کہ سجدہ نماز جب فی الفور کیا جائے تو اس سے سجدہ تلاوت خودبخود ادا ہوجاتا ہے اگرچہ نیت نہ ہو۔

فی ردالمحتار لو رکع وسجد لہا ای للصلٰوۃ فورا ناب ای سجود المقتدی عن سجود التلاوۃ بلا نیۃ تبعا لسجود امامہ لما مر اٰنفا انہا تؤدی بسجود الصلٰوۃ فوراً وان لم ینو[2]

ردالمحتار میں ہے اگر امام نے نماز کا رکوع اور سجدہ فوراً کرلیا تو مقتدی کا سجدہ تلاوت بلانیت امام کی اتباع میں سجدہ کے ساتھ ادا ہوجائے گا جیسا کہ ابھی پیچھے گزرا کہ سجدہ تلاوت فوراً سجدہ نماز سے ادا ہوجاتا ہے اگرچہ نیت نہ کی ہو۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر کہ اس محمود و محفوظ صورت میں اگر خود امام بھی اصلاً نیت سجدہ تلاوت نہ کرے تاہم سب کا سجدہ ادا ہوجائے گا اور امام و مقتدی ہر دقت سے امان میں رہیں گے بلکہ ہمارے علماء بحالت کثرت جماعت یا اخفائے قراءت اسی طریقہ کو مطلقاً افضل ٹھہراتے ہیں کہ آیت سجدہ پڑھ کر فوراً نماز کے رکوع و سجود کرلے تاکہ تلاوت کے لئے جدا سجدے کی حاجت نہ پڑے جس کے باعث جہال کو اکثر التباس ہوجاتا ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

ینبغی ذٰلک للامام مع کثرۃ القوم او حال المخافتۃ حتی لایؤدی الی التخلیط[3]

لوگوں کی کثرت اور مخافتِ حال میں امام کے لئے یہی مناسب ہے تاکہ اختلاط کا سبب نہ بنے۔ (ت)

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۴

[2] ردالمحتار 〃 〃 〃 مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷۱

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی 〃 〃 〃 نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۴

علامہ طحطاوی اُس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں :

ای ولا یجعل لھا رکوعا و سجودا مستقلا خوف الفساد من غیرہ[1]۔

یعنی امام سجدۂ تلاوت کے لئے مستقل رکوع و سجود نہ کرے کیونکہ دُوسروں کی نماز میں فساد آئے گا۔ (ت)

میں کہتا ہُوں کثرتِ جماعت کی قید اس نظر سے ہے کہ جب ہجوم ہوگا تو عوام بھی ضرور ہوں گے، اب ہمارے زمانہ میں کہ عام لوگ عوام ہی عوام ہیں کثرت و قلت سب یکساں، تو سجود مستقل سے مطلقاً یہی صورت انسب و اولٰی، مگر یہ کہ امام جانتا ہو کہ اس وقت میرے پیچھے صرف وہی لوگ ہیں جو دینی مسائل کا علم رکھتے ہیں لیکن اس قدر ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ صورت اسی حالت میں بن پڑے گی کہ آیت سجدہ کے بعد رکوع و سجود نماز میں دیر نہ کی فوراً بجالایا ورنہ اگر آیتِ سجدہ پڑھ کر تین چار آیتیں اور پڑھ لیں تو اب سجدۂ تلاوت ہرگز بے خاص مستقل سجدے ہی کے ادا نہ ہوگا اور تاخیر کا گناہ ہُوا وہ علاوہ، درمختار میں ہے :

ان لم تکن صلویۃ فعلی الفور لصیرورتھا جزء منھا فیأثم بتاخیرھا[2]۔

نماز میں لازم آنے والا سجدہ اگر علیحدہ نہ کیا تو فی الفور رکوع و سجدہ کرے کیونکہ یہ سجدہ جزءِ نماز ہونے کی وجہ سے فی الفور واجب ہوتا ہے تاخیر کی وجہ سے آدمی گنہ گار ہوتا ہے (ت)۔

ردالمحتار میں ہے :

فلو انقطع الفور لابد لھا من سجود خاص بھا مادام فی حرمۃ الصلوۃ وعللہ فی البدائع بانھا صارت دینا والدین یقضی بمالہ لابما علیہ والرکوع والسجود علیہ فلایتأدی بہ الدین[3] اھ۔

اگر فی الفور نہ ہوا تو الگ سجدۂ تلاوت کرنا لازم ہوگا جب تک نمازی حرمتِ نماز میں ہے اور اس کی علّت بدائع میں یہ بیان ہوئی ہے کہ سجدۂ تلاوت قرض ہے اور قرض اس سے ادا ہوگا جو اس کا اپنا حق ہے، نہ کہ اس سے جو اس پر خود لازم ہے اور رکوع و سجود تو نمازی پر لازم ہیں لہذا ان سے دین کیسے ادا ہوسکتا ہے اھ (ت)

اُسی میں ہے :

ان فات الفور لایصح ان یرکع لھا ولو

اگر فی الفور نہ ہوسکا تو اب حرمت نماز میں رہتے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۴

[2] درمختار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۵

[3] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/۵۷۱

فی حرمۃ الصلوٰۃ بدائع ای فلا بد من سجود خاص بہا الخ۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

ہُوئے بھی اس کے لئے رکوع نہیں کیا جا سکتا بدائع، یعنی اب اس کے لئے الگ مستقل سجدہ کرنا ہوگا الخ
واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۲۵۲ مسئولہ نواب سلطان احمد خاں صاحب بریلی

(سوال منظوم)

عالمانِ شرع سے ہے اس طرح میرا سوال
دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوشخصال
گرکسی نے ترجمہ سجدہ آیت کی پڑھا
تب بھی سجدہ کرنا کیا اُس شخص پر واجب ہُوا
اور ہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے جسے
پھر ادا کرنے سے اُن سجدوں کے پہلے وہ مرے
پس سبکدوشی کی اُس کے شکل کیا ہوگی جناب!
چاہیئے ہے آپ کو دینا جواب باصواب

الجواب منظوم

ترجمہ بھی اصل یہاں ہے وجہِ سجدہ بالیقیں
فرق یہ ہے فہم معنی اس میں شرط اُس میں نہیں
آیتِ سجدہ سُنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا
اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اُس زباں کا جاننا بھی چاہیئے
نظم و معنی دو ہیں ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ من وجہٍ تو صادق ہو سُنا قرآن کو
ورنہ اک موجِ ہوا تھی چھُو گئی جو کان کو
ہے یہی مذہب بِہٖ یُفْتٰی عَلَیْہِ الْاِعْتِمَاد
شامی از فیض و نہر واللہُ اعلم بالرشاد
سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح کی
صیرفیہ میں اسی انکار کی تصحیح کی
کہتے ہیں واجب نہیں اُس پر وصیّت وقتِ موت
فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبرِ فوت
یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں
جز ادا یا توبہ وقتِ عجز کچھ چارہ نہیں
یہ نہیں معنی کہ جائز ہے یا بیکار ہے
آخر اک نیکی ہے نیکی ماحی اوزار ہے
قُلْتُہٗ اَخْذًا مِّنَ التَّعْلِیْلِ فِیْ اَمْرِ الصَّلٰوۃ
وَھُوَ بَحْثٌ ظَاھِرٌ وَّالْعِلْمُ حَقًّا لِلْاِلٰـہ

مسئلہ ۱۲۵۳ تا ۱۲۵۴ امانت علی شاہ قصبہ نواب گنج ضلع بریلی ۱۷ رمضان شریف ۱۳۳۱ھ

(۱) اگر بے وضو تلاوت میں لفظ سجدہ آجائے تو بعد کو سجدہ کس طرح کرے؟ کیا بعد کو سجدہ کی نیت کرنا ہوگی یا اور کسی طرح سے؟ بینوا توجروا

لہ ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۰

(۲) اگر باوضو مصلے پر تلاوت کرتا ہو اور کلام مجید سامنے رکھا ہو اُس وقت لفظ سجدہ آئے تو کلام مجید علیحدہ رکھ کر سجدہ کرنا چاہیے یا اور کسی طرح سے، اور اگر علیحدہ رکھا جائے تو بند کرکے یا کُھلا ہوا؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) بعد کو بھی سجدہ اُسی طرح کرنا ہوگا جیسا اُس وقت کیا جاتا، یہ نیت ہر وقت کرنی ہوتی ہے کہ تلاوت کے سبب جو سجدہ مجھ پر واجب ہُوا اُسے ادا کرتا ہُوں، یہ سمجھ کر اللہ اکبر کہتا ہوا کھڑے سے سجدہ میں جائے پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائے، اس کے سوا اور کوئی نیت زبان سے نہیں کہی جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اس کے لئے کوئی خاص حکم نہیں جو آسان ہو اور قرآن عظیم کے ادب کا لحاظ ضرور ہے اور سجدہ میں اس کا سامنے ہونا کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۵۵

۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر تراویح پڑھنے میں مقام سجدہ آگیا تو کیا امام سجدہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

تراویح خواہ کسی نماز میں اگر آیتِ سجدہ پڑھے تو فوراً سجدہ واجب ہے تین آیت سے زیادہ دیر لگانا گناہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب صلوٰۃ المسافر

(مسافر کی نماز کا بیان)

مسئلہ ۱۲۵۶ خلیل پور تحصیل گنور اسٹیشن ببرالہ لشکر سید محمد حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر مرسلہ عظیم اللہ خاں صاحب ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

بندہ نے بتقریب ملازمتِ انگریزی دورہ شروع کیا ہے، دو ماہ دورہ ہوگا، اور اصلی مقام سے ۴۲ کوس کے فاصلہ تک جانے کا ارادہ ہے لیکن اب تک ۳۰ کوس سے کم فاصلہ پر رہا اور ہمیشہ درمیان میں مقامِ اصلی کی واپسی کا ارادہ رہا اور واپس ہوتا رہا، اب اصلی مقام سے چل کر ریل کی سواری میں ۳۰ کوس سے زیادہ پر پہنچنے کا ارادہ ہے اور دورہ کے طور پر کہیں دو روز کہیں چار روز ٹھہرنا ہوگا ایسی حالت میں باعتبار مسافت سفر نماز میں قصر کرنا چاہئے یا اہل خبا کی طرح پوری نماز پڑھنا چاہئے، جناب دورہ وغیرہ کے حال سے واقف ہیں اگر سوال میں کچھ اجمال یا اطلاق رہا ہو تو اُس کو جواب میں رفع فرما دیں اور مفصل عام فہم جواب بواپسی ڈاک ارشاد ہو منزل دس کوس کی شمار ہوتی ہے یا بارہ کوس کی، اب تک جو پوری نماز پڑھی یہ صحیح کیا یا غلط؟ والسلام خیر ختام۔

الجواب

دورہ غالباً جس طور پر ہوتا ہے کہ آٹھ آٹھ دس دس کوس کی نیت سے چلتے اور ایک جگہ پہنچ کر پھر دوسرے کو روانہ ہوتے ہیں یہ حالت حالتِ سفر نہیں اگرچہ اس میں سو کوس کا فاصلہ ہو جائے، یونہی اگر اُس موضع بعید سے واپسی بھی اسی طریق دورہ ہو کہ یکے بعد دیگرے قریب قریب مقامات کے قصد سے چلتے ہوئے محلِ اقامت کے نزدیک آکر پلٹ آئیں تو اس رجوع میں بھی قصر نہیں، ہاں اگر جانے خواہ آنے کسی محل اقامت سے بالخصوص ایسی جگہ

کے عزم پر چلیں جو وہاں سے مدّتِ سفر پر ہو تو سفر متحقق اور قصر واجب ہوگا اسی طرح اگر دورہ کسی ایسے مقام پر ختم ہُوا جہاں سے محلِ اقامت تین منزل ہے اب بخطِ مستقیم وہاں کو پلٹے تو بھی وہاں سے یہاں تک حالتِ سفر ہے، فتح القدیر میں ہے :

الخلیفۃ ان کان انما قصد الطواف فی ولایتہ فالاظھر انہ حینئذ غیر مسافر حتی لایقصر الصلوٰۃ فی طوافہ کالسائح[1] اھ ملخصا ذکرہ فی باب الجمعۃ مسئلۃ تمصر منی فی الموسم۔

حاکمِ وقت اپنی مملکت میں دورہ کرنے کی نیت سے سفر کرے تو وہ مسافر نہ ہوگا حتی کہ وُہ سیاحت کرنے والے کی طرح نمازیں قصر نہیں کرسکتا اھ ملخصا ، اسے صاحبِ فتح القدیر نے باب الجمعہ مسئلہ "منیٰ موسمِ حج میں شہر بن جاتا ہے" کے تحت ذکر کیا ہے (ت)

اختیار شرح مختار و خزانۃ المفتین میں ہے :

الخلیفۃ اذا سافر یقصر الصلوٰۃ الا اذا طاف فی ولایتہ[2]۔

حاکم جب سفر کرے تو وہ قصر کرے گا مگر اس صورت میں جب وہ دورہ کر رہا ہو تو پھر قصر نہیں کرسکتا (ت)

فتاوٰی بزازیہ میں ہے :

خرج الامیر مع الجیش لطلب العدو لا یقصر وان طال سیرہ وکذا اذا خرج لقصد مصر دون مدۃ سفر ثم منہ الی اٰخر کذلک لعدم نیۃ السفر[3]۔

امیر لشکر کے ساتھ دشمن کی طلب کے لئے نکلا تو قصر نہ کرے اگرچہ اس کا سفر کتنا ہی طویل ہو اور اس طرح اس صورت میں بھی قصر نہیں، جب وہ مدتِ سفر سے کم شہر کے ارادے سے نکلا پھر وہاں سے دوسرے ایسے شہر کی طرف چلا جو مدتِ سفر سے کم مسافت تھا کیونکہ اس میں نیّتِ سفر نہ تھی۔ (ت)

اُسی میں ہے :

وفی الرجوع لو من مدۃ سفر قصروا[4]۔

اور رجوع کی صورت میں اگر مدّتِ سفر ہے تو نماز میں قصر کرلیں (ت)

---

[1] فتح القدیر باب صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر سندھ ۲/ ۲۶
[2] خزانۃ المفتین
[3] و [4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ الثانی والعشرون فی السفر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۲

ا **اقول** وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں ۔ ت) تحقیق مقام یہ ہے کہ تحقق سفر شرعی کے لئے نہ مجرد سیر بے قصد کافی نہ تنہا قصد بے سیر بلکہ دونوں کا اجتماع ضرور کما تفیدہ الاسفار قاطبۃ وبینہ فی خزانۃ المفتین وغیرھا (جیسا کہ اس پر عباراتِ کتب شاہد عادل ہیں اور اسے خزانۃ المفتین وغیرہ میں بیان کیا ہے ۔ ت) اور قصد سے مراد قصد فی الحال مستتبع فعل مقارن سیر ہے جسے عزم کہتے ہیں

کما یدل علیہ تعبیرھم جمیعا بلفظۃ الحال فیحد المسافر بمن جاوز عمران موطنہ قاصدا مسیرۃ ثلاثۃ ایام ۔

جیسے کہ تمام فقہاء کا لفظ حال سے تعبیر کرنا اس پر دال ہے لہذا مسافر کی تعریف یُوں کی گئی ہے ہر وہ شخص جو تین دن کے سفر کے ارادے سے اپنی آبادی سے نکل جائے۔ (ت)

نہ قصد فی الاستقبال کہ بالاجماع کافی نہیں

کمن خرج قاصدا قریۃ قریبۃ ومن نیتہ ان ینشئ بعدھا سفرا الی بلد بعید فانہ لایکون فی مسیرہ الیھا مسافرا قطعا ۔

مثلاً وہ شخص جو کسی قریبی قریہ کے ارادے سے نکلا اور اس کی نیت یہ تھی کہ اس قریہ کے بعد وہ کسی بعید شہر کا سفر کرے گا تو اب وہ اس نکلنے میں قطعاً مسافر نہ ہوگا۔ (ت)

اور نیت اپنی غایت مقصودہ بالذات پر پہنچ کر منتہی ہوجاتی ہے کہ غایت ماھی غایۃ لہ (غایت، جس کے لئے غایت بن رہی ہوتی ہے ۔ ت) سے متاخر فی الوجود ہے اور حرکت کے لئے بعد وجود بقا نہیں تو اُس کے بعد اگر دوسرے مقصود کی طرف نہضت ہو تو وہ سیر آخر و قصد آخر ہے اور قبل وصول منتہی نہیں ہوتی اگرچہ سکون ونزول متخلل ہو ، و لہذا اگر کسی منزل میں کوئی شخص ملے نازل کہے گا میں فلاں جگہ جاتا تھا کہ وہ ملا یا جاتے میں اُس سے ملاقات ہُوئی یا جاتے ہوئے راہ میں مل گیا تو وہ نہایات مختلفہ کا قصد مقارن اول توجہ جُزئی منتعدد بمبدء معین ومنتہائے معین ہیں کہ اُن کا تعین اُس کے تشخص کو لازم ہے ہرگز نہ ہوگا بلکہ صرف غایت اولٰی ہی کا قصد فی الحال اور ثانیہ کا ہو تو فی المال و الاستقبال اگرچہ باعث علی الخروج لحاظ امرین ہو اس سیر خاص میں کسی طرف توجہ اور چیز اور دل میں کہیں جانے کا خیال اور چیز ، ثانی قصد مستقبل کو بھی شامل جسے یوں تعبیر کریں گے کہ وہاں بھی جاؤں گا یا یہاں ہو کر وہاں جانا ہے اور اوّل خاص اسی کے لئے ہے جو اس سیر جزئی مخصوص کا منتہی ہے جس کے حصول پر یہ منتہی ہوجائے گی اس پر دلیل واضح مسئلہ آفاقی ہے جو بقصد حاضری مکہ معظمہ چلا بے احرام باندھے میقات سے تجاوز اسے حرام ہے ، اگر حلت چاہے تو علماء فرماتے ہیں حیلہ یہ ہے کہ بین الحرم والمیقات کسی مقام مثلاً جدہ وغیرہ کا قصد کرے کہ وہاں پہنچ کر اُس کے اہل سے ملتحق ہوجائے گا اور اب مکہ معظمہ کو جانا داخل میقات سے ہوگا نہ کہ گھر سے ، تو اب اس کی میقات نسک کے لئے ہے ، تنویر الابصار و درمختار میں ہے :

دخل اٰفاقی البستان ای مکانا من الحل

اگر غیر مکی کسی حاجت کی وجہ سے بستان (میقات کے

داخل المیقات لحاجۃ قصدھا ونیۃ مدۃ الاقامۃ لیست بشرط علی المذھب لہ دخول مکۃ غیر محرم ووقتہ البستان ولا شیئ علیہ لانہ التحق باھلہ وھذہ حیلۃ لاٰفاقی یرید دخول مکۃ بلا احرام۔[1]

اندر حل میں ایک جگہ ہے) میں قصداً داخل ہوا تو وہاں مذہب کے مطابق مدّتِ اقامت کی بھی نیت شرط نہیں، اب اس کے لئے بغیر احرام مکہ کا داخلہ جائز ہے اور اس کا میقات وہ بستان ہے، اور اس پر کوئی شیئ لازم نہ ہوگی کیونکہ وُہ وہاں کے اہل کے ساتھ ملا ہے اور یہ اس غیر مکی کے لئے حیلہ ہے جو بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو۔ (ت)

نیز اسی میں قبیل فصل احرام ہے :

لوقصد موضعا من الحل کخلیص وحدۃ حل لہ مجاوزتہ بلا احرام فاذا حل بہ التحق باھلہ فلہ دخول مکۃ بلا احرام وھو الحیلۃ لمرید ذلک الا المامور بالحج للمخالفۃ۔[2]

اگر حل میں کسی جگہ مثلاً خلیص کا ارادہ کیا تو اب بغیر احرام داخلہ جائز ہے اور وُہ جب وہاں پہنچ گیا تو وہاں اہل سے لاحق ہوگیا تو اب مکہ میں بغیر احرام داخلہ جائز ہوگا اور یہ حیلہ ہر اس شخص کے لئے جو مکہ کا ارادہ بغیر احرام کے کرے البتہ اگر حجِ فرض کا ارادہ ہو پھر جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں احکامِ شرع کی مخالفت لازم آئے گی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قصد موضعا من الحل ای قصدا اولیا کما اذا قصدہ لبیع او شراء وانہ اذا فرغ منہ یدخل مکۃ ثانیا۔[3]

"حل میں کسی مقام کا ارادہ کیا" یعنی قصد اولیٰ مثلاً خرید یا فروخت کا ارادہ کیا جب اس عمل سے فارغ ہوگیا تو اب مکہ میں قصد ثانی سے داخل ہوسکتا ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے :

لانہ لم یقصد اولا دخول مکۃ وانما قصد البستان، قالوا وھذہ حیلۃ الاٰفاقی اذا اراد ان یدخل مکۃ بغیر احرام

کیونکہ اس نے اوّلاً دخولِ مکہ کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا اس کا ارادہ تو بستان تھا، فقہاء نے کہا ہے کہ اس آفاقی کے لئے حیلہ ہے جو مکہ میں بغیر احرام داخل

۱؎ درمختار	باب الجنایات	مطبوعہ مجتبائی دہلی	۱/ ۱۸۰
۲؎ "	کتاب الحج	" " "	۱/ ۱۶۲
۳؎ ردالمحتار	"	" مصطفی البابی مصر	۲/ ۱۶۷

فینوی ان یدخل خلیصا مثلا فلہ مجاوزۃ رابغ الذی ھو میقات الشامی والمصری المحاذی للجحفۃ الخ۔[1]

ہونے کا ارادہ رکھتا ہو پس وُہ مثلاً خلیص میں داخل ہونے کی نیت کرے تو اس کے لئے بغیر احرام رابغ سے گزرنا جائز ہے جو شامی اور مصری لوگوں کا میقات اور جحفہ کے مقابل ہے الخ (ت)

اُسی میں قبیل باب الاحرام ہے:

الآفاقی اذا قصد موضعا من الحل کخلیص یجوز لہ ان یتجاوز المیقات غیر محرم وھی الحیلۃ لمن اراد ان یدخل مکۃ بغیر احرام وینبغی ان لا تجوز ھذہ الحیلۃ للمامور بالحج لانہ حینئذ لم یکن سفرہ للحج۔[2]

آفاقی جب حل میں خلیص وغیرہ کا ارادہ کرے تو اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز ہے، اور یہ ہر شخص کے لئے حیلہ ہے جو میقات سے مکہ بغیر احرام جانا چاہتا ہو لیکن یہ حیلہ اس شخص کے لئے جائز نہیں جس پر حج فرض ہے کیونکہ اب کا سفر حج نہ رہے گا۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

اذا اراد الآفاقی دخول مکۃ بغیر احرام من المیقات قصد مکانا اٰخر داخل المواقیت کبستان بنی عامر۔[3]

اگر کوئی غیر مکی بغیر احرام دخولِ مکہ چاہتا ہے تو وہ میقات کے اندر کسی اور جگہ کا ارادہ کرے مثلاً بنی عامر کے بستان۔ (ت)

ذخیرہ و ہندیہ میں ہے:

الحیلۃ للآفاقی اذا اراد دخول مکۃ من غیر احرام من المیقات ان لا یقصد دخول مکۃ وانما یقصد مکانا اٰخر وراء المیقات خارج الحرم نحو بستان بنی عامر ثم اذا وصل ذلک الموضع یدخل مکۃ بغیر احرام[4]۔ (ملخصاً)

اس آفاقی کے لئے جو دخولِ مکہ بغیر احرام کے چاہتا ہے، حیلہ یہ ہے کہ وُہ دخولِ مکہ کا ارادہ نہ کرے بلکہ میقات کے اندر کسی اور جگہ کا ارادہ کرے جو خارجِ حرم ہو مثلاً بنو عامر کے بستان، تو جب وہاں پہنچ جائے تو اب مکہ میں بغیر احرام داخل ہو جائے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق باب مجاوزۃ المیقات بغیر احرام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۴۹

[2] " کتاب الحج " " ۲/ ۳۱۸

[3] الاشباہ والنظائر الفن الخامس من الاشباہ والنظائر مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۹۳

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الحیل الفصل الخامس فی الحج " نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۹۳

مسلک متقسط میں ہے[1]:

ذکر الفقهاء فی حیلة دخول الحرم بغیر احرام ان یقصد بستان بنی عامر ثم یدخل مکة فالوجه فی الجملة ان یقصد البستان قصدا اولیا ولایضرہ قصدہ دخول الحرم بعدہ قصدا ضمنیا او عارضیا کما اذا قصد هندی جدة لبیع وشراء ولا یکون فی خاطرہ انه اذا فرغ منه ان یدخل مکة ثانیا بخلاف من جاء من الهند مثلا بقصد الحج اولا وانه یقصد دخول جدة تبعا ولو قصد بیعا وشراء اھ تلک النقول باختصار.

فقہا نے بغیر احرام، حرم میں داخل ہونے کے لئے یہ حیلہ بیان کیا ہے کہ وہ شخص بستانِ بنی عامر کا ارادہ کرے پھر وہاں سے مکہ میں داخل ہو جائے اور فی الجملہ وجہ یہ ہے کہ اس نے اوّلاً بستان کا ارادہ کیا تھا تو اس کے بعد حرم میں داخل ہونا ضمناً اور عارضی ہونے کی وجہ سے نقصان دہ نہیں ہوسکتا جیسے کہ ہندی شخص اوّلاً بیع وشرا کے لئے جدّہ کی نیت کرکے آیا ہے اور ذہن میں تھا کہ فارغ ہوکر ثانیاً مکہ چلا جائے گا بخلاف اس شخص کے جو ہندوستان سے اوّلاً حج کے ارادے سے آتا ہے اور وہ جدہ میں دخول کا ارادہ تبعاً رکھتا ہے اگرچہ وہ بیع وشرار کا ارادہ رکھتا ہو اھ اختصار کے ساتھ نقول ختم ہوگئیں۔ (ت)

ظاہر ہے کہ جب اس کی نیت حاضری مکہ معظمہ ہے تو جدّہ کا ارادہ کر لینے سے دل کا وہ خیال ہرگز منتفی نہ ہوا ولہذا علماء اسے بلفظ حیلہ تعبیر اور خود ارادہ دخول مکہ بغیر احرام سے تصویر فرماتے ہیں اگر قصد مکہ منتفی ہوجاتا تو ان عبارات کا اصلاً کوئی محل ومحمل نہ تھا، ہاں یہ ہُوا کہ قصد مکہ باعتبار مآل واستقبال رہا، قصدِ اوّل جدّہ کے لئے قرار پایا جیسا کہ بحرالرائق و ردالمحتار وشرح لباب سے گزرا، اسی بنا پر علمائے کرام نے مجاوزتِ میقات بلا احرام جائز فرمائی حالانکہ خیالِ مکہ یقیناً اول سے موجود ہے تو ثابت ہُوا کہ جب دو نہایاتِ مختلفہ مقصود بالذات ہوں تو قصد مقارن خاص حصّہ اولیٰ ہے اور ثانیہ کے لئے وہی مآل واستقبال کا خیال، جیسا کہ عبارتِ مولٰنا علی قاری ویکون فی خاطرہ انه اذا فرغ منه ان یدخل مکة ثانیا[2] (اس کے ذہن میں ہو کہ وہ فارغ ہوکر ثانیاً مکہ چلا جائے گا۔ت) نے روشن کردیا یہ قصد حقیقةً قصد بالفعل نہیں ولہذا اسی کو ذخیرہ وہندیہ میں باآنکہ شروع تصویر مسئلہ بلفظ ارادہ دخول مکة من غیر احرام (بغیر احرام دخولِ مکہ کا ارادہ رکھتا ہے۔ت) بلفظ ان لا یقصد دخول مکة

---

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری، فصل فی مجاوزة المیقات بغیر احرام، مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۶۰

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۶۱

(دخولِ مکہ کا ارادہ نہ کرے۔ت) تعبیر فرمایا۔

وبهذا التحقيق الشريف الفائض على قلب العبد الضعيف من فيض الفتاح العليم الخبير اللطيف ولله الحمد طاح وزاح ماكان يورد على هذا الاحتيال من الاشكال الذى اضطربت فيه الاقوال وكثر فيه القيل و القال واختلف فى حله افهام الرجال وكان اقرب من جنح الى ما جنحت اليه العلامة القارئ الجلى الافضال ولقد احسن اذا استشكل بتظافر العلما على ذكر هذه الحيلة كلام اللباب الموهم لاختصاص المسألة بمن حث له قصد مكة بعد دخول البستان ولم يكن فى خاطره دخول الحرم من قبل اصلا وعكس العلامة الفاضل الشامى فى رد المحتار ومنحة الخالق فاستشكل بظاهر اللباب ما تظافرت عليه كلمات الائمة اولى الالباب وبما وفقنا المولى سبحٰنه وتعالٰى ظهر ان لا صعوبة ولا اشكال وان لا مخالفة لنفى قصد الحرم مطلقا او قصدا اوليا او حصر القصد فى البستان مع الاحتيال لمن يريد الحرم بلا احرام والحمد لله على ابانة الصواب واصابة المرام۔

اس مبارک تحقیق (جو اس عبدِ ضعیف کے دل میں فتاح، علیم، خبیر اور لطیف ذاتِ اقدس نے فیض کے طور پر فرمائی) سے للہ الحمد اس حیلہ پر وارد ہونے والا وہ اعتراض رَد ہوگیا جس میں اقوال مضطرب اور کثرتِ قیل وقال تھی اور اس کے جواب میں لوگوں کے ذہن مختلف تھے اور جس کی طرف میرا ذہن گیا اس کے قریب تر علامہ علی قاری ہیں اور انھوں نے نہایت ہی احسن بات کی جب کثرت کے ساتھ حیلہ بیان کرنے والے علماء کے کلام سے یہ وہم ہوتا تھا کہ یہ مسئلہ فقط اس شخص کے لئے ہے جسے دخولِ بستان کے بعد دخولِ مکّہ کا شوق ہُوا اور اس سے پہلے دخولِ حرم کا قطعًا اس کے ذہن میں نہ تھا، علامہ شامی نے رد المحتار اور منحۃ الخالق میں اس کا عکس کیا تو اس پر ائمہ کی عبارات کے ظاہر کی وجہ سے اشکال پیدا ہوگیا، اللہ تعالٰی کی توفیق ومہربانی سے واضح ہوگیا کہ اس میں کوئی صعوبت اور اشکال نہیں اور کوئی مخالفت نہیں خواہ حرم کا قصد بالکل نہ ہو یا قصدِ اولٰی نہ ہو یا قصد بستان کا ہی ہو، اس کے لئے جو حیلہ کے ساتھ حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا چاہتا ہو صواب کے ظہور اور مقصد کے حصول پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے۔ (ت)

جب بتوفیق اللہ تعالٰی یہ مقدمات ممہد ہولئے حکمِ مسئلہ واضح ومنکشف ہوگیا آدمی اگر کسی مقام اقامت سے خاص ایسی جگہ کے قصد پر چلے جو وہاں سے تین منزل ہو تو اُس کے مسافر ہونے میں کلام نہیں اگرچہ راہ میں ضمنی طور پر اور مواضع میں بھی دو ایک روز ٹھہرنے کی نیت رکھے،

کما افادہ المولیٰ علی القاریؒ بقولہ بخلاف من جاء من الھند مثلاً بقصد الحج اولاً[1] الخ

جیسا کہ ملّا علی قاری نے اپنے ان الفاظ میں بیان کیا بخلاف اس شخص کے جو ہندوستان سے قصد اولیٰ کے ساتھ حج کے لئے آیا الخ (ت)

مگر غالباً دورہ کی یہ حالت نہیں ہوتی اس میں بالخصوص مقصود اصلی وہ موضع بعید ہی نہیں ہوتا نہ خاص اُس کے قصد پر چلتا بلکہ سب مواضع میں گشت کا ارادہ اور ہر موضع مقصود بالذات ہوتا ہے تو اگرچہ باعث سیر لحاظ جمیع ہے مگر ہر مقصود اپنی سیر خاص جزئی پر محدود موضع قریب کو جاتے ہوئے قصد مقارن اسی کے لئے ہے اور قصد بعید صرف بمعنی خیال و ارادہ مآل، تو جب کسی موضع سے دوسرے تک مسیرت سفر نہیں اصلاً کوئی سیر بقصد مسیرت سفر متحقق نہ ہوئی ہاں وُہ چند قصدوں سے چند سیریں ہیں جن کا مجموعہ مسیرت سفر سے زائد سہی آخر نہ دیکھا کہ علامہ بحر صاحب بحر رحمۃ اللہ تعالٰی نے مامور بالحج کے لئے دخول مکہ بغیر احرام میں اُس حیلہ کا جواز نہ مانا کہ جب وہ بایں قصد چلے گا کہ یہاں سے بستان بنی عامر جاتا ہُوں پھر وہاں سے مکہ معظمہ چلوں گا تو اُس کا یہ سفر حج کے لئے نہ ہوا، معلوم ہوا کہ مقصود سیر وہی مقصود اولیٰ ہوتا ہے وبس، ولہٰذا ذخیرہ و ہندیہ میں ان لا یقصد مکۃ (وہ مکہ کا ارادہ نہ کرے۔ ت) فرمایا تھا تو روشن ہوا کہ بالمآل مسیرت سفر کی دُوری پر جانے کا خیال سیر بقصد مسیرت سفر نہیں اور موجب سفر شرعی یہی تھی کہ متحقق نہ ہُوئی۔

وبہ تبین وللہ الحمد ان ما ذکر المولی الفاضل ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ بما نصہ قد یفھم من التمثیل بالخلیفۃ فی اول مسئلۃ التبع ان الخلیفۃ والسلطان کغیرہ فی انہ اذا نوی السفر یصیر مسافرا و یقصر، فقیل ھذا اذا لم یکن فی ولایتہ، اما اذا طاف فی ولایتہ فلا یقصر والاصح انہ لا فرق لما تقدم من فعل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والخلفاء الراشدین انھم قصروا حین سافروا من المدینۃ الی مکۃ وغیر ذٰلک، ومراد من قال

للہ الحمد اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ فاضل ابراہیم حلبی نے غُنیہ میں یہ جو کہا کہ مسئلہ تبع کی ابتداء میں خلیفہ کو مثال بنانے سے سمجھ آرہا ہے کہ اس معاملہ (کہ جب وہ سفر کی نیّت کرے تو وہ مسافر ہوجاتا ہے اور قصر کرسکتا ہے) میں خلیفہ اور سلطان دوسرے لوگوں کی طرح ہی ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب وُہ اپنی ولایت میں نہ ہو، اور اگر اپنی ولایت میں دورہ کر رہا ہو تو پھر قصر نہ کرے، اور اصح یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں کیونکہ پیچھے گزرا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم جب مدینہ سے مکہ وغیرہ کا سفر فرماتے تو نماز میں قصر کرتے۔ اور جس نے کہا "جب خلیفہ اپنی

---

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط فصل فی مجاوزۃ المیقات بغیر احرام مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۶۰

اذا طاف فی ولایتہ لا یقصر ھو ما صرح بہ
حافظ الدین البزازی فی فتاواہ انہ
اذا خرج لتفحص احوال الرعیۃ و قصد
الرجوع متی حصل مقصودہ و لم یقصد
مسیرۃ سفر حتی انہ فی الرجوع یقصر لو کان
من مدۃ سفر ولا اعتبار بمن علل بان
جمیع الولایۃ بمنزلۃ مصرہ لان ھذا
تعلیل فی مقابلۃ النص مع عدم الروایۃ
عن احد من الائمۃ الثلثۃ فلا یسمع[1]
اھ فمع ان ما ذکر من قصد الرجوع متی
حصل مقصودہ انما ذکرہ البزازی فی مسألۃ
اخری غیر التی نقلنا عنہا وھی ما قال
بعدھا وکذا الامام والخلیفۃ و
الامیر والکاشف لیفحص الرعیۃ و
قصد کل الرجوع متی حصل مقصودہ ولم
یقصد وامسیرۃ سفر قصر اتموا[2] - الخ
لا یخالف ما نحن نریدہ فی شیئ فانما مقصودہ
کما ھو صریح سوق کلامہ الرد علی
من زعم ان الخلیفۃ لا یصیر
مسافرا فی ولایتہ وان قصد
مسیرۃ سفر وھو امر بین البطلان
اما ما نحن فیہ فقد بینا انہ لا یصدق

ولایت میں دورہ کرے تو قصر نہ کرے" اس کی مراد وہی
ہے جس کی تصریح حافظ الدین البزازی نے اپنے فتاوٰی
میں کی کہ جب خلیفہ رعیّت کے احوال کی خبر کے لئے نکلے
اور حصولِ مقصود کے بعد واپس لوٹے لیکن اس نے سفر
کی نیت نہ کی کہ ــــــــ وہ رجوع میں قصر
کرسکتا تھا بشرطیکہ مدتِ سفر ہو اور اس شخص کا اعتبار
نہیں کیا جائیگا، جس نے علّت بیان کرتے ہوئے کہا
کہ تمام ولایت خلیفہ کے لئے اپنے شہر کی طرح ہے
کیونکہ یہ علّت نص کے مقابل ہے اور پھر ائمہ ثلثہ میں
سے کسی سے بھی یہ مروی نہیں ہے لہذا یہ بات قابلِ
سماعت نہیں اھ باوجودیکہ مذکورہ عبارت "خلیفہ نے
حصولِ مقصود کے بعد رجوع کا ارادہ کیا" کو بزازی نے
اس مسئلہ کے علاوہ کے تحت ذکر کیا ہے جسے ہم نے نقل
کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام، خلیفہ، امیر اور محتسب
دورہ کریں تاکہ لوگوں کے احوال کا علم ہو اور حصولِ مقصود
کے بعد رجوع کریں لیکن وہ سفرِ قصر کا ارادہ نہ کریں تو
وہ پوری نماز ادا کریں گے۔ یہ تمام اس کے منافی نہیں
جو ہم نے مراد لیا کیونکہ شیخ حلبی کا مقصود (جیسا کہ ان
کے سیاقِ کلام سے واضح ہے اس شخص کا رد ہے جس
نے کہا کہ خلیفہ اپنی ولایت میں مسافر نہیں ہوسکتا
خواہ وہ مسافتِ سفر کا ارادہ کرلے اور یہ امر واضح طور
پر باطل ہے باقی ہم نے جو کچھ بیان کیا اس پر مسافتِ سفر

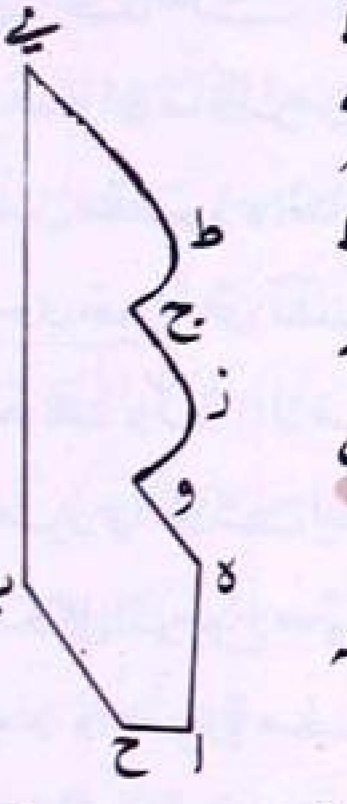
---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ المسافر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۴۱
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی باب الثانی والعشرون فی السفر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۷۲

فیه قصد مسیرۃ سفر فهذا امما لا یخالف فیه الحلبی ولا احد فلا غبار علی ما افادہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح والامام البزازی فی فتاوٰہ والعلامۃ ابن الساعاتی فی الاختیار والامام ابن السمعانی فی الخزانۃ وللّٰہ الحمد علی حسن الابانۃ ھکذا ینبغی التحقیق واللّٰہ تعالٰی ولی التوفیق۔

کا ارادہ کرنا صادق نہیں آتا اور اس میں حلبی اور کوئی شخص بھی اختلاف نہیں کرسکتا، پس محقق علی الاطلاق نے فتح، امام بزازی نے فتاوٰی، علامہ ابن ساعاتی نے اختیار اور امام ابن سمعانی نے خزانہ میں جو کہا اس پر اب کوئی غبار نہیں رہی۔ اس حسنِ وضاحت پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے، تحقیق اسی طرح ہونی چاہیے اور توفیق کا مالک اللہ تعالٰی ہے۔ (ت)

یہ تحقیق انیق کہ فقیر نے بتوفیق ربِ قدیر ذکر کی مطلقاً ہر صورت کو شامل ہے اگرچہ مقصودِ اصلی قریب، مقصودِ اصلی بعید کی راہ میں واقع ہو اور اگر اس کی راہ سے بالکل جدا ہو اور دورۂ رائجہ میں اکثر ایسا واقع ہوتا ہے مثلاً اس شکل میں ب محلِ اقامت ہے اور نقاط باقیہ مواضع مقصودہ، ان میں کوئی ایک دوسرے سے مسیرتِ سفر پر نہیں مگر ب سے دورہ کرنے والا جس وقت ب سے ج کی طرف چلا کوئی نہ کہے گا کہ اس وقت ی کی طرف متوجہ ہے، ی کو جاتا ہے، ی کے قصد پر چلا ہے، بلکہ بالیقین اس سیر میں ج مقصود ہے اگرچہ خیال یہ بھی ہے کہ ان نقطوں پر ہوتا ہوا ی کو بھی جاتا ہے تو کسی سیر میں قصد مقارن مسیرتِ سفر کا نہ پایا گیا۔



بالجملہ یہ دورے سفر نہیں ہوتے اگرچہ کتنے ہی دُور تک ہوں اب تک کہ نمازیں پوری پڑھیں بہت بجا کیا۔

تنبیہ یہاں سے سیاحین و واعظین کا حکم بھی واضح ہوگیا جنھیں کوئی مقام محل اقامت سے مدتِ سفر پر خاص مقصود بالذات نہیں بلکہ شہر بشہر قریہ بہ قریہ چند چند کوس کے فاصلوں پر گشت کرنا سیر دیکھنا یا ہر جگہ وعظ وغیرہ کے ذریعہ سے کمانا مقصود ہے تو جب تک کسی محل اقامت سے مسیرتِ سفر کا قصد اولٰی نہ ہو مسافر نہ ہوں گے اگرچہ سارے ملک میں پھر آئیں جس طرح سیاح کی نسبت خود فتح القدیر میں مصرحاً ارشاد ہوا یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور لوگ اس سے غافل، منزل ہمارے بلاد میں تقریباً بارہ کوس کی ہے یہی قول مفتی بہ کے قریب تر ہے جسے ظہیریہ و محیط برہانی ونہایہ وکفایہ شروح ہدایہ وخزانۃ المفتین وغیرہا میں علیه الفتوی (فتوٰی اسی پر ہے۔ ت) کہا کہ منزل اٹھارہ میل ہے اٹھارہ میل کے سوا گیارہ کوس ہوتے ہیں، یہ قول اصل مذہب ظاہر الروایہ کے خلاف نہیں بلکہ ان بلاد کے مناسب اسی کی تقدیر وشرح ہے کما نبه علیه العلامۃ اسمعیل مفتی دمشق الشام کما نقلہ فی منحۃ الخالق (جیسا کہ مفتی دمشق شام

علامہ اسمٰعیل نے اس پر تنبیہ کی ہے اور وہ منحۃ الخالق میں منقول ہے۔ت) ہمارے بلاد میں دس کوس کا اندازہ قابلِ قبول نہیں کہ یہاں اقصر ایام یعنی تحویل جدی کے دن میں فجر سے زوال تک سات ساعت کے قریب ہوتا ہے اور شک نہیں کہ پیادہ اپنی معتدل چال سے سات گھنٹے میں بارہ کوس بے تکلف چل لیتا ہے جس پر بارہا کا تجربہ شاہد، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۵۱: از الٰہ آباد کوٹھی حشمت اللہ خاں جنٹ مجسٹریٹ مرسلہ علی محمد خاں ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

میں آج کل الٰہ آباد میں ہُوں تو الٰہ آباد میرے واسطے سفر خیال کیا جائے گا یا نہیں، لیکن جنٹ صاحب کی کوٹھی میں رہتا ہُوں اور الٰہ آباد ایک ہفتہ سے زیادہ رہنا نہیں ہوتا لیکن پھر اُسی روز واپس آنا پڑتا ہے، الٰہ آباد میں نماز سفر کی پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور الٰہ آباد سے کرنا ایک مقام ہے جو قریب دس میل کے ہے وہاں پر بھی سفر کی نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟ وہ الٰہ آباد ہی کے ضلع میں ہے جواب جلد مرحمت فرمائیے۔

الجواب

الٰہ آباد تمہارا وطن اصلی نہیں، نہ جنٹ صاحب کی کوٹھی میں ٹھہرنا اسے کسی طرح کا وطن کردے گا جبکہ جنٹ خود آج کل وہاں نہیں بلکہ پندرہ دن قیام کی نیت دیکھی جائے گی اگر اس سے کم مدت قیام کی نیت ہے یا مقدارِ قیام کچھ معلوم نہیں کسی کام کے لئے گئے ہو اس کے ہوجانے کا انتظار ہے آج ہوجائے تو آج چلے جاؤ، بیس دن بعد ہو تو بیس دن بعد، تو اس صورت میں الٰہ آباد کا رہنا تمہارے لئے سفر ہی سمجھا جائے گا نماز سفر کی پڑھو اگرچہ انتظار انتظار میں مہینے گزر جائیں، یونہی اطراف میں جہاں جاؤ چار رکعت کی دو ہی پڑھو جب تک کسی خاص جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت الٰہ آباد میں کرلی ہے تو اب الٰہ آباد وطنِ اقامت ہوگیا نماز پُوری پڑھی جائے گی جب تک وہاں سے تین منزل کے ارادہ پر نہ جاؤ اگرچہ ہر ہفتہ پر بلکہ ہر روز الٰہ آباد سے کہیں تھوڑی تھوڑی دُور یعنی چھتیس ۳۶ کوس سے کم باہر جانا اور دن کے دن واپس آنا ہو جبکہ نیت کرتے وقت اُس پندرہ دن میں کسی رات دوسری جگہ شب باشی کا ارادہ نہ ہو ورنہ وُہ نیت پورے پندرہ دن کی نہ ہوگی مثلاً الٰہ آباد میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کی اور ساتھ ہی یہ معلوم تھا کہ ان میں ایک شب دوسری جگہ ٹھہرنا ہوگا تو یہ پورے پندرہ دن کی نیت نہ ہُوئی اور سفر ہی رہا اگرچہ دوسری جگہ الٰہ آباد کے ضلع میں بلکہ اس سے تین چار ہی کوس کے فاصلہ پر ہو، اور اگر پندرہ راتوں کی نیت پوری یہیں ٹھہرنے کی تھی اگرچہ دن میں کہیں اور جانے اور واپس آنے کا خیال تھا تو اقامت صحیح ہوگئی نماز پُوری پڑھی جائے گی جبکہ وُہ دوسری جگہ الٰہ آباد سے چھتیس ۳۶ کوس یعنی ستاون ۵۷ اٹھاون ۵۸ میل کے فاصلہ پر نہ ہو غرض قیام کی نیت کرتے وقت ان خیالوں کا اعتبار ہے بعد کو جو پیش آئے اُس کا لحاظ نہیں مثلاً پندرہ رات پورے کا قیام ٹھہرالیا اور اس کے بعد اتفاقاً چند راتوں کے لئے اور جگہ جانا ہُوا جو الٰہ آباد سے

تین منزل کے فاصلہ پر نہیں اگرچہ دس بیس بلکہ چھپن میل تک ہو تو سفر نہ ہوگا اُس مقام دیگر میں بھی نماز پُوری پڑھنی ہوگی اور الہ آباد میں بھی ان سب صورتوں کو خُوب غور سے سمجھ لو۔

فی الدر المختار لو دخل الحاج مکۃ ایام العشر لم تصح نیتہ لانہ یخرج الی منٰی وعرفۃ فصار کنیۃ الاقامۃ فی غیر موضعہا وبعد عودہ من منی تصح کما لو نوی مبیتہ باحدھما[1] الخ وفی رد المحتار قیل ہذہ المسألۃ کانت سبب لتفقہ عیسٰی بن ابان وذلك انہ کان مشغولا لطلب الحدیث قال فدخلت مکۃ فی اول العشر من ذی الحجۃ مع صاحب لی وعزمت علی الاقامۃ شہرا فجعلت اتم الصلٰوۃ فلقینی بعض اصحاب ابی حنیفۃ فقال لی اخطأت فانك تخرج الی منی وعرفات فلما رجعت من منی بدا لصاحبی ان یخرج وعزمت علی ان أصاحبہ وجعلت اقصر الصلٰوۃ فقال لی صاحب ابی حنیفۃ اخطأت فانك مقیم بمکۃ فمالم تخرج منہا لاتصیر مسافرا فقلت

درمختار میں ہے کہ اگر کوئی حاجی مکہ میں ذوالحجہ کے عشرہ میں داخل ہوا تو اس کی نیت (برائے اقامت) درست نہیں کیونکہ اس نے منٰی اور عرفات کی طرف انہی دنوں میں جانا ہے اس نیتِ اقامت کی طرح ہی ہے جو اقامت کے مقام پر نہ کی جائے اور منٰی سے لوٹ کر نیت کرنا درست ہے جب کہ ان دونوں میں سے ایک میں رات بسر کرنے کی نیت کرے الخ ردالمحتار میں ہے کہ منقول یہ ہے کہ یہ مسئلہ امام عیسٰی بن ابان رحمہ اللہ تعالٰی کے فقہ سیکھنے کا سبب بنا تھا ان کا اپنا بیان ہے کہ میں طلبِ حدیث میں مشغول تھا ذوالحجہ کے عشرہ میں مَیں مکّہ گیا میرے ساتھ میرے دوست بھی تھے میں نے وہاں ایک ماہ اقامت کی نیت کی اور پُوری نماز ادا کرنا شروع کردی مجھے امام ابوحنیفہ کے ایک ساتھی ملے انھوں نے کہا کہ تُو نے غلط کیا ہے کیونکہ تُو تو منٰی اور عرفات کی طرف چلا جائے گا، پس جب میں منٰی سے لوٹا تو میرے ساتھی کو مکہ سے نکلنے کی حاجت پیش آگئی اور میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں ان کے ساتھ رہوں تو میں نے نماز قصر شروع کردی تو مجھے امام ابوحنیفہ کے ساتھی نے کہا تُو نے غلط کیا کیونکہ تُو مکہ میں مقیم ہے تو جب تُو اس سے نکلے گا نہیں تو مسافر نہیں ہوسکتا، تو میں نے سوچا کہ میں نے

---

[1] الدرالمختار باب صلٰوۃ المسافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷

اخطأت فی مسألة فی موضعین فرحلت الی مجلس محمد واشتغلت بالفقه قال فی البدائع وانما اوردنا هذه الحکایة لیعلم مبلغ العلم فیصیر مبعثة للطلبة علی طلبه اھ بحر ویظهر من هذه الحکایة ان نیته الاقامة لم تعمل عملها الا بعد رجوعه لوجود خمسة عشریوما بلانیة خروج فی اثنائها بخلاف ما قبل خروجه الی عرفات لانه لما کان عازما علی الخروج قبل تمام نصف شهر لم یصر مقیما ویحتمل ان یکون جدد نیة الاقامة بعد رجوعه وبهذا سقط ما اورده العلامة القاری فی شرح اللباب من ان کان فی کلام صاحب الامام تعارضا حیث حکم اولا بانه مسافر وثانیا بانه مقیم مع ان المسألة بحالها والمفهوم من المتون انه لو نوی فی احدهما نصف شهر صح فح لایضره خروجه الی عرفات اذلا یشترط کونه نصف شهر متوالیا بحیث لا یخرج فیه اھ؎ ملخصا ووجه السقوط ان التوالی لایشترط اذا لم یکن من عزمه الخروج الی موضع اٰخر لانه یکون ناویا الاقامة فی موضعین نعم بعد رجوعه من منی صحت نیته لعزمه علی

ایک مسئلہ میں دو جگہ خطا کی ہے تو میں امام محمد کی خدمت میں گیا اور فقہ سیکھنا شروع کی۔ بدائع میں ہے کہ یہ حکایت ہم نے اس لئے وارد کی ہے کہ علم کی قدر معلوم ہو سکے اور طلباء کے لئے طلبِ علم کا باعث بن سکے، اھ بحر۔ اس حکایت سے واضح ہوگیا کہ ان کی نیتِ اقامت رجوع کے بعد مؤثر ہُوئی کیونکہ اب ایسے پندرہ دنوں کا قیام ہوگا جن کے درمیان نیتِ خروج نہیں بخلاف عرفات کی طرف نکلنے سے پہلے کے، کیونکہ جب نصف ماہ کے اتمام سے پہلے نکلنے کا ارادہ ہے تو اب مقیم نہیں ہوسکتا اور ممکن ہے کہ انھوں نے رجوع کے بعد تجدیدِ نیت کی ہے اس سے وہ اعتراض ساقط ہوجاتا ہے جو علامہ قاری نے شرح اللباب میں اٹھایا کہ امام صاحب کے ساتھی کے کلام میں تعارض ہے کیونکہ پہلے انھوں نے مسافر ہونے کا حکم لگایا اور دوبارہ مقیم کیا حالانکہ معاملہ اپنی جگہ پر تھا، متون سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک میں نصف ماہ کی نیت کی تو درست ہے تو اب عرفات کی طرف نکلنا مضر نہیں کیونکہ نصف ماہ کا مسلسل اس طرح ہونا شرط نہیں کہ اس میں خروج نہ ہو انتہی وجہِ سقوط یہ ہے کہ تسلسل اس وقت شرط نہیں جب آدمی کا عزم دوسری جگہ جانے کا نہ ہو کیونکہ اس وقت وُہ دو مقامات کی نیت کئے ہُوئے ہے، ہاں منٰی سے رجوع کے بعد نیت صحیح ہوگی کیونکہ اب ایک جگہ میں

؎ ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۲

الاقامۃ نصف شہر فی مکان واحد واللہ تعالیٰ اعلم[1]

قولہ کما لو نوی مبیتہ باحدھما فان دخل اولا الموضع الذی نوی المقام فیہ نہارا لایصیر مقیما وان دخل اولا ما نوی المبیت فیہ یصیر مقیما ثم بالخروج الی الموضع الاٰخر لایصیر مسافرا لان موضع اقامۃ الرجل حیث یبیت بہ، حلیہ[2] اھ وبہ ظہر کل ما ذکرناہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نصف ماہ اقامت کا عزم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

قولہ" اس نے دو مقامات میں سے کسی ایک میں رات بسر کرنے کی نیت کی"۔ پس اگر تو وہ شخص پہلے اس مقام پر گیا جس پر دن کو ٹھہرنا تھا تو وہ مقیم نہ ہوگا اور پہلے اس جگہ گیا جہاں رات ٹھہرنا تھا تو مقیم ہوجائیگا' اس کے بعد دوسری جگہ کے ارادے سے مسافر نہیں بنے گا کیونکہ آدمی کی اقامت کا مقام ہوتا ہے جہاں وہ رات بسر کرتا ہے اھ حلیہ اس کے ساتھ وہ تمام واضح ہوگا جس کا تذکرہ ہم نے کیا، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۵۸ ۳ شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ از تلہر مسئولہ خلیل الدین صاحب

زید کے وطن سے ایک مقام تیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور زید نے ایسی راہ سے سفر کیا کہ اُس مقام تک چالیس کوس مسافت طے کرنی ہوئی تو زید پر نماز کا قصر ہے یا نہیں؟

الجواب

ہے جبکہ قصد دو جگہ پر منقسم نہ ہو مثلاً اُس راہ میں بیس کوس پر ایک شہر ہے، ارادہ یُوں کیا کہ پہلے وہاں جاؤں گا وہاں سے فارغ ہوکر دوسرے مقام پر کہ وہاں سے بیس کوس ہے جاؤں گا یُوں چالیس کوس ہوجائیں گے تو قصر نہیں، مکان سے بیس ہی کوس کے مقصد کو چلا ہے اگرچہ وہاں سے دوسرا قصد دوسری جگہ کا ہونے والا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۵۹ تا ۱۲۶۳ از بریلی مسئولہ شیخ عبدالعزیز بساطی دوم ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل کے جواب میں:

(۱) منزل کتنے فرسنگ کی ہوتی ہے؟

(۲) کَے منزل پر قصر ہوگا؟

(۳) طے منزل میں راہِ راست کا اعتبار ہے یا جس راستے پر چلے؟

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۲

[2] ″ ″ ″ ″

(۴) یہاں سے بیسلپور ۱۸ کوس براہ سواری گاڑی اور براہ ریل گاڑی چھتیس [۳۶] کوس ہوجاتا ہے وہاں جانے میں قصر کب ہوگا؟

(۵) ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے واسطے دریاں وغیرہ بنوائیں مگر کچھ دنوں وہاں جمعہ ہوکر رہ گیا اب وُہ چاہتا ہے کہ یہ دریاں کسی دوسری مسجد میں دے دوں پس یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) عرف میں منزل بارہ [۱۲] کوس ہے اور ان بلاد میں ہر کوس ۸/۵ میل یعنی ایک میل اور میل کے تین خمس، اور تین میل کا ایک فرسنگ، تو ایک منزل چھ [۶] فرسخ اور دو خمس فرسخ کی ہُوئی۔

(۲) تین منزل پر قصر ہے۔

(۳) جس راستے سے جائے اُس کا اعتبار ہے۔

(۴) ریل میں جائے تو قصر کرے ورنہ نہیں۔

(۵) جب دریاں سپردِ مسجد کردیں ملکِ مسجد ہوگئیں، جب تک ناقابلِ استعمال نہ ہوجائیں واپس نہیں لے سکتا نہ دُوسری مسجد میں دے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۴: از درو ضلع نینی تال ڈاکخانہ کچھا مرسلہ عبدالعزیز خاں ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص دو [۲] آدمیوں کا غلام تھا ہر دو مع غلام کے سفر کو گئے راستے میں دونوں نے قیام کیا، ایک نے نیتِ اقامت کی دُوسرے نے نہ کی، اب وُہ عبدِ مشترک نمازِ قصری ادا کرے یا حضری؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر وُہ ان دونوں سے صرف ایک کے قبضہ میں ہے تو جس کے قبضہ میں ہے اُسی کی نیت کا اعتبار رہے

لانہ ح لیس تابعا الالہ و سیأتیك مایفیدہ۔ کیونکہ وُہ جس کا ہے اُسی کا تابع ہوگا اور عنقریب اس پر مفید گفتگو آرہی ہے۔ (ت)

اور اگر دونوں کے قبضہ میں ہے تو اگر اُن میں اس کی خدمت نوبت بہ نوبت قرار پائی ہے مثلاً ایک دن اِس کی خدمت کرے اور دُوسرے دن اُس کی، تو ہر ایک کی نوبت میں اُسی کی نیت پر عمل کرے یعنی جس دن خدمت کی باری ہو غلام بھی اپنے آپ کو مقیم سمجھے اور جس دن خدمت مسافر کی باری ہو اپنے آپ کو مسافر جانے، اور اگر باہم نوبت نہ قرار دی بلکہ یُوں ہی دونوں کی خدمت میں ہے وہ من وجہٍ مقیم اور من وجہٍ مسافر ہے قصر اصلاً نہ کرے اس لحاظ سے کہ اس کے ایک مولٰی نے نیتِ اقامت کی اور قعدہ اولٰی بھی اپنے اوپر فرض جانے اس نظر سے کہ دوسرے مولٰی

کی نیتِ سفر ہے اور اُس کے حق میں افضل یہ ہے کہ جہاں تک مل سکے کسی مقیم کی اقتدار وقت میں کرے۔ درمختار میں ہے :

عبد مشترك بين مقيم ومسافران تهايأ قصر فی نوبة المسافر والا يفرض عليه القعود الاول ويتم احتياطا ولا يأتم بمقيم اصلا وهو مما يلغز۔[1]

ایک غلام مقیم اور مسافر کے درمیان مشترک ہے، اور دونوں کی خدمت نوبت بہ نوبت قرار دی گئی ہے تو مسافر کی نوبت میں قصر کرے ورنہ (اگر باری نہ ٹھہرائی ہو) تو قعدۂ اولیٰ اس پر فرض ہوگا اور وُہ نماز کا اتمام احتیاطاً کرے (کیونکہ جب اس کے مالک دو ہیں تو وُہ ایک لحاظ سے مقیم اور دوسرے کے اعتبار سے مسافر ہے) اور وُہ کسی مقیم کے ساتھ اقتدار بالکل نہ کرے۔ یہ غلام کے مسائل میں سے پیچیدہ مسئلہ ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قوله ولا يأتم الخ فی شرح المنية وعلى هذا فلا يجوزله الاقتداء بالمقيم مطلقا فليعلم هذا اھ ای لا فی الوقت ولا بعده ولا فی الشفع الاول ولا فی الثانی ولعل وجهه كما افاده شيخنا ان القعدة الاولى فرض عليه ايضا الحاقاله بالمسافر فاذا اقتدى بمقيم يلزم اقتداء المفترض بالمتنفل فی حق القعدة الاولى اھ[2]

قولہ "اور نہ اقتدار کرے الخ" شرح المنیہ میں ہے اور اس بنا پر لازم آتا ہے کہ اس کے لئے مقیم کی اقتدا کسی حال میں جائز نہ ہو، پس اسے اچھی طرح جان لینا چاہئے اھ یعنی نہ وقت میں اور نہ وقت کے بعد، نہ شفع اول میں نہ ثانی میں، شاید اس کی وجہ وُہ ہی ہو جو ہمارے شیخ نے فرمائی کہ قعدۂ اولیٰ الحاقِ مسافر کی وجہ سے اس پر فرض تھا، پس جب اس نے مقیم کی اقتدار کی تو اب قعدۂ اولیٰ کے لحاظ سے لازم آئے گا کہ ایک فرض ادا کرنے والا نفل ادا کرنے والے کی اقتدار کر رہا ہے۔

اقول لكن قول شارح المنية وعلى هذا الخ يظهر منه انه تفرع من

اقول (میں کہتا ہوں) شارح المنیہ کے قول "اور اس بنا پر الخ" سے ظاہر ہوتا ہے کہ بطور

---

[1] درمختار | باب صلوٰۃ المسافر | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۰۸

[2] ردالمحتار | " | " مصطفے البابی مصر | ۱/۵۸۹

عندہ علی وجه البحث والا فالذی رأیته فی التاترخانیة عن الحجة انه ان لم یکن بالمهایاة وهوفی ایدیهما فکل صلوة یصلیها وحده یصلی اربعا و یقعد علی راس الرکعتین ویقرأ فی الاخریین وکذا اذا اقتدی بمسافر یصلی معه رکعتین وفی قرأته فی الرکعتین اختلاف واما اذا اقتدی بمقیم فانه یصلی اربعا بالاتفاق[1] اھ ما فی ردالمحتار۔

بحث یہ ان کی اپنی طرف سے تفریع ہے ورنہ میں نے جو تاتارخانیہ میں حجہ کے حوالے سے دیکھا ہے اگر وہ باری باری پابند نہیں اور وہ دونوں کے قبضہ میں ہے تو وہ ہر نماز تنہا چار رکعات ادا کرے اور ہر دو کے بعد بیٹھے اور آخری دو رکعتوں میں قرات کرے، اور اسی طرح جب کسی مسافر کی اقتدا کرے تو اس کے ساتھ دو رکعات ادا کرے اور اس کے بعد دو رکعتوں میں قرات کرنے میں اختلاف ہے لیکن جب وہ کسی مقیم کی اقتداء کرے تو وہ بالاتفاق چار رکعتیں ادا کرے گا (ردالمحتار کی عبارت ختم ہوئی)

فقیر کہتا ہے:

غفر اللہ تعالٰی له رأیتنی کتبت علی هامش قوله فاذا اقتدی بمقیم یلزم اقتداء المفترض الخ ما نصه **اقول** هذا مما لست احصله فان المسافر من کل وجه القعدة الاولی فریضة علیه من کل وجه ومع ذلك یجوز له الاقتداء بالمقیم اجماعا ولا یعد بذلك مفترضا خلف متنفل اذا اقتدی فی الوقت بل یقال ان فرضه تحول بالقدوة رباعیا فلم تبق القعدة الاولی فریضة علیه لمصادفة المغیر محله القابل له حیث اتصل

اللہ تعالٰی ان کی بخشش فرمائے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ان کی اس عبارت "جب اس نے کسی مقیم کی اقتداء کی تو فرض والے کی اقتداء لازم آئیگی الخ" پر حاشیہ تحریر کیا **اقول** یہ ایسی چیز ہے جس سے مجھے کچھ اتفاق نہیں ہو رہا، کیونکہ جو شخص ہر لحاظ سے مسافر ہے اس پر بھی قعدہ اولٰی ہر لحاظ سے فرض ہے حالانکہ وہ بالاتفاق مقیم کی اقتداء کر سکتا ہے، جب وقت میں ادا کرے تو اسے فرض والے کا نفل والے کی اقتدا کرنا شمار نہیں کیا جاتا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اقتدا کی وجہ سے اس پر فرض دو کے بجائے چار ہو گئے ہیں تو اب قعدہ اولٰی اس پر فرض نہیں رہا کیونکہ یہاں تبدیلی کے قابل محل میں تبدیلی پیدا کرنے والا پایا گیا ہے

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۹

بالسبب اعنی الوقت بخلاف ما اذا اقتدی بعد انقضائه فاذا کان ھذا فی حقہ فکیف بمن لیس مسافرا من کل وجہ ولا القعدۃ فریضۃ علیہ وجھا واحدا فھذا ینبغی ان یؤمر باقتداء المقیم فی الوقت مھما وجد کی یخرج عن احتمال الاتمام فی السفر اھ ما حررتہ، ولشدۃ وضوحہ وثبوت الروایۃ بل نقل الاتفاق علی جواز اقتدائہ بالمقیم جزمت بہ فان کان صوابا فمن ربی اللہ و ارجو ان لایکون الا ایاہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

وُہ اس لیے کہ یہاں سبب (وقت) متصل ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب اقتداء وقت گزرنے کے بعد ہو، جب یہ معاملہ ہر لحاظ سے مسافر کا ہے تو اس کا حال کیا ہوگا جو ہر لحاظ سے مسافر نہیں اور اس پر قعدہ کے فرض ہونے کی ایک جہت متعین نہیں لہذا اسے حکم دیا جائے کہ وہ مقیم کا ساتھ جب بھی پائے اس کی اقتداء کرے تاکہ سفر میں احتمال اتمام سے خارج ہو جائے (جو میں نے وہاں لکھا ختم ہوا) شدتِ وضوح ثبوتِ روایت بلکہ مقیم کی اقتداء کے جواز پر اتفاق منقول ہونے کی وجہ سے میں نے اسی پر جزم اختیار کیا ہے، پس اگر صواب ہے تو اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ صواب ہی ہوگا۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۶۵: بریلی محلہ صندل خاں کی بزریہ ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے وطن سے ستر یا اسی کوس کے فاصلے پر کسی شہر میں ملازم ہے وہاں سے سال دو سال کے بعد آٹھ دس روز کے واسطے اپنے مکان پر آیا اور پھر چلا گیا اس آمد و رفت میں اُس کو نماز قصر پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

جب وہاں سے بقصدِ وطن چلے اور وہاں کی آبادی سے باہر نکل آئے اُس وقت سے جب تک اپنے شہر کی آبادی میں داخل نہ ہو قصر کرے گا جب اپنے وطن کی آبادی میں آگیا قصر جاتا رہا، جب تک یہاں رہے گا اگرچہ ایک ہی ساعت، قصر نہ کرسکے گا کہ وطن میں کچھ پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت ضرور نہیں، پھر جب وطن سے اُس شہر کے قصد پر چلا اور وطن کی آبادی سے باہر نکل گیا اُس وقت سے قصر واجب ہوگیا راستے بھر تو قصر کرے گا ہی، اور اگر اُس شہر میں پہنچ کر اس بار پندرہ روز یا زیادہ قیام کا ارادہ نہیں بلکہ پندرہ دن سے کم میں واپس آنے یا وہاں سے اور کہیں جانے کا قصد ہے تو وہاں جب تک ٹھہرے گا اس قیام میں بھی قصر ہی کرے گا اور اگر وہاں اقامت کا ارادہ ہے تو صرف راستہ بھر قصر کرے جب اُس شہر کی آبادی میں داخل ہوگا قصر جاتا رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۶: از پیلی بھیت مرسلہ حبیب احمد صاحب رضوی برکاتی ۳۰ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۶ھ

ایک شخص جنگل یا اسٹیشن پر جو جنگل میں واقع ہو ملازم ہے اور اُس کو آقا جب بھیجتے ہیں تو کم از کم ایک ماہ

کے ارادے سے بھیجتے ہیں تو اُس ملازم پر نماز قصر ہے یا پُوری ؟ اور مندرجہ ذیل دلیلوں میں زید حق پر ہے یا عمرو ؟ زید کا قول ہے کہ ملازم کو ہر حالت میں نماز قصر کرنا چاہیے اگرچہ آقا ایک ماہ کے ارادے سے بھیجے کیونکہ اگر آقا چاہے تو آٹھ روز میں دُوسری جگہ منتقل کردے، دوسرے جنگل ہونے کی وجہ سے ہر حالت میں قصر واجب ہے کیونکہ وہاں آبادی نہیں ہے جو اقامت کی جگہ ہے۔ عمرو کی دلیل ہے کہ کل کام ارادے کے لحاظ پر ہوتے ہیں یعنی جس وقت آقا بھیجتا ہے تو ایک ماہ کے ارادے سے بھیجتا ہے پر وُہ چاہے ایک روز میں بلالے اس حالت میں ارادے کی وجہ سے نماز قصر نہیں ہوئی، دوسرے جس جنگل میں اقامت نہیں ہوتی وُہ دوسرے جنگل ہیں اور ایسے جنگل یا اسٹیشن جو جنگل میں ہوں جہاں بیس پچیس انسان ہر وقت رہتے ہوں و نیز ریلوے کے ملازم بھی اسٹیشن پر کام کرتے ہوں (اگر آبادی گاؤں وہاں سے دو چار کوس پر ہوں) اقامت کو باطل نہیں کرتی ایسی جگہ ان میں قول کس کا درست ہے ؟

الجواب

یہاں چند امور پر اطلاع لازم جن سے بعونہ تعالٰی انکشاف حکم ہو،

اوّل اسٹیشن اگرچہ آبادی سے کچھ فاصلے پر ہو وہاں عمارت ہوتی ہے سامان اقامت مہیّا ہوتا ہے، ہاں اگر آبادی سے کوسوں دُوری ہے جنگل میں متعین ہوں جیسے بن کی لکڑی لینے والے، تو وہ محلِ اقامت نہیں اگرچہ خیمے ڈیرے ساتھ ہوں مگر اُن کے لئے جن کی طرزِ معیشت ہی یہ ہو، جیسے سانسیے۔ درمختار میں ہے:

اوینوی اقامۃ نصف شھر بموضع صالح لھا اوقریۃ اوصحراء دارنا وھو من اھل الاخبیۃ[1]

یا وہ نصف ماہ اقامت کی نیت کسی ایسی جگہ کرے جو اقامت کی صلاحیت رکھتی ہو یا قریہ ہو یا ہمارے ملک کا صحراء ہو اور نیت کرنے والا خانہ بدوش ہو (ت)

عالمگیری میں ہے:

قال شمس الائمۃ الحلوانی عسکر المسلمین اذاقصدوا موضعا ومعھم اخبیتھم و خیامھم وفساطیطھم فنزلوا مفازۃ فی الطریق ونصبوا الاخبیۃ والفساطیط و عزموا فیھا علی اقامۃ خمسۃ عشر

شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ مسلمانوں کا لشکر اگر کسی جگہ جائے اور ان کے خیمے کا سامان ان کے ساتھ ہو، انھوں نے راہ میں جنگل میں پڑاؤ ڈالا اور وہاں خیمے وغیرہ نصب کئے اور پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا تو وہ مقیم نہیں ہوں گے

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۷

یوما لم یصیروا مقیمین لانها حمولة ولیست بمساکن کذا فی المحیط[1]۔

کیونکہ وہ سامان اٹھانے والے ہیں وہاں ان کے گھر نہیں المحیط۔ (ت)

دوم نرے جنگل میں کہ نیت اقامت صحیح نہیں، مدّتِ سفر چل لینے کے بعد ہے کہ تین منزل قطع کرچکا ہو، اب کسی جنگل میں ۱۵ دن یا زائد قیام کی نیت کرے تو مسافر ہی رہے گا لیکن مدتِ سفر پوری ہونے سے پہلے جنگل میں بھی نیت اقامت صحیح ہے، مثلاً تین منزل کے ارادے پر چلا تھا ایک یا دو منزل چل کر نیت سفر قطع کی اور وہاں اقامت کی نیت کرلی مسافر نہ رہا نماز پُوری پڑھے گا اگرچہ بن میں ہو۔ درمختار میں ہے:

صلی الفرض الرباعی رکعتین حتی یدخل موضع مقامه ان سار مدة السفر والا فیتم بمجرد نیة العود لعدم استحکام السفر[2]۔

(مسافر) اپنے مقام پر واپسی تک چار فرض کے دو فرض ادا کرے اور مدتِ سفر ہو اور محض رجوع کی نیت سے ہو تو پُوری نماز ادا کرے کیونکہ سفر کا اثبات نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ینوی بموضع صالح لها ان سار ثلثة ایام والا فیتم ولو فی المفازة والحاصل ان نیة الاقامة قبل تمام المدة تکون نقضا للسفر کنیة العود الی بلده والسفر قبل استحکامه یقبل النقض[3] اھ ملتقطا

اگر ایسی جگہ نیتِ اقامت کی جو اقامت کی صالح تھی، بشرطیکہ تین دن کا سفر طے کیا ہو ورنہ پوری نماز پڑھے اگرچہ جنگل میں ہو، حاصل یہ ہے کہ تمام مدت سے پہلے اقامت کی نیت سفر کو ختم کر دیتی ہے جس طرح اپنے شہر کی طرف لوٹنے کی نیت سے سفر ختم ہوجاتا ہے اھ ملتقطاً (ت)

معراج الدرایہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

اذا لم یسر ثلثة ایام فعزم علی الرجوع اونوی الاقامة یصیر مقیما وان کان فی المفازة[4]۔

جب تین دن کا سفر طے نہ کیا اور رجوع کا عزم کرلیا یا اقامت کی نیت کرلی تو مقیم ہوجائے گا اگرچہ جنگل میں ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب الخامس عشر فی صلٰوۃ المسافر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۳۹
[2] درمختار باب صلٰوۃ المسافر " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷
[3] ردالمحتار " " " مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۱
[4] فتاوٰی ہندیہ باب الخامس عشر فی صلٰوۃ المسافر " نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۳۹

سوم نوکر کی اپنی نیت معتبر نہ ہونا بلکہ نیتِ آقا کا تابع ہونا اُس حالت میں ہے کہ آقا کے ساتھ ہو ورنہ خود اس کی نیت معتبر ہے، تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے :

المعتبر نیۃ المتبوع لا التابع کامرأۃ وفاھا مھرھا المعجل وعبد وجندی اذا کان یرتزق من الامیر او بیت المال و اجیر، مشاھرۃ او مسانھۃ، تاتارخانیہ، واسیر و غریم وتلمیذ مع زوج ومولی وامیر و مستاجر واٰسر ودائن واستاذ فقید المعیۃ ملاحظ فی تحقیق التبعیۃ [۱] اھ ملتقطا۔

سربراہ کی نیت کا اعتبار ہے تابع کا نہیں جیساکہ وہ خاتون جس کا مہر معجل ادا کر دیا گیا اور غلام، سپاہی اس وقت جب امیر سے یا بیت المال سے روزی لیتا ہو یا ماہانہ یا سالانہ مزدوری پر ہو تاتارخانیہ۔ قیدی، مقروض اور شاگرد جبکہ وُہ اپنے خاوند، مولٰی، مستاجر، قید کرنے والا، قرض خواہ اور استاذ کے ساتھ ہوں اور تابع ہونے کے اثبات کے لئے معیّت کی قید ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا اھ ملتقطاً (ت)

چہارم مجرد احتمال کہ شاید آج چلا جانا ہو منافی اقامت نہیں اور اپنے وطن کے سوا آدمی کبھی کہیں مقیم نہ ہو اگرچہ سال بھر اقامت کی نیت کرے کہ کیا معلوم شاید آج ہی کوئی ضرورت سفر کی پیش آئے بلکہ اس کے لئے غالب گمان درکار ہے یقین کی حاجت نہیں کہ بے اعلام نبی غیب پر یقین کی کوئی صورت نہیں۔ تبیین الحقائق امام زیلعی پھر ہندیہ میں ہے :

لابد للمسافر من قصد مسافۃ ثلثۃ ایام ویکفی غلبۃ الظن یعنی اذا غلب علی ظنہ انہ یسافر قصر ولا یشترط فیہ التیقن [۲]

مسافر کے لئے تین دن کی مسافت کا ارادہ ضروری ہے اور غلبہ ظن کافی ہوگا یعنی جب اس کا ظن غالب یہ ہو کہ وہ سفر کرے گا تو قصر کرے کیونکہ یقین شرط نہیں۔ (ت)

پنجم نیت سچے عزمِ قلب کا نام ہے، پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرلے۔ اور جانتا ہے کہ اس سے پہلے چلے جانا ہے تو یہ نیت نہ ہوئی محض تخیل ہوا، یُوں ہی دل میں عزم دو ہی منزل کا ہے اور گھر سے تین منزل کا ارادہ کرلیا کہ آبادی سے نکل کر راہ میں قصر کی اجازت مل جائے ہرگز اجازت نہ ہوگی کہ یہ نیت نہیں وہی خیال بندی ہے، البتہ اگر دو ہی منزل جاتا ہے اور سچا ارادہ تین منزل کا کرلیا اور تین منزل جا کر ایک منزل اپنے محل مقصود کو

---

[۱] ردالمحتار شرح الدرالمختار باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۷

[۲] فتاوٰی ہندیہ باب الخامس عشر فی صلٰوۃ المسافر ؍؍ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۳۹

واپس آیا اور یہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہے تو جاتے اور آتے اور ٹھہرتے قصر کرے گا کہ یہ سچی نیت ہوئی اگرچہ وہاں جانے سے کوئی کام نہ تھا، درمختار میں ہے :

لودخل الحاج مکۃ ایام العشر لم تصح نیتہ لانہ یخرج الی منٰی وعرفۃ[1]

اگر حاجی مکہ میں ذوالحج کے عشرہ میں داخل ہوا تو اس کی نیتِ اقامت درست نہ ہوگی کیونکہ اس نے منٰی اور عرفہ کی طرف نکلنا ہے۔ (ت)

معراج الدرایہ پھر عالمگیریہ میں ہے :

قال اصحابنا رحمھم اللہ تعالٰی فی تاجر دخل مدینۃ لحاجۃ نوی ان یقیم خمسۃ عشر یوما لقضاء تلك الحاجۃ لا یصیر مقیما لانہ متردد بین ان یقضی حاجتہ فیرجع وبین ان لایقضی فیقیم فلا تکون نیتہ مستقرۃ وھذا الفصل حجۃ علی من یقول من اراد الخروج الی مکان ویرید ان یترخص برخص السفر ینوی مکانا ابعد منہ، وھذا غلط[2]۔

ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ وہ تاجر جو کسی شہر میں کسی ضرورت کے لئے گیا اس نے حصولِ حاجت کے لئے پندرہ دن اقامت کی نیت کرلی تو وہ مقیم نہ ہوگا کیونکہ وہ متردّد ہے اس بارے میں کہ اگر ابھی کام ہوجاتا ہے تو لوٹ جائے اور اگر نہیں ہوتا تو اقامت کرے، تو اس کی پختہ نیت نہ ہوئی، یہ صورت اس شخص کے خلاف حجت ہے جو کہتا ہے کہ جو کوئی کسی جگہ کی طرف نکلنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے سفر کی سہولت میسر ہو (حالانکہ وہ جگہ اتنی دُور نہیں) تو وہ کسی دُور جگہ کی نیت کرکے نکل پڑتا ہے تاکہ رخصت حاصل ہوجائے تو یہ غلط ہے۔ (ت)

ششم وطن اقامت یعنی جہاں پندرہ دن یا زیادہ قیام کی نیت صحیحہ کرلی ہو آدمی کو مقیم کردیتا ہے اور اقامت و سفر میں واسطہ نہیں تو وہاں سے بے ارادۂ مدت سفر اگر ہزار کوس دورہ کرے مثلاً دس کوس کے ارادے پر وہاں سے چلے پھر وہاں سے پندرہ کوس کا ارادہ کرے وہاں سے بیس کوس کا قصد ہو مسافر نہ ہوگا اور قصر نہ کرسکے گا، جیسے وطن اصلی سے یُوں دَورہ کرنے میں حکم ہے یہاں تک کہ اگر مثلاً وطن اقامت سے بیس کوس گیا اور وہاں سے چھتیس کوس کا ارادہ کرکے چلا اور بیچ میں یہ وطن اقامت آکر پڑے گا تو سفر جاتا رہے گا، ہاں اگر تین منزل چلنے کے بعد یہ وطن بیچ میں نہ آئے گا تو قصر کرے گا اور یہ وطن وطنِ اقامت نہ رہے گا۔ ردالمحتار میں ہے :

---

[1] درمختار — باب صلوٰۃ المسافر — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۱۰۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ — باب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر — مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/ ۱۴۰

والحاصل ان انشاء السفر یبطل وطن الاقامة اذاکان منہ اما لو انشأہ من غیرہ فان لم یکن فیہ مرور علی وطن الاقامۃ اوکان ولکن بعد سیر ثلثۃ ایام فکذلک ولو قبلہ لم یبطل الوطن بل یبطل السفر لان قیام الوطن مانع من صحتہ[1]

حاصل یہ ہے کہ سفر شروع کرنے سے وطن اقامت باطل ہوجاتا ہے جبکہ سفر وہاں سے ہو اور اگر سفر کسی اور جگہ سے ہو تو اب وطن اقامت سے گزر نہیں ہُوا یا ہوا ہو لیکن تین دن بعد، تو حکم یہی ہے، اور اگر اس سے پہلے ہوا تو وطن بالکل باطل نہ ہوگا بلکہ سفر باطل ہوجائے گا، کیونکہ قیام وطن صحت سفر سے مانع ہوتا ہے (ت)

ہفتم نوکری ملازمت ہے اُس میں قصد استدامت ہوتا ہے توجو جہاں نوکر ہوکر رہنا اختیار کرے مقیم ہوجائیگا اگرچہ[ع] بالخصوص پندرہ دن کی نیت نہ ہو لان نیۃ الاستدامۃ فوق ذلک (کیونکہ استدامت نیت سے فوقیت رکھتی ہے)

ع فتح القدیر باب الحج عن الغیر میں ہے:

لو توطن مکۃ بعد الفراغ خمسۃ عشر یوما بطلت نفقتہ فی مال المیت ولانہ توطن لحاجۃ نفسہ بخلاف ما اذا قام اقل فانہ مسافر علی حالہ فان بدالہ بعد ذلک ان یرجع رجعت نفقتہ فی مال المیت وقد روی عن ابی یوسف انہ لا تعود لانہ فی الرجوع عامل لنفسہ لا للمیت لکنہا قلنا ان اصل سفرہ کان للمیت فما بقی ذلک السفر بقیت النفقۃ کذا فی المبسوط، وذکر غیر واحد من غیر ذکر خلاف انہ ان نوی الاقامۃ خمسۃ عشر یوما

اگر (حج بدل کرنے والے نے) فراغت کے بعد مکہ معظمہ میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرلی تو اب مالِ میّت سے خرچ نہیں کرسکتا کیونکہ یہ اب اپنے ذاتی کام کے لئے ٹھہرا ہے بخلاف اس صورت کے کہ جس میں پندرہ دن سے کم ہو کیونکہ اب وُہ حالتِ سفر میں ہی ہے پس اگر پندرہ کے بعد وُہ رجوع کا ارادہ کرتا ہے تو خرچہ مالِ میت کی طرف لوٹ آئے گا، امام ابویوسف سے مروی ہے کہ مالِ میت کی طرف نہیں لوٹے گا کیونکہ رجوع اپنی ذات کے لئے ہے نہ کہ میّت کے لئے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ رجوع بھی میّت کے لئے ہے، توجب تک سفر میں رہے گا اس کا نفقہ میّت کی طرف سے ہی گا، مبسوط میں اسی طرح ہے، اور متعدد فقہاء نے اسے بغیر اختلاف کے بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس نے پندرہ دن کی نیت کرلی تو

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۶

ہاں اگر مدّتِ سفر سے یہاں نوکر ہوکر آیا اور معلوم ہے کہ پندرہ دن ٹھہرنا ہوگا تو البتہ مقیم نہ ہوگا، جب اُس دوسری جگہ سے فارغ ہوکر آئے گا اور یہاں ملازمانہ قیام کرے گا اُس وقت سے مقیم ہوگا،

کما قال فی ردالمحتار فی واقعۃ عیسٰی بن ابان رحمہ اللہ تعالٰی ان نیۃ الاقامۃ لم تعمل عملہا الا بعد رجوعہ لوجود خمسۃ عشر یوما بلانیۃ خروج فی اثنائہا بخلاف ما قبل خروجہ الی عرفات لانہ لما کان عازما علی الخروج قبل تمام نصف شہر لم یصر مقیما۔[1]

جیسا کہ ردالمحتار میں شیخ عیسٰی بن ابان رحمہ اللہ تعالٰی کے واقعہ میں ہے کہ نیتِ اقامت مؤثر نہیں مگر رجوع کے بعد کیونکہ پندرہ دنوں کی نیت ہے اور اس میں نکلنے کی نیت بھی نہیں بخلاف عرفات کی طرف نکلنے سے پہلے کے کیونکہ جب نصف ماہ کے اتمام سے پہلے نکلنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وُہ مقیم نہیں ہوگا۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سقطت فان عاد عادت وان توطنہا سواء قل اوکثر لاتعود وھذا یفید ان التوطن غیر مجرد نیۃ الاقامۃ خمسۃ عشر یوما والظاھر ان معناہ ان یتخذھا وطنا ولایحد فی ذلک حدا فتسقط النفقۃ ثم العود انشاء سفر لحاجۃ نفسہ ولو بعد یومین فلا یستحق بہ النفقۃ علی المیت واللہ سبحٰنہ اعلم[2] اھ فافہم ۱۲ منہ (م)

نفقہ ساقط ہوجائے گا، اگر سفر سے لوٹا ہے تو نفقہ لوٹ آئے گا، اور اگر مکہ کو اپنا وطن بناتا ہے خواہ تھوڑے دن یا زیادہ تو نفقہ نہیں لوٹے گا، اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ پندرہ دن کی نیت کے بغیر بھی اگر وُہ رہا تو وہ متوطن ہوگا، ظاہراً اس کا مفہوم یہی ہے کہ وہ اگر مکہ کو اپنا وطن بناتا ہے تو اس میں دنوں وغیرہ کی کوئی حد نہیں لہذا اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا اب اس کے بعد رجوع اپنی ذات کیلئے نیا سفر ہوگا اگرچہ وہ سفر دو دن کے بعد ہی کیوں نہ ہو لہذا وہ میت کی طرف سے نفقہ کا مستحق نہ ہوگا واللہ سبحٰنہ اعلم اھ فافہم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۲

[2] فتح القدیر باب الحج عن الغیر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۶۹

اور جبکہ ایک جگہ نوکر ہو کر رہے اور پندرہ دن کے اندر وہاں سے دوسری جگہ جانا معلوم نہ ہو تو صرف احتمال قاطع اقامت نہ ہوگا ورنہ کوئی وطن اقامت نہ ہو سکے اور اپنے وطن سے مدتِ سفر پر جو لاکھوں آدمی نوکر ہوتے اور برسوں وہاں رہتے ہیں کبھی مقیم نہ ہوں کہ بدلی یا کسی کام پر بھیجے جانے کا احتمال ہر وقت ہے ھذا ما عندی واللہ تعالٰی اعلم (یہ تو میرے نزدیک ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جاننے والا ہے۔ ت) جب یہ امورِ سبعہ معلوم ہولئے اب مسئلہ مسئولہ کی طرف چلئے۔

فاقول وباللہ التوفیق (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) اُوپر معلوم ہوا کہ یہاں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جہاں متعین ہوا وہ نرا جنگل ہے جائے اقامت نہیں۔ دوسرے یہ کہ محلِ اقامت ہے جیسے اسٹیشن۔ اور ہر تقدیر پر دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ شخص متعین ہوتے وقت مسافر ہے یعنی تین منزل چل کر آیا اور ہنوز کہیں مقیم نہ ہوا۔ دوسرے یہ کہ مقیم ہے مثلاً اُسی شہر یا اور قریب جگہ کا ساکن ہے اور یہاں شہر سے دو چار کوس کے فاصلے پر متعین ہوا یا آیا تو تین منزل طے کرکے مگر شہر میں پندرہ دن نیت کے ساتھ ٹھہرا کہ مقیم ہوگیا۔ اور اب یہاں متعین ہو تو چار صورتیں آگئیں:

صورتِ اُولٰی: مسافر بمعنی مذکور ہے اور یہ جگہ محلِ اقامت نہیں، اس میں:

(۱) ابتدائے تعین سے بلافصل جب تک یہاں رہے گا قصر کرے گا اگرچہ دس برس یہیں رہنے کی نسبت اس کے آقا نے کہہ دیا اور اس نے بھی ارادہ کرلیا کہ جب وہ مدتِ سفر سے آیا اور کہیں مقیم نہ ہوا اور یہ محلِ اقامت نہیں تو جب تک بھی یہاں رہے گا مسافر ہی رہے گا۔

(۲) اگر یہاں سے حکماً خواہ صرف بارادہ خود کسی دوسری جگہ جائے گا راہ میں قصر ہی کرے گا اگرچہ وُہ جگہ یہاں سے مدتِ سفر پر نہ ہو۔

(۳) اُس دوسری جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ ہو تو وہاں بھی قصر ہی پڑھے اور وہاں سے واپسی میں بھی اور اس مقام پر واپس آکر بھی، اگرچہ یہاں کتنا ہی ٹھہرنے کا ارادہ ہو کہ ہنوز اس کا سفر بوجہ عدمِ اقامت ختم نہ ہوا۔

(۴) اگر وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت حکماً خواہ فقط اپنے ارادے سے کی تو وہاں پُوری پڑھے گا۔

(۵) جب وہاں سے واپس ہوگا اگر اُس جگہ اور مقامِ تعین میں تین منزل کا فاصلہ ہے تو واپسی میں بھی قصر کرے گا اور یہاں پہنچ کر بھی، اگرچہ یہاں کتنے ہی دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو کہ مدتِ سفر سے یہاں پہنچ کر اُس کی پھر حالت اُولٰی عود کر آئی اور انشائے سفر کے سبب اُس اقامت جائے دیگر کا کوئی اثر نہ رہا۔

(۶) اگر بعد اقامت پانزدہ روزہ وہاں سے واپس ہُوا اور بیچ میں مدتِ سفر نہیں تو اب راہ میں بھی پُوری

پڑھے گا اور یہاں پہنچ کر بھی کہ قبل سیر سہ روزہ جنگل میں نیتِ اقامت صحیح ہے اور بوجہ عدم انشائے سفر اُس کی وہ اقامت باطل نہ ہُوئی نہ وہ وطن اقامت باطل ہوا، اس صورت ششم میں اُس کا حکم شقوق صورتِ ثانیہ آئندہ کی طرف عود کر جائے گا۔

صُورتِ ثانیہ : مقیم ہے اور یہ جگہ محلِ اقامت نہیں، اس میں :

(۱) جب تک بعد تعین بلا فصل یہاں رہے گا پُوری پڑھے گا کہ مقیم کا بَن میں ٹھہرنا سفر نہیں۔

(۲) اگر یہاں سے کہیں مدتِ سفر سے کم کی نیت سے جائے گا جاتے اور آتے اور وہاں ٹھہرتے ہر حال میں اتمام کرے گا اگرچہ وہاں ایک ہی دن ٹھہرے کہ ہنوز سفر متحقق نہ ہوا۔

(۳) اگر مدتِ سفر کی نیت سے جائے گا راہ میں قصر کرے گا اور وہاں بھی اگر پندرہ دن کی نیت نہ کرے ورنہ وہاں پُوری پڑھے گا۔

(۴) یہی واپسی میں جب وہاں سے اُس مقام کو بقصدِ واحد واپس آئے گا راہ میں قصر کرے گا۔

(۵) جب یہاں پہنچے گا از انجا کہ مدتِ سفر سے آیا ہے اور یہ محلِ اقامت نہیں، اب اس کا حکم شقوق صورت اولیٰ گزشتہ کی طرف عائد ہوگا کہ ابتدائے واپسی سے بلا فصل جب تک یہاں رہے گا قصر کرے گا اس آخرہ کہ اب یہاں مسافر بمعنی مذکور ہو کر آیا، بالجملہ جب یہاں بعد سفر آئے گا صورتِ اولیٰ ہوگی اور مقیم ہو کر صورت ثانیہ یہی دورہ رہے گا۔

صُورتِ ثالثہ : مسافر بمعنی مذکور ہے اور یہ جگہ محلِ اقامت جیسے اسٹیشن، اس میں :

(۱) اگر ابتدائے تعین میں معلوم تھا کہ پندرہ دن کے اندر یہاں سے جانا ہے تو مقیم نہ ہوگا قصر ہی پڑھے گا۔

(۲) یہاں سے کہیں قبل اقامت جائے راہ میں قصر ہی کرے اور واپسی میں بھی۔

(۳) جب وہاں سے واپس آئے اور اب بھی پندرہ دن کے اندر کہیں جانے کا ارادہ ہے تو یہی شقوق و احکام ہیں۔

(۴) اب وُہ ارادہ نہیں یا ابتدائے تعین ہی میں ۱۵ روز کے اندر کہیں جانے کی نیت نہ تھی تو جبھی سے یا اب یہاں آکر مقیم ہو جائے گا پُوری پڑھے، اس صورت چہارم میں اُس کا حکم شقوق اربعہ آئندہ کی طرف رجوع کرے گا۔

صُورتِ رابعہ : مقیم ہے اور یہ جگہ محلِ اقامت، اس میں :

(۱) جب تک یہاں رہے گا اتمام کرے گا اگرچہ ایک ہی دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔

(۲) یہاں سے کہیں جائے اور جاتے اور آتے اور ٹھہرتے اور واپس آکر ہمیشہ پُوری پڑھے گا جبکہ وُہ جگہ

مدتِ سفر پر نہ ہو۔

(۳) اگر مدتِ سفر پر جائے راہ میں قصر کرے اور وہاں پوری پڑھے اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو، ورنہ وہاں بھی قصر کرے۔

(۴) جب وہاں سے واپس آئے راہ میں قصر کرے یہاں پہنچ کر یہی شقوق و احکام ہیں جبکہ پندرہ دن کے اندر جانے کا ارادہ نہ ہو۔

(۵) اگر بعد واپسی یہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہے تو یہاں آکر بھی مقیم نہ ہوگا کہ یہ وطن اقامت بوجہ سفر باطل ہوگیا اور اب قصدِ اقامت نہیں، اس صورتِ پنجم میں اس کا حکم شقوقِ صورتِ ثالثہ کی طرف راجع ہوگا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶۷ از اسٹیشن دودھوا گھاٹ ضلع کھیری لکھیم پور کارخانہ عبداللطیف خاں صاحب ٹھیکہ دار مرسلہ فرخ شاہ خاں ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اسٹیشن دودھوا گھاٹ ایک جنگل کا مقام ہے اور یہاں پر نہ آبادی ہے نہ زراعت ہوتی ہے اور میں ایک ٹھیکہ دار کا ملازم ہوں اور بظاہر مجھ کو امید ہے کہ اس جگہ میرا قیام جب تک کہ ملازمت قائم ہے برابر رہے گا اسی خیال سے میں پوری نماز ادا کرتا تھا، اب ایک شخص سکنہ پیلی بھیت نے یہ کہا کہ تم کو یہاں پر قصر پڑھنا چاہئے خواہ تم ایک سال رہو یا زائد رہو، لہذا آپ کی خدمت میں یہ تحریر ارسال کرتا ہوں کہ اس مسئلہ کا جو حکم ہو اُس سے مطلع فرمائیے تاکہ شک رفع ہو اور اُس کے مطابق نماز ادا کی جائے۔

الجواب

جبکہ وہاں نہ آبادی ہے نہ جائے قیام ہے تو اگر یہ وہاں مسافر ہوکر پہنچا یعنی تین منزل سے ارادہ کرکے بیچ میں بغیر سفر توڑے وہاں پہنچا تو جب تک وہاں رہے گا قصر کرے گا اگرچہ کتنی ہی مدت گزرے اور اگر وہاں مقیم ہوکر پہنچا یعنی تین دن کی راہ سے کم فاصلہ وہاں تک تھا یا زیادہ تھا مگر بیچ میں دوسری جگہ ٹھہرتا ہُوا آیا کہ پچھلے قصد سے یہاں تک مدتِ سفر نہ تھی تو جب تک رہے گا پوری پڑھے گا اگرچہ ایک ہی دن رہے قیام کا اصلاً قصد نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶۸ از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ غلام جان صاحب طالبعلم ۱۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص جس پر نماز قصر ہو وہ سفر میں اگر دیدہ و دانستہ بہ نیت زیادہ ثواب، پوری نماز پڑھے گا تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب

بیشک گنہ گار و مستحقِ عذاب ہوگا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صدقۃ تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقتہ[1] واللہ تعالٰی اعلم

یہ قصر صدقہ ہے اللہ تعالٰی نے تم پر صدقہ کیا ہے اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۹: از ادلدن ضلع جھانسی مرسلہ محمد تقی خاں سب انسپکٹر پولیس اسٹیشن ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں ضلع جھانسی میں ملازم ہوں جو کہ ضلع بدایوں سے قریب ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور مقام جھانسی میں تھانہ ادلدن میں تعیناتی ہے پندرہ روز تک کبھی تھانہ میں ٹھہرنا نہیں ہوتا علاقے کے دیہات میں برابر بسلسلہ کار گورنمنٹ تفتیش وغیرہ کے گشت رہتا ہے لہذا التماس ہے کہ ایسی صورت میں نماز قصر پڑھنا چاہئے یا پوری نماز پڑھنا۔

الجواب

جو مقیم ہو اور وہ دس دس پانچ پانچ بیس بیس تیس تیس کوس کے ارادے پر جائے کبھی مسافر نہ ہوگا ہمیشہ پوری پڑھے گا اگرچہ اس طرح دنیا بھر کا گشت کر آئے جب تک ایک نیت سے پورے چھتیس کوس یعنی ساڑھے ستاون میل انگریزی کے ارادے سے نہ چلے یعنی نہ بیچ میں کہیں ٹھہرنے کی نیت ہو اور اگر دو سو میل کے ارادے پر چلا مگر ٹکڑے کرکے یعنی بیس میل جاکر یہ کام کروں گا وہاں سے تیس میل جاؤں گا وہاں سے پچیس میل، و علی ہذا القیاس مجموعہ دو سو میل تو وہ مسافر نہ ہوا کہ ایک لخت ارادہ ۵۷ میل کا نہ ہوا، ہاں جو مسافر ہے مقیم نہیں وہ جہاں ہے وہاں بھی قصر پڑھے گا اور وہاں سے ایک ہی میل یا کم کو جائے خواہ زیادہ کو، وہاں بھی قصر ہی کرے گا اور وہاں سے ایک ہی میل یا کم کو جائے خواہ زیادہ کو، وہاں بھی قصر ہی کرے گا جب پورے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کسی محل اقامت میں نہ کرے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۷۰: از پیلی بھیت محلہ شیر محمد خاں مسئولہ حبیب احمد بریلوی ۲۵ ذی الحجہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص علاقہ نیپال کے جنگل میں منجانب تاجران لٹھ ملازم ہے اور ایسی جگہ رہنا ہوتا ہے جہاں سے ایک یا دو میل یا کم وزیادہ کے فاصلہ پر آبادی اور زراعت ہوتی ہے تا انگریزی عملداری کے جنگلات میں ملازم ہے جو بصورت متذکرہ بالا ہے یا اسٹیشن ریلوے جنگل میں ہے وہاں سے بھی دو یا تین میل کے فاصلہ پر آبادی اور زراعت ہے، اور آقا جب بھیجتا ہے تو کچھ مدت مقرر نہیں کرتا تو ان صورتوں میں ملازم کو نماز قصر ادا کرنا واجب ہے یا پوری؟ اور اگر خود مختار ہے تو اس کو قصر پڑھنا چاہئے یا پوری؟ زید کا قول کہ نماز قصر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ اول عملداری ہندو کی ہے یعنی نیپال، دوسرے جگہ اقامت پر نہ آبادی ہے نہ زراعت ہوتی ہے یعنی کچھ فاصلے

---

[1] سنن ابی داؤد باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور ۱/۱۷۰

پر ہے، تیسرے یہ صورتِ اول میں خود مختار نہیں، آقا جب چاہے منتقل یا علیحدہ کر سکتا ہے اور عملداری انگریزی میں بھی اگرچہ اسٹیشن ہے مگر زراعت نہیں ہوتی ہے نوکری پر بوجوہ مذکورہ خود مختار پر بوجہ نہ ہونے زراعت کے قصر واجب ہے، اقامت کی شرائط میں زراعت بھی ہے، عمر کی دلیل یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا جن مقام اقامت سے ایک میل یا کم یا زیادہ پر زراعت ہوتی ہے مگر فراہمی غلّہ وغیرہ میں کوئی دقت پیش نہیں آتی ہے، دوسرے مقامِ اقامت گو جنگل میں ہے مگر دس بیس پچاس آدمی ہمراہ ہوتے ہیں جو عرصہ تک ایک جگہ مقیم رہتے ہیں، جانور درندہ وغیرہ کا بالکل خوف نہیں ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ کوئی آقا ملازم کو جب بھیجتا ہے تو کام ختم کرکے آنے تک کے لئے درمیان میں اگر ضرورت ہُوئی تو وہاں سے منتقل یا علیحدہ کر دیا یہ معتبر نہیں، اس صورت میں ارادہ ملازم کا معتبر ہے، اگر پندرہ یوم کا ارادہ ہے تو پُوری ادا کرے تو دونوں کی اقتدار درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جو مسافر نہ تھا اور اُس جنگل تک جانے میں بھی اُسے سفر کرنا نہ پڑا کہ فاصلہ تین منزل سے کم تھا، وہ تو ظاہر ہے کہ مقیم تھا اور مقیم رہا اُسے قصر حرام ہے اور پُوری پڑھنی فرض ہے اگرچہ وُہ جگہ زراعت نہ ہو۔ بحرالرائق و ردالمحتار میں ہے:

هذا ان سار ثلثة ايام والا فتصح ولو في المفازة۔[1] | یہ اُس وقت ہے جب تین دن کا سفر طے کر لیا ہو ورنہ وہ مقیم ہوگا اگرچہ وُہ جنگل میں ہو۔(ت)

اور جو مسافر تھا یا وہاں تک جانے سے مسافر ہُوا کہ فاصلہ تین منزل یا زائد کا تھا وُہ ضرور مسافر ہے، اگر عادت معلوم ہے کہ جس کام کے لئے بھیجا گیا وُہ پندرہ دن یا زائد میں ہوگا اور جگہ ایسی ہو جہاں اقامت ممکن ہے اگرچہ آبادی وہاں سے دو تین میل فاصلہ پر ہو اور زراعت نہ ہو وہاں پہنچ کر مقیم ہو جائے گا اور پُوری پڑھنی لازم ہو گی خاص وہاں زراعت ہونا کچھ ضرور نہیں، نہ ہندو کی عملداری ہونا کچھ مانع کہ یہ آمد و رفت امان کے ساتھ ہے اس سے تعرض نہیں کیا جاتا۔ درمختار میں ہے: من دخلها بامان فانه يتم[2] (جو امان کی بنا پر داخل ہُوا وہ نماز پُوری پڑھے۔ ت) اور یہ احتمال کہ شاید کوئی ضرورت پیش آئے اور جس کا نوکر ہے وُہ دوسری جگہ بھیجے معتبر نہیں، ایسا احتمال ہر شخص کو ہر حال میں ہے اور جب نوکر کا یہ حکم ہے تو خود مختار تو بدرجہ اولٰی جبکہ پندرہ دن یا زائد کی نیت کی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۱
[2] دُرمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷

مسئلہ ۱۲۷۱ از اٹاوہ محلہ ثابت گنج مرسلہ محمد ابراہیم خاں صابری مارہروی ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

زید کی سسرال اس کے مکان مسکونہ سے بسفر ریل ۱۱۴ میل کے فاصلے پر ہے اور بیوی بچے اس کے سب سسرال میں رہتے ہیں مگر زید اپنے کاروبار کی وجہ سے زیادہ تر اپنے مسکن پر رہتا ہے اور بال بچے جو اس کے سسرال میں رہتے ہیں بلکہ ضرورۃً عرصہ ۸ ماہ سے اُن کو وہاں چھوڑ رکھا ہے ایسی صورت میں جب زید اپنے مسکن سے اپنے بال بچوں میں ہونے کے واسطے بایں ارادہ گیا کہ میں چوتھے روز یا پندرہ دن کے بعد یا مہینہ بھر کے بعد واپس آؤں گا تو اُس پر قصر واجب ہے یا نہیں؛ اور اگر کسی موقع سے اُس نے قصر نماز ادا نہ کی ہو جس کو کہ وہ اپنے علم کے موافق قصر نہیں جانتا مگر شرعی اصول کے موافق اُس پر قصر واجب ہو تو اُس کے ذمہ کچھ مواخذہ ہے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ مسکن زید کا دوسری جگہ ہے اور بال بچوں کا یہاں رکھنا عارضی ہے تو جب یہاں آئے گا اور پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے گا قصر کرے گا اور پندرہ دن یا زیادہ کی نیت سے مقیم ہو جائے گا پوری پڑھے گا جس پر شرعاً قصر ہے اور اُس نے جہلاً پڑھی اُس پر مواخذہ ہے اور اُس نماز کا پھیرنا واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۷۲ از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروزپور پنجاب مرسلہ منشی محمد علی ارم ۶ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ریل میں ایک کثیر عملہ ریلیونگ رہتا ہے جس کا یہی کام کہ ہفتہ عشرہ ایک دن دو دن زیادہ کم کسی ملازم ریلوے کے بیمار ہو جانے تخفیف میں آجانے رخصت جانے پر اس کی جگہ جاتے رہتے ہیں جس سے کہیں بیس دن مہینہ اور زیادہ دو دو چار چار دن ہی رہنا پڑتا ہے ان کے لئے نماز میں قصر کا حکم ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر اپنے مقام اقامت سے ۵۷½ میل کے فاصلے پر علی الاتصال جانا ہو کہ وہیں جانا مقصود ہے بیچ میں جانا مقصود نہیں اور وہاں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں گے ورنہ پوری پڑھیں گے۔ ہاں یہ جو بھیجا گیا اگر اس وقت حالتِ سفر میں ہے مقیم نہیں تو کم بیش جتنی دُور بھی بھیجا جائے گا مسافر ہی رہے گا جب تک پندرہ دن کامل ٹھہرنے کی نیت نہ کرے یا اپنے وطن نہ پہنچے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۷۳ از شہر محلہ بہاری پور مسئولہ نواب وزیر احمد خاں صاحب ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج قصد تلہر اس وقت دس بجے کی گاڑی سے ہے تلہر تک قصر نہیں تلہر سے قصد رامپور کا ہے تلہر سے رامپور تک قصر ہے لیکن درمیان میں بریلی پڑے گی اُترنا نہیں ہوگا اس صورت میں قصر کا کیا حکم ہے، تلہر میں بھی قصر پڑھا جائے یا نہیں اور اگر تلہر میں قصد رامپور کا فسخ ہو جائے تو قصر کو قصر کیا جائے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

یہاں سے تلہر تک اور تلہر کے قیام تک قصر نہ کریں جب تلہر سے بقصد مستقیم رامپور کا ارادہ ہو تو راہ میں بھی اور رامپور میں بھی اور بریلی تک واپس آنے میں بھی قصر کریں، رامپور جانے میں اگرچہ بریلی کے اسٹیشن پر گزر ہوگا مگر وہ بریلی میں گزر نہیں کہ قصر کا قصر کردیں اس لئے کہ یہاں اسٹیشن خارج شہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۷۴: از سنبھل مراد آباد محلہ دیپا سرائے مسئولہ مولوی محمد ایوب صاحب ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ

مسافر اگر نماز پوری چار رکعت پڑھادے تو مقیمین کی نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

مسافر اگر بے نیتِ اقامت چار رکعت پوری پڑھے گا گنہگار رہوگا اور مقیمین کی نماز اُس کے پیچھے باطل ہوجائیگی اگر دو رکعت اولیٰ کے بعد اس کی اقتداء باقی رکھیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۷۵: از پیلی بھیت محلہ پنجابیاں مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کوئی شخص اپنے وطن اصلی سے سفر کرکے دوسری جگہ ہیں جو سفر شرعی تین منزل سے زائد ہے بضرورت تعلقات تجارت یا نوکری وغیرہ کے جارہا ہو مگر اہل وعیال اس کے وطن اصلی میں ہوں اور اکثر قیام اُس کا وطن ثانی میں رہنا ہوگا ہی، سال بھر میں مہینہ دو مہینہ کے واسطے اہل وعیال میں بھی رہ جاتا ہو یا بعض اہل کو ہمراہ لے جائے اور بعض کو وطن میں چھوڑ جائے یا کل متعلقین ہمراہ لے جائے صرف مکانات وغیرہ کا تعلق وطن اصلی میں باقی ہو اور ان سب صورتوں میں اُن کا زیادہ تر اور اکثر قیام وطن ثانی میں رہتا ہے اور کم اتفاق رہنے کا وطن اصلی میں ہوتا ہے اور بظاہر وجہ قیام ثانی کے وہی تعلقات جدیدہ ہیں اور در صورت قطع تعلقات جدیدہ کے وطن اصلی میں واپس آجانے کا بھی قصد رکھتا ہے ایسی صورت میں یہ شخص کہیں سے سفر کرتا ہوا وطن ثانی میں آئے اور ۱۵ روز قیام کا قصد نہ رکھتا ہو تو صلاۃ رباعیہ کو پورا پڑھے مثل وطن اصلی کے یا قصر کرے مثل مسافروں کے؟ بینوا توجروا

الجواب

جبکہ وہ دوسری جگہ نہ اس کا مولد ہے نہ وہاں اس نے شادی کی نہ اُسے اپنا وطن بنا لیا یعنی یہ عزم نہ کرلیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی بربنائے تعلق تجارت یا نوکری ہے تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی اگرچہ وہاں بضرورت معلومہ قیام زیادہ اگرچہ وہاں برائے چندے یا تا حاجت اقامت بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہرحال یہ قیام ایک وجہ خاص سے ہے نہ مستقل ومستقر، تو جب وہاں سفر سے آئے گا جب تک ۱۵ دن کی نیت نہ کرے گا قصر ہی پڑھے گا کہ وطن اقامت سفر کرنے سے باطل ہوجاتا ہے۔

فی الدر المختار الوطن الاصلی وھو موطن — درمختار میں ہے وطنِ اصلی' آدمی کی جائے ولادت ہے

ولادتہ اوتأھلہ اوتوطنہ[1]۔

یا وہاں اس نے شادی کی ہو یا اس نے وہاں اسے اپنا وطن بنایا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قولہ او تأھلہ ای تزوجہ قال فی شرح المنیۃ ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینو الاقامۃ بہ فقیل لا یصیر مقیما وقیل یصیر مقیما وھو الاوجہ۔ قولہ أو توطنہ ای عزم علی القرار فیہ و عدم الارتحال وان لم یتأھل فلو کان لہ ابوان ببلد غیر مولدہ وھو بالغ ولم یتأھل بہ فلیس ذلک وطنا الا اذا عزم علی القرار فیہ وترک الوطن الذی کان لہ قبلہ[2]۔ شرح المنیۃ۔

قولہ "تاھلہ" یعنی اس نے وہاں شادی کی، شرح المنیہ میں ہے کہ اگر مسافر نے کسی شہر میں شادی کرلی اور وہاں اقامت نہ کی تو قول یہ ہے کہ وہ مقیم نہیں ہوگا اور ایک قول میں مقیم ہو جائے گا، یہی مختار ہے۔ اس کا قول "او توطنہ" یعنی اگرچہ وہاں شادی نہیں کی مگر ٹھہرنے اور کُوچ نہ کرنے کا عزم کرلیا، اگر آدمی کے ایک شہر میں والدین ہیں لیکن وہ جگہ اس کی جائے ولادت نہیں اور نہ ہی اس نے وہاں شادی کی ہے تو وہ شہر اس کا وطن نہ ہوگا البتہ اس صورت میں کہ وہاں ٹھہرنے کا ارادہ کرے اور سابقہ وطن ترک کردے۔ شرح المنیۃ۔ (ت)

تنویر میں ہے :

ویبطل وطن الاقامۃ بمثلہ والاصلی والسفر[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم

وطن اقامت وطن اقامت، وطن اصلی اور سفر سے باطل ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۸
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۶
[3] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۸

باب الجُمعة

(نمازِ جمعہ کا بیان)

مسئلہ ۱۲۷۶ مرسلہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب مدرس اول مدرسہ عربیہ اکبریہ ۷ محرم ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں جمعہ جائز ہے کہ نہیں؟ اور وُہ آبادی جس کی مسجد میں اُس کے ساکن نہ سما سکیں شہر ہے یا گاؤں؟ بیّنوا توجّروا۔

الجواب

دیہات میں جمعہ ناجائز ہے اگر پڑھیں گے گنہگار رہیں گے اور ظُہر ذمّہ سے ساقط نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار فی القنیۃ صلوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحۃ[1] انتہی اقول فالجمعۃ اولی لان فیہا مع ذلک اما ترک الظہر وھو فرض او ترک جماعتہ وھی واجبۃ ثم الصلوۃ فرادی مع الاجتماع، وعدم المانع شنیعۃ اخری غیر ترک الجماعۃ فان من صلی فی بیتہ منعزلا عن الجماعۃ فقد ترک الجماعۃ وان صلوا

درمختار میں ہے کہ قنیہ میں ہے عید کی نماز دیہاتوں میں مکروہِ تحریمی ہے یعنی یہ ایسی شَے میں مصروف ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شہر کا ہونا صحتِ عید کے لئے شرط ہے انتہی اقول جمعہ بطریقِ اولیٰ مکروہِ تحریمی ہوگا کیونکہ اس جمعہ کی صورت میں ترکِ ظہر ہوگا جو فرض ہے یا ترکِ جماعت ہوگا حالانکہ وُہ واجب ہے، باوجود اجتماع اور عدم مانع کے تنہا نماز ادا کرنا ترکِ جماعت سے الگ خرابی ہے کیونکہ جو جماعت سے الگ گھر میں نماز ادا کرے گا اس نے جماعت ترک کر دی اور ایک وقت میں مسجد میں حاضر

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

فرادى حاضرين فى المسجد فى وقت واحد فقد تركوا الجماعة واتوا بهذه الشنيعة زيادة عليه فيؤدى الى ثلث محظورات بل اربع بل خمس لان ما يصلونه لما لم يكن مفترضا عليهم كان نفلا واداء النفل بالجماعة والتداعى مكروه ثم هم يعتقدونها فريضة عليهم وليس كذلك فهذه خامسة وهذان مشتركان بين الجمعة والعيدين۔

لوگ تنہا نماز ادا کرتے ہیں تو انھوں نے جماعت ترک کردی اور انھوں نے ایسا عمل کیا جو اس خرابی پر اضافہ ہے پس اب تین بلکہ چار، نہیں بلکہ پانچ ممنوعات لازم آجاتے ہیں کیونکہ جو نماز انھوں نے ادا کی وہ ان پر فرض نہ تھی بلکہ وُہ ان پر نفل تھی اور نفل کو جماعت اور تداعی کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے پھر ان کا اسے اپنے فرض ماننا حالانکہ وہ فرض نہیں یہ پانچویں خرابی ہے اور یہ دونوں چیزیں جمعہ اور عیدین کے درمیان مشترک ہیں۔

صحتِ جمعہ کے لئے شہر شرط ہے، اور شہر کی یہ تعریف کہ جس کی اکبر مساجد میں اس کے سکان جن پر جمعہ فرض ہے یعنی مرد عاقل بالغ تندرست نہ سما سکیں، ہمارے ائمہ ثلٰثہ رحمہم اللہ تعالٰی سے ظاہر الروایہ کے خلاف ہے اور جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے کما فی البحر الرائق والخیریۃ و رد المحتار وغیرھا (جیسا کہ بحرالرائق، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ ت) اور فتوٰی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایہ پر عمل واجب ہے کما فی البحر والدر وغیرھما (جیسا کہ بحر اور در وغیرہ میں ہے۔ ت)

اقول محققین تصریح فرماتے ہیں کہ قولِ امام پر فتوٰی واجب ہے اُس سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ مشائخ مذہب قولِ صاحبین پر افتا کریں۔

اللّٰھم الا لضعف دليل او تعامل بخلافه نص على ذلك العلامة زين بن نجيم فى البحر والعلامة خير الدين الرملى فى فتاواه وشيخ الاسلام صاحب الهداية فى التجنيس والمحقق حيث اطلق فى الفتح والسيد احمد الطحطاوى والسيد الشامى فى حواشى الدر وغيرهم من اجلة العلماء الكرام الغر كما بيناه فى كتاب النكاح من العطايا النبوية فى الفتاوى الرضوية۔

اے اللہ! مگر یہ کہ دلیل کمزور ہو یا عمل اس کے خلاف ہو اس پر علامہ زین بن نجیم نے بحر میں، علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں، شیخ الاسلام صاحب الہدایہ نے تجنیس میں، محقق نے فتح میں، شریف طحطاوی اور سید شامی نے حواشی در میں اور دیگر علماء اجلہ نے اس پر تصریح کی ہے جیسا کہ ہم نے اسے "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کے کتاب النکاح میں بیان کیا ہے۔ (ت)

تو جہاں قولِ صاحبین بھی امام ہی کے ساتھ ہے ایک روایت نوادر صرف بوجہ اختلاف فتاوٰی متاخرین کیونکہ معمول و مقبول اور ائمہ ثلٰثہ کا ظاہر الروایہ میں جو ارشاد ہے متروک ولائقِ عدول ہو، لاجرم شرح نقایہ و مجمع الانہر میں

تصریح فرمائی کہ شہر کی یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں کما ستسمع نصہ (جیساکہ عنقریب اس پر آپ نص سنیں گے۔ت)

اقول معہذا ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے جو اقامتِ جمعہ کے لئے مصر کی شرط لگائی اُس کا ماخذ حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی حدیث صحیح ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ وعبدالرزاق نے اپنی مصنفات میں روایت کیا:

لاجمعۃ ولاتشریق ولاصلٰوۃ فطر ولااضحی الا فی مصر جامع اومدینۃ عظیمۃ[1]

جمعہ، تکبیراتِ تشریق، عید الفطر اور عید الاضحی خارج شہر یا بڑے شہر میں ہو سکتے ہیں۔(ت)

ظاہر ہے کہ اس روایت غریبہ کی تعریف بہت سے چھوٹے چھوٹے مزرعوں پر صادق جنھیں کوئی مصر جامع یا مدینہ نہ کہے گا کما اشار الیہ العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ العلائی (جیساکہ علامہ طحطاوی نے حاشیۃ العلائی میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ت) تو اس قول کا اختیار اصل مذہب سے عدول اور اس کے ماخذ کا صریح خلاف ہے اور گویا مخالفوں کے اس اعتراض کا پُورا کرلینا ہے کہ حنفیہ نے یہ شرط بے توقیف شارع اپنی رائے سے لگالی ہں کے سوا عند التحقیق اس پر بہت اشکال وارد ہیں جن کی تفصیل کو دفتر درکار۔ طرفہ یہ ہے کہ وُہ پاک مبارک دو شہر جس کی مصریت پر اتفاق ہے اور ان میں زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جمعہ قائم یعنی مدینہ ومکہ زادہما اللہ تعالٰی شرفاً وتکریماً اس تعریف کی بنا پر وہی شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں ماصرح بہ العلامۃ ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ والعلامۃ السیّد احمد الطحطاوی فی حاشیۃ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (جس طرح کہ علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں اور علامہ السید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں تصریح کی ہے۔ت) تو اس کی بے اعتباری میں کیا شبہہ ہے۔ صحیح تعریف شہر کی یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کُوچے ہوں دوامی بازار ہوں، نہ وہ جسے پیٹھ کہتے ہیں، اور وُہ پرگنہ ہے کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اُس میں کوئی حاکم مقدماتِ رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ جہاں یہ تعریف صادق ہو وہی شہر ہے اور وہیں جمعہ جائز ہے۔ ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے یہی ظاہر الروایہ ہے،

کما فی الھدایۃ والخانیۃ والظھیریۃ والخلاصۃ والعنایۃ والدرالمختار والھندیۃ وغیرھا۔

جیساکہ ہدایہ، خانیہ، ظہیریہ، خلاصہ، عنایہ، حلیہ، غنیہ، درمختار اور فتاوٰی ہندیہ وغیرہ میں ہے(ت)

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلٰوۃ من قال لاجمعہ الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۰۱
مصنف لعبدالرزاق باب القری الصغار ؍؍ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۶۷

اور یہی مذہب ہمارے امام اعظم کے استاذ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد خاص حضرت امام عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے،

کما فی مصنف عبد الرزاق حدثنا ابن جریج عن عطاء بن ابی رباح قال اذا کنت فی قریۃ جامعۃ فنودی بالصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فحق علیك ان تشهدها سمعت النداء او لم تسمعه[1] قال قلت لعطاء ما القریۃ الجامعۃ قال ذات الجماعۃ والامیر والقاضی والدور المجتمعۃ غیر المفترقۃ الاخذ بعضها ببعض مثل جدۃ[2]۔

جیساکہ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ ہمیں ابن جریج نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے بیان کیاکہ جب تم کسی جامع قریہ میں ہوں تو وہاں جمعہ کے لئے اذان ہو تو تم پر جمعہ کے لئے جانا فرض ہے خواہ اذان سنی ہو یا نہ، کہتے ہیں میں نے عطاء سے پوچھاکہ جامعہ قریہ کون سا ہوتاہے؟ انہوں نے فرمایا جس میں جماعت، امیر، قاضی اور متعدد کوچے اس میں ملے جلے ہوں جس طرح جدہ ہے۔(ت)

اور یہی قول امام[1] ابو القاسم صفار تلمیذ التلمیذ امام محمد کا مختار ہے کما فی الغنیۃ (جیساکہ غنیہ میں ہے۔ت) اسی کو امام[2] کرخی نے اختیار فرمایا کما فی الهدایۃ (جیساکہ ہدایہ میں ہے۔ت) اسی پر امام[3] قدوری نے اعتماد کیاکما فی مجمع الانهر (جیساکہ مجمع الانہر میں ہے۔ت) اسی کو امام شمس[4] الائمہ سرخسی نے ظاهر المذهب عندنا (ہمارے نزدیک ظاہر مذہب یہی ہے۔ت) فرمایا کما فی الخلاصۃ (جیساکہ خلاصہ میں ہے۔ت) اسی پر امام علاء[5] الدین سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء اور ان کے تلمیذ امام ملک[6] العلماء ابوبکر مسعود نے بدائع شرح تحفہ میں فتوی دیا کما فی الحلیۃ (جیساکہ حلیہ میں ہے۔ت) اسی پر امام[7] فقیہ النفس قاضی خاں نے جزم واقتصار کیاکما فی فتاواہ (جیساکہ ان کے فتاوی میں ہے۔ت) اور اسی کو شرح[8] جامع صغیر میں قول معتمد فرمایا کما فی الحلیۃ والغنیۃ (جیساکہ حلیہ اور غنیہ میں ہے۔ت) اسی کو امام شیخ[9] الاسلام برہان الدین علی فرغانی نے مرجح رکھا کما فی شرح المنیۃ (جیساکہ شرح منیہ میں ہے۔ت) اسی کو مضمرات[10] میں اصح ٹھہرایا کما فی جامع الرموز (جیساکہ جامع الرموز میں ہے۔ت) ایساہی جواہر[11] الاخلاطی میں لکھ کر هذا اقرب الاقاویل الی الصواب (اقوال میں سے یہ قول صواب کے زیادہ قریب ہے۔ت) کہا کما رأیته فیها (جیساکہ اس میں مروی دیکھاہے۔ت) ایساہی غیاثیہ[12] میں لکھا کما فی الغنیۃ (جیساکہ غنیہ میں ہے۔ت) اسی کو تاتارخانیہ میں

---

[1] المصنف لعبد الرزاق | باب القری الصغار | مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت | ۳/۱۶۸

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی | فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ | ،، سہیل اکیڈمی لاہور | ص ۵۵۰

علیہ الاعتماد (اسی پر اعتماد ہے۔ ت) فرمایا کما فی الھندیۃ (جیساکہ ہندیہ میں ہے۔ ت) اسی کو غایہ[14] شرح ہدایہ و غنیہ[15] شرح منیہ و مجمع الانہر[16] شرح ملتقی الابحر و جواہر[17] و شرح نقایہ[18] قہستانی میں صحیح کہا اخیر میں ہے یہی قول معول علیہ ہے اسی کو ملتقی الابحر[19] میں مقدم و ماخوذ بہ ٹھہرایا اسی پر کنز الدقائق[20] و کافی[21] شرح وافی و نور الایضاح[22] و عالمگیریہ[23] میں جزم و اقتصار کیا قولِ دیگر کا نام بھی نہ لیا اسی کو عنایہ[24] شرح ہدایہ میں علیہ اکثر الفقہاء (اکثر فقہاء اسی پر ہیں۔ ت) فرمایا کما فی حاشیۃ المراقی للعلامۃ الطحطاوی (جیساکہ علامہ طحطاوی کی مراقی الفلاح کے حاشیہ میں ہے۔ ت) اسی کو علامہ حسن[25] شرنبلالی نے شرح نور الایضاح میں اصح و علیہ الاعتماد (اسی پر اعتماد ہے۔ ت) فرمایا، اسی پر علامہ سید[26] احمد مصری نے حاشیہ شرنبلالیہ میں اعتماد اور قول آخر کا رَدِّ بلیغ کیا، اسی پر امام ابن[27] الہمام محمد و علامہ[28] اسمٰعیل نابلسی و علامہ[29] نوح آفندی و علامہ[30] سید احمد حموی وغیرہم کبرائے اعلام نے بنائے کلام فرمائی شرح کل ذلك یطول (ہر ایک کی شرح طویل ہے۔ ت) علامہ ابراہیم حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

الحد الصحیح ما اختارہ صاحب الھدایۃ انہ الذی لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام و یقیم الحدود و تزییف صدر الشریعۃ لہ عند اعتذارہ عن صاحب الوقایۃ حیث اختار الحد المتقدم ذکرہ بظھور التوانی احکام الشرع سیما فی اقامۃ الحدود فی الامصار مزیف بان المراد القدرۃ علی اقامۃ الحدود علی ماصرح بہ فی التحفۃ الفقھاء عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ بلدۃ کبیرۃ فیھا سکك واسواق ولھا رساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما تقع من الحوادث وھذا ھو الاصح[1] اھ

شہر کی وہ صحیح تعریف جسے صاحبِ ہدایہ نے پسند کیا ہے یہ ہے کہ وہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کرسکیں، اور صاحبِ وقایہ کے پہلی تعریف کو اختیار کرنے پر ان کی طرف سے صدر الشریعۃ کا یہ عذر کرنا کہ احکامِ شرع خصوصاً حدود کے نفاذ میں سستی کا ظہور ہو رہا ہے، کمزور ہے کیونکہ مراد اقامت حدود پر قادر ہونا ہے جیسے کہ تحفۃ الفقہاء میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تصریح ہے کہ وہ شہر کبیر ہو اس میں شاہراہیں، بازار اور وہاں سرائے ہوں اور اس میں کوئی نہ کوئی ایسا والی ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو خواہ اپنے دبدبہ اور علم کی بنا پر یا غیر کے علم کی وجہ سے تاکہ حوادثات میں اس کی طرف رجوع کرسکیں اور یہی اصح ہے اھ (ت)

---

[1] شرح منیہ فصل فی صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

ملتقی الابحر و مجمع الانہر میں ہے:

هو ظاهر المذهب علی ما نص علیه السرخسي وهو اختیار الکرخي والقدوري، وقیل قائله صاحب الوقایة وصدر الشریعة وغیرهما ما لو اجتمع اهله فی اکبر مساجده لا یسعهم وهو اختیار الثلجي وانما اورد بصیغة التمریض لانهم قالوا ان هذا الحد غیر صحیح عند المحققین مع ان الاول یکون ملائما بشرط وجود السلطان ونائبه ومناسبا لما قاله الامام رحمه الله تعالٰی، وفی الغایة هو الصحیح[1] اھ ملخصا هذا اجمالة الکلام وللتفصیل محل اٰخر، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم

امام سرخسی کے بقول یہی ظاہر مذہب ہے، امام کرخی و قدوری کا بھی یہی مختار ہے، بعض کے نزدیک یہ صاحبِ وقایہ اور صدر الشریعۃ وغیرہ کا قول ہے (اور شہر کی یہ تعریف) کہ اگر اس کی بڑی مسجد میں اہلِ شہر جمع ہوں تو وہ اُن کی گنجائش نہ رکھے، یہ امام ثلجی کا مختار ہے صیغہ تمریض کے ساتھ وارد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ یہ تعریف محققین کے ہاں صحیح نہیں باوجودیکہ پہلی تعریف وجود سلطان اور نائب سلطان کے موافق اور امام نے جو کچھ فرمایا اس کے مناسب ہے، اور غایہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے اھ ملخصاً یہ فی الجملہ گفتگو ہے تفصیل کے لئے دوسرا مقام ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۷۷: از کلانور ضلع گورداسپور مرسلہ شیخ مراد علی صاحب ۲۱ صفر ۱۳۰۹ھ

بشرفِ خدمت باعظمت حضرت من مولانا فیاض دارین حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب مقیم بریلی زاد اللہ فیضانہ، بعد السلام علیکم و تمنائے زیارت خدمت شریف میں عرض یہ ہے کہ نماز جمعہ کی فرضیت میں اختلاف چلا آتا ہے اس سے اطمینان حاصل نہیں بعض عالم فاضل قابل فتوٰی کے فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کی عین فرض ہے کوئی کوئی امر حالات موجودہ سلطنت سے اُس کی فرضیت کا مانع نہیں خالصاً بلا شک و شبہہ عین فرض یقیناً نماز جمعہ پر آمنا وصدقنا سے یقین رکھنا چاہئے اور جو بعد نماز جمعہ کے احتیاطی فرض نماز پیشیں کے پڑھے جاتے ہیں یہ نہیں پڑھنے چاہئیں، اور بعض بعض عالم فاضل لائق فتوٰی کے بنظر حالات سلطنت وقت کے فرماتے ہیں کہ نمازِ جمعہ واقعی عین فرض تھی مگر اس وقت بوجہ نہ ہونے سلطنت اسلام کے وہ فرضیت جو دراصل تھی اب وہ نہیں رہی نماز جمعہ کی بجائے فرضیت کے بمنزلہ مستحب کے فرماتے ہیں اور فتوٰی دیتے ہیں کہ نماز جمعہ کی ایک بڑا بھاری رکن اسلام کا ہے اس کا ترک اور ان کا مطلقاً چھوڑنا اچھا نہیں بہرحال پڑھنا نمازِ جمعہ ثواب اور اچھا ہے، اور ساتھ اس کے

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الجمعہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۶ و ۱۶۷

یہ بھی فتوٰی فرماتے ہیں کہ بعد نماز جمعہ کے احتیاطاً نماز سب پیشیں کی معہ فرضوں کے پڑھ لینا ضرور چاہئے، اس واسطے جناب میں التماس پیش کیا جاتا ہے کہ جناب اس میں کس طرح فرماتے ہیں آیا مطابق فرقہ علمائے اول کے جو عین فرضیت کا فتوٰی فرماتے ہیں یا برخلاف اُس کے اور مطابق فرقہ علمائے گروہ ثانی کے جو مستحب فرماتے اور پیچھے نماز جمعہ کے جملہ نماز پیشیں معہ فرضوں کے احتیاطاً پڑھ لینا فرماتے ہیں جناب بالتشریح اسے درخواست کے محاذ پر مفصل حال جو جناب کے فتوٰی سے بہتر اور اولٰی ہو تحریر فرما دیں تاکہ ان دونوں فریق کی بحث مختلف سے یک سُو اطمینان حاصل ہو

فقط ۲۲ ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستی کی رہنمائی فرما۔ ت) اصل فرضیت جمعہ میں کسی کو کلام نہیں کہ وُہ نہ صرف مجمع علیہا یا نص قطعی سے ثابت بلکہ اعلٰی و اجل ضروریاتِ دین سے ہے مگر جمعہ باجماعِ اُمت مشروط بالشروط ہے، ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے جو شرائط اس کے لئے معین فرمائے شک نہیں کہ ان بلاد میں اُن کا پُورا پُورا اجتماع قدرے محل اشتباہ و نزاع معہذا یہاں عامۂ بلاد میں جماعاتِ جمعہ متعدد ہوتی ہیں اور اگرچہ مذہب مفتی بہ میں تعدد جمعہ مثل عیدین مطلقاً جائز، اسی پر کنز[1] و وافی[2] و کافی[3] و ملتقی[4] و تنویر[5] و ہندیہ[6] و طحاوی[7] و شامی[8] وغیرہا میں اعتماد فرمایا امام[9] اجل مفتی الجن والانس نجم الدین نسفی پھر علامہ[10] ابن وہبان نے اپنے منظومہ اور علامہ[11] یوسف چلپی نے ذخیرۃ العقبٰی اور علامہ[12] شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں اسی کو قول صحیح امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما بتایا، شرح[13] وقایہ میں ہے بہ یفتی (اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) شرح[14] المجمع للعلامۃ البدر العینی میں ہے: علیہ الفتوی (اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) فتح[15] القدیر میں ہے: علی المفتی بہ (مفتٰی بہ قول پر۔ ت) محیط[16] شمس الائمہ سرخسی میں ہے: الصحیح و بہ ناخذ (صحیح ہے اور ہم اسی پر عمل پیرا ہیں۔ ت) تبیین[17] الحقائق و بحر[18] و فتح و شرح[19] وہبانیہ و منح[20] الغفار و عقود[21] الدریہ وغیرہا میں ہے: الاصح (زیادہ صحیح۔ ت) بحرالرائق[22] و درمختار میں ہے: علی المذہب (مذہب پر۔ ت) حتی کہ علامہ حسن شرنبلالی و علامہ محمد بن علی علائی وغیرہما نے قول آخر کے ضعیف ہونے کی تصریح فرمائی مگر عند التحقیق روایت عدم جواز تعدد بھی ساقط نہیں بلکہ مذہب کا باقوت قول ہے امام[1] طحاوی و تمرتاشی[2] و صاحب[3] مختار نے اُسی کو اختیار فرمایا، امام[4] فقیہ النفس قاضی خاں نے خانیہ میں اسی کو مقدم رکھا، خزانۃ[5] المفتین میں اُسی پر اقتصار کیا، عتابی[6] و اخلاطی[7] نے اُسی کو اظہر اور جوامع[8] الفقہ میں اظہر الروایتین اور امام[9] ملک العلماء ابوبکر مسعود نے ظاہر الروایہ کہا، تکملہ[10] رازی میں ہے: بہ ناخذ (ہم اسی پر عمل پیرا ہیں۔ ت) حاوی[11] القدسی میں ہے علیہ الفتوی (فتوی اسی پر ہے۔ ت) بدائع امام ملک العلماء میں ہے علیہ الاعتماد (اعتماد اسی پر ہے۔ ت) جواہر[12] الاخلاطی

میں ہے ھو الصحیح و ھو الاصح وعلیہ الفتوی (یہی صحیح اور یہی اصح اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) آفندی شامی فرماتے ہیں فھو ح قول معتمد فی المذھب لاقول ضعیف (پس یہی یہاں معتمد قول اور مذہب ہے ضعیف قول نہیں ہے) ان وجوہ کی نظر سے ائمہ مرو[1] و اکثر مشائخ[2] بخارا و اصحاب[3] امام ابو عبداللہ حاکم شہید و اصحاب[4] امام شیخ ابی عمرو و اساتذہ[5] صاحب مختار الفتاوی وغیرہم جمہور ائمہ دین و علمائے معتمدین نے ایسی جگہ ان چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا اور اسی کی محیط[6] برہانی و فتاوٰی ظہیریہ[7] و فتاوٰی حجہ[8] و واقعات[9] و مطلب[10] و مختار[11] الفتاوی و نہایہ[12] و کافی[13] و جامع[14] المضمرات و خزانۃ[15] المفتین و فتح[16] القدیر و شرح[17] المجمع و فتاوٰی سراجیہ[18] و تاتارخانیہ[19] و حلیہ[20] و غنیہ[21] و صغیری[22] و مجمع[23] الانہر و تیسیر[24] المقاصد و نہر[25] الفائق و عالمگیریہ[26] و فتاوٰی صوفیہ[27] و خزانۃ[28] الروایات و قنیہ[29] و حاوی[30] و غرائب[31] و فتاوٰی رحمانیہ[32] و طحطاوی[33] حاشیہ مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح کی اسی کو امام الحسن[34] و امام تمرتاشی[35] و قاضی بدیع الدین[36] و محقق[37] ابن حُجر باش و علامہ ابن الشحنہ[38] و شیخ[39] الاسلام جد ابن الشحنہ و علامہ[40] باقانی و علامہ[41] مقدسی و علامہ[42] ابوالسعود و محقق[43] شامی و جماعت[44] کثیرہ شراح ہدایا وغیرہا[45] وغیرہم ائمہ و علمائے نے اختیار فرمایا علامہ ابراہیم حلبی نے اسی کو اولٰی اور امام محمود عینی نے احسن و احوط اور علامہ باقانی نے ھو الصحیح (یہی صحیح ہے۔ ت) اور سراجیہ میں ھو حسن (یہ حسن ہے۔ ت) اور حجہ و مضمرات وغیرہما میں الصحیح المختار (صحیح مختار۔ ت) رکھا ان سب کتب و علماء کے نصوص فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کئے یہاں بقدر حاجت صرف دو تین عبارت پر اقتصار رہونا ہے امام محقق علامہ محمد بن محمد ابن امیر الحاج حلبی حلیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

قد یقع الشك فی صحۃ الجمعۃ بسبب فقد بعض شروطها ومن ذلك ما اذا تعددت فی المصر وھی واقعۃ اھل مرو فیفعل ما فعلوہ قال المحسن لما ابتلی اھل مرو باقامۃ الجمعۃ فی موضعین مع اختلاف العلماء فی جوازها امرائمتھم باداء الاربع بعد الجمعۃ حتما احتیاطا[1]۔

بعض شرائط جمعہ کے فقدان کی وجہ سے بعض اوقات صحتِ جمعہ میں شک واقع ہوجاتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہو اور یہ واقعہ اہلِ مرو کا ہے لہذا وہی کیا جائے جو اہلِ مرو نے کیا تھا' محسن کہتے ہیں کہ جب جوازِ جمعہ میں علما کے اختلاف کے باوجود جب اہلِ مرو نے دو جگہ جمعہ شروع کیا تو انھیں ائمہ نے حکم دیا کہ وہ جمعہ کے بعد ضروری طور پر چار رکعت فرض ظہر احتیاطاً ادا کریں۔ (ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی   فصل فی صلٰوۃ الجمعہ

[2] غنیۃ المستملی   مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور   ص ۵۵۲

عن هذا وعن الاختلاف فی المصر قالوا فی کل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة ینبغی ان یصلی اربع رکعات ینوی بها الظهر فالاولٰی هو الاحتیاط لان الخلاف فیه قوی وکون الصحیح جواز التعدد للضرورة للفتوی لایمنع شرعیة الاحتیاط للتقوی[1] (ملخصاً)

اس اختلاف اور تعریفِ شہر میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس جگہ جوازِ جمعہ میں شک ہو وہاں ظہر کی نیت سے چار رکعات ادا کرنی چاہئیں، تو احتیاط ہی بہتر ہے کیونکہ یہاں بڑا سخت اختلاف ہے اور جمعہ کا ضرورت کے پیشِ نظر متعدد جگہ پر جواز کے فتوٰی کا صحیح ہونا شرعاً تقوٰی کے طور پر احتیاط کے منافی نہیں۔ (ملخصاً) (ت)

امام اجل ظہیر الملۃ والدین مرغینانی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

اکثر مشائخ بخارا علیہ لیخرج عن العهدة بیقین[2]

مشائخِ بخارا کی اکثریت کی یہی رائے ہے تاکہ ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے۔ (ت)

فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

احتاطت الائمة فی اکثر البلاد فانهم یصلون الظهر بعد مایؤدون الجمعة خلف نواب هؤلاء وهو حسن[3]

اکثر شہروں میں ائمہ یہ احتیاط کرتے ہیں کہ جمعہ کی ادائیگی کے بعد ظہر پڑھتے ہیں ان نائبین کے پیچھے، اور یہ اچھا ہے۔ (ت)

ہاں وُہ نرے جاہل عامی لوگ کہ تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں یا ان رکعات کے باعث راساً جمعہ کو غیر فرض یا جمعہ کے دن دو نمازیں فرض سمجھنے لگیں اُنھیں ان رکعات کا حکم نہ دیا جائے بلکہ ان کی ادا پر مطلع نہ کیا جائے کہ مفسدہ اشد واعظم کا دفع آکد واہم ہے اُن کے لئے اسی قدر بس ہے کہ بعض روایات و اقوالِ ائمۂ مذہب پر اُن کی نماز صحیح ہو جائے لہذا سیدی نور الدین مقدسی نور الشمعہ میں فرماتے ہیں:

نحن لا نأمر بذلك امثال هذه العوام بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة الیهم[4]

ہم اس طرح کے معاملات کا حکم عوام کو نہیں دیتے بلکہ ہم خواص کو اس پر آگاہ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کی نسبت سے ہو۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۲

[2] فتاوٰی امام اجل ظہیر الدین المرغینانی

[3] فتاوٰی سراجیہ باب الجمعۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۷

[4] نور الشمعۃ

اس تحقیق سے ظاہر کہ ان بلاد میں مطلقاً صحتِ جمعہ کو قطعی یقینی بلا اشتباہ ماننا افراط اور اقاویلِ مذہب و خلافیاتِ مشائخ سے غفلت و ذہول ہے اور جمعہ کو صرف درجہ مستحب میں جاننا محض باطل و تفریط و قواعدِ شرع و مقاصدِ ائمہ سے عدول، اگر اول حق ہوتا تو احتیاط کی کیا حاجت تھی کہ خروج عن العہدہ بالیقین ہولیا، اور ثانی صحیح ہوتا تو صرف احتیاطاً ماننے کے کیا معنی تھے بلکہ یقیناً ظہر فرض قطعی ہوتا اور ایک مستحب کے سبب جماعتِ ظہر کو کہ علی المعتمد واجب ہے ترک کرنا مکروہ تحریمی معہذا جمعہ مستحبہ نہ شرع سے معہود نہ کلماتِ علماء اُس کے مساعد، پس قولِ وسط و انصاف یہ ہے ان شہروں میں جمعہ ضرور لازم ہے اور اُس کا ترک معاذ اللہ ایک شعارِ عظیم اسلام سے اعراض، اور ان چار رکعت احتیاطی کا خواص کو حکم اور نافہم عامیوں کے حق میں اغماض - واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۷۸ مرسلہ مولوی الہ یار خاں صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ جو فتاوٰی ابوالبرکات میں لکھا ہے لا تجوز الجمعۃ حتی یعلم الخطیب معناہ (جب خطیب، خطبہ کے معانی سے آگاہ نہ ہو جمعہ جائز نہیں۔ ت) یہ صحیح ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

خطیب کا معنی عبارت خطبہ سمجھنا شرط کیا معنی ہرگز واجب بھی نہیں کہ آثم کہہ سکیں جمعہ ناجائز ہونا تو درکنار اگر یہ قول صحیح ہوتا واجب تھا کہ کتب مشہورہ متداولہ اُس کی تصریحوں سے مالامال ہوتیں ایسا نہایت ضروری مسئلہ جس پر نمازِ فرض کے صحت وبطلان کا مدار ہو اور متون وشروح وفتاوٰی کہیں اس کا پتا نہ دیں ہرگز عقل سلیم اسے قبول نہیں کرسکتی ولہذا مجتبٰی میں جو بہت سی شرائطِ نیت نمازِ فرض ونفل میں ذکر کیں جن کا تصانیف معتمدہ میں وجود نہ تھا علماء نے اسی وجہ سے ان کی طرف اصلاً التفات نہ فرمایا، اشباہ میں ہے:

من الغریب ما فی المجتبٰی لا بد من نیۃ العبادۃ والطاعۃ والقربۃ وانہ یفعلہا مصلحۃ لہ فی دینہ وان یکون اقرب الی ما وجب عندہ عقلاً[عہ] من الفعل واداء الامانۃ وابعد

عجیب ہے وُہ چیز جس کا تذکرہ مجتبٰی میں ہے کہ نیت عبادت، طاعت اور ثواب کا ہونا ضروری ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وُہ اسے اپنے دین کی مصلحت کی اور عقلاً واجب شدہ عمل اور ادائیگیِ امانت سے قرب اور حرام شدہ ظلم اور

عہ قلت افصح الزاھدی ھھنا عن اعتزالہ فان الوجوب عند اھل الحق شرعی لا عقلی ۱۲ منہ (م)

میں کہتا ہُوں زاہدی نے یہاں اپنے معتزلہ ہونے کا اظہار کیا ہے کیونکہ اہلِ حق کے نزدیک فعل شرعی ہوتا ہے عقلی نہیں ہوتا ۱۲ منہ (ت)

عما حرم علیہ من الظلم وکفران النعمۃ ثم ہذہ النیات من اول الصلوٰۃ الی اٰخرھا خصوصا عند الانتقال من رکن الی رکن ولابد من نیۃ العبادۃ فی کل رکن والنفل کالفرض فیھا الا فی وجہ واحد وھو ان ینوی فی النوافل انھا لطف فی الفرائض وتسھیل لھا[1] اھ ملخصا

کفرانِ نعمت سے بُعد کی خاطر کر رہا ہے ــــــــ پھر یہ نیت اول نماز سے لے کر آخر تک خصوصاً جب ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال ہو، اور ہر رکن میں عبادت کی نیت ضروری ہے اور اس معاملہ میں نفل بھی فرض کی طرح ہے مگر ایک صورت میں، اور وہ یہ ہے نوافل میں یہ ارادہ کرے کہ یہ فرائض میں لُطف اور ان میں آسانی کے لئے ہیں اھ ملخصاً (ت)

غمز العیون میں ہے :

الغرابۃ فی کون ھذہ الاشیاء لابد من نیتھا فان الفقھاء لم یذکروا ذلک فی کتبھم متونا وشروحا وفتاوی[2] اھ۔

ان اشیاء کی غرابت یہ ہے کہ اس کی نیت کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے حالانکہ فقہاء نے یہ بات اپنی کتب کے متون وشروح اور فتاوٰی میں کہیں نہیں لکھی اھ (ت)

اور مجتبٰی اگرچہ مثل سائر تصانیف زاہدی کتب معتمدہ سے نہیں تاہم مشہور مصنف کی مشہور تصنیف ہے جس سے علمائے مابعد نے صدہا مسائل نقل فرمائے مگر ایسے ہی نوادر وغرائب کے باعث پایہ اعتماد سے ساقط ہوئی پھر بالفرض اگر فتاوی ابوالبرکات کا یہ مطلب ہو بھی تو اس قسم کے فتاوی ایک بات اور وُہ بھی اتنی بے ثبات جس پر شرع سے اصلاً دلیل نہیں، کیونکر ادنی التفات کے قابل ہوسکتی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ تدبر معنی جمال محمود وکمال مقصود ہے مگر فقہائے کرام نے عموماً عبادات کے کسی ذکر میں نفس نیت کے سوا قلب کا کوئی حصہ ایسا نہیں رکھا جس پر فساد وصحت کی بنا ہو یہاں تک کہ اصل حضورِ قلب جس کے معنی یہ ہیں کہ صدور فعل وقول پر متنبہ ہو اگرچہ معنی کلام نہ سمجھے یہ بھی صحتِ نماز کے لئے ضروری نہیں، ملتقط وخزانہ وسراجیہ وشرح قیدانی للقہستانی وغمز العیون وردالمحتار وغیرہا میں ہے :

لا یعتبر قول من قال لا قیمۃ لصلوۃ من لم یکن قلبہ فیھا معہ[3]۔

اس کا قول معتبر نہیں جس نے کہا کہ اس شخص کی نماز کی کوئی قیمت نہیں جس کے ساتھ اس کا دل نہ تھا (ت)

علامہ شامی نے فرمایا :

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول قاعدہ ثانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن وعلوم اسلامیہ کراچی ۱/۶۹-۷۰

[2] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر " " " ۱/۷۰

[3] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ " مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۷

حضور القلب ھو العلم بالعمل بالفعل والقول الصادرین من المصلی وھو غیر التفھم فان العلم بنفس اللفظ غیر العلم بمعنی اللفظ[1] (ملخصاً)

حضورِ قلب، صادر ہونے والے فعل وقول کا علم ہے اور تفہم کا غیر ہے کیونکہ نفس لفظ کا علم اور اس علم کا غیر ہوتا ہے جو لفظ کے معنی کا علم ہو۔ (ت)

اور خطبۂ جمعہ کا ذکر تذکیر کے لئے مشروع ہونا کما قال تعالٰی فاسعوا الٰی ذکر اللّٰہ[2] (جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا پس اللہ کے ذکر کی طرف جلدی چلو۔ ت) ہرگز اس دعوی کا مثبت نہیں ہوسکتا کہ جب الفاظ الفاظ ذکر ہیں اور اس نے بالقصد انھیں ادا کیا قطعاً ذکر متحقق ہوا، تدبرِ معنی پر توقف نہیں ورنہ واجب کہ نماز میں بھی فہمِ معنی قال تعالٰی اقم الصلوٰۃ لذکری[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔ ت) علاوہ بریں تذکیر سے تذکر زیادہ محتاج فہم وتدبر ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشت ست پند بر دیوار

(انسان کو چاہئے کہ وہ محفوظ کرے اگرچہ نصیحت لکھی ہو دیوار پر)

حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مقتدی اگر بہرے یا سوتے یا اس قدر دُور ہوں کہ آواز نہ جائے مگر وقتِ خطبہ حاضر ہوں کافی ہے شرط ادا ہوگئی فہمِ معنی جدا نفسِ سماع کی بھی ضرورت نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لایشترط لصحتھا کونھا مسموعۃ لھم بل یکفی حضورھم حتی لوبعد واعنہ اوناموا اجزأت[4]

صحتِ خطبہ کے لئے تمام لوگوں کا سُننا ضروری نہیں بلکہ لوگوں کا حاضر ہوجانا کافی ہوگا حتی کہ اگر وہ خطیب سے دُور رہے اور سو گئے تب بھی خطبہ ادا ہوجائیگا (ت)

تنویر میں ہے: ولو صمّاً[5] (اگرچہ نہ سننے والا ہو۔ ت)

اقول وباللہ التوفیق حقیقت امر یہ ہے کہ ہرچند احکام شرعیہ عموماً حِکَم ومصالح سے ناشئ ہوتے ہیں اور مشروعیت خطبہ کی حکمت یہی تذکیر وتذکر ہے مگر حکمت مدارِ حکم نہیں ہوتی کہ اُس کے فقدان سے فساد وبطلان لازم

---

[1] ردالمحتار | باب شروط الصلوٰۃ | مطبوعہ مصطفی البابی مصر | ۱/ ۳۰۷
[2] القرآن ۶۲/ ۹
[3] القرآن ۲۰/ ۱۴
[4] ردالمحتار | باب الجمعۃ | مطبوعہ مصطفی البابی مصر | ۱/ ۵۹۸
[5] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۱۱

آئے مثلاً شرعِ نکاح کی حکمت تکثیرِ امت اور نفس کی عفت کہ مردِ عنین و زنِ رتقاء و قرناء میں دونوں اور بحالت عقم اول منتفی، مگر پھر بھی صحتِ نکاح میں شبہہ نہیں۔ صوم کی حکمت کسرِ شہوت اور نفس کی ریاضت؛ پھر اگر کسی شخص کے مزاج پر رطوبت غالب اور اس کی وجہ سے شہوتین میں ضعف ہو کہ روزہ اُسے نافع و موجبِ قوت پڑے تو کیا اُسے روزے کا حکم دیں گے یا اُس کے صوم کو فاسد مانیں گے وقس علی ھذا (اور اس پر قیاس کر۔ ت) یہ سب کلام اُس تقدیر پر ہے کہ عبارت مذکورۂ سوال کا وہ مطلب ہو یہ فتاوٰی فقیر کی نظر سے نہ گزرا کہ سیاق وسباق دیکھ کر تعیین مراد کی جاتی مگر جتنے لفظ سائل نے نقل کئے فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کی رائے میں ان کی عمدہ توجیہ یُوں ممکن کہ نیت نام قصدِ قلبی کا ہے اور قصدِ شے اُس کے علم پر موقوف، آدمی جس چیز کو جانتا ہی نہ ہو اُس کا قصد محض بے معنی، اور کسی شے کا جاننا اسے نہیں کہتے کہ صرف اس کا نام معلوم ہو جس کے معنی و مراد سے ذہن بالکل خالی ہو بلکہ اس کے مفہوم سے آگاہی ضروری ہے مثلاً طوطے کو زید کا نام سکھا دیں تو یہ نہ کہیں گے کہ وُہ زید کو جانتا ہے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص نمازِ فرض میں فرض کی نیت تو کرے مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں نماز نہ ہوگی کہ صلوۃِ فریضہ میں نیتِ فرض بھی ضروری تھی جب وہ معنیٔ فرض سے غافل ہے تو لفظِ فرض کا خیال ہُوا نہ نیتِ فرض، کہ فرض تھی

فی الاشباہ عن العنایۃ انہ ینوی الفریضۃ فی الفرض الخ ثم نقل عن القنیۃ ینوی الفرض ولایعلم معناہ لایجزیہ[1]۔

اشباہ میں عنایہ سے ہے کہ فرض میں فرض ہونے کی نیّت کی جائے الخ پھر قنیہ سے منقول ہے کہ اگر فرض کی نیت کی لیکن اس کا معنٰی نہ جانتا تھا تو اب یہ اس کے لئے کافی نہیں۔ (ت)

جب یہ واضح ہولیا اور معلوم ہے کہ صحتِ خطبہ کے لئے نیتِ خطبہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر منبر پر جاکر چھینک آئی اور چھینک پر الحمدللہ کہا خطبہ ادا نہ ہوا، اشباہ میں ہے:

اما النیۃ للخطبۃ فی الجمعۃ فشرط صحتھا حتی لوعطس بعد صعود المنبر فقال الحمد للہ للعطاس غیر قاصد لہا لم تصح کما فی فتح القدیر وغیرہ[2] الخ (ملخصاً)

خطبۂ جمعہ کی نیّت صحتِ خطبہ کے لئے شرط ہے حتی کہ اگر خطیب کو منبر پر چڑھنے کے بعد چھینک آئی اور اس نے الحمدللہ کہا لیکن خطبہ کی نیت نہ تھی تو یہ خطبہ نہ ہوگا، جیساکہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے الخ (ت)

تو لازم ہُوا کہ خطیب معنیٔ خطبہ سے آگاہ ہو یعنی یہ جانتا ہو کہ خطبہ ایک ذکرِ الٰہی کا نام ہے تاکہ اس کی نیت کرسکے ورنہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۵۹
[2] " " " " " " الاولٰی " " " ۱/ ۲۹

نام خطبہ جانا بھی اور یہ نہ جانا کہ خطبہ کسے کہتے ہیں بلکہ لوگوں کے دیکھا دیکھی بے سمجھے ایک فعل کر دیا تو بیشک نمازِ جمعہ ادا نہ ہوگی کہ یہ وہی نام خطبہ کا خیال ہوا نہ نیتِ خطبہ۔

وقدمنا عن الشامی العلم بنفس اللفظ غیر العلم بمعنی اللفظ[1] والشرط انما ھو نیۃ ما یعنی من الخطبۃ لانیۃ لفظ الخطبۃ وھذا ظاھر جدا۔

ہم نے پہلے شامی سے بیان کیا ہے کہ لفظ کا علم اس کے معنی کے علم سے الگ ہے تو شرط اس کی نیت ہے جو خطبہ سے مراد ہے نہ کہ الفاظِ خطبہ کی نیت، اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔ (ت)

اور جب نیت نہ ہوئی کہ شرطِ صحتِ خطبہ تھی خطبہ نہ ہُوا، اور جب خطبہ نہ ہوا کہ شرطِ صحتِ جمعہ تھا جمعہ نہ ہُوا جس طرح کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر خود بھی ان کے سے افعال کرے اور معنیٔ نماز سے جاہل ہو یعنی نہ جانے کہ نماز خدا کا ایک فرض ہے کہ بغرض امتثال ادا کیا جاتا ہے ہرگز نماز نہ ہوگی، اشباہ میں ہے:

لایعلم ان اللہ تعالٰی علی عبادہ صلٰوۃ مفروضۃ ولکنہ کان یصلیھا لاوقاتھا لم یجزہ[2]۔

اگر کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالٰی کیلئے بندوں پر نماز فرض ہے ــــــــ لیکن وہ اوقاتِ نماز میں نماز ادا کرتا ہے تو یہ کافی نہیں۔ (ت)

یہ معنی ہیں معنیٔ خطبہ نہ جاننے کے، نہ یہ کہ جو عبارت پڑھے اس کا ترجمہ سمجھنا ضروری ہے، یہ کسی کا بھی مذہب نہیں ھکذا ینبغی التوجیہ (عبارت کی توجیہ اسی طرح ہونی چاہئے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۷۹ از افضل گڈھ ضلع بجنور مرسلہ یوسف خاں وغیرہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید جمعہ کے دن جب خطبہ پڑھتا ہے تو اس کے بعد ترجمہ بھی پڑھتا ہے اس لئے خطبۂ ثانیہ میں توقف ہوتا ہے اور خطبۂ ثانیہ کے بعد ترجمہ پڑھنے سے نماز میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ خطبہ مع ترجمہ بزبان غیر عربی جمعہ یا عیدین کا جائز ہے یا نہیں؟ اور توقف مابین ہر دو خطبہ شرعاً جائز ہے؟ اور خطبۂ ثانیہ کے بعد تاخیر نمازِ جمعہ میں ہوگی وہ بھی شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

ترجمہ کے سبب خطبۂ ثانیہ یا نمازِ جمعہ میں تاخیر فصل اجنبی تو نہیں ہے کہ ترجمۂ خطبہ بھی خطبہ ہے اذ فیھا ما فیھا من الذکر والتذکیر (کیونکہ اس میں ذکر و نصیحت ہے۔ ت) ہاں خطبہ کی تطویل ہوگی اور یہ

---

[1] ردالمحتار باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۵۹

خلافِ سنّت ہے خصوصاً اگر مقتدیوں پر ثقیل ہو کر اب سخت ممانعت ہے۔

لحدیث قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افتّان انت یا معاذ قالہ فی الصلٰوۃ فکیف فی الخطبۃ[1]

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اے معاذ! تُو فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے، یہ آپ نے نماز کے بارے میں فرمایا تھا تو خطبہ میں کیا حال ہوگا (ت)

اور نہ بھی ہو تو خطبہ میں غیر زبان عربی کا خلط خود مکروہ اور سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے خوب بیان کیا ہے۔ ت) ہاں عیدین میں خطبہ ثانیہ اگر لوگ راضی ومتوجہ ہوں بہ نیت وعظ نہ بہ نیتِ خطبہ عید پند ونصیحت کرسکتا ہے اگرچہ وہی جو خطبہ میں بزبان عربی مذکور ہوئی،

فقد اتی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد خطبۃ العید الی النساء فوعظھن وذکرھن[2]۔

آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خطبۂ عید کے بعد خواتین کے اجتماع میں تشریف لے جاکر انھیں وعظ ونصیحت فرماتے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

والله تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸۰ و ۱۲۸۱ از کلکتہ دھرم تلہ ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۶ صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) قلعہ کلکتہ میں دروازوں پر پہرا چوکی رہتا ہے اور دس پانچ کیا سَو پچاس آدمی بغرضِ سیر جائیں یا دوسری غرض سے مثلاً کسی کے ملاقات کو، تو کوئی مانع ومزاحم نہیں ہوتا، تین چار ہزار مزدور اندر کام کرتے ہیں جو صبح کو بے روک ٹوک اندر جاتے اور باہر آتے ہیں، ہاں شب کے ساڑھے نو بجے سے عام لوگ پانچ بجے تک اندر نہیں جاسکتے، اندر بازار بھی ہے جو چاہے باہر سے اشیاء خریدنے کو جائے کچھ ممانعت نہیں، انگریزی جُوتا قلعہ میں عمدہ بنتا ہے اکثر لوگ اس کے خریدنے کو جاتے اور خرید کر لاتے ہیں، ہاں یہ قاعدہ ہے کہ باہر سے جو چاہے جو چیز چاہے اندر لے جائے مگر اندر سے بغیر پاس کے کوئی چیز باہر نہیں لاسکتا، مسجد اندر نہیں ہے، جماعت اذان کے ساتھ ہوتی ہے، پیشتر کی پلٹن میں مسلمان بکثرت تھے، نماز باجماعت ہوتی تھی، اب جو پلٹن ہے اس میں ہندو بہت ہیں، مسلمان قریب ستر کے ہوں گے، انھوں نے کرنیل سے درخواست کی کہ ہم اپنا مولوی نماز پڑھانے کی غرض سے رکھنا چاہتے ہیں اُس نے اجازت دی اور اُنھوں نے رکھ لیا، ایک وقت میں ایک مسلمان صاحب نے جو پلٹن کے سپاہیوں میں نہیں بلکہ ایک جرنیل کے ملازم ہیں بعض مسائل میں دوسرے مسلمان سے

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از جابر بن عبداللہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۲۹۹

[2] مشکوٰۃ المصابیح باب صلٰوۃ العیدین الفصل الثانی ، مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۲۶

حجت کی اور مار پیٹ ہُوئی، کرنیل نے اُن تنہا مسلمان کو ان کی جماعت میں شریک ہونے سے ممانعت کردی اور اُن سب سے کہہ دیا اگر یہ شخص تمھاری نماز کی جگہ آئے تو اس کو قید کرلو اور ہمارے پاس پہنچا دو، ایسی حالت میں نمازِ جمعہ قلعہ کے اندر ادا ہوجائے گی یا نہیں ؛

(۲) جمعہ کے دو رکعت فرضوں کے سوا کے رکعت نماز سنّت پڑھنا چاہئے ؟ فرضوں سے پہلے کے رکعت اور بعد فرضوں کے کے رکعت ؟ اور احتیاطی ظہر پڑھنے کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ ! حق اور صواب کی ہدایت دے ۔ ت) اذنِ عام کہ صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے، اُس کے یہ معنٰی کہ جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے اُس شہر کے تمام اہلِ جمعہ کے لئے وقتِ جمعہ حاضریِ جمعہ کی اجازت عام ہو توقتِ جمعہ کے سوا باقی تمام اوقاتِ نماز میں بھی بندش ہو تو کچھ مضر نہیں نہ کہ صرف رات کے ساڑھے نو بجے سے صبح کے پانچ بجے تک، کتبِ مذہب میں تصریح ہے کہ بادشاہ اپنے قلعہ یا مکان میں حاضریِ جمعہ کا اذنِ عام دے کر جمعہ پڑھے تو صحیح ہے حالانکہ قصر و قلعہ شاہی عام اوقات میں گزرگاہ عام نہیں ہوسکتے ۔ کافی شرح وافی میں ہے ؛

السلطان اذا اراد ان یصلی بحشمہ فی دارہٖ فان فتح بابھا واذن للناس اذنا عاما جازت صلوتہ شھدتھا العامۃ اولا[1] ۔

بادشاہ اپنے دبدبہ کی وجہ سے اپنے دار میں نماز ادا کرنا چاہتا ہو اگر اس دار کا دروازہ کھول دیا اور لوگوں کو وہاں داخل ہونے کا اذنِ عام ہوگیا تو اس کی نماز درست ہوجائے گی خواہ عوام شریک ہوں یا نہ ہوں (ت)

اور بے پاس کسی چیز کی باہر لانے کی ممانعت تو یہاں سے کچھ علاقہ ہی نہیں رکھتی کہ وہ خروج سے منع ہے نہ دخول سے۔ یُونہی مزدوروں یا سیروالوں یا خریداروں کو اجازت عام ہونا کچھ مفید نہیں کہ وقت نماز بہر نماز اہلِ نماز کو اجازت چاہئے اوروں کو ہونے نہ ہونے سے کیا کام، اور اذن اگرچہ انھیں لوگوں کا شرط ہے جو اس جمعہ کی اقامت کرتے ہیں، ردالمحتار میں ہے ؛

المراد الاذن من مقیمھا[2] (جمعہ کو قائم کرنے کی اجازت مراد ہے ۔ ت)

مگر پر ظاہر کہ تحقق معنی اذن کے لئے اُس مکان کا صالح اذن عام ہونا بھی ضرور، ورنہ اگر کچھ لوگ قصر شاہی یا کسی امیر کے گھر میں جمع ہوکر باذان و اعلان جمعہ پڑھیں اور اپنی طرف سے تمام اہلِ شہر کو آنے کی اجازت عامہ دے دیں

---

[1] و [2] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۱

مگر بادشاہ امیر کی طرف سے دروازوں پر پہرے بیٹھے ہوں عام حاضری کی مزاحمت ہو تو مقیمین کا وُہ اذن عام محض لفظ بے معنی ہوگا وہ زبان سے اذن عام کہتے اور دل میں خود جانتے ہوں گے کہ یہاں اذن عام نہیں ہوسکتا۔ پس مانحن فیہ میں دو باتیں محلِ نظر رہیں :

اوّلاً اُس قلعہ کا صالح اذن عام ہونا یعنی اگر تمام اہلِ شہر اُسی قلعہ میں جمعہ پڑھنا چاہیں تو کوئی ممانعت نہ کرے ، طحطاوی میں ہے :

لو اراد وا الصلوۃ داخلها ودخلوها جمیعا لو یمنعوا۔[1] اگر لوگوں نے قلعہ کے اندر نماز کا ارادہ کر لیا اور تمام اس کے اندر داخل ہوگئے تو انھیں منع نہ کیا جائے ۔ (ت)

اگر ایسا ہے تو بیشک وُہ قلعہ صالح اذن عام ہے اور ایسی حالت میں دروازہ پر چوکی پہرہ ہونا کچھ مضر نہ ہوگا کہ پہرا وہی مانع ہے جو مانع دخول ہو، ولہذا کافی میں بصورت عدم جواز صرف اجلس البوابین (پہرے دار بیٹھا دیئے ۔ ت) نہ فرمایا بلکہ لیمنعوا عن الدخول[2] (تاکہ وُہ دخول سے منع کریں ۔ ت) بڑھایا ، یونہی رحمانیہ میں محیط سے منقول :

ان اجلس البوابین علیها لیمنعوا عن الدخول لو تجزهم الجمعة۔[3] اس نے پہرے داروں کو دروازوں پر داخلے سے منع کرنے کے لئے بٹھا دیا تو اب جمعہ جائز نہ ہوگا ۔ (ت)

تو صرف شوکت شاہی یا اُس قانون کی رعایت کو کہ بے پاس کوئی اندر سے باہر نہ جائے ، پہرا ہونا مکان کو صلاحیت اذن عام سے خارج نہیں کرتا اور اگر اجازت سَو پچاس یا ہزار دو ہزار کسی حد تک محدود ہے جیسا کہ بعض الفاظ سوال سے مستفاد ، اگر تمام جماعات شہر جانا چاہیں نہ جانے دیں گے تو وُہ مکان بندش کا ہے اس میں جمعہ نہیں ہوسکتا ۔ بدائع میں اشتراط اذن عام کی دلیل میں فرمایا :

یسمی جمعة لاجتماع الجماعات فیها فاقتضی ان تکون الجماعات کلها ماذونین بالحضور اذنا عاما تحقیقا لمعنی الاسم۔[4] جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کو آنے کی اجازت ہو تاکہ نام کے معنی کا ثبوت ہو ۔ (ت)

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب الجمعۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۴۴

[2] رد المحتار بحوالہ الکافی ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۱

[3] رحمانیۃ عن المحیط

[4] بدائع الصنائع فصل شرائط الجمعۃ ؍؍ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۹

ثانیاً اگر ثابت ہوجائے کہ یہ قلعہ اذنِ عام کا مکان ہے تو جب تک کسی شخص خاص کو حاضریِ نماز سے ممانعت نہ تھی جمعہ بیشک صحیح ہوجاتا تھا اب کہ اُس ملازم جرنیل کو منع کیا گیا تو محلِ نظر ہے کہ یہ ممانعت ان مقیمان جمعہ کی طرف سے بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ اُسے جمعہ میں آنے سے منع نہیں کرتے اگرچہ اور نمازوں میں مانع ہوں اگرچہ کرنیل نے اُسے جمعہ سے بھی جبراً روکا ہو یا وہ خود بخوفِ کرنیل نہ آتا ہو تو ان صورتوں میں بھی صحتِ جمعہ میں شک نہیں کہ جب مقیمینِ جمعہ کی طرف سے اذنِ عام اور وہ مکان بھی اذنِ عام کا صالح تو کسی شخص کو غیر جمعہ سے روکنا یا جمعہ میں اُس کا خود نہ آنا یا کسی کا جبراً اُسے باز رکھنا قاطع اذنِ عام نہیں ہوسکتا جیسے زندانی لوگ کہ ہمیشہ حضوریِ مساجد سے ممنوع ہوتے ہیں یا اگر کوئی شخص بعض نمازیوں کو خاص وقت نماز اس لئے مقید کرلے کہ مسجد میں نہ جانے پائیں تو نہ یہ قادح اذنِ عام نہ مقیمانِ جمعہ پر اس کا الزام، بلکہ ظاہراً ممانعتِ کرنیل بھی کوئی اپنی طرف سے حکمِ جبری نہیں انھیں پلٹن والوں کی خاطر سے ہے اور انھیں کی مرضی پر رکھا ہے جب یہ مزاحمت نہیں کرتے تو کرنیل کو پرخاش سے کیا مطلب، اور اگر یہ خود اُسے حاضریِ جمعہ سے باز رکھتے ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ شخص فی الواقع شریر ومفسد وموذی ہے کہ اُس کے آنے سے اندیشۂ فتنہ ہے جب تو ایسی ممانعت بھی مانعِ صحتِ جمعہ نہ ہوگی کہ قادح اذنِ عام سے روکنا ہے

کما فی الطحطاوی عن الحلبی لابد من حملہ علی ما اذا منع الناس من الصلوٰۃ۔[1]

جیسا کہ طحطاوی میں حلبی سے ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جب وہ لوگوں کو نماز سے منع کرے۔ (ت)

شرح عیون المذاہب پھر مجمع الانہر پھر دُرمختار پھر فتح المعین علامہ ابوالسعود ازہری میں ہے:

واللفظ لہ الجمعۃ بالقلعۃ صحیحۃ وان غلق بابہا لان الاذن العام مقرر لاھلہا وغلقہ لمنع عدو او عادۃ قدیمۃ لا للمصلی۔[2]

اس کے الفاظ یہ ہیں کہ قلعہ کے اندر جمعہ درست ہے اگرچہ اس کا دروازہ بند ہو کیونکہ اذنِ عام اہلِ قلعہ کے لئے ثابت ہے اور اس کا بند ہونا دشمنوں کے عدمِ دخول کے لئے ہے یا عادتِ قدیمہ ہے نمازی کو روکنے کے لئے نہیں۔ (ت)

اور یہ روکنا درحقیقت نماز سے روکنا نہیں بلکہ فتنہ سے بندش ہے،

---

[1] طحطاوی علی الدرالمختار | باب الجمعۃ | مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت | ۱/۳۴۴

[2] فتح المعین | باب صلوٰۃ الجمعۃ | " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۳۱۶

کما فی الشامی عن الطحطاوی لا یضر منع نحو النساء لخوف الفتنۃ[1] انتھی۔

جیسا کہ شامی میں طحطاوی سے ہے کہ عورتوں وغیرہ کو روکنا مضر نہیں کیونکہ ان کے آنے میں فتنہ کا ڈر ہے انتہی

اقول وتعلیلہ بعدم التکلیف معلول بما فی الشامی عن العلامۃ اسمٰعیل مفتی دمشق الشام تلمیذ المحقق العلائی صاحب الدرالمختار عن العلامۃ عبدالعلی البرجندی شارح النقایۃ ان الاذن العام ان لایمنع احدا ممن تصح منہ الجمعۃ[2] کما لا یخفی فافھم۔

اقول یہ علت بیان کرنا کہ وہ مکلف نہیں، اس کا تعلق اس بیان سے ہے جو شامی میں مفتی شام علامہ اسمٰعیل دمشقی جو محقق علائی صاحب درمختار کے شاگرد ہیں سے شارح نقایہ علامہ عبدالعلی برجندی کے حوالے سے کہا کہ اذن عام یہ ہے کہ ہر اس شخص کو نہ روکا جائے جس سے جمعہ کی ادائیگی صحیح ہو، جیسا کہ یہ مخفی نہیں ہے۔ (ت)

علماء خود فرماتے ہیں کہ موذیوں کو مساجد سے روکا جائے،

کما فی عمدۃ القاری للامام البدر محمود العینی وفی الرسائل الزینیۃ للعلامۃ زین بن نجیم المصری وفی الدر المختار یمنع منہ (ای من المسجد) کل موذ ولو بلسانہ[3]۔

جیسا کہ امام بدر محمود عینی کی عمدۃ القاری، علامہ زین بن نجیم المصری کے رسائل زینیہ اور درمختار میں ہے کہ (مسجد سے) ہر اذیت دینے والے کو منع کیا جائے اگرچہ وُہ زبان سے اذیت دینے والا ہو۔ (ت)

تو یہ روکنا کہ مطابق شرع ہے منافی اذن نہیں، اور اگر ایسا نہیں بلکہ یہ لوگ محض ظلماً بلاوجہ یا براہِ تعصب روکتے ہیں تو بلاشبہہ ان کا جمعہ باطل کہ ایک شخص کی ممانعت بھی اذن عام کی مبطل،

فقد مر عن الشامی عن اسمٰعیل عن البرجندی ان لایمنع احدا۔

پہلے شامی نے شیخ اسمٰعیل سے برجندی کے حوالے سے لکھا کہ کسی کو منع نہ کیا جائے۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

الاذن العام بالصلوۃ بان یفتح باب الجامع او دار السلطان بلا مانع لاحد من

نماز کے لئے اذن عام یہ ہے کہ داخلہ کے لئے بلا رکاوٹ جامع مسجد یا دارِ سلطان کا دروازہ

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۱

[2] " " " ۱/ ۶۰۰

[3] درمختار باب مایفسد الصلوۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

الدخول فیہ[1] اھ ھذا کلہ مما اخذتہ تفقھا من کلماتھم وارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی۔

کھول دیا جائے اھ اور یہ تمام فقہاء کی عبارات سے میں نے سمجھا ہے اور ان شاء اللہ امید ہے کہ یہ صواب ہے (ت)

(۲) دس سنتیں ہیں، چار پہلے چار بعد ہی منصوص علیھن فی المتون قاطبۃ وقد صح بھن الحدیث فی صحیح مسلم (ان کے چار ہونے پر متون میں قطعاً تصریح ہے اور صحیح مسلم میں ان کے بارے میں صحیح حدیث بھی وارد ہے۔ ت) اور دو بعد کو اور، کہ بعد جمعہ چھ سنتیں ہونا ہی حدیثا وفقھا اثبت واحوط (مختار و محتاط حدیث وفقہ کے اعتبار سے۔ ت) مختار ہے اگرچہ چار کہ ہمارے ائمہ میں متفق علیہ ہیں ان دو سے مؤکد ترہیں، لحدیث ابی داؤد بسند صحیح والحاکم وصحیحہ علی شرط الشیخین عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ کان اذا کان بمکۃ فصلی الجمعۃ تقدم فصلی رکعتین ثم تقدم فصلی اربعا (وفیہ) فقال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفعل ذلک[2] ھذا مختصر وتمام الکلام علیہ فی الفتح والامام الطحاوی فی شرح معانی الآثار عن ابی عبدالرحمٰن السلمی قال قدم علینا عبداللہ (یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ) فکان یصلی بعد الجمعۃ اربعا فقدم بعدہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فکان اذا صلی الجمعۃ صلی بعدھا رکعتین واربعا فاعجبنا فعل علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فاخترناہ[3]۔ فی الفقہ ابو السعود الازھری تحت قول مسکین قال ابو یوسف رحمہ اللہ

ابو داؤد میں سند صحیح کے ساتھ حدیث ہے، حاکم نے تخریج کرکے کہا کہ بخاری ومسلم کے شرائط پر ہے ______ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں ہے کہ جب مکہ میں تھے جمعہ ادا فرمایا تو آگے بڑھے دو رکعات ادا کیں پھر آگے بڑھے تو چار رکعات ادا کیں (اور اسی میں ہے) فرمایا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔ یہ مختصر ہے اور اس پر تمام گفتگو فتح میں ہے۔ امام طحاوی شرح معانی الآثار میں ابو عبدالرحمان السلمی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ نے جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کیں اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف لائے اور آپ کا طریقہ تھا کہ جمعہ کے بعد پہلے دو رکعات پھر چار رکعات ادا کرتے، ہمیں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فعل نہایت ہی پسند آیا

---

[1] جامع الرموز فصل صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۵

[2] سنن ابوداؤد باب الصلوٰۃ بعد الجمعۃ " نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۶۰

[3] شرح معانی الآثار باب التطوع بعد الجمعۃ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۳۳

تعالی السنۃ بعد صلوٰۃ الجمعۃ ست رکعات اھ وبہ اخذ الطحاوی واکثر المشائخ نھر عن عیون المذاھب والتجنیس[۱] اھ فی الجواھر الاخلاطی ھو ماخوذ القاضی واخذ بہ اکثر المشائخ وھو المختار[۲] اھ فی مجمع الانھر بہ اخذ الطحاوی واکثر المشائخ منا وبہ یعمل الیوم[۳] اھ فی البحر الرائق فی الذخیرۃ والتجنیس وکثیر من مشائخنا علی قول ابی یوسف وفی منیۃ المصلی والافضل عندنا ان یصلی اربعا ثم رکعتین[۴] اھ فی الغنیۃ الافضل ان یصلی اربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف[۵] اھ

تو ہم نے اسی کو اختیار کرلیا، فقہ ابوسعود ازہری میں مسکین کے قول کے تحت ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: جمعہ کے بعد چھ رکعات ہیں اھ، اسے طحاوی اور اکثر مشائخ نے مختار کہا ہے۔ نہر نے عیون المذاہب اور تجنیس کے حوالے سے بیان کیا ہے جواہر اخلاطی میں ہے کہ یہ قاضی سے ماخوذ ہے اھ اکثر مشائخ نے اسی پر عمل کیا اور یہی مختار ہے اھ مجمع الانہر میں ہے کہ طحاوی اور اکثر مشائخ نے اسی پر عمل کیا اور آج اسی پر عمل کیا جاتا ہے اھ بحر الرائق میں ہے کہ ذخیرہ اور تجنیس میں ہے کہ مشائخ کی اکثریت امام ابویوسف کے قول پر ہے۔ منیۃ المصلی میں ہے کہ ہمارے نزدیک افضل یہی ہے کہ پہلے چار اور پھر دو رکعات ادا کی جائیں اھ غنیہ میں ہے کہ اختلاف سے بچنے کے لئے افضل یہی ہے کہ پہلے چار اور پھر دو رکعات ادا کی جائیں اھ (ت)

اور عام لوگوں کو احتیاطی ظہر کی کچھ ضرورت نہیں کما فصلنا فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸۲ از بٹھورہ کلاں پرگنہ وضلع پیلی بھیت مرسلہ شیخ سالار بخش ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز جمعہ چار رکعت فرضِ ظہر مثل نفل یعنی چاروں رکعتوں میں سورت ملاکر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

وُہ شہر وقصبات جن میں شرائط جمعہ کے اجتماع میں اشتباہ واقع ہو یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور آج کل

۱؎ فتح المعین	باب الوتر والنوافل	مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۱/ ۲۵۳
۲؎ جواہر الاخلاطی	فصل فی الجماعت	غیر مطبوعہ قلمی نسخہ	ص ۴۲
۳؎ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر	باب الوتر والنوافل	مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت	۱/ ۱۳۰
۴؎ بحر الرائق	" " "	" ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۲/ ۴۹
۵؎ غنیۃ المستملی	فصل فی النوافل	" سہیل اکیڈمی لاہور	ص ۳۸۹

ہندوستان کے عام بلاد ایسے ہی ہیں ایسی جگہ ہمارے علمائے کرام نے حکم دیا ہے کہ بعد جمعہ چار رکعت فرض احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وُہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہ کی یہ چار رکعتیں چاروں سنت بعدیہ جمعہ کے بعد پڑھے اور جس پر ظہر کی قضائے عمری نہ ہو وُہ چاروں میں سُورت بھی ملائے پھر جمعہ کی دو سنتیں ان رکعتوں کے بعد بہ نیت سنت وقت ادا کرے جمعہ پڑھتے وقت نیت صحیح و ثابت رکھے جمعہ کو صحیح سمجھ کر خاص فرض جمعہ کی نیت کرے اگر بہ نیت فرض ادا نہ کیا تو جمعہ یقیناً نہ ہوگا اور اب یہ چار رکعتیں نری احتیاطی نہ رہیں گی بلکہ ظہر پڑھنی فرض ہو جائے گی، اور جب یُوں نیتِ صحیحہ سے ادا کر چکا تو ان چار رکعتوں میں یہ نیت نہ کرے کہ آج کی ظہر پڑھتا ہوں بلکہ وہی گول نیت رکھے کہ جو پچھلی ظہر میں نے پائی اور ادا نہ کی اسے ادا کرتا ہُوں خواہ وہ کسی دن کی ہو اس سے زیادہ خیالات پریشان نہ کرے، یُوں پڑھنے میں یہ نفع پائے گا کہ اگر شاید علم الٰہی میں بوجہ فوت بعض شرائط جمعہ صحیح نہ ہُوا ہوگا تو یہ رکعتیں آج ہی کی ظہر ہو جائیں گی کہ اس صورت میں یہی ظہر وہ پچھلی ہے جس کا وقت اُسے ملا اور ابھی ذمہ سے ساقط نہ ہُوئی اور اگر جمعہ صحیح واقع ہُوا تو آج سے پہلے کی جو ظہر اس کے ذمہ رہی ہوگی (خواہ یُوں کہ سرے سے پڑھی ہی نہ تھی یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی) وُہ ادا ہو جائے گی اور اگر کوئی ظہر نہ رہی ہوگی تو یہ رکعتیں نفل ہو جائیں گی اسی لحاظ سے جس پر قضائے عمری ظہر کی نہ ہو یہ چاروں رکعتیں بھری پڑھیں کہ اگر نفل ہُوئیں اور سُورت نہ ملائی تو واجب چھوٹ کر نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ہاں جس پر قضائے عمری ہے اُسے پچھلی دو میں سُورت ملانے کی حاجت نہیں کہ اُس کے ہر طرح فرض ہی ادا ہوں گے، جمعہ نہ ہُوا تو آج کے اور ہُوا تو آج سے پہلے کے، یہ سب تفصیل واقع کے اعتبار سے ہے نمازی کو نیت میں اس شک و تردد کا حکم نہیں کہ نیت و تردد باہم منافی ہیں اگر یُونہی مذبذب نیت کی تو وُہ مقصود و احتیاط ہرگز حاصل نہ ہوگا لہٰذا اسی طرح گول نیت سے بے خیال تردد بجالائے اور واقع کا معاملہ علمِ الٰہی پر چھوڑ دے، پھر ایسی تصحیح نیت نرے جاہلوں کو ذرا دشوار ہے اور اُن سے یہ بھی اندیشہ کہ اس کے سبب کہیں یہ نہ جاننے لگیں کہ جمعہ سرے سے خدا کے فرضوں میں ہی نہیں یا سمجھنے لگیں کہ جمعہ کے دن دوہرے فرض ہیں دو رکعتیں الگ چار الگ، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ان رکعتوں کا حکم نہ دیا جائے ان کے حق میں یہی بہت ہے کہ بعض روایات پر اُن کی نماز ٹھیک ہو جائے اُنھیں ایسی احتیاط کی حاجت نہیں، ہاں خواص یعنی جو لوگ اس طرح کی نیت کر سکتے ہوں اور اُن سے وُہ اندیشے نہ ہوں وُہ یہ احتیاط بجالائیں تاکہ یقیناً فرض خدا ادا ہو جائے اور شبہہ و احتمال کی گنجائش نہ رہے، فقیر اپنے فتاویٰ میں یہ مسئلہ مفصل و مدلل لکھ چکا ہے یہاں صرف دو تین عبارات پر اقتصار ہوتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

فی کل موضع وقع الشک فی جواز الجمعۃ لوقوع الشک فی المصر او غیرہ و اقام اھلہ

ہر وہ مقام جہاں جمعہ ہونے یا نہ ہونے میں شک کی وجہ سے جوازِ جمعہ میں شک ہو جائے وہاں جمعہ کے بعد

الجمعة ينبغي ان يصلوا بعد الجمعة اربع ركعات وينووا بها الظهر حتى لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين كذا في الكافي وهكذا في المحيط ثم اختلفوا في نيتها قيل ينوي اخر ظهر عليه وهو الاحسن والاحوط ان يقول نويت اخر ظهر ادركت وقته ولم اصله بعد كذا في القنية وفي فتاوى آهو ينبغي ان يقرء الفاتحة والسورة في الاربع التي تصلي بعد الجمعة في ديارنا كذا في التاتارخانية ۔[1]

چار رکعات بہ نیت ظہر ادا کی جائیں تاکہ اگر جمعہ نہ ہُوا تو وقتی فرض کی ادائیگی بالیقین ہوسکے ، الکافی ۔ اور محیط میں بھی اسی طرح ہے ۔ پھر ان رکعات کی نیت کے بارے میں اختلاف ہے ۔ بعض نے کہا کہ وُہ ارادہ کرے کہ وُہ اپنے ذمے آخری ظہر ادا کر رہا ہے اور یہی احسن ہے ، اور احوط یہ ہے کہ یوں ارادہ کرے میں آخری ظہر پڑھ رہا ہُوں جس کا وقت میں نے پایا اور اسے ابھی تک ادا نہیں کیا ، جیسا کہ قنیہ میں ہے ۔ اور فتاوٰی آہو میں ہے کہ ہمارے علاقے میں جمعہ کے بعد جو چار رکعات پڑھی جاتی ہیں ان میں فاتحہ اور سورت پڑھنی چاہیے ، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے ۔ (ت)

حلیہ میں ہے :

قد يقع الشك في صحة الجمعة بسبب فقد بعض شروطها ومن ذلك ما اذا تعددت في المصر وهي واقعة اهل مرو فيفعل ما فعلوه وقال المحسن امرائنهم باداء الاربع بعد الجمعة حتما احتياطا ۔[2]

بعض شرائطِ جمعہ کے فقدان کی وجہ سے بعض اوقات صحتِ جمعہ میں شک ہوجاتا ہے ، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہو اور یہ اہلِ مرو کا واقعہ ہے ، پس وہاں وہی کچھ کیا جائے گا جو انھوں نے کہا ، محسن نے کہا کہ انھیں ائمہ نے احتیاطاً حتمی طور پر جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کرنے کا حکم دیا ۔ (ت)

طحطاوی میں ہے :

قال الحلبي الاولى ان يصلي بعد الجمعة سنتها ثم الاربع بهذه النية ثم ركعتين سنة الوقت فان صحت الجمعة

حلبی کہتے ہیں کہ اولٰی یہ ہے کہ جمعہ کے بعد اس کی سنن ادا کرے پھر اس نیت سے چار رکعات پھر وقتی سنتیں دو رکعات ادا کرے ، پس اگر اب جمعہ صحیح ہوا تو اس

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

کان قد ادی سنتھا علی وجھھا والا فقد صلی الظھر مع سنتہ ابو السعود[1]۔

کی سنن اپنے طریقے پر ہوئیں، اور اگر جمعہ نہ ہوا تو اس نے ظہر سنن کے ساتھ ادا کرلی، ابو السعود۔ (ت)۔

مراقی الفلاح میں ہے:

بفعل الاربع مفسدۃ اعتقاد الجھلۃ عدم فرض الجمعۃ او تعدد المفروض فی وقتھا ولا یفتی بالاربع الا الخواص یکون فعلھم ایاھا فی منازلھم[2] اھ وبمثلہ صرح المحققون الآمرون کالمقدسی وغیرہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

ان چار رکعات کی ادائیگی جاہل لوگوں کے اعتقاد میں فساد برپا کرے گی کہ جمعہ فرض ہے یا نہیں، یا ایک ہی وقت میں متعدد فرائض ہوسکتے ہیں، لہٰذا چار رکعات ظہر کا فتوٰی صرف خواص کے لئے ہے اور ان کا فعل (رکعات کی ادائیگی) بھی اپنے گھروں میں ہوگی اھ اسی کی مثل اس کا حکم دینے والے محققین مثلاً امام مقدسی وغیرہ نے کہا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸۳ تا ۱۲۸۹: از فیروزپور ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ شیخ فضل حسین صاحب ۲۱ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) حنفی اگر بعض اقوال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار کرلیں جو دربارۂ ترقی عبادت ہوں جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً اگر دیہات میں جمعہ پڑھنا بقول امام شافعی جائز ہووے اور بدیں حکم حنفی پڑھیں تو جائز ہوگا یا ناجائز؟ اور ناجائز ہونے کی صورت میں لائق مواخذہ کے ہوں گے یا صرف فرضِ ظہر ان کے ذمہ باقی رہے گا؟

(۲) اگر بنظرِ شبہۂ ناجواز بعد پڑھنے جمعہ کے چار رکعات دیگر بدیں نیت کہ اگر جمعہ ناجائز ہوا یہ رکعتیں فرضِ ظہر میں شمار ہوجائیں ورنہ نفل رہیں بدیں خیال کہ روزِ قیامت فرائض میں جو کمی ہوگی سُنا ہے کہ وہ سُنن و نوافل سے پُوری کی جائے گی، پڑھنا کفایت کرے گا یا نہیں؟ اور یہ بات اکثر جگہ رواج میں ہے یہ رواج جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یہ بات مشہور ہے کہ نہ پڑھنے سے پڑھنا اولٰی ہے کہ ضعفِ اسلام کا وقت ہے جمعہ پڑھنے کے واسطے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الجمعۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۳۴۱

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی 〃 〃 نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۷۵-۲۷۶

لائق کہنے کے ہے یا نہیں ؟

(۴) حاکم یا قاضی یا بادشاہ یا نائب کا موجود ہونا جو مشروط ہے اور وُہ شرط ہندوستان میں کہیں میسر نہیں پھر آخر جمعہ پڑھا جاتا ہے اور ایک شرط پر لحاظ نہیں کیا جاتا، ایسا ہی اگر بعض شرائط" حوالی شہر یا آبادی مساوی منی" نہ لحاظ کیا جائے تو گنجائش ہے یا نہیں ؟

(۵) جن دیہات میں جمعہ پڑھا جاتا ہے اور وہاں کی آبادی کم ہے کہ شہریت اس کو حاصل نہیں وہاں کے لوگوں کو اگر جمعہ پڑھنے سے باز رکھا جائے اور کہا جائے کہ فرض ظہر تمھارے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا جائز ہوگا یا ناجائز، درحالیکہ وہ جمعہ پڑھنے دوسری جائز جگہ پر جانے والے نہ ہوں۔

(۶) یہ جو علما لکھتے ہیں کہ جس بستی کے مسلمان مکلف وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سماویں وہاں جمعہ جائز ہے یہ مردم شماری دیہہ سے مراد ہے یا تعداد نمازیوں سے اندرونِ مسجد سے یا مع صحنِ مسجد ؟

(۷) جماعت میں بقول بعض ائمہ علاوہ دو آدمی اور بقولِ بعض چالیس آدمی لکھے ہیں مالا بدمنہ میں۔ اگر موجب اُس کے چالیس آدمی سے کم میں جمعہ پڑھا جائے تو جائز ہوگا یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) حتی الامکان چاروں مذہب بلکہ جمیع مذاہب ائمہ مجتہدین کی رعایت ہمارے علما بلکہ سب علماء مستحب لکھتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ یہ اسی وقت تک ہے کہ اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو ورنہ ایسی رعایت کی اجازت نہیں۔

وا فی ردالمحتار لیس لہ ان یرتکب مکروہ مذھبہ لیراعی مذھب غیرہ کما مر تقریرہ اول الکتاب[1]۔

ردالمحتار میں ہے کہ غیر کے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب جائز نہیں جیسا کہ اس پر کتاب کی ابتداء میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ (ت)

جب مکروہ کے سبب یہ حکم تو امر حرام و ناجائز کے لئے کیونکر اجازت ہوسکتی ہے، دیہات میں جمعہ پڑھنا خود ناجائز ہے

فی الدر المختار تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لایصح لان المصر شرط الصحۃ[2]

درمختار میں ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شہر کا ہونا شرطِ صحت ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار مطلب فی ندب مراعاۃ الخلاف الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۰۹

[2] درمختار باب العیدین " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

وا ردالمحتار میں یہ عبارۃ بالمعنی مذکور ہے بالفاظہ مذکور نہیں۔

پھر اس کے سبب جماعتِ ظہر ترک ہونا دوسرا گناہ، اور ہر گناہ قابلِ مواخذہ، اور اگر ظہر نہ پڑھی جب تو خود نمازِ فرض معاذ اللہ عمداً ترک کی فرضِ ظہر کا ذمہ پر رہ جانا کیا کوئی ہلکی بات ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں پناہ لیتا ہُوں۔ ت)

(۲) یہ نیت کہ اگر جمعہ نہ ہُوا تو فرض ورنہ نفل ہرگز کفایت نہ کرے گی کہ جمعہ نہ ہُوا تو فرضِ ظہر ذمہ پر باقی ہے اور فرض کی نیت میں تعیین شرط ہے شک و تردّد کافی نہیں،

فی التنویر لابد من التعیین عند النیۃ لفرض ولو قضاء و واجب[1]۔ تنویر میں ہے کہ نیت کے وقت فرض و واجب کی تعیین ضروری ہے خواہ وُہ قضا ہو۔ (ت)

بلکہ اشتباہ کی جگہ یہ کرے کہ جمعہ پڑھتے وقت عزم وجزم کے ساتھ جمعہ کی نیت کرے پھر چار سنّت بعدیہ بہ نیت سنّت وقت پڑھے پھر یہ چار رکعت احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وُہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور ادا نہ کی، پھر دو سُنتیں بہ نیت سنّت وقت پڑھے، اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ جمعہ صحیح ہوگیا تو چار فرض جو اس نے پڑھے پہلے کسی ظہر کی قضا دانستہ یا نادانستہ جو اس کے ذمہ رہ گئی تھی اُس میں محسوب ہوجائیں گی اور کوئی قضا نہ تھی تو نفل ہوں گی، اور اگر جمعہ نہ ہُوا تو یہ فرض خود آج ہی کی ظہر کے مع سنّت قبلیہ وبعدیہ بترتیب ادا ہوجائیں گے، یہ اس طریقہ کی منفعت ہے نہ یہ کہ نیت میں یُوں شک وتردّد کرے، یُوں ہرگز فرض ادا نہیں ہو سکتے تو وہ مقصود احتیاط کہاں حاصل ہوا، ان رکعتوں کا رواج جواز کیا بلکہ ایسے مواقع میں علماء نے حکم دیا ہے مگر ان جاہلوں کو نہیں جو نیت صحیح نہ کر سکیں یا اُن کے باعث جمعہ کے دن دوہرے فرض سمجھنے لگیں، ولہذا علماء فرماتے ہیں عوام جاہلوں کو ان کا حکم نہ دیا جائے، علمگیری میں ہے:

ینوی اٰخر ظہر علیہ وھو الاحسن[2] (جو اس پر آخری ظہر ہے اس کی نیت کرے اور یہی احسن ہے۔ ت)

مراقی الفلاح میں ہے: لایفتی بالاربع الا للخواص[3] (چار رکعت ظہر کا فتوٰی صرف اور صرف خواص کے لئے ہے۔ ت)

---

[1] درمختار | باب شروط الصلوٰۃ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۶۷
[2] فتاوی ہندیۃ | الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ | مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/ ۱۴۵
[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی | باب الجمعۃ | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ص ۲۷۶

مگر یہ اس جگہ کے لئے ہے جو شہر یا فنائے شہر ہو اور تعدد جمعہ وغیرہ وجوہ کے سبب صحتِ جمعہ میں اشتباہ ہو، گاؤں میں جمعہ اصلاً جائز نہیں تو وہاں اس کی اجازت نہیں ہوسکتی کہ ایک ناجائز کام کریں اور ان چار رکعت احتیاطی سے اس کی تلافی چاہیں ۔

(۳) اور ضعفِ اسلام کا عذر قابلِ سماعت نہیں، ضعف تو یُوں ہی ہے کہ اکثر اہلِ اسلام کو جائز ناجائز کی چنداں پروا نہ رہی نہ کہ وُہ ناجائز جسے عبادت سمجھ کر بجالائیں، رونقِ اسلام اتباعِ احکام میں ہے نہ بے قیدی میں ۔

والذنب یجر الی الذنب والقلیل یدعو الی الکثیر وما لنا الا فتاء الا بالمذھب وقد قال العلماء فی عدۃ مسائل فی المذھب لایفتی بھا کیلا یتوصل العوام الی ھدم المذھب فکیف بما لیس من المذھب فی شیئ وباللہ العصمۃ ۔

گناہ دوسرے گناہ کی طرف کھینچتا ہے ۔ قلیل، کثرت کی دعوت دیتا ہے اور ہم جو مذہب ہے اسی پر فتوی دیتے ہیں ۔ متعدد ایسے مسائل جو مذہب پر ہیں لیکن علماء نے فرمایا کہ ان پر فتوی نہ دیا جائے تاکہ عوام مذہب کو ختم کرنے پر نہ تُل جائیں تو اس مسئلہ کا کیا معاملہ ہے جو مذہب سے تعلق نہ رکھتا ہو اور عصمت اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے (ت)

(۴، ۵) اور سلطان یا اس کے مامور و ماذون کا اقامتِ جمعہ کرنا اگرچہ ایسی شرط ہے کہ ہنگامِ ضرورت ساقط ہوجاتی ہے مگر شرطِ مصر کا اس پر قیاس نہیں کہ غیر مصر میں اقامتِ جمعہ خود شرع مطہر نے ضرور نہ ٹھہرائی بلکہ وہاں عدمِ اقامت ہی ضرور ہے تو اس شرط کے اسقاط میں ضرورت کے کیا معنی، غرض دیہات میں جمعہ کی ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا،

فی الشامی عن القھستانی عن الجواھر لوصلوا فی القری لزمھم اداء الظھر[1]

شامی نے قہستانی سے انہوں نے جواہر سے نقل کیا کہ اگر لوگوں نے دیہاتوں میں جمعہ ادا کیا تو وہاں ظہر کی ادائیگی لازم ہوگی ۔ (ت)

(۶) بعض علماء نے جو یہ روایت اختیار کی ہے اُس میں بستی کی مردم شماری مقصود نہیں بلکہ خاص وہ لوگ جن پر جمعہ فرض ہے یعنی مرد عاقل بالغ آزاد مقیم کہ اندھے لنجے لُولے یا ایسے ضعیف یا مریض نہ ہوں کہ جمعہ کی حاضری سے معذور ہوں، ایسے معذوروں یا بچّوں، عورتوں، غلاموں، مسافروں کی گنتی نہیں، اور

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۰

پوری مسجد مع صحن مراد ہے نہ کہ فقط اندر کا درجہ،

فی التنویر ھو مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا[1] فی الشامی عن الطحطاوی عن القھستانی احترز بہ عن اصحاب الاعذار مثل النساء و الصبیان والمسافرین[2]۔

تنویر میں ہے شہر وُہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد شہر کے مکلفین کے لئے ناکافی ہو، شامی میں طحطاوی سے اور وہاں قہستانی سے ہے کہ لفظ مکلفین سے معذورین کو خارج کیا ہے مثلاً خواتین، بچے اور مسافر۔ (ت)

(۷) ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صحتِ نمازِ جمعہ کے لئے امام کے سوا تین مرد عاقل بالغ درکار ہیں اس سے کم میں جائز نہیں زیادہ کی ضرورت نہیں۔

فی التنویر والجماعۃ اقلھا ثلثۃ رجال سوی الامام[3]

تنویر میں ہے جماعت کے لئے امام کے علاوہ کم از کم تین مردوں کا ہونا ضروری ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۰

۶ رمضان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے مقتدیوں کو اس کا جواب دینا اور جب دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرے مقتدیوں کو دُعا کرنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ہرگز نہ چاہئے یہی احوط ہے، ردالمحتار میں ہے:

اجابۃ الاذان حینئذ مکروھۃ نھر الفائق[4]

اس وقت اذان کا جواب دینا مکروہ ہے نہرالفائق۔ (ت)

پھر درمختار میں ہے:

ینبغی ان لایجیب بلسانہ اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب[5]۔

خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان کا جواب بالاتفاق نہیں دینا چاہئے۔ (ت)

---

[1] درمختار	باب الجمعۃ	مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت	۱/۱۰۹
[2] ردالمحتار	"	" مصطفی البابی مصر	۱/۵۹۰
[3] درمختار	"	" مطبع مجتبائی دہلی بھارت	۱/۱۱۱
[4] ردالمحتار	"	" مصطفی البابی مصر	۱/۶۰۷
[5] درمختار	باب الاذان	" مجتبائی دہلی بھارت	۱/۶۵

اُسی میں ہے :

اذاخرج الامام من الحجرۃ ان کان والافقیامہ للصعود فلاصلوٰۃ ولاکلام الی تمامہا وقالا لاباس بالکلام قبل الخطبۃ وبعدھا واذاجلس عند الثانی والخلاف فی کلام یتعلق بالاٰخرۃ اماغیرہ فیکرہ اجماعا وعلی ھذا فالترقیۃ المتعارفۃ فی زماننا تکرہ عندہ، والعجب ان المرقی ینھی عن الامر بالمعروف بمقتضی حدیثہ ثم یقول انصتوا رحمکم اللہ اھ ملخصاً[1]

جب امام حجرہ سے نکلے اگر حجرہ ہو، ورنہ جب وہ منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو تمام خطبہ تک نہ نماز ہے اور نہ ہی کلام۔ صاحبین کہتے ہیں کہ خطبہ سے پہلے اور اس کے بعد گفتگو میں کوئی حرج نہیں اور امام ابویوسف کے نزدیک جب امام بیٹھے اس وقت بھی کلام میں کوئی حرج نہیں، اور اختلاف اس گفتگو میں ہے جو آخرت سے متعلق ہو لیکن اس کے علاوہ گفتگو تو بالاتفاق مکروہ ہے، اس بناء پر ہمارے زمانہ میں متعارف ترقیہ (ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی الخ) (خطیب کے منبر پر بیٹھتے وقت پڑھنا) امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے اور تعجب ہے کہ ترقیہ پڑھنے والا امر بالمعروف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کی وجہ سے روکتا ہے اور پھر خود کہتا ہے خاموش رہو اللہ تعالٰی تم پر رحم کرے اھ ملخصاً۔ (ت)

ہاں یہ جوابِ اذان یا دُعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفظ اصلاً نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، کما افادہ کلام علی القاری وفروع فی کتب المذھب (جیسا کہ علی قاری نے تحریر فرمایا اور اس کی تفصیلات کُتبِ مذہب میں ہیں۔ ت) اور امام یعنی خطیب تو اگر زبان سے بھی جوابِ اذان دے یا دُعا کرے بلاشبہہ جائز ہے

وقد صح کلا الامرین عن سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی صحیح البخاری وغیرہ۔

صحیح البخاری وغیرہ میں سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دونوں معمول ملتے ہیں۔ (ت)

یہ قول مجمل ہے وتفصیل المقام مع نہایۃ الغایۃ وازالۃ الاوھام فی فتاوٰنا بتوفیق الملک العلام (اس مقام کی تفصیل ہم نے بتوفیق ملک العلام نہایت تحقیق کے ساتھ اپنے فتاوٰی میں بیان کردی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۹۱: از بلگرام ضلع ہردوئی محلہ میدانپورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بآوازِ بلند کہنا چاہئے یا باخفاء؟ اور اگر بآوازِ بلند کہے تو کچھ حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

الجواب

نہ بآواز نہ باخفا، بلکہ تنہا اعوذ آہستہ پڑھ کر حمدِ الٰہی سے شروع کرے،

فی الدر المختار یبدأ بالتعوذ سرا[1] (درمختار میں ہے کہ آہستہ تعوذ پڑھ کر خطبہ شروع کرے۔) فی رد المحتار قولہ یبدأ ای قبل الخطبۃ الاولی بالتعوذ سرا ثم بحمد اللہ تعالٰی والثناء علیہ[2] واللہ تعالٰی اعلم (ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول یبدأ یہ ہے کہ پہلے خطبہ سے پہلے آہستہ اعوذ باللہ کہے اس کے بعد اللہ تعالٰی کی حمد وثنا کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

مسئلہ ۱۲۹۲ از کلکتہ دھرم تلہ ۶ مرسلہ جناب غلام قادر بیگ صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبۂ جمعہ میں جو اردو قصائد متضمن وعظ ونصیحت پڑھے جاتے ہیں یہ شرعاً کیسا ہے اور عوام کا یہ عذر کہ عربی ہماری سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا اردو کی ضرورت ہے قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ امر خلافِ سنّتِ متوارثہ مسلمین ہے اور سنتِ متوارثہ کا خلاف مکروہ، قرناً فقرناً اہلِ اسلام میں ہمیشہ خالص عربی میں خطبہ معمول ومتوارث رہا ہے اور متوارث کا اتباع ضرور ہے۔ درمختار میں ہے: لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم[3] (یہ مسلمانوں کا توارث ہے جس کی اتباع لازم ہے۔ ت) زمانۂ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں بحمد اللہ ہزارہا بلادِ عجم فتح ہوئے، ہزاروں عجمی حاضر ہوئے مگر کبھی منقول نہیں کہ انھوں نے ان کی غرض سے خطبہ غیر عربی میں پڑھا یا اس میں دوسری زبان خلط کیا ہو،

وکل ما وجد مقتضیہ عینا مع عدم المانع ثم ترکوہ دل علی انھم کفوا عنہ فکان ادناہ الکراھۃ۔ (ہر وہ شیئ جس کا مقتضی پایا جائے اور کوئی مانع بھی نہیں پھر اس کو ترک کر دینا اس پر دال ہے کہ اسے چھوڑا گیا ہے تو کم ازکم یہ عمل مکروہ ضرور ہوگا۔ ت)

عوام کا یہ عذر جب صحابہ کرام کے نزدیک لائقِ لحاظ نہ تھا اب کیوں مسموع ہونے لگا، بات یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ

---

[1] درمختار — باب الجمعۃ — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۱۱

[2] ردالمحتار — ″ — ″ مصطفی البابی مصر — ۱/۵۹۸

[3] درمختار — باب العیدین — ″ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۱۷

نے علم سیکھنا سب پر واجب کیا ہے، عوام کہ نہیں سمجھتے، سبب یہ ہے کہ نہیں سیکھتے تو قصور اُن کا ہے نہ کہ خطیب کا، آخر عوام قرآن مجید بھی تو نہیں سمجھتے کیا اُن کے لئے قرآن اُردو میں پڑھا جاتے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۹۳: از شہر پوربندر ملک کاٹھیاواڑ محلہ ڈیڈرروڈ مسئولہ کھتری عمر ابوبکر صاحب
۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں، خطیب کو وقتِ خواندگی خطبہ عصا ہاتھ میں لینا سنّت ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب

خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علماء نے سنّت لکھا اور بعض نے مکروہ، اور ظاہر ہے کہ اگر سنّت بھی ہو تو کوئی سنّت موکدہ نہیں، تو بنظرِ اختلاف اُس سے بچنا ہی بہتر ہے مگر جب کوئی عذر ہو،

وذلك لان الفعل اذا تردد بين السنية والكراهة كان تركه اولٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

وہ اس لئے کہ جب فعل کے سنّت اور مکروہ ہونے میں شک ہو تو اس کا ترک بہتر ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹۴: مرسلہ مولوی الہ یار خاں صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ وعیدین میں پُورا خطبہ اشعارِ عربی و فارسی و ہندی میں پڑھنا اور اشعار کا داخل کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

شعر کی نسبت حدیث میں فرمایا وُہ ایک کلام ہے جس کا حسن حسن اور قبیح قبیح یعنی مضمون پر مدار ہے اگر اچھا ذکر ہے شعر بھی محمود اور بُرا تذکرہ ہے تو شعر بھی مذموم، بحور، عروض پر موزوں ہوجانا خواہی نخواہی قبح کلام کا باعث نہیں اگرچہ اس میں انہماک واستغراق تام متکلم کے حق میں شرع کو ناپسند۔

اخرج البخاری فی الادب المفرد، والطبرانی فی المعجم الاوسط وابو یعلٰی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما و هذا والدارقطنی عن ام المؤمنین

امام بخاری نے ادب المفرد میں، طبرانی نے معجم اوسط میں اور ابویعلٰی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ابویعلٰی اور دارقطنی نے ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور

الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا والامام الشافعی عن عروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما مرسلا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم : الشعر بمنزلۃ الکلام فحسنہ کحسن الکلام و قبیحہ کقبیح الکلام[1] قال المناوی اسنادہ حسن[2]۔

امام شافعی نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : شعر دوسرے کلام کی طرح ہی ہے ، اچھا شعر اچھے کلام اور برا شعر برے کلام کی طرح ہوتا ہے ۔ امام مناوی نے کہا کہ اس روایت کی سند حسن ہے ۔ (ت)

خود حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے منبر بچھاتے وہ اس پر کھڑے ہوکر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حمد وثنا ومفاخرت کا خطبہ بلیغہ اشعار میں پڑھتے ، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے یہ جب تک اس کام میں رہتا ہے اللہ تعالٰی جبرئیل سے اس کی مدد فرماتا ہے ۔

اخرج الامام البخاری فی الجامع الصحیح عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یضع لحسان بن ثابت منبرا فی المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوینافح ویقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما نافح اوفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔

امام بخاری نے الجامع الصحیح میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے صحابی حسان بن ثابت کے لئے مسجد میں منبر بچھواتے اور وہ منبر پر کھڑے ہوکر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدح کرتے اور کفار کی طرف سے کئے ہوئے حملوں کا جواب دیتے ، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے کہ جب تک حسان (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف اور دفاع کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کی روح القدس کے ذریعے مدد وتائید فرماتا ہے ۔ (ت)

---

[1] الادب المفرد باب الشعر حسن الخ ۳۸۲ حدیث ۸۶۵ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۲۲۳
الجامع الصغیر مع فتح القدیر بحوالہ معجم اوسط وادب مفرد عن ابن عمرو والبویعلی عن عائشہ ۴/ ۱۷۵
[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر بحوالہ الہیثمی مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۷۵
[3] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ البخاری باب البیان والشعر ر مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۱۰
سنن ابوداؤد کتاب الادب ر نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۶۸۴

سیدی عارف باللہ امام الطریقین شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ماکان منہ یعنی من الشعر فی الزھد و المواعظ والحکم وذم الدنیا والتذکیر بآلاء اللہ ونعت الصالحین وصفۃ المتقین ونحو ذلک مما یحمل علی الطاعۃ ویبعد عن المعصیۃ محمود[1] الخ

ہر وُہ شعر اچھا ہے جو زہد، وعظ، حکمت، دنیا کی مذمت، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلانے والا یا صالحین ومتقین کی صفت وتعریف وغیرہ پر مشتمل ہو، جو انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت پر اُبھارتا ہو یا گناہ سے دُور کرتا ہو الخ (ت)

تو اگر خطبۂ جمعہ یا عیدین میں احیاناً دو چار عربی اشعار حمد ونعت ۔ وعظ و تذکیر و ذمِ دنیا و مدحِ عقبیٰ کے پڑھے جائیں کوئی مانع نہیں بلکہ خود راشد الامۃ فی امر اللہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطبہ میں بعض اشعار پڑھنا مروی

فقد اخرج العسکری فی المواعظ عن ابی خالد الغسانی قال حدثنی مشیخۃ من اھل الشام ادرکوا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالوا لما استخلف صعد المنبر فلما رأی الناس اسفل منہ حمد اللہ ثم کان اول کلام تکلم بہ بعد الثناء علی اللہ وعلی رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ھوّن علیك فان الامور ۰ بکف الالٰہ مقادیرھا ۰
فلیس باتیك منھیھا ۰ ولا قاصر عنك مامورھا ۰

ذکرہ العلامۃ ابراھیم بن عبد اللہ الیمنی المدنی فی الباب السابع عشر من کتاب القول الصواب[2]

شیخ عسکری نے المواعظ میں ابوخالد الغسانی سے نقل کیا کہ مجھے اہل شام کے بزرگوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ جب امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے منبر پر تشریف لے گئے لوگوں کو اپنے سے نیچا دیکھ کر حمدِ الٰہی بجالائے پھر ثنائے خدا و نعتِ مصطفےٰ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد پہلا کلام جو زبان مبارک پر لائے یہ اشعار تھے جن کا حاصل یہ کہ اپنے اوپر نرمی کر کہ سب کاموں کے اندازے اللہ عزوجل کے دستِ قدرت میں ہیں جو مقدر نہیں وہ تیرے پاس آنے کا نہیں اور جو مقدر ہے وُہ تجھ سے کمی کرنے کا نہیں۔ اسے علامہ ابراہیم بن عبد اللہ یمنی مدنی نے

---

[1] کتاب عوارف المعارف ملحق احیاء العلوم مطبوعہ مطبعۃ المشہد القاہرۃ ص ۱۰۶

ف: اعلیٰحضرت نے شیخ کے حوالہ سے عبارت نقل کی کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا، مجھے اصل عبارت نہیں مل سکی، البتہ سعی بسیار کے بعد اس عبارت کی مؤید عبارت عوارف المعارف سے ان الفاظ کے ساتھ ملی ہے: "فان کان من القصائد فی ذکر الجنۃ والنار والتشویق الی دار القرار ووصف نعم الملك الجبار وذکر العبادات والترغیب فی الخیرات فلا سبیل الی الانکار" نذیر احمد

[2] القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب الباب السابع عشر

فی فضل امیر المؤمنین عمر بن الخطاب من کتابہ الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء۔

اپنی کتاب القول الصواب فی فضل امیر المومنین عمر بن الخطاب کے سترھویں باب میں الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء سے نقل کیا ہے۔ (ت)

مگر ان خطبوں کا تمام و کمال نظم ہی میں پڑھنا نہ چاہئے کہ بلاوجہ کلماتِ مسنونہ سے اعراض بلکہ طریقہ متوارثہ کی تغییر ہے اور نظم خالص خطبہ میں ترکِ سنّتِ تلاوت کو مستلزم جس کی کراہت کلماتِ علماء میں مصرح۔ امداد الفتاح شرح نور الایضاح علامہ حسن شرنبلالی میں ہے:

فی المحیط یقرأ فی الخطبۃ سورۃ من القراٰن اوایۃ فالاخبار قد تواترت ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقرأ القراٰن فی خطبتہ لاتخلو عن سورۃ اوایۃ[1]۔

محیط میں ہے کہ خطبہ میں قرآنی سورت یا اس کی آیت پڑھی جائے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خطبہ قرآنی سورت یا کسی آیتِ قرآنی سے خالی نہ ہوتا۔ (ت)

علامہ طحطاوی نے حاشیہ شرح تنویر میں خطبہ ثانیہ کی نسبت فرمایا:

یزید فیھا الدعاء للمومنین والمومنات بدل الوعظ فی الاولٰی ولایعظ فیھا ویسن قراءۃ ایۃ فیھا کذا فی البحر[2] عہ۔

پہلے خطبہ میں وعظ کے بدلے دوسرے میں مومنین اور مومنات کے لئے دُعا کا اضافہ کیا جائے اس میں وعظ نہ ہو اور اس میں قرأتِ آیت سنّت ہے جیسا کہ بحر میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یسن خطبتان بجلسۃ بینھما وتارکھا

دو خطبے درمیان میں جلسہ کے ساتھ سنّت ہیں، اس

عہ اقول ذکرہ فی البحر استظھارا من قول التجنیس والمزید الثانیۃ کالاولی الخ فلیتنبہ ۱۲ منہ (م)

میں کہتا ہوں بحر میں تجنیس والمزید کے قول کو ظاہر قرار دیتے ہوئے ذکر کیا کہ دوسرا خطبہ پہلے کی طرح ہے، پس غور کرنا چاہئے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ امداد الفتاح باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الجمعہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۴۳

مسئ علی الاصح کترکه قراءة قدر ثلث اٰیات اھ[1] ملخصا **قلت** وبقوله قدر الخ دخل اٰیة طویلة تکون قدر ثلث فاندفع ما اورد فی رد المحتار وعلیك بما علقناه[عه] علیه ۔

جلسہ کو ترک کرنا اصح قول کے مطابق گناہ ہے جیسے کہ تین آیات کی مقدار قراءت کا ترک کرنا گناہ ہے اھ ملخصاً **قلت** ان کے قول "قدر الخ" سے طویل آیت بھی شامل ہوجاتی ہے جو تین آیات کے برابر ہو لہذا ردالمحتار میں جو اعتراض ہوا اس کا ازالہ بھی ہوجائے گا۔ آپ پر اس حاشیہ کا مطالعہ نہایت مفید ہے جو ہم نے اس (ردالمحتار) پر لکھا ہے۔ (ت)

عه قال العلامة الشامی ای یکره الاقتصار فی الخطبة علی نحو تسبیحة و تهلیلة مما لایکون ذکرا طویلا قدر ثلث اٰیات او قدر التشهد الواجب ولیس المراد ان ترك قراءة ثلث اٰیات مکروه لان المصرح به فی الملتقی والمواهب و نور الایضاح وغیرها ان من السنن قراءة اٰیة اھ[2] وکتبت علیه ما نصه اقول بل هو مفاد صریح اللفظ ولو کان المراد ما اولتم به لقال کترکه قراءة ثلث اٰیات وهذا اشبه بالتبدیل منه بالتاویل ولایرید الشارح ثلث اٰیات عینا حتی یرد علیه ما ذکرتم وانما قال قدرها فادخل اٰیة او اٰیتین

علامہ شامی نے کہا یعنی خطبہ میں صرف ایک تسبیح اور تہلیل کے برابر جو تین آیات یا تشہد واجب کے برابر نہ ہو تو مکروہ ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ تین آیات کا ترک مکروہ ہے کیونکہ ملتقی اور مواہب اور نورالایضاح وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ ایک آیت کا پڑھنا سنت ہے اھ۔ میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے اقول بلکہ یہ تو صریح لفظ کا مفاد ہے اور اگر آپ کا تاویل شدہ مقصد ہوتا تو یوں کہتے (تین آیات کے ترک کی طرح مکروہ ہے) تاویل کے ذریعہ تبدیلی کی جائے یہ صریح مفاد بہتر ہے حالانکہ شارح کا مقصد خاص تین آیات مراد نہیں تاکہ آپ کا ذکر کردہ اعتراض وارد ہو بلکہ انھوں نے تو قدرها کا لفظ کہا ہے اور ایک اور دو ایسی آیات کو بھی

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۱
[2] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸

یوں ہی زبان عجمی کا داخلِ خطبہ کرنا مناسب نہیں کہ زمانۂ صحابہ و تابعین و ائمۂ دین سے خطبہ خاص زبان عربی میں ہونا متوارث ہے کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی شرح الموطا (جیسا کہ شاہ ولی اللہ الدہلوی نے شرح موطا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ت) عہدِ سلف میں بحمداللہ ہزاروں بلادِ عجم فتح ہوئے، ہزارہا منبر نصب کئے گئے، عامۂ حاضرین اہلِ عجم ہوتے مگر کبھی منقول نہیں کہ سلف صالح نے ان کی تفہیم کے لئے خطبۂ جمعہ یا عیدین غیر عربی میں پڑھا یا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا، اور سنّتِ متوارثہ کی مخالفت بیشک مکروہ ہے۔ درمختار میں فرمایا:

ان المسلمین ما توارثوہ فوجب اتباعھم[1] اھ ای ثبت و تأکد **اقول** و تحقیقہ ان التذکیر بالعجمیۃ لما کان المقتضی لہ بعینہ موجودا والمانع مفقودا ثم لم یفعلوا کان ذلک کفا منھم لا ترکا والکف فعل والفعل یجری فیہ التوارث بخلاف الترک اذ لا معنی لتوارثہ ولا مساغ للتأسی فیہ لانہ غیر مفعول بل ولا مقدور کما نص علیہ الاکابر الصدور قال فی الاشباہ والنظائر التروک لا یتقرب

جو مسلمانوں میں متوارث و منقول ہو اس کی اتباع لازم ہوتی ہے اھ یعنی وہ ثابت اور مؤکد ہوتا ہے **اقول** اس کی تحقیق یہ ہے کہ عجمی زبان میں وعظ و نصیحت کا تقاضا بنفسہٖ موجود تھا اور مانع مفقود۔ پھر بھی انھوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ ان کی طرف سے روکنا ہے ترک نہیں، روکنا فعل ہے اور فعل میں توارث جاری ہوتا ہے بخلاف ترک کے کہ اس میں توارث کا مفہوم ہی نہیں ہو سکتا اور اس میں اقتدا کا کوئی جواز ہی نہیں کیونکہ اس پر عمل ہی نہیں ہوا بلکہ وہ قدرت میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بقدر ثلث و ھو مراد من قال اٰیۃ، بدلیل ما فی الھندیۃ عن الجوھرۃ مقدار ما یقرأ فیھما من القراٰن ثلث اٰیات قصار او اٰیۃ طویلۃ[2] اھ فالتأم الکلمات وحصحص الحق و الحمدللہ۔ ۱۲ منہ

شامل کیا جو تین آیات کے برابر ہوں اور ایک آیت کہنے والے کی بھی یہی مراد ہے، اس کی دلیل یہ ہے جو ہندیہ نے جوہرہ سے نقل کیا ہے کہ خطبہ میں جو قرآن پڑھا جائے اس کی مقدار تین چھوٹی آیات یا ایک طویل آیت ہے اھ پس علماء کے کلمات موافق ہو گئے اور حق واضح ہو گیا الحمدللہ ۱۲ منہ (ت)

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

بها الا اذا اصار الترك كفا هو فعل وهو المكلف به فی النهی لا الترك بمعنی العدم لانه لیس داخلا تحت القدرة للعبد کما فی التحریر[1] اھ یعنی تحریر الاصول للامام المحقق حیث اطلق رحمہ اللہ تعالٰی اتقن ھذا فانہ من اجل المھمات۔

نہیں جیسا کہ اس پر اسلاف اکابر نے تصریح کی۔ الاشباہ والنظائر میں ہے کہ تروک سے تقرب حاصل نہیں کیا جاسکتا البتہ اس صورت میں جب ترک رو کنے کی صورت میں ہو تو وہ فعل ہوگا اور نہی میں یہی مکلّف بہ ہے نہ کہ ترک بمعنی عدم، کیونکہ اس معنی میں وُہ عبد کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہوتا جیسا کہ تحریر میں ہے اھ۔ تحریر سے مراد امام مطلق محقق کی کتاب تحریر الاصول ہے اسے مضبوطی سے حاصل کرو کیونکہ یہ نہایت ہی مشکل مقام ہے (ت)

بااینہمہ اگر خطبۂ عربیہ کے ساتھ کچھ اشعار پند و نصائح اُردو میں پڑھے جائیں جیسا کہ آج کل ہندوستان میں اکثر جگہ معمول ہے تو غایت اس کی یہی اس قدر کہ خلافِ اولیٰ و مکروہ تنزیہی ہے اس سے زیادہ اسے مکروہ تحریمی گناہ و ممنوع و بدعت سیئہ قرار دینا محض بے دلیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کا خطبۂ جمعہ پڑھنا اور نماز غیر خطیب کا پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

غیر خطیب کا نماز پڑھانا اولٰی نہیں،

فی تنویر الابصار ولا ینبغی ان یصلی بالقوم غیر الخطیب[2] وھکذا فی الفتاوی عالمگیریۃ ناقلا عن الکافی۔

تنویر الابصار میں ہے کہ غیر خطیب کا قوم کو نماز پڑھانا مناسب نہیں، اسی طرح فتاوی عالمگیری میں کافی سے منقول ہے۔ (ت)

اور اگر نابالغ خطبہ پڑھے اور بالغ نماز پڑھائے تو اس میں اختلاف ہے عالمگیری میں ناقلا عن الزاھدی (زاہدی سے منقول ہے۔ ت) خطیب کا صالح امامت جمعہ ہونا شرط ٹھہرایا اور نابالغ صالح امامت نہیں تو اس کا خطبہ پڑھنا ناجائز اور فرض اس سے ساقط نہ ہوگا

عبارتھا ھذہ واما الخطیب فیشترط فیہ ان یتاھل للامامۃ فی الجمعۃ

اس کی عبارت یہ ہے خطبہ دینے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ جمعہ کی امامت کا اہل ہو،

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۴۷

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۳

کذا فی الزاھدی[1]۔ | زاہدی میں اسی طرح ہے۔ (ت)

اشباہ والنظائر وفتاوٰی خلاصہ وتنویر الابصار میں جواز کا حکم دیا۔

حیث قال فی الاشباہ لو خطب باذن السلطان وصلی بالغ جاز[2] وفی تنویر الابصار فان فعل بان خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز[3] وفی الخلاصۃ صبی خطب بامر السلطان وصلی الجمعۃ مصل بالغ یجوز[4]۔

الاشباہ میں ہے کہ اگر (نابالغ نے) بادشاہ کی اجازت سے خطبہ دیا اور بالغ نے نماز پڑھادی تو جائز ہے۔ تنویر الابصار میں ہے کہ اگر ایسا ہُوا یعنی بچے نے بادشاہ کی اجازت سے خطبہ دیا لیکن نماز بالغ نے پڑھالی تو جائز ہے۔ خلاصہ میں ہے کسی نابالغ بچے نے سلطان کے حکم سے خطبہ دیا اور بالغ نے نماز پڑھائی تو جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں اسی کو مختار قرار دیا۔

حیث قال بعد قولہ جاز ھو المختار[5]۔

جہاں انہوں نے ماتن کے قول "جاز" کے بعد کہا یہی مختار ہے (ت)

بہرحال صونا عن الخلاف (اختلاف سے بچنے کی خاطر۔ ت) نابالغ کا خطبہ پڑھنا مناسب نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۹۶ از لشکر گوالیار محکمہ ڈاک مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب غرہ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعت فرض احتیاطی پڑھے جائیں یا نہیں یعنی اگر جمعہ کے شرائط پُورے ادا ہوتے ہیں تو پھر یہ رکعتیں غیر ضروری ہیں اور اگر جُمعہ بموجب مذہب حنفی ادا نہیں ہوتا تو جمعہ کیوں پڑھا جاتا ہے نماز ظہر پڑھی جائے اگر احتیاطاً دونوں پڑھی جاتی ہیں تو پھر ہم مقلد اور حنفی کیا ہُوئے آمین بالجہر کرتے والے اور فاتحہ خلف الامام پڑھنے والے بھی یہی عذر کرسکتے ہیں مفصل طور پر ارشاد فرمائیے کہ سائل کو تسکین ہو، زیادہ نیاز۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[2] الاشباہ والنظائر احکام الصبیان " ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۴۳، ۵۴۴

[3] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

[4] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث والعشرون فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۰۵

[5] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

الجواب

عبادات بشدت محلِ احتیاط ہیں اور خلاف علماء سے خروج بالاجماع مستحب، جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ لازم آئے کما نص علیہ فی رد المحتار وغیرہ (جیسے کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس پر تصریح ہے۔ ت) قراءتِ مقتدی و رفع یدین وجہر بہ آمین ہمارے مذہب میں باتفاقِ ائمہ ممنوع و مکروہ وخلافِ سنّت ہیں تو ہمیں یہاں رعایت خلاف اپنے مذہب سے خروج اور مکروہ فی المذہب کا ارتکاب صاف ہے بخلاف فرض احتیاطی کہ بسبب تعدد جمعہ رکھے گئے یہ دونوں حرج سے پاک ہیں کہ جواز تعدد مطلقاً اگرچہ علی الاصح ظاہر الروایۃ اور وہی معمول ومفتی بہ مگر منع تعدد بھی مذہب میں ایک قول قوی و مصحح ہے،

فی رد المحتار جواز التعدد وان کان ارجح واقوی دلیلا لکن فیہ شبھۃ قویۃ لان خلافہ مروی عن ابی حنیفۃ ایضا واختارہ الطحاوی والتمرتاشی وصاحب المختار وجعلہ العتابی الاظھر وقد علمت قول البدائع انہ ظاھر الروایۃ وفی شرح المنیۃ عن جوامع الفقہ انہ اظھر الروایتین عن الامام قال فی النھر وفی الحاوی القدسی وعلیہ الفتوی وفی التکملۃ للزاھدی وبہ ناخذ اھ فھو حینئذ قول معتمد فی المذھب لا قول ضعیف[1] اھ ملخصا

ردالمحتار میں ہے کہ جمعہ کے متعدد مقامات پر ہونے کا جواز اگرچہ راجح اور قوی ہے مگر اس میں اشتباہ بھی قوی ہے کیونکہ اس کے خلاف امام ابوحنیفہ سے بھی روایت ہے اور اسے طحاوی، تمرتاشی اور صاحب مختار نے اختیار کیا اور عتابی نے اسے اظہر قرار دیا ہے، اور صاحبِ بدائع کا یہ قول آپ پڑھ چکے کہ یہ ظاہر الروایۃ ہے، شرح المنیہ میں جوامع الفقہ سے ہے کہ امام صاحب سے مروی دونوں روایات میں سے یہ اظہر ہے، نہر میں کہا کہ حاوی القدسی میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے، اور زاہدی کے تکملہ میں ہے کہ ہمارا عمل اسی پر ہے اھ تو اس وقت مذہب میں یہ معتمد قول ہُوا ضعیف قول نہ رہا اھ ملخصاً (ت)

پھر اس کی رعایت میں کوئی کراہت لازم نہیں آتی کہ یہ فرض احتیاطی بجماعت نہیں ہوتے منفرداً بہ نیت آخر ظہر پڑھے جاتے ہیں وُہ بھی صرف خواص کے لئے عوام کو نہ بتائے جائیں نہ انھیں حاجت، تو فرق ظاہر ہوگیا اور اعتراض ساقط وتفصیل القول فی تلک الرکعات قد سبقت فی فتاونا (ان رکعات کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہمارے فتاوٰی میں گزر چکی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۶

مسئلہ ۱۲۹۷ از تودیا ضلع بریلی غرہ محرم ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں جامع مسجد ہے کہ ہمیشہ اُس میں جمعہ ہوتا ہے اب ایک مسجد بنا ہُوئی اُس کو جامع مسجد بنانا اور قدیم کی جامع مسجد کو ترک کردینا یا دونوں جا جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

قصبہ وشہر جہاں جمعہ جائز ہے وہاں نمازِ جمعہ متعدد جگہ ہونا بھی جائز ہے اگرچہ افضل حتی الوسع ایک جگہ ہونا ہے، اور اگلی مسجد جامع کو ترک کردینے کے اگر یہ معنی کہ اُس میں نماز ہی چھوڑدی جائے، تو قطعاً ناجائز کہ مسجد کا ویران کرنا ہے اور اگر یہ مراد کہ نماز تو وہاں ہُوا کرے مگر جمعہ وہاں کے بدلے اب اس مسجد جدید میں ہو، اس میں اگر وہاں کے اہلِ اسلام کوئی مصلحتِ شرعیہ قابلِ قبول رکھتے ہوں تو کیا مضائقہ، ورنہ مسجد جامع وہی مسجد قدیم ہے اور اُس میں نمازِ جمعہ کا ثواب زائد۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۸ از جالندھر محلہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خاں صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نمازِ جمعہ کے چار رکعت ظہر احتیاطی کا پڑھنا ملک پنجاب یا ہندوستان کے شہروں میں جن میں جامع مساجد بادشاہوں کے حکم سے بنی ہُوئی ہیں واجب ہے یا مستحب، اور ان شہروں میں نمازِ جمعہ میں کچھ وہم یا شبہہ ہے یا نہیں؟ بحوالۂ کتاب مع عبارت لکھا جائے۔

الجواب

بعض شرائطِ صحت کی تحقیق میں یہاں ضرور اختلاف واشتباہ ہے، ایسی جگہ علمائے کرام نے چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا مگر خواص کے لئے، نہ کہ ایسے عوام کو جو تصحیحِ نیت پر قادر نہ ہوں، اُن کے لئے ایک مذہب پر صحت بس ہے، یہ رکعتیں بحالِ توہم عدمِ صحت تو صرف مندوب ہیں اور بحالِ شک واشتباہ ظاہر وجوب، ردالمحتار میں ہے:

نقل مقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشک فی کونہ مصرا ینبغی لھم ان یصلوا بعد الجمعۃ اربعا بنیۃ الظھر احتیاطا، ومثلہ فی الکافی والقنیۃ امرأ تھم بالاربع بعدھا حتما احتیاطا، قال المقدسی ذکر ابن الشحنۃ عن جدہ

مقدسی نے محیط سے نقل کیا کہ ہر وُہ جگہ جس کے شہر ہونے میں شک ہو وہاں پر ان لوگوں کو جمعہ کے بعد احتیاطاً چار رکعتیں بنیتِ ظہر ادا کرنی چاہئیں، اسی کی مثل کافی اور قنیہ میں ہے کہ ائمہ نے جمعہ کے بعد لوگوں کو حتمی طور پر احتیاطاً چار رکعات کا حکم دیا ہے، المقدسی نے کہا کہ ابن شحنہ نے اپنے دادا سے اس کے

التصریح بالندب و بحث فیه بانه ینبغی ان یکون عند مجرد التوهم اما عند قیام الشك والاشتباه فالظاهر الوجوب و نقل عن شیخه ابن الھمام مایفیده و قال المقدسی نحن لانامر بذلك امثال ھذه العوام بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة الیھم[1] اھ ملخصا

مندوب ہونے کی تصریح کی اور اس پر اعتراض کیا کہ ایسی بات اس وقت ہے جب وہم ہو اور اگر شک و اشتباہ ہو تو پھر واجب ہے اور اپنے شیخ ابن ہمام سے وُہ نقل کیا جو یہاں مفید تھا، مقدسی نے کہا کہ ہم ایسی باتوں کا حکم عوام کو نہیں دیتے بلکہ خواص کو مطلع کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کی نسبت سے ہوں اھ ملخصاً (ت)

تحقیقِ مسئلہ ہمارے فتاوٰی اور رسالہ لوامع البھا فی المصر للجمعة والاربع عقبیھا میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۹: از رامپور متصل مراد آباد محلہ ملاظریف گھیر فرنگن محل مرسلہ مولوی ریاست حسین صاحب
۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ جمعہ بکدام سال مفروض شد۔

اس مسئلہ کے بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ جمعہ کس سال فرض ہوا؟

الجواب

ہم بسال اول از ہجرت علی الصحیح المشھور عند الجمھور فی شرح المواھب للزرقانی الاٰیة مدنیة فتدل علی انھا فرضت بالمدینة وعلیه الاکثر وقال الشیخ ابوحامد فرضت بمکة قال الحافظ وھو غریب[2] وفی شرح الموطا له انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی سفر الھجرة لما خرج من قبا یوم الجمعة حین ارتفع النھار ادرکته الجمعة فی بنی سالم

جمہور کے نزدیک صحیح مشہور یہی ہے کہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوا، شرح المواہب للزرقانی میں ہے کہ آیت (جمعہ) مدنی ہے جو دال ہے کہ جمعہ کی فرضیت مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ میں ہُوئی، اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ شیخ ابوحامد کہتے ہیں کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہُوا تھا۔ حافظ کہتے ہیں کہ یہ قول غریب ہے۔ زرقانی کی شرح موطا میں ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب سفرِ ہجرت کے

---

[1] ردالمحتار باب الجمعة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۶
[2] شرح المواھب اللدنیة للزرقانی الباب الثانی فی ذکر صلوٰۃ الجمعة مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۷/۳۲۳

بن عوف فصلاها بمسجدهم فسمی مسجد الجمعۃ وھی اوّل جمعۃ صلاھا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذکرہ ابن اسحٰق[1] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

موقعہ پر جمعہ کے دن قبا سے مدینہ طیبہ کی طرف چلے تو دن خوب بلند ہوچکا تھا محلہ بنو سالم بن عوف میں جمعہ کا وقت ہوگیا تو آپ نے ان کی مسجد میں جمعہ ادا فرمایا، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد الجمعہ قرار پاگیا، یہ پہلا جمعہ تھا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا۔ ابن اسحاق نے اسی طرح ذکر کیا ہے اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰۰: از درو ضلع نینی تال ڈاک خانہ کچھا مرسلہ عبدالعزیز خاں ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عیدین یا جمعہ میں آدمیوں کی کثرت سے سجدۂ سہو امام کو ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ہاں علمائے کرام نے بحالت کثرت جماعت جبکہ سجدۂ سہو کے باعث مقتدیوں کے خبط و افتتان کا اندیشہ ہو اس کے ترک کی اجازت دی بلکہ اسی کو اولٰی قرار دیا،

فی الدرالمختار السھو فی صلٰوۃ العید والجمعۃ والمکتوبۃ والتطوع سواء والمختار عند المتاخرین عدمہ فی الاولیین لدفع الفتنۃ کما فی جمعۃ البحر واقرہ المصنف وبہ جزم فی الدرر[2]۔

درمختار میں ہے کہ نمازِ عید، جمعہ اور فرض و نفل نمازیں سہو برابر ہے، متاخرین کے ہاں عید و جمعہ میں دفع فتنہ کی وجہ سے سجدۂ سہو کا نہ ہونا مختار ہے جیسا کہ جمعہ میں ہے، البحر۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا اور درر میں اسی کے ساتھ جزم کیا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان الجمع الکثیر فیما سواھما کذلک کما بحثہ بعضھم ط وکذا بحثہ الرحمتی وقال خصوصا فی زماننا وفی جمعۃ حاشیۃ

ظاہر یہ ہے کہ ان (نمازِ عید و جمعہ) کے علاوہ میں یہاں بھی کثیر اجتماع ہو اس کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ بعض نے بیان کیا ہے ط، اور اسی طرح رحمتی نے بحث کرتے ہوئے کہا اور کہا کہ خصوصاً ہمارے دور میں (سجدۂ سہو نہ کرنا

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا باب ماجاء فی الامام ینزل بقریۃ الخ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۲۲۰

[2] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۳

ابی السعود عن العزمیۃ انه لیس المراد عدم جوازه بل الاولی ترکه لئلا یقع الناس فی فتنۃ اھ قوله وبه جزم فی الدرر لکنه قیده محشیہا الوانی بما اذا حضر جمع کثیر والا فلا داعی الی الترک[ط] ۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

چاہئے) حاشیہ ابوالسعود کے جمعہ میں عزمیہ سے ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ سجدہ سہو جائز نہیں بلکہ اس کا ترک اولٰی ہے تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑیں اھ قولہ اس پر درر میں جزم ہے لیکن اس کے محشی الوانی نے اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب وہاں کثیر لوگ جمع ہوں ورنہ نہیں کیونکہ اس وقت ترک سجدہ کا داعی نہیں ہوگا، ط۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰۱ از ریاست رامپور محلہ ملاظریف گھیر منشی عبدالرحمٰن خاں مرحوم مرسلہ مولوی عبدالرؤف صاحب ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں آج جمعہ کے دن امام صاحب جمعہ مع خطبہ پڑھا کر فارغ ہوئے اب اُس وقت پندرہ سولہ آدمی اسی مسجد میں بعد نماز جمعہ آگئے اب یہ آیندگان اسی مسجد میں پھر جمعہ پڑھیں یا ظہر، برتقدیر ثانی جماعت سے پڑھیں یا منفرد؟ عبدالحی صاحب مرحوم نے اپنے مجموعہ فتاوی میں لکھا ہے کہ وہ لوگ جمعہ پڑھیں گے دوسری مسجد میں افضل لکھا ہے اگر اسی مسجد میں پڑھیں کچھ حرج نہیں کرکے تحریر کیا ہے، مگر عالمگیری کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دُوسرا جمعہ جائز نہیں بلکہ وہ لوگ فرادی فرادی نماز پڑھیں اس کی تحقیق کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

عالمگیری میں یہ مسئلہ خانیہ سے ماثور ہے اور اسی کی مثل فتاوی ظہیریہ و بحرالرائق و درمختار وغیرہا میں مذکور،

قال فی البحر قال فی الظہیریۃ جماعۃ فاتتہم الجمعۃ فی المصر فانہم یصلون الظہر بغیر اذان ولا اقامۃ ولا جماعۃ[۲]

بحر میں ہے کہ ظہیریہ میں فرمایا کہ اگر کسی شہر میں قوم سے جماعت فوت ہوگئی تو بغیر اذان، تکبیر اور جماعت کے بغیر ظہر ادا کریں۔ (ت)

تصویر مسئلہ فوت جمعہ سے ہے اور وہ قول تو حد پر تو ظاہر۔

وعلیہ یبتنی تعلیل الہدایۃ لمسألۃ

اور ہدایہ میں مسئلہ معذورین کی ان الفاظ میں علت

---

[۱] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۶
[۲] بحرالرائق شرح کنزالدقائق ″ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۴

المعذورین بقوله لما فیه من الاخلال بالجملة اذهی جامعة الجماعات[1] اھ قال فی الفتح وتبعه فی البحر هذا الوجه مبنی علی عدم جواز تعدد الجمعة فی المصر الواحد[2] الخ زاد فی البحر وهو خلاف المنصوص علیه روایة ودرایة[3] اھ **اقول** علله فی الهدایة بتعلیلین الاول ماذکر والثانی ما عولتم علیه حیث قال بعده والمعذور قد یقتدی به غیره[4] اھ ولا غرو وتعلیل المسألة علی کل من القولین علی ان قول التوحد ایضا قول قوی فی المذهب کما یظهر مما علقنا علی ردالمحتار وقد اوردناه فی فتاونا والاعتراض بمثل هذا علی مثل هذا الامام من مثل هذا الفاضل العلام مما یفضی الی العجب وقد تبع فیه الفتح ولکن الفتح انما اقتصر علی ما قدمت ثم قال وعلی الروایة المختارة عند السرخسی وغیره من جواز تعددها فوجهه انه ربما یتطرق غیر المعذور الی الاقتداء بهم[5] الخ ولم یذکر ما ذکر هذا البحر فهو لیس بجرح بل شرح بتوزیع الدلیلین علی القولین والله الموفق۔

بیان کرنا بھی اسی پر مبنی ہے کہ اس صورت میں جمعہ میں خلل آتا ہے حالانکہ وہ تمام جماعتوں کا جامع ہے اھ فتح میں کہا اور اسی کی اتباع بحر میں ہے کہ یہ وجہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ کے عدمِ جواز پر مبنی ہے الخ بحر میں اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ روایت و درایت کے لحاظ سے یہ نص کے خلاف ہے اھ ——

اقول ہدایہ میں اس کی دو علتیں بیان ہوئی ہیں ایک یہ جو مذکور ہے اور دوسری وہ جس پر تم نے اعتماد کیا وہاں اس کے بعد انھوں نے کہا کہ کبھی معذور کی غیر اقتدار کرلیتا ہے اھ اور کوئی حرج نہیں کیونکہ مسئلہ کی علت دونوں قولوں پر ہے ——

علاوہ ازیں قولِ توحد بھی مذہب میں قوی قول ہے جیسا کہ ہمارے حاشیہ ردالمحتار کی تحریر سے ظاہر ہوجاتا ہے اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے، اس طرح کا اعتراض ایسے امام پر اس طرح کے فاضل علام سے تعجب دارد، اور انہوں نے اس میں فتح کی اتباع ہے لیکن فتح نے اسی پر اکتفاء کیا ہے جو پیچھے گزر چکا ہے، پھر کہا سرخسی وغیرہ کے نزدیک مختار روایت پر تعدد جمعہ کا جواز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات معذور کو غیر معذور کی اقتدار لاحق ہوجاتی ہے اھ اور انہوں نے ذکر نہیں کیا بحر، جو فاضل نے کیا ہے پس وہ جرح نہیں بلکہ دو اقوال کی دلیلوں کی تقسیم کی شرح ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ باب صلوۃ الجمعۃ ۱/ ۱۵۰
[2] فتح القدیر شرح الہدایۃ باب صلوۃ الجمعۃ ۲/ ۳۵
[3] بحرالرائق شرح کنزالدقائق باب صلوۃ الجمعۃ ۱/ ۱۵۴
[4] الہدایۃ ؍؍ ۱/ ۱۵۰
[5] فتح القدیر باب صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۵

اور قول معتمد تعدد پر بھی اُس میں صور متعددہ متصور، ازانجملہ یہ کہ سب جگہ نماز ہوچکی اور باقی صرف تین آدمی ہیں اور جمعہ کیلئے کم سے کم چار درکار، بہر حال یہ مسئلہ عدم جواز تعدد جمعہ بمسجد واحد میں نص نہیں، اب سوال پر نظر کیجئے فتاوائے لکھنؤ بعض احباب سے منگا کر دیکھا گیا اُسی میں اُس حکم پر نہ کوئی سند پیش کی ہے نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا صرف صحت تعدد و فرضیت جمعہ پر بنائے کار کرکے لکھ دیا کہ اس وجہ سے لازم ہے اُن لوگوں کو کہ جماعت سے خطبہ اور جمعہ ادا کریں مگر دوسری مسجد میں ہو تو اولٰی ہے اور اگر اُسی مسجد میں ہو تو بھی کچھ حرج نہیں۔

اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) صحتِ جمعہ کے لئے صرف جوازِ تعدد ہی کافی نہیں ع

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست

(یہاں ہزار نکتہ ہے جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے)

ہر شخص اقامت و امامتِ جمعہ کا اختیار نہیں رکھتا بلکہ سلطانِ اسلام یا اس کا ماموریا علی الخلاف مامور کا نائب بنایا ہُوا بالضرورت یا بلاضرورت، اور جہاں استیذانِ سلطان متعذر ہو تو جسے عامۂ مومنین خطیب و امامِ جمعہ مقرر کرلیں تنویرالابصار و درمختار میں ہے:

یشترط لصحتھا السلطان او ماموره باقامتھا واختلف فی الخطیب المقرر من جھۃ الامام الاعظم اونائبہ ھل یملك الاستنابۃ فی الخطبۃ فقیل لا مطلقا وقیل ان لضرورۃ جاز والا لا وقیل یجوز مطلقا وھو الظاھر من عباراتھم ففی البدائع کل من ملك الجمعۃ ملك اقامۃ غیرہ ونصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر امامع عدمھم فیجوز للضرورۃ[1] اھ ملتقطا۔

صحتِ جمعہ کے لئے سلطان یا اس کی طرف سے اقامتِ جمعہ پر مامور شخص کا ہونا ضروری ہے، اس میں اختلاف ہے کہ امام اعظم یا اس کے نائب کی طرف سے مقرر کردہ خطیب، خطبہ میں نائب بنا سکتا ہے یا نہیں، بعض نے کہا ہر حال میں جائز نہیں، بعض نے کہا کہ حاجت کے وقت جائز، ورنہ جائز نہیں، اور بعض کے نزدیک ہر حال میں نائب بنا سکتا ہے۔ فقہاء کی عبارت سے یہی ظاہر ہے۔ بدائع میں ہے کہ ہر وہ شخص جسے جمعہ کا مالک بنا دیا گیا وُہ اپنے علاوہ کسی کو اقامتِ جمعہ کے لئے تقرر کا بھی مالک ہوگا اور عام لوگوں کا خطیب مقرر کرنا معتبر نہیں جبکہ مذکور لوگ موجود ہوں، ہاں اگر مذکورہ بالا لوگ نہ ہوں تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا اھ ملتقطا (ت)

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۰۹ و ۱۱۰

سراجیہ میں ہے :

والی مصرمات فصلی بھم خلیفۃ المیت او صاحب الشرطۃ او القاضی جاز فان لم یکن ثمہ واحد منھم واجتمع الناس علی رجل فصلی بھم جاز[1]۔

والیِ مصر فوت ہوگیا تو جمعہ وارثِ میت پڑھائے یا محاسب یا قاضی، تو جائز ہے، اور اگر ان میں سے وہاں کوئی موجود نہیں اور لوگوں نے کسی شخص کو امام بنالیا تو تب بھی جائز ہے۔ (ت)

خانیہ میں ہے :

ان لم یکن ثم قاض ولا خلیفۃ المیت فاجتمع العامۃ علی تقدیم رجل جاز لمکان الضرورۃ[2]۔

اگر وہاں قاضی اور خلیفۂ میت نہ ہو اور لوگ کسی ایک شخص کو امام بنالیں تو یہ ضرورت کے موقعہ پر جائز ہوگا۔ (ت)

تہذیب وہندیہ میں ہے :

لو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعۃ جاز[3]۔

اگر امام سے اجازت متعذر ہو اور لوگ کسی ایک آدمی کو امام بنالیں تو جائز ہے۔ (ت)

اور پر ظاہر کہ کلام اُسی صورت میں ہے جبکہ پہلا جمعہ صحیح ادا ہولیا ورنہ مسجد واحد میں تعدّدِ جمعہ کہاں، اور دُوسری مسجد میں اولویت کا کیا منشار، تو ضرور ہے کہ پہلی نماز اسی نے پڑھائی جو اس مسجد میں اقامتِ جمعہ کا مالک تھا اب یہ دوبارہ وہیں جمعہ پڑھانے والا دو حال سے خالی نہیں[عـہ] یا اس مالکِ اقامت کے اذن سے پڑھائے گا یا بے اذن اول کی طرف راہ ممنوع کہ یہاں اذنِ مالک نہیں، مگر انابت اور بعد اس کے کہ آج کا جمعہ خود اصیل پڑھا چکا اقامتِ شعار ہوچکی، جمعہ امروز میں انابت کے کوئی معنی نہیں کہ انابت تحصیل ناحاصل کے لئے ہوتی ہے نہ تحصیل حاصل کے واسطے نہ نائب ومنیب ایک امر میں جمع ہوسکیں اور جمعۂ آیندہ کے لئے اذن جمعۂ امروزہ کا اذن نہیں تو شق ثانی ہی متعین ہوئی اور جمعہ میں غیر امامِ جمعہ کی امامت بے اذن امامِ جمعہ باطل ہے۔ سراجیہ میں بعد عبارتِ

عـہ بقی ان لو جل والاما معینا ماذونا ۱۲ (م) (یہ احتمال باقی رہ گیا کہ عام لوگ کسی مقررہ اذان والے شخص کو پائیں ت)

---

[1] فتاوٰی سراجیہ باب الجمعۃ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ بھارت ۱/ ۱۷

[2] فتاوٰی قاضی خان باب صلوٰۃ الجمعۃ " " " ۱/ ۸۴

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۶

مذکورہ ہے :

لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز الا اذا اقتدی بہ من لہ ولایۃ الجمعۃ[1]

اگر بغیر اذنِ خطیب نماز پڑھائی تو جائز نہیں، البتہ اس صورت میں جائز ہوگی جب اس کی اقتدا کسی ایسے شخص نے کی جو ولایتِ جمعہ رکھتا تھا۔ (ت)

دُرمختار میں ہے :

واقرہ شیخ الاسلام[2] (اسے شیخ الاسلام نے ثابت رکھا۔ ت)

خانیہ وہندیہ وردالمحتار میں ہے :

رجل خطب یوم الجمعۃ بغیر اذن الامام والامام حاضر لا یجوز ذلك الا ان یکون الامام امرہ بذلك[3]

کسی شخص نے اذنِ امام کے بغیر خطبہ دیا حالانکہ امام موجود تھا تو یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں جب امام نے اسے اس کا حکم دیا ہو۔ (ت)

نہ اس مسجد میں آج کے جمعہ کو امام کی ضرورت، نہ معدودے چند عامہ ناس ہیں ورنہ جمعہ سے بڑھ کر عیدین کبھی کسی شخص کو فوت نہ ہوں جبکہ اپنے ساتھ ایک ہی پاسکے کہ انھیں نماز مل جانی ضرورت قرار پائے اور ان میں ایک کا دوسرے کو امامِ عید مقرر کرلینا قائم مقام امامتِ سلطانِ اسلام ٹھہرے اور تمام مسائل کہ فوتِ جمعہ و عیدین پر مبتنی ہیں باطل ہوجائیں وھذا لا یقول بہ عاقل فضلا عن فاضل (یہ بات تو کوئی معمولی عقل والا بھی نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ کوئی فاضل کہے۔ ت) تو حق یہ ہے کہ اس مسجد میں درکنار کسی دوسری مسجد میں بھی جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو خواہ مکان یا میدان میں کسی جگہ یہ لوگ جمعہ نہیں پڑھ سکتے بلکہ اپنی ظہر تنہا تنہا پڑھیں۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے :

کرہ تحریما لمعذور ومسجون ومسافر اداء ظہر بجماعۃ فی مصر قبل الجمعۃ وبعدھا لتقلیل الجماعۃ وصورۃ المعارضۃ[4]

جمعہ سے پہلے اور اس کے بعد شہر میں معذور، قیدی اور مسافر کا جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس میں قلت جماعت اور صورتِ تعارض لازم آتی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی سراجیہ | باب الجمعہ | مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ بھارت | ص ۱۷
[2] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی بھارت | ۱/ ۱۱۰
[3] فتاوٰی ہندیۃ | الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ | مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/ ۱۴۵
[4] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی بھارت | ۱/ ۱۱۲

ردالمحتار میں ہے :

قولہ لمعذور وکذا غیرہ بالاولٰی[1] اھ فانت تعلم انھم انما احوجھم الی اداء الظھر انھم لایقدرون علی اقامۃ الجمعۃ فارشدوا الی صلٰوتھا فرادی کما لایخفی علی من رزق العقل السلیم والفھم المستقیم واللہ تعالٰی اعلم۔

قولہ معذور، غیر معذور کا بطریق اولٰی یہی حکم ہے اھ اور آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اداءِ ظہر کے زیادہ محتاج ہیں کیونکہ وُہ اقامتِ جمعہ پر قادر ہی نہیں لہذا علماء نے تنہا نمازِ ظہر ادا کرنے کی تلقین کی' جیسا کہ ہر شخص پر مخفی نہیں جسے اللہ تعالٰی نے عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم عطا فرمایا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں دو امام درمیان میں پردہ ڈال کر جمعہ پڑھانا جائز ہوگا یا نہیں ؟

(۲) ایک مسجد میں دُو دفعہ جمعہ پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب

عدمِ جواز بمعنی گناہ تو جمیع فرائض میں ہے صورتِ سوال سے ظاہر کہ دیدہ و دانستہ دو جماعتیں بالقصد اس طرح کیں اور کسی فرض کی دو جماعتیں ایک مسجد ایک وقت میں بالقصد قائم کرنا ہرگز جائز نہیں، دونوں فریق یا لااقل دونوں میں سے ایک ضرور گنہگار ہوگا کہ جماعت فرائض کی ایسی تفریق صراحۃً بدعت سیئہ شنیعہ ہے، اگر دونوں امام میں صرف ایک صالح امامت بلاکراہت ہے، مثلاً دُوسرا فاسق معلن یا بدمذہب ہے جب تو کراہت صرف اس دوسرے پر ہے، اور اگر دونوں صالح تو جس کی نیت پہلے بندھ گئی اس پر الزام نہیں دوسرے پر ہے، اور معاً باندھیں تو دونوں پر۔ خلاصہ وہندیہ میں ہے :

قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام امام من اھل الخارج وأمھم وقام امام من اھل الداخل فامھم من یسبق بالشروع فھو والمقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم[2]۔

کچھ لوگ مسجد داخل میں اور کچھ لوگ مسجد خارج میں بیٹھے تھے مؤذن نے تکبیر کہی، اہل خارج میں سے امام نے اور اہل داخل میں سے بھی امام نے جماعت کرائی' ان میں سے جس نے پہلے شروع کی وہ امام اور اسی کے لوگ مقتدی ہوں گے اور ان کے حق میں کوئی کراہت نہیں (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس فی الامامۃ فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۴

ردالمحتار باب ادراک الفریضہ میں ہے :

لوکان مقتدئا بمن یکرہ الاقتداء بہ ثم شرع من لاکراھۃ فیہ ھل یقطع ویقتدی بہ استظھر ط ان الاول لوفاسقا لایقطع ولو مخالفا وشك فی مراعاتہ یقطع اقول والاظھر العکس لان الثانی کراھتہ تنزیھیۃ کالاعمی والاعرابی بخلاف الفاسق الخ[1]

اگرکسی نے ایسے شخص کی اقتدا کی جس کی اقتدا مکروہ تھی پھر ایسے امام نے جماعت شروع کی جس میں کراہت نہ تھی تو کیا وہ مقتدی قطع کرکے دوسرے کی اقتدا کرے، ط نے اس کو ظاہر کہا کہ اول اگر فاسق ہے تو قطع نہ کرے اور اگر مخالف مسلک رکھتا ہے اور اس سے دوسرے مسلک کی رعایت مشکوک ہے تو پھر قطع کرے، اقول اس کا عکس اظہر ہے کیونکہ دوسرے میں کراہت تنزیہی ہے جیساکہ نابینا یا اعرابی میں ہے بخلاف فاسق کے الخ۔

اور جمعہ میں تو جواز بمعنی صحت ہی نہیں کم سے کم ایک فریق کا جمعہ سرے سے ادا ہی نہ ہوگا، صحتِ جمعہ کی شرائط سے ایک یہ بھی ہے کہ بادشاہِ اسلام یا اس کا مامور اقامت کرے یعنی سلطان خود یا اُس کا ماذون خطبہ پڑھے، امامت کرے اور جہاں یہ صورت متعذر ہو جیسے ان بلادِ ہندوستان میں کہ ہنوز دارالاسلام ہے وہاں بضرورت نصب عامہ کی اجازت یعنی عام مسلمین جسے امام مقرر کرلیں۔

فی التنویر والدر یشترط لصحتہا السلطان اوماموره باقامتہا وقالوا یقیمہا امیرالبلد ثم الشرطی ثم القاضی ثم من ولاہ قاضی القضاۃ ونصب العامۃ غیرمعتبرمع وجود من ذکر امامع عدمہم فیجوز للضرورۃ[2] اھ ملتقطا

تنویر اور در میں ہے کہ صحتِ جمعہ کے لئے سلطان یا اس کی اقامت کے لئے سلطان کا مامور ہونا ضروری ہے، فقہا نے فرمایا ہے کہ جمعہ شہر کا امیر، پھر محاسب پھر قاضی پھر وُہ شخص قائم کرسکتا ہے جس کو قاضی القضاۃ نے مقرر کیا ہو، ان لوگوں کی موجودگی میں عوام کا تقرر معتبر نہیں البتہ جب ان میں سے کوئی نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا اھ ملتقطا (ت)

پرظاہر کہ کسی مسجد کے لئے دواماً جمعہ علٰی وجہ الاجتماع کہ دونوں امامت جمعہ واحدہ کریں مقرر نہیں ہوتے خصوصاً ہمارے بلاد میں امراور بھی اظہر کہ نصب عامہ صرف بضرورت اقامت شعار معتبر اور یہ ضرورت امام واحد سے مرتفع، تو ایک جمعہ میں ایک مسجد میں دو امام کا جمع باطل ومندفع، پس صورتِ مستفسرہ میں اُن دونوں میں جو اُس مسجد کا امام معین جمعہ نہ تھا اُس کا اور اُس کے مقتدیوں کا جمعہ ادا نہ ہوا، اور اگر دونوں نہ تھے تو کسی کا

---

[1] ردالمحتار | باب ادراک الفریضہ | مطبوعہ مصطفی البابی مصر | ۱/ ۵۲۵

[2] درمختار | باب الجمعہ | مطبع مجتبائی دہلی بھارت | ۱/ ۱۰۹-۱۰

نہ ہوا، یہیں سے صورتِ اخیرہ کا جواب بھی ظاہر، اور اگر بفرض باطل صورت صحت تسلیم بھی ہو جو ہرگز لائق تسلیم نہیں تو اس کے سخت مخالفِ مقصودِ شرع و بدعت شنیعہ سیئہ ہونے میں کلام نہیں، جمعہ میں ایک مذہب قوی یہ ہے کہ شہر بھر میں ایک ہی جگہ ہو سکتا ہے اور بعض نے دو جگہ اجازت دی اور بعض نے بیچ میں نہر فاصل ہونے کی شرط کی مفتی بہ جواز تعدد ہے مگر یہ تعدد کہ ایک ہی دن ایک ہی مسجد میں دس بار امامتِ جمعہ ہو کہ جیسے دُو ویسی ہی سَو، یہ بلاشبہہ ابتداع فی الدین ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۰۳: از کانپور محلہ جرنیل گنج مسجد حاجی فرحت مرسلہ شیخ محمد سہول ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

ما قولکم ایھا العلماء الکرام (اے علمائے کرام! تمہارا قول کیا ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ خطبہ یا عیدین کو عربی میں پڑھ کر اُردو میں ترجمہ کرنا یا صرف اُردو میں بطور وعظ کے خطبہ ادا کرنا یا بعض حصہ عربی و بعض اردو میں پڑھنا یا چند اشعار ترغیباً و ترہیباً عربی یا غیر عربی میں پڑھنا مع النثر او لا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ سوال چند امور پر مشتمل:

اوّل جمعہ یا عیدین کا خطبہ پڑھ کر اُردو میں ترجمہ کرنا۔ **اقول** وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) قضیہ نظر فقہی یہ ہے کہ یہ امر عیدین میں بہ نیت خطبہ ہو تو ناپسند اور اس کا ترک احسن اور بعد ختم خطبہ نہ بنیت خطبہ بلکہ قصد پند و نصیحت جدا گانہ ہو تو جائز و حسن اور جمعہ میں مطلقاً مکروہ و نامستحسن، دلیل حکم و وجہِ فرق یہ کہ زمانِ برکت نشانِ رسالت سے عہدِ صحابہ کرام و تابعینِ عظام و ائمہ اعلام تک تمام قرون و طبقات میں جمعہ و عیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبانِ عربی میں مذکور و ماثور اور باآنکہ زمانہ صحابہ میں بحمد اللہ تعالٰی اسلام صدہا بلادِ عجم میں شائع ہوا، جوامع بنیں، منابر نصب ہوئے، باوصف تحقیق حاجت کبھی کسی عجمی زبان میں خطبہ فرمانا یا دونوں زبانیں ملانا مروی نہ ہوا تو خطبے میں دُوسری زبان کا خلط سنّتِ متوارثہ کا مخالف و مغیر ہے اور وہ مکروہ،

کما بیناہ فی فتاونا وذکرنا ثم الفرق بین الکف والترک فتثبت ولا تتخبط۔

جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اور وہاں ہم نے کف اور ترک کے درمیان فرق واضح کر دیا ہے اس پر ثابت رہو اور انتشار کا شکار نہ ہوں۔(ت)

مگر عیدین میں خطبہ بعد نماز ہے تو وہ مستوعد وقت نہیں ہو سکتا نیت قطع اپنا عمل کرے گی اور بعد فراغ خطبہ کہ تمام امور متعلقہ نماز عید منتہی ہو گئے، مسلمانوں کو تذکیر و تفہیم و وعظ و تعلیم ممنوع نہیں بلکہ مندوب، اور خود سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ بخاری و مسلم و دارمی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی

سے راوی :

قال خرجت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم فطر او اضحی فصلی ثم خطب ثم اتی النساء فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ[1]

میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحی کے دن نکلا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ ارشاد فرمایا اس کے بعد آپ خواتین کے اجتماع میں تشریف لے گئے انھیں وعظ ونصیحت فرمائی اور صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ (ت)

صحیحین میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے :

ثم خطب الناس بعد فلما فرغ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزل فاتی النساء فذکرھن[2]

پھر اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا، جب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فارغ ہوئے تو آپ منبر سے نیچے تشریف لائے، اس کے بعد خواتین کے اجتماع میں تشریف لاکر انھیں نصیحت وتلقین فرمائی۔ (ت)

امام نووی منہاج میں فرماتے ہیں : انما نزل الیھن بعد فراغ خطبۃ العید[3] (آپ خواتین کے اجتماع میں خطبہ عید سے فراغت کے بعد تشریف لے گئے۔ ت) بخلاف جمعہ کہ اس میں خطبہ قبل نماز ہے اور شروع تذکیر سے آغازِ تکبیر تک اُسی کا وقت ہے ولہذا فصل بہ اجنبی ناجائز، یہاں تک کہ اگر فصل طویل حاصل ہو خطبہ زائل اور اعادہ لازم، ورنہ نماز باطل ہو، اور غیر اجنبی سے بھی فصل پسندیدہ نہیں اور اعادہ خطبہ اَولٰی۔

فی الدرالمختار لوخطب جنبا ثم اغتسل وصلی جاز[4] (ای ولایعد الغسل فاصلا لانہ من اعمال الصلوۃ ولکن الاولی اعادتھا کمالو تطوع بعدھا کما فی البحر[5]، ش) ولو فصل باجنبی فان طال بان رجع لبیتہ فتغدی

درمختار میں ہے اگر کسی نے جنبی حالت میں خطبہ دیا پھر غسل کیا اور نماز پڑھائی تو جائز ہے (یعنی غسل کو (خطبہ اور نماز کے درمیان) جنبی شمار کیا جائے گا کیونکہ وُہ بھی نماز کے اعمال میں سے ہے لیکن اعادہ خطبہ بہتر ہے جیسا کہ اگر خطبہ کے بعد نوافل ادا کئے۔ جیسا کہ بحر

---

[1] صحیح البخاری کتاب العیدین باب خروج الصبیان الی المصلی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۳

[2] " " باب المشی والرکوب الخ " " " ۱/۱۳۱

[3] شرح مسلم للنووی مع مسلم کتاب صلوۃ العیدین " " " ۱/۲۸۹

[4] درمختار باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۱

[5] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۰

اوجامع واغتسل استقبل خلاصۃ ای لزوما لبطلان الخطبۃ سراج[1] اھ مزیدا من الشامی

میں ہے ش) اور اگر کسی جنبی کا فاصلہ ہوگیا پس اگر وہ طویل تھا مثلاً گھر آیا اور کھانا کھایا یا جماع کیا اور غسل کرکے واپس لوٹا تو نئے سرے سے خطبہ دے خلاصہ، یعنی اب خطبہ دوبارہ دینا لازمی ہے کیونکہ پہلا ختم ہوچکا ہے سراج اھ یہ اضافہ شامی سے ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ خطبۂ خواندہ کا ترجمہ یا اور مواعظ ونصائح جو اس وقت میں واقع ہوں گے انھیں مقاصد ومضامین خطبہ پر مشتمل ہوں گے ــــــــــــ تو وقت خطبہ میں ایقاع تذکیر بہ نیت تذکیر قطعاً اُسے داخل خطبہ کرے گا اور نیت قطع بے معنی رہے گی کہ عمل وواقع صراحۃً اس کا مکذب ہوگا

کمن نوی ان لایاکل وھو اکل اولا یشرب وھو شارب بالجملۃ فنیۃ التذکیر فی ھذا الوقت عین نیۃ الخطبۃ لیست الخطبۃ الاھذا ولذا صرحوا ان الخطیب کلما تکلم بکلام یامرفیہ بمعروف اوینھی عن منکر فانہ یعد من الخطبۃ وان خاطب بہ رجلا معینا لحاجۃ مخصوصۃ کما سیاتی۔

جیسے کہ کسی شخص نے نیت کی کہ وُہ نہیں کھائے گا یا نہیں پئے گا درانحالیکہ وہ کھا رہا ہے یا پی رہا ہے، الغرض اس موقعہ پر تذکیر کی نیت بعینہٖ نیتِ خطبہ ہے کیونکہ خطبہ تذکیر ہی ہوتا ہے، اسی لئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خطبہ دینے والا کوئی ایسا کلام کرے جس میں نیکی کا حکم اور بُرائی سے ممانعت ہو تو اسے خطبہ ہی کہا جائے گا اگرچہ وُہ کسی مخصوص حاجت کی وجہ سے کسی سے مخاطب ہو رہا ہو جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔ (ت)

اور اگر بالفرض قطع ہی مانیے تو خطبہ ونماز میں فصل لازم آئے گا اگرچہ غیر اجنبی سے تو سنّت مستمرہ وصل کے خلاف ہوگا بہر حال خالی از کراہت نہیں ھذا ماظھرلی وباللہ التوفیق۔

دوم صرف اردو خطبہ اس کی کراہت بیان بالا سے اظہر واز ہر خصوصاً جبکہ یہ صرف اپنی صرافۃ محضہ پر ہو کہ اب تو اس کا مکروہ وشنیع ہونا صراحۃً منصوص کہ خطبہ میں تلاوت قرآن عظیم کا ترک بُرا ہے۔

فی الھندیۃ فی ذکرسنن الخطبۃ الحادی عشر قراءۃ القراٰن وتارکھا مسیئ ھکذا فی البحرالرائق ومقدار ما یقرأ فیھا من القراٰن ثلث اٰیات قصار او اٰیۃ طویلۃ کذا

فتاوٰی ہندیہ میں سُننِ خطبہ کے بیان میں ہے کہ گیارھویں سنت خطبہ میں قرآن پڑھنا ہے اور اس کا ترک گناہ ہے، اسی طرح بحرالرائق میں ہے اور اس کی تعداد تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت ہے

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۱

فی الجوھرۃ النیرۃ۔ جیساکہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ (ت)

سوم کچھ عربی کچھ اردو اس کا حال بھی بیان سابق سے واضح ہوچکا مگر جب امام بحالتِ خطبہ کوئی امر منکر دیکھے تو اُس سے نہی کیا ہی چاہئے اور جب وہ عربی نہیں سمجھتا یا امام خود عربی میں کلام کرنا نہیں جانتا تو ناچار زبان متدوروہ مفہوم کی طرف رجوع ہوگی یہ کلام جو خطبہ میں ہوگا خطبہ ہی سے ہوگا کہ امر بالمعروف بھی اُس کے مقاصد حسنہ سے ہے

فی الدرالمختار یکرہ تکلمہ فیھا الا لامر بمعروف لانہ منھا[۲]۔ درمختار میں ہے خطبہ میں گفتگو مکروہ ہے۔ البتہ نیکی کا حکم جائز ہے کیونکہ یہ خطبہ کا حصّہ ہے۔ (ت)

یوں ایک حصہ خطبہ اردو میں ہونا البتہ مکروہ نہیں بلکہ واجب تک ہوسکتا ہے جبکہ ازالۂ منکر اسی میں منحصر ہو۔

چہارم محض اشعار پر قناعت یہ ضرور مکروہ واساءت وخلافِ سنّت وموجب ترکِ تلاوت، اور اگر ایک آیت طویلہ یا تین آیت قصیرہ کو نظم کرکے لائیں تو اوّل تو غالباً یہ بلا تغییر نظم قرآن نامتیسر اور بعد تغییر نظم تلاوت نہ رہے گی اگرچہ اقتباس ہو، اور اگر بن بھی پڑے تو ادائے سنّت تلاوت کے لئے قرآن مجید کو منظوم کرکے پڑھنا ترک قراءت سے اشد واشنع ہے، قرآن عظیم شعر سے پاک ومنزّہ اور اپنے شعر بننے کی گوارش سے متعالی وارفع ہے۔

وما علمنٰہ الشعر وماینبغی لہ[۳] (اور ہم نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شعر کی تعلیم ہی نہیں دی اور نہ ہی یہ آپ کی شان کے لائق ہے۔ ت) تو اس طور پر قصد تلاوت صریح اساءتِ ادب ہے،

وبہ فارق الاقتباس الذی لایراد فیہ تلاوۃ القراٰن فانہ شائع سائغ علی الاصح۔ اس سے وُہ اقتباس الگ ہوگیا جس سے مقصد تلاوت قرآن نہیں کیونکہ اصح قول کے مطابق یہ مشہور اور مروّج ہے۔ (ت)

اور یُوں بھی نظم پر اقتصار میں بلاوجہ کلمات ماثورہ وطریقۂ متوارثہ سے اعراض ہے تو اُس سے اعراض ہی چاہئے۔

پنجم بعض اشعار محمودہ ملائمہ داخل کرنا یہ اگر بزبان عجم ہوں تو وہی امر سوم ہے ورنہ کچھ حرج نہیں خصوصاً جبکہ احیاناً ہو کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خطبہ میں بعض اشعار پڑھنا مروی،

کمارواہ العسکری فی کتاب المواعظ وقد ذکرنا حدیثہ فی فتاوٰنا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ جیسا کہ عسکری نے کتاب المواعظ میں ذکر کیا ہے اور ہم نے اس کے بارے میں اپنے فتاوٰی میں بھی گفتگو کی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[۱] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۷
[۲] درمختار باب الجمعۃ " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۱
[۳] القرآن ۳۶/۶۹

مسئلہ ۱۳۰۴ از کانپور محلہ جرنیل گنج مسجد حاجی فرحت مرسلہ شیخ محمد سہول ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام (اے علمائے کرام تمہارا کیا قول ہے) اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی نماز میں جو اخیر میں دو رکعت ظہر کی سنت پڑھتے ہیں اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جمعہ کے بعد ظہر کی سنت کا کوئی محل ہی نہیں، نہ ضرورت بمعنی وجوب سنن میں محتمل۔ ہاں جمعہ کی سنت بعدیہ میں اختلاف ہے، اصل مذہب میں چار ہیں وعلیہ المتون (متون میں اس بات کا تذکرہ ہے۔ ت) اور احوط و افضل چھ ہیں۔

وھو قول الامام ابی یوسف وبہ اخذ اکثر المشائخ کما فی فتح اللہ المعین عن النھر عن العیون والتجنیس وھو المختار کما فی جواھر الاخلاطی وھو الثابت بالحدیث کما بیناہ فی فتاونا۔

امام ابو یوسف کا یہی قول ہے اور اسی پر اکثر مشائخ کا عمل ہے جیسا کہ فتح اللہ المعین میں نہر سے اور وہاں عیون اور تجنیس سے ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں ہے اور یہ حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ ہمارے فتاوٰی میں اس کی تفصیل ہے۔ (ت)

مگر جب صحتِ جمعہ میں نزاع و اشتباہ کے باعث خواص چار رکعت احتیاطی بہ نیت آخر ظہر پڑھیں تو انھیں چاہئے بعد جمعہ چار سنتیں پھر وہ چار رکعتیں پڑھ کر اُن کے بعدیہ دو سنتیں بہ نیت سنت وقت پڑھیں، جمعہ یا ظہر کی تعیین نہ کریں کہ نیت ہر احتمال کو اشتمال رکھے اور ہر طرح یہ سنتیں اپنے موقع پر بالاتفاق واقع ہوں۔

فی ردالمحتار عن شرح المنیۃ الصغیر والاولی ان یصلی بعد الجمعۃ سنتھا ثم الاربع بھذہ النیۃ ای نیت اٰخر ظھر ادرکتہ ولم اصلہ ثم رکعتین سنۃ الوقت فان صحت الجمعۃ یکون قد ادی سنتھا علی وجھھا والا فقد صلی الظھر مع سنتہ[1] ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں شرح منیۃ الصغیر کے حوالے سے ہے کہ بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے بعد اس کی سنن ادا کی جائیں پھر چار رکعات اس نیت سے یعنی آخری ظہر کی نیت سے کہ جسے میں نے پایا مگر ادا نہ کیا پھر وقتی سنتیں ادا کرے اب اگر جمعہ صحیح ہوگیا تھا تو اس کی سنن اپنے اپنے وقت پر ادا ہوئیں اور اگر جمعہ صحیح نہیں تو ظہر سنتوں کے ساتھ ادا ہوگی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۰

مسئلہ ۱۳۰۵ از چھاؤنی فیروزپور صدر پنجاب محلہ لال ڈگی مرسلہ مولوی فضل الرحمان صاحب
۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

بخدمت حضرت مخدوم و معظم مقبول السبحان حضرت مولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیضہ القوی۔
السلام علیکم وعلی من لدیکم مصدع خدمت خدام والا ہوں کہ ایک مسئلہ کی دو صورتیں ارسال خدمت شریف کرکے گزارش کہ بتفصلات کریمانہ جواب باصواب سے معزز وممتاز فرمائیں جزاکہ اللہ خیر الجزاء (اللہ تعالٰی آپ کو بہتر جزاعطا فرمائے۔ ت) نیاز مند قدیمی فقیر محمد فضل الرحمٰن۔
مبسملا وحامداو مصلیا ومسلما اما بعد پس واضح رہے کہ
بحدیث آمدہ بخطبۂ جمعہ ہرکہ دیگرے را می گوید کہ خاموش باش یا سنگریزہ رامس کرد او راثواب جمعہ نباشد کہ اوعبث ولغو کرد۔ حدیث شریف میں ہے کہ خطبۂ جمعہ میں اگر ایک دوسرے کو کہے خاموش ہوجا یا سنگریزے کو مس کردیا تو اسے جمعہ کا ثواب حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس نے ایک عبث ولغو کام کیا ہے۔ (ت)
نیز خطبۂ جمعہ میں حاضرین نے آپ سے کہا کہ بارش کی دعا کیجئے، آپ نے ہاتھ اٹھا کے دعا کی تھی اور تمام حاضرین نے بھی ہاتھ اٹھائے تھے تو آئندہ جمعہ کو تمام حاضرین نے کہا کہ بند ہونے بارش کی دعا کیجئے، آپ کے دعا کرنے سے فوراً مینہ بند ہوگیا تھا بخاری و مسلم[۱]، تو دونوں مقاموں سے معلوم و ثابت ہوا کہ عبث کام کے لئے بولنا، ہاتھ کا ہلانا جمعہ کے خطبہ میں مکروہ ہے اور نیک کار کے لئے مکروہ ہرگز نہیں اس استدلال کی اگر سمجھ نہ آئے تو بفتاوی عالمگیریہ نقلاً عن المحیط وغیرہ موجود ہے کہ بخطبۂ جمعہ:
اذا لم یتکلم بلسانہ لکنہ اشار بیدہ او برأسہ اوبعینہ نحو ان رأی منکرا من انسان فنہاہ بیدہ[۲] اواخبر بخبر فاشار برأسہ الصحیح انہ اگر اس نے زبان سے کلام نہیں کیا لیکن ہاتھ یا سر آنکھ سے اشارہ کیا مثلاً کوئی بُرا کام دیکھا اور اسے ہاتھ سے روکا یا اسے کسی نے خبر دی تو اس نے سر سے

---

[۱] باب خطبۂ جمعہ و باب استسقاء کے دیکھنے سے یہی حاصل ہے۔ (م)
[۲] مثلاً اگر دیکھے کسی کو کہ دوسرے کو کہتا ہے چپ کریا سنگریزہ کو مس کرتا ہے تو دیکھنے والا اس کو ہاتھ یا سر یا آنکھ کے اشارے سے منع کرے کہ یوں نہ کر تو منع کنندہ لاباس بہ میں داخل ہے اور جس کو اس نے منع کیا وہ لغو و عبث کنندگان سے شمار کیا جائے گا۔ فتدبر (م)

لاباس بہ اما دراسۃ الفقہ وکتابتہ عند البعض مکروہ وقال البعض لاباس بہ[1] (ملخصاً تقدماً وتاخراً) انتہی۔

اشارہ کیا تو صحیح یہی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن فقہ کی تدریس وکتابت بعض کے ہاں مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں انتہی (ت)

پس ان سب روایتوں کے استدلال سے جو کوئی خطبۂ اولیٰ بقدر سنّت سن کے باقی کو سنتا رہے اور حاضرین کو جو گرمی میں ہوا کی حاجت وضرورت ہوتی ہے سب کو ہوا کرنے لگے تاکہ اطمینان سے خطبہ سنیں لاباس بہ (اس میں کوئی حرج نہیں۔ ت) بیشک یہ شخص ثوابِ جمعہ سے محروم نہ رہے گا۔

اذا المقصود من الانصات ملاحظۃ معنی الخطبۃ واشتغال قلوب السامعین بالحر یفوت ذلک کذا یستفاد من فتاوی حموی۔

کیونکہ خطبہ کی طرف کان لگانے سے مقصود یہی ہے کہ معانیِ خطبہ سے آگاہی ہو، لیکن سامعین کے دلوں کا گرمی کی وجہ سے پریشان ہونا اسے فوت کرنے کا ذریعہ ہے۔ فتاوٰی حموی سے یہی مستفاد ہے (ت)

دیکھو جنّت میں بروزِ جمعہ سب مومنوں کو ایک مکان میں جمع کرکے باری تعالیٰ بھی ہوا شمالی چلائے گا تاکہ باطمینان دیدارِ حق سبحانہ' تعالیٰ سے مشرف ہوا کریں گے، اس ہوا کا نام میثرہ ہے کہ کستوری کی خوشبوئی کا اثر رکھتی ہوگی کما فی مسلم (جیساکہ مسلم شریف میں ہے۔ ت)

ثانیاً اس ہوا کنندہ قوم کو بخطبۂ جمعہ گرمی کے مارے خود ہوا کی سخت حاجت وضرورت ہوتی ہے تو اس نے اپنی اس راحت پر راحتِ قوم کو مقدم کیا ویؤثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصۃ[2] (وہ اپنی ذاتوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود بھُوکے ہوتے ہیں۔ ت) کے گروہ میں داخل ہوکے درجہ مفلحون کا پایا، یہ آیت سورۂ حشر کی بخاری والاشباہ وفتاوی حموی میں موجود ہے اور کتاب وسنّت کا حکم عام ہے

لان العبرۃ لعموم اللفظ لالخصوص المورد کما قرر فی الاصول۔

کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے مخصوص واقعہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا جیساکہ اصول میں مسلّمہ ہے۔ (ت)

خطبۂ جمعہ بقدر ایک تسبیح کے فرض اور تین آیات قصیرہ یا ایک آیت طویلہ پڑھنا وشہادتین ودرود پڑھنا اور پند ونصیحت قوم کو کرنا خطیب پر سنّت اور خطبۂ ثانیہ نیز سنت ہے اور بعضوں کے نزدیک خطبۂ اولیٰ بقدر تمام التحیات کے فرض ہے فتدبر۔ راقم دعاگو خیرخواہ فقیر غلام النبی عفی عنہ باسمہ سبحنہ وتعالیٰ شانہ'۔

---

[1] فتاوی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۷

[2] القرآن ۵۹/۹

الجواب

هوالموفق بالحق والصواب (وہ حق اور درستی کے ساتھ توفیق دینے والا ہے۔ت) بر ضمائر اربابِ صدق و صفا و اصحابِ فطنت و ذکا مخفی و محتجب نہ رہے کہ جو افعال اثنائے نماز میں حرام ہیں وہی خطبہ میں بحالت استماعِ خطبہ گفتگو کرنا یا بادکشی کرنا جو مضر اور مخالف استماع خطبہ ہے ممنوع اور غیر مشروع ہے، ہرگز درست نہیں، مرتکب اس کا خاطی و سخت گنہگار ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

ویحرم فی الخطبۃ مایحرم فی الصلوۃ حتی لاینبغی ان یاکل اویشرب والامام فی الخطبۃ ھکذا فی الخلاصۃ ص ۵۳[1]۔

خطبہ کے دوران ہر وہ شئی حرام ہے جو نماز میں حرام حتی کہ امام کے خطبہ کے وقت کھانا و پینا مناسب نہیں اسی طرح خلاصہ ص ۵۳ میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

(وکل ماحرم فی الصلوۃ حرم فیھا) ای فی الخطبۃ خلاصۃ وغیرھا فیحرم اکل وشرب وکلام ولو تسبیحا اورد سلام اوامرا بمعروف بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت[2]۔

(جو کچھ نماز میں ہے اس (خطبہ) کے دوران بھی حرام ہے) خلاصہ وغیرہ۔ پس کھانا پینا، کلام کرنا اگرچہ سبحان اللہ کہنا، سلام کا جواب دینا یا نیکی کا حکم دینا اس دوران ناجائز ہے بلکہ واجب ہے کہ خطبہ سنا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے (ت)

شامی میں ہے:

قولہ بل یجب علیہ ان یستمع ظاھرہ انہ یکرہ الاشتغال بما یفوت السماع وان لم یکن کلاما وبہ صرح القھستانی حیث قال اذ الاستماع فرض کما فی المحیط اوواجب کما فی صلوۃ المسعودیۃ اوسنۃ[3] الخ۔

قولہ "بلکہ خطبہ کا سننا واجب ہے" کا ظاہر واضح کر رہا ہے ہر وہ شئی پڑھنا جس سے سماع خطبہ فوت ہو وہ مکروہ ہے اگرچہ وہ کلام نہ ہو، اسی کی تصریح کرتے ہوئے قہستانی نے کہا کیونکہ خطبہ کا سننا فرض ہے جیسا کہ محیط میں یا واجب ہے جیسے کہ صلوۃ المسعودیہ میں یاسنت ہے الخ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[2] درمختار باب الجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۶

شرح وقایہ میں ہے :

واذاخرج الامام حرم الصلوٰۃ والکلام حتی یتم خطبتہ[1]

جب امام (خطبہ کے لئے نکل آئے تو نماز وکلام حرام ہوجاتی ہے یہاں تک کہ خطبہ مکمل ہوجائے (ت)

شرح نووی میں ہے :

قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن مس الحصا فقد لغا فیہ النھی عن مس الحصا وغیرہ من انواع العبث فی حال الخطبۃ و فیہ اشارۃ الی اقبال القلب والجوارح علی الخطبۃ[2]

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے : اور جس نے سنگریزے کو مس کیا اس نے لغو کام کیا۔ اس فرمان میں سنگریزے وغیرہ کو مس کرنا جیسے کاموں سے حالتِ خطبہ میں آپ نے منع فرمایا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دل اور اعضا کو خطبہ کی طرف لگایا جائے۔ (ت)

لُب اور خلاصہ عبارات متذکرۂ بالا کا یہ ہے کہ اثنائے خطبہ میں بادکشی وغیرہ لغو افعال جو مانع استماع خطبہ وتوجہ قلب اور اعضائے انسانی کے ہیں ناجائز ہیں اور فاعل اس کا بجائے اس کے کہ مستحق ثواب کا ہو مرتکب گناہ کا ہوگا۔ المجیب محمد فضل الرحمان ساکن صدر بازار کیمپ فیروزپور پنجاب۔

الجواب

تحریر ثانی صحیح ہے اور رائے نجیح فی الواقع فعل مذکور گناہ وحرام، اور اس کا فاعل مرتکب آثام، اور اُس میں ثواب طمع خام، اور تحریر اول کے اقوال سراسر اوہام۔ خلاصہ[1] وبزازیہ[2] وخزانۃ المفتین[3] ومجتبٰی[4] وجلابی[5] وحلیہ[6] وجامع الرموز[7] وبحرالرائق[8] ونہرالفائق[9] ومراقی الفلاح[10] وتنویر الابصار[11] ودرمختار[12] وطحطاوی علی المراقی[13] ومنحہ[14] وہندیہ[15] ومنحۃ الخالق[16] وغیرہا عامۂ کتب مذہب میں صاف تصریح ہے کہ جو فعل نماز میں حرام ہے خطبہ ہونے کی حالت میں بھی حرام ہے، خلاصہ و علمگیریہ ومتن وشرح تنویر کی عبارات کلام مجیب میں گزریں اور عبارت خزانۃ المفتین بعینہا عبارت خلاصہ ہے اور اُسی سے بحر وحاشیۃ البحر للعلامۃ الشامی میں بہ نقل نہر ماثور۔ وجیز امام کردری میں ہے :

مایحرم فی الصلوٰۃ یحرم فی الخطبۃ کالاکل والشرب حال الخطبۃ[3]

جو کچھ نماز میں حرام ہے خطبہ میں بھی حرام ہے مثلاً خطبہ کے دوران کھانا اور پینا۔ (ت)

---

[1] شرح وقایہ ۔۔۔ باب الجمعہ ۔۔۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی بھارت ۔۔۔ ۱/۲۴۴

[2] شرح مسلم مع مسلم ۔۔۔ کتاب الجمعہ ۔۔۔ ؍؍ نور محمد اصح المطابع کراچی ۔۔۔ ۱/۲۸۳

[3] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش الفتاوی الہندیہ ۔۔۔ الثالث والعشرون فی الجمعۃ ۔۔۔ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۔۔۔ ۴/۴۷

شرح منیہ امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی میں ہے:

کمایکرہ الکلام بانواعہ یکرہ مایجری مجراہ من کتابۃ و نحوھا مما یشغل عن سماعھا حتی ان فی شرح الزاھدی ویکرہ لمستمع الخطبۃ مایکرہ فی الصلوٰۃ کالاکل والشرب والعبث والالتفات[1]۔

جیسے ہر طرح کی گفتگو منع ہے ویسے ہی اس کے قائم مقام مثلاً کتابت وغیرہ جو خطبہ کے سماع میں خلل ڈالے حتی کہ شرح الزاہدی میں ہے کہ خطبہ کے سامع کے لئے ہر وہ شئ مکروہ ہے جو نماز میں مکروہ ہے مثلاً کھانا پینا، عبث فعل اور کسی طرف متوجہ ہونا وغیرہ (ت)

اسی طرح علامہ سید احمد مصری نے حاشیۂ شرح نور الایضاح میں بحوالۂ شرح الکنز للعلامۃ عمر بن نجیم وشرح القدوری لمختار بن محمود سے نقل کیا، شرح نقایہ علامہ محمد قہستانی میں ہے:

کما منع الکلام منع الاکل والشرب والعبث والالتفات والتخطی وغیرھا مما منع فی الصلوٰۃ کما فی جلابی[2]۔

جس طرح گفتگو منع ہے اسی طرح کھانا پینا عبث کام، کسی اور طرف متوجہ ہونا اور خط وغیرہ کھینچنا جو کہ نماز میں ممنوع ہیں منع ہیں جیسا کہ جلابی میں ہے۔ (ت)

متن وشرح علامہ حسن شرنبلالی میں ہے:

(کرہ لحاضر الخطبۃ الاکل والشرب) وقال الکمال یحرم (والعبث والالتفات) فیجتنب مایجتنب فی الصلوٰۃ[3] اھ باختصار۔

(خطبہ میں حاضر شخص کے لئے کھانا پینا مکروہ ہے) کمال نے کہا حرام ہے (بے فائدہ کام اور کسی اور طرف متوجہ ہونا) پس ہر شئے سے اجتناب کرنا چاہئے جس سے نماز میں اجتناب کیا جاتا ہے اھ اختصاراً (ت)

غنیہ شرح منیہ للعلامہ ابراہیم الحلبی میں ہے:

الاستماع والانصات واجب عندنا وعند الجمہور حتی انہ یکرہ قراءۃ القراٰن ونحوھا ورد السلام وتشمیت العاطس وکذا الاکل والشرب وکل عمل[4]۔

خطبہ سننا اور اس کی طرف متوجہ ہونا ہمارے اور جمہور کے نزدیک واجب ہے حتی کہ اس کے دوران قراءت قرآن وغیرہ، سلام کا جواب، چھینک کا جواب مکروہ ہے اور اسی طرح کھانا پینا اور ہر عمل کا یہی حکم ہے (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح بحوالہ النہر عن البدائع مفہوماً باب الجمعہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۲

[2] جامع الرموز فصل صلوٰۃ جمعہ مطبوعہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۸

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۳

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ " سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۰

کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ بادکشی مذکور نمازی کو بحالت نماز حلال ہے حاشا قطعاً حرام ہے تو حسبِ تصریحات متوافرۂ ائمۂ دین وعلمائے معتمدین بحالتِ خطبہ بھی حرام وموجبِ آثام ہے یہیں سے اُس روایت اشارہ بچشم وسر و دست کا بھی جواب ظاہر ہوگیا کہاں کسی منکر یا اورکسی حاجت کے لئے ایک اشارہ کر دینا اور کہاں حالتِ خطبہ میں حاضرین کو پنکھا جھلتے پھرنا، یہ قیاس فاسد اگر صحیح ہو تو یہ حرکت نماز میں بھی جائز ٹھہرے کہ ایسا اشارہ تو عین نماز میں بھی حرام نہیں، مثلاً کوئی شخص نمازی کو سلام کرے نمازی سر یا ہاتھ کے اشارے سے جواب دے دے یا کوئی کچھ مانگے یہ ہاں یا نہ کا اشارہ کر دے یا کوئی پُوچھے کے رکعتیں ہُوئیں، یہ انگلیوں کے اشارے سے بتا دے یا کوئی روپیہ دکھا کر کھوٹا کھرا پُوچھے یہ ایما سے جواب دے دے۔ تو یہ سب صورتیں اگرچہ مکروہ ہیں مگر حرام ومفسدِ نماز نہیں، درمختار باب مفسدات الصلوٰۃ میں ہے:

(ورد السلام) ولو سهوا (بلسانه) لا بيده بل يكره على المعتمد[1]

(سلام کا جواب دینا) اگرچہ بھول کر ہو (زبان کے ساتھ) نہ کہ ہاتھ کے ساتھ، بلکہ یہ معتمد قول کے مطابق مکروہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای لا یفسد هارد السلام بیده خلافا لمن عزا الی ابی حنیفة انه مفسد فانه لم یعرف نقله من احد من اهل المذهب وانما یذکرون عدم الفساد بلاحکایة خلاف، بل صریح کلام الطحطاوی انه قول ائمتنا الثلثة کذا فی الحلیة وفی البحر الرائق ان الفساد لیس بثابت فی المذهب ویدل لعدم الفساد انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعله کما رواه ابوداؤد وصححه الترمذی وصرح فی المنیة بانه مکروه ای تنزیها اھ مختصرا۔[2]

یعنی ہاتھ کے ساتھ سلام کا جواب دینا نماز کے لئے فاسد نہیں بخلاف اس کے جس نے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ فاسدِ نماز ہے کیونکہ اس کا یہ کسی اہلِ مذہب سے منقول ہونا معروف نہیں، علماء نے بغیر اختلاف ذکر کئے عدمِ فساد بیان کیا ہے بلکہ کلامِ طحطاوی میں تصریح ہے کہ یہ تینوں ائمہ کا قول ہے جیسا کہ حلیہ میں ہے، اور بحرالرائق میں ہے کہ فساد مذہب میں ثابت نہیں اور اس کے عدمِ فساد پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عمل دلالت کرتا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے، ترمذی نے اس کی تصحیح فرمائی اور منیہ میں اس کے مکروہ (تنزیہی) ہونے کی تصریح ہے اھ مختصرا (ت)

---

[1] درمختار | باب ما یفسد الصلوٰۃ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت | ۱/ ۸۹

[2] ردالمحتار | " " " | " مصطفی البابی مصر | ۱/ ۴۵۵

اسی (درمختار) کے مکروہات میں ہے :

لاباس بتکلیم المصلی واجابته براسه کما لو طلب منه شئ اواری درھما وقیل اجید فاوما بنعم اولا اوقیل کم صلیتم فاشار بیدہ انھم صلوا رکعتین[1]

نمازی اگر سر کے اشارے کے ساتھ کلام یا جواب دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، مثلاً اس سے کوئی شئے طلب کی گئی یا اس سے دراہم کے بارے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ کھرا ہے، تو اس نے اشارے سے ہاں یا نہ کہا، یا یہ پُوچھا گیا کہ تم نے کتنی رکعات پڑھی ہیں، تو وہ ہاتھ کے اشارے سے بتلاتا ہے کہ انھوں نے دُو رکعات ادا کی ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قوله واجابته برأسه قال فی الامداد وبه ورد الاثر عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنھا وکذا فی تکلیم الرجل المصلی قال تعالٰی فنادته الملٰئکة وھو قائم یصلی فی المحراب[2]

ماتن کا قول "نمازی کا سر کے اشارے سے جواب دینا" اس بارے میں الامداد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا اس پر فرمان بھی منقول ہے، اسی طرح کسی کا نمازی سے کلام کرنا، تو اس سلسلہ میں اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ملائکہ نے انھیں آواز دی حالانکہ وہ محراب میں نماز ادا کررہے تھے۔ (ت)

انھیں عبارات ائمہ میں تصریح گزری کہ بحالتِ خطبہ چلنا حرام ہے یہاں تک کہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ایسے وقت آیا کہ خطبہ شروع ہوگیا، مسجد میں جہاں تک پہنچا وہیں رُک جائے آگے نہ بڑھے کہ یہ عمل ہوگا اور حالِ خطبہ میں کوئی عمل روا نہیں حالانکہ امام سے قُرب شرعاً مطلوب اور حدیث وفقہ میں اُس کا فضل مکتوب اور وہیں بیٹھ جانے میں آئندہ آنے والوں کے لئے بھی جگہ کی تنگی ہے ان امور پر لحاظ نہ کریں گے اور آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیں گے مگر پنکھا جھلنے پھر ناضرور جائز بنا ہی لیا جائے گا۔ خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے :

ذکر الفقیه ابو جعفر اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم انه لاباس بالتخطی مالم یاخذ الامام فی الخطبة ویکرہ اذا اخذلان للمسلم ان

فقیہ ابوجعفر کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا فرمان ہے کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہیں کیا اس وقت تک چلنے میں کوئی حرج نہیں، جب

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۱

[2] ردالمحتار " " " مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۶

يتقدم ويدنوا من المحراب اذا لم يكن الامام فی الخطبة ليتسع المكان على من يجئ بعده، و ينال فضل القرب من الامام، فاذا لم يفعل الاول فقد ضيع ذلك المكان من غير عذر، فكان للذی جاء بعده ان ياخذ ذلك المكان، واما من جاء والامام يخطب، فعليه ان يستقر فی موضعه من المسجد لان مشيه وتقدمه عمل فی حالة الخطبة۔[1]

امام نے خطبہ شروع کر دیا تو اب کراہت ہے کیونکہ جب امام خطبہ نہیں دے رہا تو مسلمان کو چاہئے کہ وہ محراب کے قریب ہو جائے تاکہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے جگہ بن جائے اور اس کے ذریعے امام کی قربت کی فضیلت بھی حاصل ہوگی جب اس نے پہل نہ کی تو اس نے بغیر عذر وہ جگہ ضائع کر دی، اب بعد میں آنے والا شخص وُہ جگہ حاصل کر سکتا ہے لیکن جو شخص اس وقت آیا جب امام خطبہ دے رہا تھا تو وہ مسجد میں اپنی جگہ پر ہی بیٹھ جائے کیونکہ اب اس کا چلنا اور آگے بڑھنا حالتِ خطبہ میں عمل ہوگا۔ (ت)

چلنا تو بڑی چیز ہے اُنھیں عباراتِ علماء میں تصریح گزری کہ خطبہ ہوتے میں ایک گھونٹ پانی پینا حرام، کسی طرف گردن پھیر کر دیکھنا حرام، تو وہ حرکت مذکورہ کس درجہ سخت حرام ہوگی، انھیں وجوہ زاہرہ سے اُس کے نیک کام اور یؤثرون علی انفسھم میں داخل ہونے کا جواب روشن ہوگیا، نیکی و ایثار تو جب دیکھیں کہ فعل وہاں جائز بھی ہو جب سرے سے نفسِ فعل حرام، تو اُس کے فضائل گننے کا کیا محل، مسلمانوں کو پنکھا جھلنا تو جہاں جائز ہو وہاں غایت درجہ مستحب ہوگا، جوابِ سلام دینا، امر بالمعروف کرنا تو واجب تھے اور بحالتِ خطبہ حاضرین پر حرام ہُوئے، اب کیا یہاں ان کے فضائل و وجوب سے استدلال کی گنجائش ہے۔ غنیہ میں ہے:

لایقال رد السلام فرض فلایمنع منه لانا نقول ذالك اذا كان السلام ماذونا فيه شرعا وليس كذلك فی حالة الخطبة بل يرتكب فاعله اثما۔[2]

یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ سلام کا جواب دینا فرض ہے لہذا اس سے منع نہ کیا جائے کیونکہ ہم جواباً یہ کہیں گے فرض وہاں ہے یہاں شرعاً سلام کرنے کی اجازت ہو حالانکہ حالتِ خطبہ میں اس کی اجازت نہیں بلکہ ایسا عمل کرنے والا گنہگار ہوگا (ت)

اوروں کے اطمینان کو آپ صریح بے اطمینانی یؤثرون علی انفسھم[3] (وُہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۷-۱۴۸

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ ؍؍ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۰

[3] القرآن ۵۹/۹

دیتے ہیں۔ ت) میں شمول نہیں اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم[1] (تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ ت) میں دخول ہے یعنی دیگراں را نصیحت وخود را فضیحت (اوروں کو تو اچھے کام کی نصیحت کرنا اور خود بُرے کام کرنا۔ ت) علمائے کرام تو ایثار قربت میں کلام رکھتے ہیں نہ کہ اوروں کی قربت کے لئے خود حرام کا ارتکاب، یہ ایثار نہیں صراحۃً اپنے دین کو اضرار ہے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) یہیں سے واضح کہ ممانعت کو صرف فعل عبث وبے فائدہ سے خاص کرنا محض غلط ہے بلکہ اس قسم کا ہر عمل اگرچہ کیسا ہی مفید ہو وقت خطبہ شرعاً لغو میں داخل اور اُس کے فائدے پر نظر باطل بلکہ نفع درکنار اُس سے ضرر حاصل، آخر دیکھا کہ شرع مطہر نے اس وقت امر بالمعروف کو کہ اعلیٰ درجہ کی مفید ومہم چیز ہے حرام ٹھہرایا' اور دو حرف (چُپ) کہنے کو لغو میں داخل فرمایا'

صحاح ستہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت[2]	جب روزِ جمعہ خطبۂ امام کے وقت تو دوسرے سے کہے چُپ' تو تو نے خود لغو کیا۔

مسند احمد وسنن ابی داؤد میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال لصاحبه يوم الجمعة صه فقد لغا ومن لغا فليس له في جمعته تلك شئ[3]	جو جمعے کے دن اپنے ساتھی سے چُپ کہے اُس نے لغو کیا اور جس نے لغو کیا اُس کے لئے اس جمعہ میں کچھ اجر نہیں

امام احمد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من يتكلم يوم الجمعة والامام يخطب فهو كمثل الحمار يحمل اسفارا والذي يقول له انصت ليس له جمعة[4]	جمعہ کے دن جب امام خطبہ میں ہو بولنے والا ایسا ہے جیسے گدھا جس پر کتابیں لدی ہوں اور جو اُس سے چُپ کہے اُس کا جمعہ نہیں۔

یہیں سے منجلی ہُوا کہ حدیث استسقائے مذکور صحیحین سے استدلال صحیح نہیں اُس سے اگر ثابت ہوگا تو وقت خطبہ امام جوازِ کلام اور اس کی حرمت پر ائمۂ مذہب کا اجماع اور احادیث صریحہ صحیحہ جن کی بعض مذکور ہوئیں مثبت تحریم قاطع نزاع فان الحاظر مقدم وتمام الکلام فی الفتح وغیرہ (کیونکہ منع کرنے والی دلیل مقدم ہے اور اس پر تفصیلی

---

[1] القرآن ۲/۴۴

[2] صحیح البخاری باب الانصات یوم الجمعۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸

[3] سنن ابوداؤد باب فضل الجمعۃ " آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۱

[4] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ " دار الفکر بیروت ۱/۲۳۰

گفتگو فتح وغیرہ میں ہے۔ت) باقی رہا یہ کہ حاضرین نے کہا بارش کی دعا کیجئے اور یہ کہ تمام حاضرین نے بھی ہاتھ اٹھائے اور یہ کہ آئندہ جمعہ کو تمام حاضرین نے کہا یہ سب غلط دعوے ہیں اور صحیحین میں ان کا کہیں پتا نہیں۔ رہی فرع کتابت مذکورہ عالمگیریہ۔

اوّلاً جو بعض اُسے جائز رکھتے ہیں وُہ بھی اُس کے لئے جو امام سے اس قدر دُور ہو کہ خطبے کی آواز اُس تک نہ جاتی ہو تو قریب کے لئے جواز بادکشی پر اُس سے استدلال کہ سُنتا ہے اور حاضرین کو ہوا کرے استدلال بالمخالف ہے، غنیہ و بزازیہ و شرنبلالیہ میں ہے:

واللفظ للحلبی اختلف المتاخرون فی البعید عن الامام فمحمد بن سلمۃ اختار السکوت فی حقہ ایضا ونصیر بن یحیی اجاز القراءۃ و نحوھا وعن ابی یوسف اختیار السکوت و حکی عنہ انہ کان ینظر فی کتابہ و یصلحہ بالقلم[1]۔

حلبی کی عبارت یہ ہے امام سے دُور شخص کے بارے میں متاخرین کا اختلاف ہے محمد بن سلمہ کے ہاں اس کے حق میں بھی سکوت ہے، نصیر بن یحیٰی قراءت وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں، امام ابو یوسف سے سکوت کا مختار ہونا منقول ہے اور آپ ہی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس حالت میں اپنی کتاب پڑھ رہے تھے اور قلم سے اس کی اصلاح فرما رہے تھے۔ (ت)

خانیہ و خزانۃ المفتین میں ہے:

اما دراسۃ الفقہ والنظر فی کتب الفقہ وکتابتہ من اصحابنا رحمہم اللہ من کرہ ذلک ومنہم من قال لاباس بہ اذا کان لایسمع صوت الخطیب (زاد فی الخانیۃ) وھکذا روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی[2]۔

فقہ کی تدریس، کتبِ فقہ کا مطالعہ اور کتابت ہمارے بعض علما کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس تک امام کی آواز نہ پہنچ رہی ہو (خانیہ میں یہ اضافہ ہے) اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے اسی طرح مروی ہے (ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

فی الینابیع یکرہ التسبیح وقراءۃ القرآن اذا کان یسمع الخطبۃ وروی عن نصیر بن یحیی انکان

ینابیع میں ہے کہ امام کا خطبہ سُنتے وقت تسبیح اور قراءت قرآن مکروہ ہے، نصیر بن یحیٰی سے مروی ہے کہ اگر

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب صلٰوۃ الجمعۃ " نولکشور لکھنؤ ۱/ ۸۷

بعید امن الامام یقرأ القراٰن فمن فعل مثله ولا یشغل غیرہ بسماع تلاوته لا باس به کالنظر فی الکتابة وفیه خلاف وعن ابی یوسف لا باس به والحکم بن زھیر کان یجلس مع ابی یوسف و ینظر فی کتابه ویصحح بالقلم وقت الخطبة وقال الکمال یحرم الاکل والشرب والکتابة انتھی یعنی اذا کان یسمع لما قدمناہ ان کتابة من لایسمع الخطبة غیر ممتنعة[1] انتھی ملتقط

وہ آدمی امام سے دُور ہو تو قرآن پڑھ سکتا ہے، جس نے ایسے کیا اور اپنی تلاوت کے سماع میں دوسرے کو مشغول نہ کیا تو کوئی حرج نہیں، حکم بن زہیر بوقتِ خطبہ امام ابو یوسف کے ساتھ بیٹھ جاتے، کتاب دیکھتے اور قلم سے اصلاح کرتے، کمال نے فرمایا کھانا پینا اور کتابت اس موقعہ پر حرام ہے انتہی یعنی جب خطبہ سن رہا ہو، جیسا کہ پیچھے گزر چکا کیونکہ نہ سننے والے کے لئے کتابت منع نہیں انتہی ملتقطا (ت)

ثانیاً یہ قول بعض بھی ضعیف و نامعتمد ہے، صحیح یہی ہے کہ دُور و نزدیک سب پر سکوت واجب، اور کتابت و قراءت جمیع اعمال ناجائز، طحطاویہ میں زیرِ قول مذکور مراقی ہے:

قوله غیر ممتنعة، المعتمد المنع[2] اھ **اقول** وحمله کلام الکمال علی القریب بعید کل البعد فان الکمال صرح بخلافه کما سنسمعك نصه۔

ان کا قول "منع نہیں"، منع معتمد ہے اھ **اقول** کلامِ کمال کو قریبی شخص پر محمول کرنا نہایت ہی بعید ہے کیونکہ کمال نے اس کے خلاف تصریح کی ہے جیسے کہ عنقریب ہم ان کی عبارت پیش کر دیں گے (ت)

ردالمحتار میں فیض علامہ کرکی سے ہے:

لوکان بعید الایسمع الخطبة ففی حرمة الکلام خلاف وکذا فی قراءة القراٰن والنظر فی الکتب وعن ابی یوسف انه کان ینظر فی کتابه ویصحح بالقلم والاحوط السکوت وبه یفتی[3]۔

اگر وُہ امام سے دُور ہے خطبہ نہیں سُن رہا تو وہاں کلام کے حرام ہونے میں اختلاف ہے اسی طرح قراءتِ قرآن اور مطالعۂ کتاب کے بارے میں بھی اختلاف ہے، امام ابو یوسف کے بارے میں ہے کہ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے قلم سے اصلاح کر رہے تھے، احوط سکوت ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الجمعہ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۸۳
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح " " " " "
[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۶

جواہر الاخلاطی میں ہے :

النائی عن الامام فی استماع الخطبۃ کالقریب والانصات فی حقہ ھو المختار[1]۔

امام سے دُور شخص خطبہ سُننے میں قریبی کی طرح ہی ہوتا ہے اور اس کے حق میں بھی خاموشی ہے ، یہی مختار ہے ۔ (ت)

ہندیہ میں تبیین الحقائق امام زیلعی سے ہے ، ھو الاحوط[2] (یہی احوط ہے ۔ ت) محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے ، ھو الاصح[3] (یہی اصح ہے ۔ ت) شرح نقایہ برجندی میں خزانہ سے ہے : ھو الاولٰی[4] (یہی اولٰی ہے ۔ ت) ہدایہ و ایضاح الاصلاح میں ہے :

اختلفوا فی النائی عن المنبر والاحوط السکوت (زاد فی الھدایۃ) اقامۃ لفرض الانصات[5]۔

منبر سے دُور والے کے بارے میں اختلاف ہے ، سکوت احوط ہے (ہدایہ میں اضافہ ہے کہ) خاموشی کے فریضہ کو قائم کرتے ہوئے ۔ (ت)

کافی شرح وافی میں ہے :

الاحوط السکوت لانہ مامور بالاستماع و الانصات اذا قرب من الامام و عند البعد ان لم یقدر علی الاستماع فقد قدر علی الانصات فیجب علیہ[6]۔

سکوت احوط ہے کیونکہ خطبہ سننے اور اس کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے جبکہ امام کے قریب ہو اور اگر دور ہو تو وہ اگرچہ سُننے پر قادر نہیں مگر متوجہ ہونے پر قادر ہے لہذا اس پر یہ واجب ہوگا ۔ (ت)

فتح القدیر فصل القراءۃ میں ہے :

ھذا اذا کان بحیث یستمع فاما النائی فلا روایۃ فیہ عن المتقدمین واختلف

یہ اس وقت ہے جب خطبہ سن رہا ہو ، دور والے کے بارے میں متقدمین سے کوئی روایت نہیں ، متاخرین

---

[1] جواہر الاخلاطی | فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ | غیر مطبوعہ نسخہ | ص ۴۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ | الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ | مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/ ۱۴۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

[4] شرح نقایہ للبرجندی | فصل یجہر الامام فی الجمعۃ الخ | ″ نولکشور لکھنؤ | ۱/ ۱۱۵

[5] الہدایۃ | باب صفۃ الصلوٰۃ | مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی | ۱/ ۱۰۱

[6] کافی شرح وافی

المتاخرون والاحوط السکوت یعنی عدم القراءۃ والکتابۃ ونحوھا لا الکلام المباح فانہ مکروہ فی المسجد فی غیرحال الخطبۃ فکیف فی حالھا[1]

کا اختلاف ہے سکوت احوط ہے یعنی عدمِ قرأت اور عدمِ کتابت وغیرہ، نہ کہ کلام مباح کیونکہ یہ تو مسجد میں حالتِ خطبہ کے علاوہ بھی مکروہ ہے توحالتِ خطبہ کے دوران یہ کیسے جائز ہوگی (ت)

ملتقی الابحر ومجمع الانہر میں ہے:

(النائی) ای البعید الذی لا یسمع الخطبۃ (والدانی) ای القریب (سواء) فی وجوب الاستماع والانصات امتثالا للامر[2]

(النائی) یعنی دُور والا شخص جو خطبہ نہیں سُن سکتا (والدانی) یعنی قریبی شخص حکم کی بجاآوری کی بنا پر سننے اور متوجہ ہونے کے وجوب میں (دونوں برابر ہیں) (ت)

غرر و درر میں ہے:

(البعید) عن الخطیب (کالقریب) فی وجوب الاستماع والانصات[3]

بعید خطیب سے خطبہ سُننے اور متوجہ ہونے میں قریبی کی طرح ہی ہوتا ہے۔ (ت)

تنویر ودر میں ہے:

(البعید) عن الخطیب (والقریب سیان) فی افتراض الانصات[4]

متوجہ ہوکر سُننے میں خطیب کا قریبی اور دُور والا برابر ہوتے ہیں (ت)

اُنھیں میں ہے:

یجب علیہ ان یستمع ویسکت (بلا فرق بین قریب وبعید فی الاصح[5])

اصح قول کے مطابق خطبہ کا سننا اور خاموش رہنا لازم ہے بلاتفریق کہ وہ قریب ہے یا دُور۔ (ت)

کنزالدقائق وبحرالرائق میں ہے:

(النائی کالقریب) ھو الاحوط[6]

(دُور والا قریب کی طرح ہے) یہی احتیاط ہے (ت)

---

[1] فتح القدیر فصل فی القراءۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۹۸
[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی احکام القراءۃ " داراحیاء التراث العربی۔ بیروت ۱/۱۰۷
[3] دررالحکام شرح غررالاحکام فصل فیما یجہرالامام " مکتبہ احمد کامل کائنہ، دارسعادت مصر ۱/۸۴
[4] درمختار فصل ویجہرالامام الخ " مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۱
[5] " " " ۱/۱۱۳
[6] البحرالرائق باب صلوٰۃ الجمعہ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۵۵

عبارات سابقہ سے تو واضح تھا ہی کہ سُننا جو فرض ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ کان میں آواز پہنچے اگرچہ آپ دوسرے کام میں مشغول ہو ورنہ کھانا، پینا، چلنا، گردن پھیر کر دیکھنا کیوں حرام ہوتا کہ ان میں کون سا کام کان میں آواز جانے کے منافی ہے بلکہ اس کے یہ معنی کہ ہمہ تن اُسی طرف متوجہ ہو اور دوسرے کسی کام میں مشغول نہ ہو، مگر ان عباراتِ لاحقہ نے اور بھی واضح تر کر دیا کہ سراپا تمام اعضاء سے اُسی طرف متوجہ رہنا خود واجب ہے کہ بعید کے لئے تو کان میں آواز آنا بھی نہیں مگر قول صحیح ومعتمد ومختار ومفتی بہ یہی ہے کہ اُسے بھی اور اعمال میں مشغولی حرام، تو یہ زعم کہ خطبہ بقدرِ سنّت سُن کر باقی کو سنتا رہے اور رہا کرے۔

اولاً صاف قول بالتنافیین ہے اور استماع وانصات کے معنی نہ سمجھنے سے ناشئ۔

ثانیاً یہ فعل مخل استماع ہے یا نہیں، اگر ہے تو مطلقاً حرام ہونا واجب، نہ یہ کہ قدرِ سنّت کے بعد اجازت ہو، اور اگر نہیں تو مطلقاً جائز ہونا چاہئے قدرِ سنّت کا استثناء کس لئے۔

ثالثاً دونوں خطبے مسنون ہیں، نہ کہ ہر خطبے یا صرف اولٰی سے اُس کا ایک جُز، تو قدرِ سنّت سُن چکنا بعد تمامی خطبتین صادق ہوگا اب کیا نماز پڑھتے میں پنکھا جھلتا پھرے گا شاید ادعا کیا جائے کہ اگر کوئی امام خطبۂ کبیرہ طویلہ بطول فاحش مخالفِ سنّت پڑھے تو قدرِ سنّت کے بعد مقدارِ زیادت میں یہ حرکت جائز، اول تو اس کا ارادہ کلام قائل سے بعید، وہ مطلق ہے نہ کہ اس صورت نادرۂ مکروہہ سے خاص، اور ہو بھی تو یہ بھی غلط وباطل ہے، مقدار میں بڑھا دینا درکنار خطبے میں ذکر ومدح ظالمین بھی ہو جو قطعاً خلافِ سنّت کیا حرامِ شدید، اور یقیناً مقاصدِ خطبہ سے جدا وبعید ہے، جب بھی صحیح یہی ہے کہ استماع وانصات واجب۔ مجتبٰی شرح قدوری پھر نہر الفائق پھر فتح اللہ المعین علامہ سید ابو السعود ازہری میں ہے:

استماع الخطبۃ من اولہا الٰی اٰخرہا واجب و ان کان فیہا ذکر الولاۃ وھو الاصح۔[1]

خطبہ کا اوّل تا آخر سُننا لازم ہے اگرچہ اس میں امراء کا ذکر ہو، یہی اصح ہے (ت)

محیط برہانی پھر عالمگیریہ میں ہے:

واللفظ لہا الذی علیہ عامۃ مشائخنا ان علی القوم ان یسمعوا الخطبۃ من اولہا الی اٰخرہا والدنو من الامام افضل من التباعد عنہ و ھو الصحیح من الجواب مشائخنا رحمہم اللہ تعالٰی۔[2]

وہ الفاظ جن پر اکثر مشائخ ہیں وہ یہ ہیں کہ قوم پر اوّل تا آخر خطبے کا سُننا لازم ہے، امام کا قُرب دُوری سے افضل ہے اور مشائخ کے جواب میں سے یہی صحیح ہے۔ (ت)

---

[1] فتح المعین باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ ″ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۷

تنویر الابصار و درمختار میں ہے :

(لاصلوٰۃ ولا کلام الی تمامھا) وان کان فیھا ذکر الظلمۃ فی الاصح[1]۔

(خطبہ مکمل ہونے تک کوئی نماز اور کوئی کلام نہیں) اگرچہ اس میں ظالم حکمرانوں کا ذکر ہو۔ یہی اصح ہے (ت)۔

علامہ حموی کا کوئی فتاوٰی مسموع نہیں، نہ ان کی کسی کتاب سے حرکت مذکورہ کا جواز مستفاد، ملاحظہ معنی جس طرح خطبے میں مقصود یُوں ہی نماز میں، کیا نماز میں بھی اسی نیک نیت سے پنکھا جھلتے پھرنے کی اجازت ہوگی، جنّت میں اُس ہوا کی یہ غایت "تاکہ باطمینان دیدار سے مشرف ہوں، سخت البعد و واجب الرد ہے، جنّت میں معاذ اللہ گرمی جس کا کون سا وقت ہوگا جس کے ازالے کو ہوا کی حاجت ہو، اہلِ جنّت کے لئے معاذ اللہ بے اطمینانی کا سامان کس وقت ہوگا کہ تحصیلِ اطمینان کی ضرورت ہو، وہاں کے جتنے امور ہیں سب محض لذّت و زیادت نعمت ہیں، ولہٰذا محققین فرماتے ہیں دنیا میں حقیقۃً کوئی لذّت نہیں جسے لذت گمان کیا جاتا ہے، واقع میں دفع الم ہے، پانی یا شربت کیسا ہی سرد و شیریں و خوشبو و خوشگوار ہو پیاس نہیں تو کچھ لذت نہیں دیتا، کھانا کیسا ہی لذیذ و عمدہ و خوشبو و خوش مزہ ہو بھُوک نہیں تو کچھ لطف نہیں آتا، تو حقیقۃً بھُوک پیاس کا الم دفع ہوتا ہے نہ لذت خالصہ وعلٰی ہذا القیاس باقی تمام ملاذ، بخلاف بہشت کہ وہاں الم اصلاً نہیں، نہ بھُوک، نہ پیاس، نہ گرمی، نہ احتباس، تو وہاں جو کچھ ہے خالص و حقیقی لذت ہے۔

رزقنا اللہ تعالٰی بمنہ وکرمہ وفضل رحمتہ بصالحی عبادہ اٰمین بجاہ محمد نبی الرحمۃ شفیع الامۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیھم اجمعین اٰمین۔

اللہ تعالٰی اپنے کرم، احسان، فضل اور پیارے نبیِ رحمۃ، شفیعِ امت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صالحین بندوں کے طفیل یہ جنتی لذت ہمیں عطا فرمائے۔ آمین! (ت)

اور بفرضِ باطل ایسا ہو بھی تو وہاں کون سا خطبہ ہے اور باری عزّوجل پر کس چیز کا استماع واجب، اور کس وقت اپنے کسی فعل سے باز رہنا لازم، اور اُسے کون سا فعل دوسرے سے مشغول کرسکتا ہے، پھر افعالِ الٰہیہ سے استناد عجب تماشا ہے، معبود و عابد کی کیا ریس، ہمیں اتباعِ احکام سے کام ہے وبس۔ وفقنا اللہ تعالٰی لہ اٰمین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۰۶ تا ۱۳۰۸: ازبنگالہ ضلع پابنہ ڈاکخانہ سراج گنج موضع بھنگا باڑی مرسلہ منشی عنایت اللہ صاحب ۶ شوال ۱۳۱۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے) اس مسئلہ میں کہ:

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

(۱) بعض خطبہ میں جو لکھا ہے کہ فرود آید بالا رود بدست راست خواند بدست چپ خواند (نیچے آئے، اوپر جائے دائیں طرف اور بائیں طرف متوجہ ہو کر پڑھے) اس کا اصل کیا اور مبنی کہاں سے ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بعض خطبہ کے درمیان جو اردو شعر اشعار لکھا ہے خطبہ مع اُس کے پڑھنا یا صرف فارسی یا اردو یا اور کوئی زبان میں سوائے عربی کے پڑھنا اول سے اخیر تک چاہے عید ہو یا جُمعہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) منبر کتنی سیڑھی کا ہونا چاہئے اور کس پر کھڑے ہو کر خطبہ چاہئے اور منبر کس زمانہ سے شروع ہوا ہے؟

الجواب

(۱) دہنے بائیں مُنہ پھیرنا بے اصل ہے اس پر عمل نہ کیا جائے اور ذکرِ سلطان کے وقت ایک پایہ نیچے اُترنے کو بھی بعض شافعیہ نے قبیح بتایا اور واقعی اگر مصلحت شرعیہ سے خالی ہو تو عبث ہے اور عبث کا درجہ مکروہ،

فی ردالمحتار قال ابن حجر فی التحفۃ وبحث بعضھم ان مااعتید الاٰن من النزول فی الخطبۃ الثانیۃ الی درجۃ سفلی ثم العود بدعۃ قبیحۃ شنیعۃ[1]

ردالمحتار میں ہے کہ ابن حجر نے تحفہ میں فرمایا کہ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ جو معمول بن گیا ہے کہ دوسرے خطبہ کے وقت نیچے درجہ پر آنا پھر اوپر والے درجہ کی طرف لوٹنا بدترین بدعت ہے۔ (ت)

ہندیہ میں سُننِ خطبہ میں ہے: استقبال القوم بوجھہ[2] (قوم کی طرف منہ کرنا۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

مایفعلہ بعض الخطباء من تحویل الوجہ جھۃ الیمین وجھۃ الیسار عند الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الخطبۃ الثانیۃ لم ار من ذکرہ والظاھر انہ بدعۃ ینبغی ترکہ لئلا یتوھم انہ سنۃ ثم رأیت فی منھاج النووی قال ولایلتفت یمینا وشمالا فی

بعض خطباء دوسرے خطبہ کے دوران نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہوئے دائیں یا بائیں چہرہ پھیرتے ہیں، اس کا ذکر میرے مطالعہ میں نہیں آیا، اور ظاہر یہی ہے کہ اسے ترک کردینا چاہئے تاکہ کوئی اسے سنّت نہ بنالے، پھر میں نے منہاج النووی میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ کسی شئی میں دائیں بائیں

---

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۸

[2] فتاوی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعہ ؍؍ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۶

شئ منها قال ابن حجر فی شرحہ لان ذلك بدعۃ انتھی ویؤخذ ذلك عندنا من قول البدائع ومن السنۃ ان یستقبل الناس بوجھہ ویستدبر القبلۃ لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یخطب ھکذا[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم

التفات نہ کرے، ابن حجر نے شرح میں فرمایا اس لئے کہ یہ بدعت ہے انتہی اور ہمارے نزدیک بدائع کے اس قول سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام لوگوں کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پشت کرے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسی طرح خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) خطبہ میں کوئی شعر اردو فارسی نہ پڑھنا چاہئے نہ خطبہ عربی کے سوا کسی زبان میں پڑھا جائے کہ یہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۳) منبر خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنوایا اور اس پر خطبہ فرمایا[2] کما ثبت فی الصحیحین وغیرھما حدیث سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ (بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ ت) منبر اقدس کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں

وقد وقع ذکرھن فی غیر ما حدیث کحدیث وعید من ذکر عندہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم یصل[3] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ان کا ذکر متعدد احادیث میں ہے جیسے وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ جس شخص کے پاس حضور علیہ السلام کا نام مبارک لیا اور اس نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھنے والے کے لئے وعید ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

منبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان ثلث درج غیر المسماۃ بالمستراح[4]۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقدس منبر کے تین زینے اس تخت کے علاوہ تھے جس پر بیٹھا جاتا ہے۔ (ت)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درجۂ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے، صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دوسرے پر پڑھا، فاروق رضی اللہ عنہ نے تیسرے پر، جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا سبب پوچھا گیا، فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو وہم ہوتا کہ

---

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۸
[2] صحیح بخاری باب الخطبۃ علی المنبر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۵
[3] الترغیب والترھیب کتاب الصوم ص ۹۳ - کتاب الذکر والدعاء مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۰۷-۸
[4] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۸

فاروق کے برابر ہوں، لہذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں اصل سنّت اول درجہ پر قیام ہے

وما فعله الصديق فكان تأدبا منه مع رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وما فعل الفاروق فكان تأدبا مع الصديق رضى الله تعالٰى عنهما۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب کی بنا پر ایسا کیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ادب کی خاطر۔ (ت)

بلندیٔ منبر سے اصل مقصود یہ ہے کہ سب حاضرین خطیب کو دیکھیں اور اُس کی آواز سُنیں جہاں یہ حاجت بسبب کثرت حضار و دُوری صفوف تین زینوں میں پوری نہ ہو تو زینے زیادہ کرنے کا خود ہی اختیار ہے اور بہتر عدد طاق کی مراعات۔ فان الله وتر يحب الوتر (اللہ تعالٰی وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۰۹ از موضع کٹرہ ڈاک خانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی سید کریم رضا صاحب غرۂ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں چار رکعت احتیاطی ظہر کا ادا کرنا مستحب ہے یا واجب یا فرض قطعی؟ بصورتِ اولٰی وثانیہ یہ نماز احتیاطی قائم مقام فرض کے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور صورتِ ثانیہ میں صلوٰۃ ظہر وجمعہ کا لزوم بطریقِ اجتماع لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں تارکِ احتیاطی تارکِ فرض ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جہاں جمعہ بحسبِ مذہب بلاشبہہ ناجائز و باطل ہے جیسے وُہ گورِدہ جو کسی روایتِ مذہب پر مصر نہیں ہوسکتے وہاں ظہر آپ ہی عیناً فرض ہے اور جمعہ پڑھوانے اور چار رکعت احتیاطی بتانے کی اصلاً گنجائش نہیں فان الشرع لا يأمر بارتكاب الاثم والاشتغال بما لا يصح اصلا (شریعت کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتی جس پر گناہ ہو اور نہ ہی ایسی شَے میں مشغول ہونے کی اجازت دیتی ہے جو بالکل صحیح نہ ہو۔ ت) ان کا محل وہاں ہے کہ صحتِ جمعہ میں اشتباہ و تردّد قوی ہو مثلاً وہ مواضع جن کی مصریت میں شک ہے یا باوصفِ اطمینان صحت جانبِ خلاف کچھ وقعت رکھتی ہو مثلاً جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا اور سبقت نامعلوم ہو کہ اگرچہ در بارۂ تعدد قول جواز ہی معتمد و ماخوذ و مفتی بہ ہے مگر عدمِ جواز بھی ساقط و ناقابلِ التفات نہیں كما بينه فى رد المحتار (جیسا کہ اسے ردالمحتار میں بیان کیا گیا ہے۔ ت) صورتِ اولٰی میں ان چار رکعت کا حکم ایجاباً و تاکیداً ہوگا لوقوع الشبهة فى براءة لعهدة (ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں شبہہ ہوگیا ہے۔ ت) اور ثانیہ میں استحباباً و ترغیباً لان الخروج عن الخلاف مستحب اجماعا مالم يلزم محذور (بالاتفاق اختلاف سے نکلنا مستحب ہے بشرطیکہ وہاں کسی ممنوع کا ارتکاب نہ ہو۔ ت)

ردالمحتار میں ہے :

نقل عن المقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشك فی کونه مصرا ینبغی لهم ان یصلوا بعد الجمعة اربعا بنیة الظهر احتیاطاً ومثله فی الکافی وفی القنیة امر ائمتهم بالاربع بعدها حتما احتیاطا اھ ونقله کثیر من شراح الهدایة وغیرها وتداولوه وفی الظهیریة واکثر مشائخ بخارا علیه لیخرج عن العهدة بیقین ثم نقل المقدسی عن الفتح انه ینبغی ان یصلی اربعا ینوی بها اٰخر فرض ادرکت وقته ولم أؤده ان تردد فی کونه مصرا او تعددت الجمعة وذکر مثله عن المحقق ابن جرباش قال ثم قال وفائدته الخروج عن الخلاف المتوهم او المحقق وذکر فی النهر انه لاینبغی التردد فی ندبها علی القول بجواز التعدد خروجا عن الخلاف اھ وفی شرح الباقانی هو الصحیح، بقی الکلام فی تحقیق انه واجب او مندوب قال المقدسی ذکر ابن شحنة عن جده التصریح بالندب و بحث فیه بانه ینبغی ان یکون عند مجرد التوهم اما عند قیام الشك والاشتباه فی صحة الجمعة فالظاهر الوجوب ونقل عن شیخه ابن الهمام مایفیده و یؤید التفصیل تعبیر التمرتاشی بلابد وکلام القنیة المذکور[1] اھ مختصرا۔

مقدسی نے محیط سے نقل کیا کہ ہر وہ مقام جس کے شہر ہونے میں اختلاف ہو وہاں جمعہ کے بعد احتیاطاً نیتِ ظہر سے چار رکعات ادا کی جائیں، کافی میں بھی اسی طرح ہے۔ قنیہ میں ہے کہ ائمہ نے جمعہ کے بعد لوگوں کو حتماً چار رکعات احتیاطاً بجالانے کا حکم دیا ہے اھ اسے اکثر شارحین ہدایہ وغیرہ نے نقل کیا ہے اور اسی کو متداول کیا۔ ظہیریہ میں ہے کہ مشائخ بخارا کی اکثریت کا عمل اسی پر ہے تاکہ بالیقین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکیں، پھر فتح سے منقول ہے کہ جب شہر ہونے میں شک ہو یا جمعہ متعدد جگہ ہورہا ہو تو چاہئے کہ چار رکعات اس نیت سے ادا کی جائیں کہ میں آخری فرض ادا کررہا ہوں جن کا وقت میں نے پایا مگر انھیں ادا نہیں کیا، اسی طرح محقق ابن جرباش سے نقل کرکے کہا اس کا فائدہ ثابت یا متوہم اختلاف سے نکلنا ہے۔ نہر میں مذکور ہے کہ اختلاف سے نکلنے کے لئے جواز تعدد جمعہ کے قول پر بھی احتیاطاً ظہر کے مستحب ہونے میں تردّد نہیں کرنا چاہئے اھ شرح الباقانی میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔ اس تحقیق میں گفتگو کہ یہ واجب ہے یا مستحب، ابھی باقی ہے۔ مقدسی کہتے ہیں کہ ابن شحنہ نے اپنے دادا سے ندب پر تصریح نقل کی اور اس پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب محض توہم ہو، مگر اس صورت میں جب صحتِ جمعہ میں شک و اشتباہ ہو تو پھر اس کا واجب ہونا ظاہر ہے اور اپنے شیخ ابن ہمام کی عبارت کو اپنی تائید میں نقل کیا اور اس تفصیل کی تائید تمرتاشی کے الفاظ "لابد" اور قنیہ کے مذکورہ کلام سے بھی ہوتی ہے اھ مختصراً (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الجمعة مطبوعة مصطفی البابی مصر ١/٥٩٦

رہا یہ اشتباہ کہ مستحب یا واجب قائم مقام فرض کیونکر ہوں گے ان رکعات کی نیت پر نظر کی جائے تو بنگاہِ اولیں اندفاع پائے، ابھی فتح القدیر وغیرہ سے گزرا کہ یہ رکعات بہ نیت آخریں فرض ہی پڑھی جاتی ہیں نہ کہ بہ نیت مستحب یا واجب مصطلح تو فرض بہ نیت فرض ادا ہوجانے میں کیا تردد ہے یعنی عند اللہ اگر صحت نہ تھی تو نفس الامر میں ظہر فرض تھا، جب اُس نے اُس پچھلے فرضِ ظہر کی نیت کی جس کا وقت پایا اور ابھی ادا نہ کی تو یہی ظہر ادا ہوجائیگا ورنہ اگر پہلے کوئی ظہر ذمہ پر تھا وہ ادا ہوگا ورنہ یہ رکعات نفل ہوجائیں گی اور نفل بہ نیت فرض ادا ہونا خود واضح ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱۰ از مخدوم پور ڈاک خانہ ٹہٹہ ضلع گیا مرسلہ مولوی سید رضی الدین صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

جناب مستطاب مخدومنا مولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب زاد مجدہم بعد ہدیۂ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے مکلف خدمت ہوں کہ اس موضع مخدوم پور قاضی چک میں اور نیز قرب وجوار میں اس کے نمازِ جمعہ و عیدین ہم لوگ مقلدین حنفی پڑھا کرتے ہیں اور جماعت جمعہ کی خاص اس موضع میں پندرہ بیس آدمی اور کبھی کم بھی ہوا کرتی ہے اب بعض معترض ہیں کہ جمعہ دیہات میں نزد امام ابوحنیفہ صاحب جائز نہیں ہے پڑھنا بھی نہ چاہئے، مخدومنا پڑھا کروں یا ترک کردوں، حضور کے نزدیک جو جائز ہو مطلع فرمائیں تا مطابق اس کے کاربند ہوں اور نمازِ عیدین بھی دیہات میں ہو یا نہ ہو؟ شہر صاحب گنج یہاں سے ۱۲ کوس پر ہے۔ زیادہ حدِ نیاز۔ احقر رضی الدین حسین عفی عنہ

الجواب

جنابِ مکرم ذی المجد والکرم اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فی الواقع دیہات میں جمعہ وعیدین باتفاق ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم ممنوع وناجائز ہے کہ جو نماز شرعاً صحیح نہیں اس سے اشتغال روا نہیں،

فی الدر المختار وفی القنیۃ صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لایصح[1] اھ فی رد المحتار ومثلہ الجمعۃ[2]ح۔

درمختار میں ہے کہ قنیہ میں ہے دیہاتوں میں عید کی نماز مکروہِ تحریمی ہے یعنی یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو درست نہیں اھ رد المحتار میں ہے اور اسی کی مثل جمعہ ہے، ح۔ (ت)

جمعہ میں اس کے سوا اور بھی عدمِ جواز کی وجہ ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسے کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] رد المحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۱

کیا ہے۔ ت) ہاں ایک روایتِ نادرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے یہ آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہاں تک کہ انھیں جمعہ کے لئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحتِ جمعہ کے لئے شہر سمجھی جائے گی۔ امام اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں :

(وعنہ) ای عن ابی یوسف (انھم اذا اجتمعوا) ای اجتمع من تجب علیھم الجمعۃ لاکل من یسکن فی ذلک الموضع من الصبیان و النساء والعبید لان من تجب علیھم مجتمعون فیہ عادۃ قال ابن شجاع احسن ما قیل فیہ اذا کان اھلھا ، بحیث لو اجتمعوا (فی اکبر مساجدھم لم یسعھم) ذلک حتی احتاجوا الی بناء مسجد اٰخر للجمعۃ[1] الخ

(اور ان سے) یعنی امام ابو یوسف سے ہے (جب وہ جمع ہوں) یعنی وہ لوگ جن پر جمعہ لازم ہے نہ کہ تمام وہ لوگ جو وہاں سکونت پذیر ہیں مثلاً بچے ، خواتین اور غلام ۔ ابنِ شجاع نے کہا کہ اس بارے میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ جب جمعہ کے اہل وہاں جمع ہوں (اسب سے بڑی مسجد میں ، اور اس میں ان کی گنجائش نہ ہو) حتی کہ وہ جمعہ کے لئے ایک اور مسجد بنانے پر مجبور ہوں الخ (ت)

جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نوادر کی بنا پر جمعہ وعیدین ہو سکتے ہیں اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعتِ متاخرین نے اختیار فرمایا اور جہاں یہ بھی نہیں وہاں ہرگز جمعہ خواہ عید مذہبِ حنفی میں جائز نہیں ہو سکتا بلکہ گناہ ہے ،

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل و اللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم ۔

اللہ تعالٰی کا فرمان حق ہے اور وہی راستہ کی ہدایت دیتا ہے اور اللہ کی ذات پاک ، بلند اور خوب جاننے والی ہے ۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۱۱ تا ۱۳۱۵ از کٹرہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ سید عبدالمجید صاحب قادری ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :

(۱) ہندوستان میں جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) جائز ہے تو کیوں ؟ اور اس کے دلائل کیا ہیں ؟

(۳) جمعہ شہر ہی میں جائز ہے یا دیہات میں بھی ؟

---

[1] عنایہ شرح ہدایہ علی ہامش فتح القدیر باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴

(۴) تعریف شہر اور قصبہ اور دیہات کی کیا ہے؟

(۵) دیہات سے نیچے بھی کوئی حد بستی کی ہے کیونکہ دیہات دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک محض کوردہ، دوسرا وہ جس میں اشیاء ضروری جیسے معمولی کپڑے ملتے ہوں اور درزی اور لوہار اور بڑھئی اور بنیا اور بقال وغیرہم ہوں اور ساکنان اُس کے ہندو مع مسلمان قریب بارہ سو مع عورت کے ہوں اور غالب درجہ مسلمان زمیندار ہوں اور مسلمانوں کی تعداد قریب پانچ سو عورتوں کے ہو اور مسجد قدیم سے ہو اور جب سے مسجد بنی ہمیشہ سے برابر جمعہ ہوتا رہا ہو تو ان دونوں قسموں میں دیہات کے جمعہ جائز ہوگا یا صرف قسمِ اخیر میں یا کسی میں نہیں؛ اور ہم قسم اخیر کے دیہات کے رہنے والے ہیں، اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں، تو آیا ہم لوگ پڑھیں یا نہیں؟ بہت صاف جواب بالتفصیل تحریر ہو۔

الجواب

ہندوستان اصلح اللہ حالہا بحمد اللہ تعالٰی ہنوز دار الاسلام ہے۔

کما حققناہ فی رسالتنا اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام۔

جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام" میں اس کی تحقیق کی ہے۔ (ت)

اُس میں اقامتِ جمعہ وعیدین مسلمانوں کو ضرور جائز۔ جامع الفصولین میں ہے:

قال ح (ای الامام الاعظم ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ) لا تصیر دار الحرب الا باجراء احکام الشرک فیہا واتصالہا بدار الحرب بان لایکون بینہا وبین دار الحرب مصر للمسلمین وان لایبقی فیہا مسلم او ذمی امنا علی نفسہ بالامان الاول ای لایبقی امنا الا بامان المشرکین ان الحکم اذا ثبت بعلۃ فما بقی شیئ من العلۃ یبقی الحکم ببقائہ فلما صارت البلدۃ دار الاسلام باجراء احکامہ فما بقی شیئ من احکامہ واثارہ تبقی دار الاسلام وکل مصر فیہ وال مسلم من جہۃ الکفار تجوز فیہ اقامۃ الجمع والاعیاد

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا دار الحرب کے لئے ضروری ہے کہ وہاں احکامِ شرک کا اجراء ہو اور اس ملک کا اتصال دار الحرب سے اس طرح ہو کہ اس ملک اور دار الحرب کے درمیان کوئی مسلمانوں کا علاقہ نہ ہو، اور اس میں کوئی مسلمان یا ذمی امان اول کی وجہ سے امان میں نہ ہو یعنی اب مشرکین کی امان کے بغیر امن والا نہ ہو کیونکہ جب حکم کسی علّت سے ثابت ہے تو جب تک وہ علّت باقی ہے حکم بھی باقی ہوگا، جب کوئی علاقہ اجرا احکامِ اسلامی کی وجہ سے دار الاسلام بنتا ہے تو جب تک وہاں کچھ احکام وآثار باقی ہوں گے وہ دار الاسلام ہی ہوگا، اور ہر وہ شہر جس کا کفار کی طرف سے کوئی مسلمان والی ہو وہاں جمعہ وعیدین کی اقامت

واخذ الخراج وتقليد القضاء وتزويج الايامٰی لاستيلاء المسلم عليهم واما فی بلاد عليها ولاة کفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمعة والاعياد[1] اھ مختصرا۔

خراج لینا، قضاۃِ اسلامی کی پابندی اور بیوگان کا نکاح کروانا جائز ہے کیونکہ وہاں مسلمان غالب ہیں لیکن وُہ علاقے جہاں کافر والی ہیں وہاں مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین کا قیام جائز ہے اھ اختصاراً (ت)

ردالمحتار میں ہے :

فی معراج الدراية عن المبسوط البلاد التی فی ايدی الكفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب و كل مصرفيه وال من جهتهم يجوزله اقامة الجمعة والاعياد فلو الولاة كفارا يجوز للمسلمين اقامة الجمعة[2] اھ ملخصا

معراج الدرایہ میں مبسوط سے ہے وہ علاقہ جات جو کفار کے قبضہ میں ہیں وہ بلادِ اسلام ہی ہیں بلادِ حرب نہیں اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے والی ہو تو وُہ جمعہ اور عیدین کا قیام کرسکتا ہے اور اگر والی کافر ہوں تو بھی مسلمانوں کے جمعہ کا قیام جائز ہے اھ تلخیصا (ت)

جمعہ وعیدین کے نہ فقط مامور بہ بلکہ خود جائز وصحیح ہونے کے لئے بھی باجماع ائمۂ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم مصر شرط ہے کتب المذهب عن اٰخرها طافحة بذلك (تمام کتبِ مذہب اس سے پُر ہیں۔ ت) گاؤں میں جمعہ و عیدین نہ صحیح نہ جائز بلکہ گناہ ہیں

كما نص عليه فی الدر المختار عن القنية وفی جامع الرموز عن جامع المضمرات وقد بيناه فی فتاوٰنا۔

جیسا کہ اس پر درمختار میں قنیہ اور جامع الرموز میں جامع المضمرات کے حوالے سے تصریح ہے اور اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ (ت)

دیہات سے بھی کم درجہ بستی جنگلوں، میدانوں، پہاڑوں میں اہلِ خیمہ کے مقام ہیں جن میں مکانات کچّے پکّے اصلاً نہیں ہوتے۔ اُنھوں نے جہاں آب ومرغزار دیکھے ڈیرے ڈال دئے، خیمے تان دئے۔ وہیں اقامت کرلی، یہ بستیاں نظرِ شرع میں بھی دیہات سے ادنٰی ہیں، امصار وعمرانات کے سکان اگر گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں مقیم ہوجائیں گے قصر نہ کریں گے اور اُن خیمہ گاہوں میں انھیں اہلِ خیمہ کی نیت اقامت صحیح ہے جن کی طرزِ تعیش ہی یہ ہے عمرانات والے بعد تحقّق سفر وسطِ مراحل اگرچہ وہاں پندرہ دن قیام کا قصد کریں مقیم نہ ہوں گے هو الاصح فی الفصلين (دونوں فصلوں میں یہی اصح ہے۔ ت) درمختار میں ہے :

---

[1] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء وتعلیل بہ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳و۱۴

[2] ردالمحتار باب الجمعہ ؍؍ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۵۹۵

اهل الاخبیۃ کترکمان نووھا فی المفازۃ فانہا تصح فی الاصح وبہ یفتی اذا کان عندھم من الماء والکلاء مایکفیھم مدتہا ولو نوی غیرھم الاقامۃ معھم لم یصح فی الاصح[1] اھ مختصرا۔

خانہ بدوش مثلاً ترکمان قوم اگر جنگل میں اقامت کی نیت کرلیں تو یہ اصح قول کے مطابق صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے بشرطیکہ وہاں ان کے لئے اتنی مدت کیلئے پانی اور چارہ ہو اور ان کے علاوہ کسی نے ان کے ساتھ نیت کرلی تو یہ اصح قول کے مطابق درست نہیں اھ مختصراً (ت)

قصبہ عرفاً مصرودہ میں متوسط ہے چھوٹے شہر کو کہتے ہیں جس میں آبادی کم مرافق قلیل ہوں بازار و پختہ عمارات ہوں نہ مثل امصار وہ پرگنہ ہوتا ہے ضلع نہیں، اُس میں چھوٹے چھوٹے حکام ہوتے ہیں جن کی سماعت ایک حد تک محدود، بڑے حکام کہ ہر گونہ مقدمات دیوانی وجرائم فیصل کرسکیں نہیں ہوتے، اس عرف حادث پر قسمیں تین ہوتی ہیں مگر زبانِ عرب میں، وہ دو ہی چیزیں ہیں: مصر یا قریہ قصبہ، ان سے باہر کوئی شَے ثالث نہیں۔ قاموس ومصباح المنیر وغیرہما میں قصبۃ البلاد مدینتہا وقصبۃ القریۃ وسطہا (شہری قصبہ، شہر ہوتا ہے اور دیہاتی قصبہ دیہات اور شہر کا درمیان ہوتا ہے۔ ت) یونہی شرع مطہر نے قصبات کو کسی حکم خاص سے مخصوص نہ فرمایا، مصر و قریہ کی تقسیم حاصر ہے آبادی پر، حدِ مصر صادق ہو تو مصر ہے ورنہ قریہ لاثالث لہما (ان دونوں کے لئے تیسرا نہیں۔ ت) اب تعریفِ مصر میں ہمارے علماء سے اقوالِ کثیرہ آئے جن میں مصحح ومختار ومعتمد ائمہ کبار دو ہیں:

اوّل ظاہر الروایہ واصل مذہب وارشاد امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ شہر وہ آبادی عمارت والی ہے جس میں متعدد کُوچے ہوں، دوامی بازار ہوں، وہ ضلع یا پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات ہوں، اُس میں کوئی حاکم مقدماتِ رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو، جس کے یہاں قضایا پیش ہوتے ہوں اور اس کی شوکت وحشمت مظلوم کا انصاف ظالم سے لینے کے قابل ہو اگرچہ کبھی نہ لیا جائے۔ یہ تعریف کتب کثیرہ میں بالفاظِ عدیدہ ومعانی متقاربہ ادا کی گئی۔

مسئلہ ۱۳۱۶ از عظیم آباد پٹنہ شاہ کی املی متصل مسجد تراہنہ مطب حکیم صاحب مرسلہ مولوی نورالہدی صاحب

۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسے قریہ میں جس پر کسی طرح حدِ مصر صادق نہیں اگر وہاں کے حنفی المذہب بخیال شوکتِ اسلامی نماز جمعہ مع ظہر احتیاطی وصلٰوۃ العیدین پڑھتے ہوں تو وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر گنہگار ہوں گے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ایسی جگہ جمعہ یا عیدین پڑھنا مذہب حنفی میں گناہ ہے، نہ ایک گناہ بلکہ چند گناہ:

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷-۸

اوّلاً جب نمازِ جمعہ وعیدین وہاں صحیح نہیں تو یہ امرِ غیر صحیح میں مشغول ہُوئی اور وُہ ناجائز ہے،

فی الدر المختار تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحۃ [1]۔

درمختار میں ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ یہ غیر صحیح کام میں مشغول ہونا ہے کیونکہ شہر جمعہ کی صحت کے لئے شرط ہے۔ (ت)

ثانیاً اقول فقط مشغولی نہیں بلکہ اس امر ناجائز کو موجبِ شوکتِ اسلام جاننا بلکہ بہ قصد ونیت فرض و واجب ادا کیا یہ مفسدہ عقیدہ ہے جس سے علماء نے تحذیر شدید فرمائی۔

اوصوا بترك التزام مستحب اذا خیف ان یظنہ العوام واجبا فی اخف منہ قال سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ لا یجعل احدکم للشیطان شیئ من صلوتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ [2] رواہ الشیخان فاذا کان ھذا فیما ھو مشروع باصلہ فما ظنك بما لم یجز من رأسہ۔

جب یہ خطرہ ہو کہ عوام اسے ضروری سمجھ لیں گے تو علماء مستحب پر پابندی ترک کرائیں اور اس سے کم درجہ عمل کے بارے میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اپنی نماز سے شیطان کا حصّہ اس طرح نہ بنائے کہ نماز کے بعد دائیں طرف ہی پھرنا اپنے اوپر لازم کرلے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بہت دفعہ بائیں طرف پھرتے ہُوئے دیکھا، اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔ جب اس عمل کا معاملہ ہے جو اصلاً مشروع ہے تو اس میں تمہارا کیا خیال ہے جو اصلاً جائز ہی نہ ہو۔ (ت)

ثالثاً جبکہ واقع میں نمازِ جمعہ وعید نہ تھی تو ایک نماز نفل ہُوئی کہ باجماعت واعلان وتداعی ادا کی گئی یہ ناجائز ہوا،

فی رد المحتار عن العلامۃ الحلبی محشی الدر فھو نفل مکروہ لادائہ بالجماعۃ [3]۔

ردالمحتار میں محشی در علامہ حلبی سے ہے یہ نوافل مکروہ ہیں کیونکہ جماعت کے ساتھ ادا ہُوئے۔ (ت)

یہ تینوں وجہیں جمعہ وعیدین سب کو شامل ہیں۔

---

[1] درمختار | باب العیدین | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۱۴

[2] صحیح البخاری | باب الانفتال والانصراف | " قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/ ۱۱۸

[3] ردالمحتار | باب العیدین | " مصطفی البابی مصر | ۱/ ۶۱۱

رابعاً اقول جمعہ میں اُس کے سبب جو ظُہر نہ پڑھیں اُن پر تو فرض ہی رہ گیا، ترکِ فرض اگرچہ ایک ہی بار ہو خود کبیرہ ہے اور جو بزعمِ خود احتیاطی رکعات پڑھیں وُہ بھی تارکِ جماعت تو ضرور ہوئے اور جماعت مذہب معتمد میں واجب ہے جس کا ایک بار ترک بھی گناہ اور متعدد بار ہو کر وہ بھی کبیرہ۔ کما نصوا علیہ والامر اوضح من ان یوضح (جیسا کہ فقہا نے اس پر تصریح کی ہے اور یہ امر اتنا واضح ہے کہ وضاحت کی ضرورت ہی نہیں۔ ت)

خامساً اقول وُہ احتیاطی رکعات والے کہ حقیقۃً مذہب حنفی میں آج ہی کی ظہر پڑھ رہے ہیں

فانها اذا لم تصح الجمعة بقيت فريضة الظهر فی اعناقهم فاذا نووا اٰخر ظهر ادركوها ولم يؤدوها وجب انصرافها الى ظهر اليوم۔

اس لئے کہ جب جمعہ صحیح نہیں تو ان کے ذمے ظہر کا فریضہ باقی ہے، تو جب یہ ارادہ کرتے ہُوئے کہ آخری ظہر کا وقت پایا مگر اسے ادا نہ کیا تو اس کا آج کی ظہر پر محمول کرنا واجب ہے۔ (ت)

باآنکہ مسجد میں جمع ہیں جماعت پر قادر ہیں تنہا پڑھتے ہیں یہ دوسری شناعت ہے کہ مجتمع ہو کر ابطال جماعت ہے جسے شارع نے خوف جیسی حالت ضرورت شدیدہ میں بھی روا نہ رکھا بلکہ ابطال درکنار موجودین میں بلاوجہ شرعی تفریق جماعت کو ناجائز رکھ کر ایک ہی جماعت کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا کما نطق به القراٰن العظيم وباللّٰه الهداية الى صراط مستقيم (جیسا کہ اس پر قرآن عظیم ناطق ہے، اللہ ہی صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱۷ ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس حالت میں امام خطبہ پڑھتا ہو اُس وقت کوئی وظیفہ یا سُنن یا نوافل یا فرضِ قضائے فجر پڑھنا چاہیے یا نہیں اور ٹھیک ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اُس وقت وظیفہ مطلقاً ناجائز ہے، اور نوافل بھی اگر پڑھے گا گنہگار ہوگا اگرچہ نماز ہو جائے گی، رہی قضا اگر صاحبِ ترتیب نہیں تو اس کا بھی یہی حکم ہے ورنہ وُہ ضرور پہلے قضا ادا کرے، اور جہاں تک دُوری ممکن ہو اختیار کرے کہ صورتِ مخالفت سے بچے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۱۸ از بنگالہ ضلع پبنا موضع مرادنگر مرسلہ قاضی اشرف الدین صاحب ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ چند اشخاص برائے ادائے جمعہ بمسجدے رفتند و دیدند کہ جمعہ ادا شدہ است اکنوں ایشاں درآں مسجد مذکور صلوٰۃ جمعہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد میں گئے انھوں نے دیکھا جمعہ ادا ہوگیا ہے اب وہ لوگ اس مسجد میں جمعہ

ادا توانند کرد یا ادائے ظہر واجب ست بر تقدیر ثانی باجماعت یا فرادی شخصے میگوید کہ جماعتے را کہ نماز جمعہ فوت شدہ شود او شاں در خارج مسجد بہ بعد مقدار یک صد گز یا یک صد و بست و پنج گز مروجہ انگریزی رفتہ نماز جمعہ ادا تواند کرد و در انجا مسجد سے نیست و قول او صحیح ست یا نہ و اگر چنیں ادا کرد جائز خواہد شد یا نہ ؟ بینوا توجروا ۔

ادا کریں گے یا ظہر کی ادائیگی ان پر لازم ہوگی ، اگر ظہر لازم ہے تو وہ جماعت کے ساتھ ادا کریں یا تنہا ؟ ایک شخص کا کہنا ہے کہ اگر کسی گروہ کی جماعتِ جمعہ فوت ہوگئی تو مسجد سے دُور انگریزی سو گز یا ایک سو پچیس گز کے فاصلے پر چلے جائیں اور وہاں جمعہ ادا کریں اگرچہ وہاں مسجد نہیں ۔ اس کا قول صحیح ہے یا نہ ؟ اگر اس طرح انھوں نے ادا کرلیا ہے تو جائز ہے یا نہ ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

امامتِ جمعہ و عیدین ہر کس نتواں کرد بلکہ واجب ست کہ سلطانِ اسلام یا ماذون او باشد و بضرورت آنکہ مسلمانان او را امام جمعہ مقرر کردہ باشند و شک نیست کہ یک مسجد را دو امام جمعہ کہ اقامت جمعۂ واحدہ کنند نباشند پس در مسجد واحد دو بار جمعہ نتواں شد چوں بعض مردماں ایں جا جمعہ نیابند مسجد سے دیگر اگر یابند روند کہ تعدد جمعہ در شہر مذہب مفتی بہ روا است ہمچناں اگر امامے معین برائے امامتِ جمعہ یابند و در غیر مسجد در شہر یا فنائے شہر ادا کنند نیز روا باشد زیرا کہ مسجد شرط جمعہ نیست و اگر نیابند فرض ست کہ ظہر ادا کنند و روا نیست کہ جماعت نمایند بلکہ فرادی خوانند کل ذلک مصرح بہ فی کتب المذہب و قد بیناہ فی فتاوٰنا و آنکہ شخص مذکور تحدید فصل ذرعان کرد اصلے ندارد ۔ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم ۔

جمعہ و عیدین کی امامت ہر کوئی نہیں کروا سکتا بلکہ واجب ہے کہ وہ سلطانِ اسلام یا اس کی طرف سے مامور ہو ، البتہ ضرورت کے پیشِ نظر مسلمان امام جمعہ مقرر کرسکتے ہیں ، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مسجد میں ایک جمعہ کی اقامت کے لئے دو امام نہیں ہوسکتے لہٰذا ایک مسجد میں دو بار جمعہ نہیں ہوسکتا جب کچھ لوگ اس مسجد میں جمعہ نہ پاسکیں تو وہ دوسری مسجد میں چلے جائیں کیونکہ مفتی بہ مذہب کے مطابق شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوسکتا ہے ، اسی طرح اگر مقرر امامِ جمعہ کو شہر یا فنائے شہر میں مسجد کے علاوہ پالیتے ہیں تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں اور اگر ایسی کوئی صورت نہیں تو ظہر کی ادائیگی فرض ہوگی لیکن جماعت جائز نہ ہوگی بلکہ الگ الگ ادا کریں یہ تمام کتبِ مذہب میں صراحۃً موجود ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے اور مذکورہ شخص نے جو گزوں کی مقدار کا تعین کیا ہے اس کی کوئی اصل نہیں واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۱۹: از شاہی علاقہ رامپور مرسلہ نادر شاہ خاں و انعام اللہ خاں ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس قصبہ شاہی میں صرف ایک مسجد وہی جامع مسجد ہے قدیم الایام سے اُس میں نماز جمعہ ہوتی ہے اور ایک عیدگاہ قریب آبادی کے ہے اس میں نمازِ عید پڑھی جاتی ہے فی الحال بوجہ کثرت نمازیاں گنجائش سب نمازیوں کی نہیں اس لئے عیدگاہ میں جمعہ پڑھتے ہیں اُس روز جامع مسجد نماز جمعہ سے بالکل خالی رہتی ہے ایسی حالت میں کوئی بازپرس تو اہل قصبہ سے خداوند کریم بوجہ خالی رہنے مسجد کے بروزِ حساب نہ فرمائے گا اور پڑھنے نماز جمعہ سے عیدگاہ میں کچھ نقصان عند اللہ وعند الرسول ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جائز ہے، کچھ نقصان نہیں، نہ کوئی مواخذہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲۰: از بنگالہ ضلع میمن سنگھ موضع مرزاپور مرسلہ منشی آدم غرہ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

ماتقولون یاارباب العقول فی تبلیغ احکام الرسول فی ھذا الباب ھل یجب علی المصلین ان یصلوا اٰخر الظھر مع الجمعۃ ام لا وان صلوا فما ذاینوونھا فریضۃ ام نافلۃ بینوا بالدلیل توجروا اجراجزیلا۔

تعلیماتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تبلیغ کرنے والے اہلِ فہم کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ جمعہ کے ساتھ ساتھ نمازیوں پر نمازِ ظہر ادا کرنا لازم ہے یا نہ؟ اگر وہ ادا کرتے ہیں تو کس نیت سے فرض یا نفل؟ دلیل کے ساتھ واضح فرمائیں، اللہ تعالٰی آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ (ت)

الجواب

ان وقع الشك فی صحۃ الجمعۃ لوقوع الشبھۃ فی شرط کالمصریۃ اوکون الدار دار الاسلام فالظاھر الوجوب وان کان ھناك توھم لاجل خلاف ضعیف فالندب ویفتی بہ الخواص لا العوام وعلی کل ینوی الفریضۃ ای اٰخر فرض ظھر ادرکتہ ولم اؤدّہ لان النفل یتأدی بنیۃ الفرض ولاعکس فلا یحصل الاحتیاط الا بنیۃ الفریضۃ کما لایخفی قال فی ردالمحتار فی

اگر شرائطِ جمعہ میں اشتباہ کی وجہ سے صحتِ جمعہ میں شک ہوجائے تو ظاہر یہی ہے کہ وہاں ظہر کا ادا کرنا لازم ہے اور اگر وہاں صحتِ جمعہ میں وہم ہے تو تضعیفِ اختلاف کی وجہ سے ظہر کی ادائیگی مستحب ہوگی البتہ اس کے ساتھ خواص کے لئے فتوٰی ہے عوام کے لئے نہیں۔ ہر صورت میں فرض کی نیت ہوگی یعنی وہ آخری ظہر جسے میں نے پایا مگر ادا نہ کی کیونکہ نوافل فرض کی نیت سے ادا ہوجاتے ہیں مگر فرض نفل کی نیت سے ادا نہیں ہوتے، تو احتیاط نیتِ فرض میں ہی ہے جیسا کہ مخفی

القنیة لما ابتلی اھل مرو باقامۃ الجمعتین فیھا مع اختلاف العلماء فی جوازھما امر أئمتھم بالاربع بعدھا حتما احتیاطا اھ ونقلہ کثیر من شراح الھدایۃ وغیرھا وتداولہ، ثم نقل المقدسی عن الفتح انہ ینبغی ان یصلی اربعا ینوی بھا اٰخر فرض ادرکت وقتہ ولم اٰؤدہ،ان تردد فی کونہ مصرا اوتعددت الجمعۃ، قال وفائدتہ الخروج عن الخلاف المتوھم اوالمحقق وذکر فی النھر انہ لاینبغی التردد فی ندبھا علی القول بجواز التعدد خروجا عن الخلاف اھ قال المقدسی ذکر ابن الشحنۃ عن جدہ التصریح بالندب وبحث فیہ بانہ ینبغی ان یکون عند مجرد التوھم، اما عند قیام الشك والاشتباہ فی صحۃ الجمعۃ فالظاھر الوجوب ونقل عن شیخہ ابن الھمام مایفیدہ[1] اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔

نہیں، ردالمحتار میں فرمایا کہ قنیہ میں ہے کہ جب اہلِ مرو کو دو جمعوں کا قیام پیش آیا تو علماء نے متعدد جمعہ میں اختلاف کیا تو ائمہ نے لوگوں پر جمعہ کے بعد احتیاطاً چار رکعات ظہر ادا کرنا لازمی قرار دے دیا اھ اکثر شارحین ہدایہ وغیرہ نے اسے نقل کیا اور اسے ہی متداول قرار دیا، پھر مقدسی نے فتح سے نقل کیا کہ اگر شہر ہونے میں تردد ہو یا جمعہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے تردد ہو تو جمعہ کے بعد چار رکعات اس نیت سے ادا کی جائیں کہ میں نے آخری ظہر کا وقت پایا اسے ادا نہ کیا تھا اور فرمایا فائدہ اس کا یہ ہے کہ خلافِ متوہم یا متحقق سے خروج ہوجائے گا۔ نہر میں مذکور ہے کہ اختلاف سے بچنے کی خاطر جوازِ تعدد جمعہ کے قول پر بھی ظہر کی ادائیگی کے مستحب ہونے میں تردد نہیں کرنا چاہئے اھ مقدسی کہتے ہیں کہ ابن شحنہ نے اپنے دادا سے ندب پر یہ تصریح نقل کرکے اس میں بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس وقت ہے جہاں محض وہم ہو لیکن جب صحتِ جمعہ میں شک و اشتباہ ہو تو پھر ظہر کا وجوب ظاہر ہے اور اس پر اپنے شیخ ابن ہمام کی وہ عبارت نقل کی جو اسے مفید ہے اھ اختصاراً (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲۱: از ضلع کمرلہ موضع پانیسر مرسلہ مولوی عبدالغفور صاحب غرہ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نمازِ جمعہ انحرافِ قبلہ یعنی جانب ایمن والیسر کو پھر کر مناجات کرنا جائز ہے یا نہیں باوجودیکہ فقہ کی کتابوں میں بھی یہ ہے کہ جس نماز کے بعد سنتِ مؤکدہ ہو نہ پھرے بالدلائل تحریر فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۶

الجواب

امام کا بعد سلام قبلہ سے انحراف تو مطلقاً سنّت ہے اور اس کا ترک یعنی بعد سلام رُو بقبلہ بیٹھا رہنا امام کےلئے بالاجماع مکروہ ہے، جمعہ وغیرہ سب نمازیں اس حکم میں برابر ہیں اور بعد سلام دُعا و مناجات بھی بالاجماع جائز ہے مگر جس نماز کے بعد سنت ہے یعنی ظہر و جمعہ و مغرب و عشاء، اس کے بعد تاخیر طویل کسی کو بہتر نہیں اور اگر کرے تو منع بھی نہیں مگر اس قدر نہ ہو کہ مقتدیوں پر گراں گزرے، عادت مسلمین یوں جاری ہے کہ امام بعد سلام جب تک دُعا سے فارغ نہ ہو مقتدی شریکِ دُعا رہتے ہیں اور اس سے قبل اُسے چھوڑ کر نہیں اُٹھتے" اور یہ اگرچہ شرعاً واجب نہیں مگر حُسنِ ادب سے ہے۔

اقول ویمکن الاستیناس لہ بقولہ عزوجل "واذا کانوا معہ علی امرجامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ" فان فراغہ من الدعاء یعد اذنا منہ دلالۃ بذلک العرف جار۔

اقول اس پر اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی سے استدلال ممکن ہے "اور جب وُہ حضور علیہ السلام کے ساتھ کسی معاملہ میں جمع ہوتے ہیں تو آپ کی اجازت کے بغیر جاتے نہیں" کیونکہ دُعا سے فراغت اذن ہی تصور ہوتا ہے اور اس پر عرف جاری ہے (ت)

تو ایسی حالت میں اتنی دُعائے طویل کہ بعض مقتدیوں پر ثقیل ہو مطلقاً نہ کرنی چاہئے اگرچہ اس کے بعد سنت نہ ہو جیسے فجر و عصر۔

ھذا ما ظھرلی تفقھا وارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی واذا امر الامام بالتخفیف فی الصلوۃ ای عدم الزیادۃ علی القدر المسنون اجمعوا علی انہ لایمکث فی مکانہ مستقبل القبلۃ سائر الصلوات فی ذلک علی السواء۔

غور و فکر میں مجھ پر واضح ہُوا اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ اِن شاء اللہ درست ہوگا اور جب امام کو نماز میں تخفیف کا حکم ہے یعنی قدر مسنون پر اضافہ نہ کرے تو اس پر اجماع ہے کہ امام اپنی جگہ پر قبلہ رُخ ہو کر نہ ٹھہرے تمام نمازیں اس حکم میں برابر ہیں۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

وقد صرح غیر واحد بانہ یکرہ لہ ذلک[1]

متعدد علماء نے اس کے مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یکرہ تاخیر السنۃ الابقدر اللھم انت السلام الخ

سنتوں میں تاخیر اللھم انت السلام الخ کی مقدار سے

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

قال الحلوانی لاباس بالفصل بالاوراد وافادہ الکمال، قال الحلبی ان ارید بالکراھۃ التنزیھیۃ ارتفع الخلاف قلت وفی حفظی حملہ علی القلیلۃ اھ[1]

زیادہ مکروہ ہے۔ حلوانی نے فرمایا اذکار کے ساتھ فرائض وسنن میں فاصلے میں کوئی حرج نہیں۔ کمال نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ حلبی کہتے ہیں کہ اگر کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہے تو اختلاف ختم ہوجاتا ہے قلت اور مجھے یہاں تک یاد ہے کہ یہ (تنزیہی) قلیل فصل پر محمول ہے اھ (ت)

حلیہ میں ہے :

تحمل الکراھۃ علی التنزیھیۃ بعدم دلیل التحریمیۃ[2]

جب تحریمی پر دلیل نہ ہو تو مکروہ کو تنزیہی پر محمول کیا جاتا ہے (ت)

غنیہ میں ہے :

قول عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا مقدار مایقول اللھم انت السلام الخ یفید ان لیس المراد انہ کان یقول ذلک بعینہ بل کان یقعد زمانا یسع ذلک المقدار ونحوہ من القول تقریبا فلا ینافی ما روی مسلم وغیرہ عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنھما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا سلم من صلٰوتہ قال بصوتہ الاعلی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن، لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکفرون . لان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا یہ فرمان کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللھم انت السلام الخ کی مقدار پڑھتے، فائدہ دے رہا ہے کہ ان کی مراد بعینہٖ یہی الفاظ نہیں بلکہ اتنی دیر بیٹھنا جس میں یہ یا اس کی مقدار تقریباً پڑھا جائے۔ لہٰذا یہ روایت مسلم وغیرہ کی اس روایت کے منافی نہیں جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے کہتے "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے، اسی کی حمد ہے، اور وہ ہر شَے پر قادر ہے، برائی سے پھرنے اور نیکی کی طرف آنے کی طاقت وتوفیق اللہ تعالٰی ہی عطا فرماتا ہے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، نعمت اسی کی ہے اور اُسی کا فضل

---

[1] درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۷۹

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

المقدار المذکور من حیث التقریب دون التحدید، قد یسع کلو احد من نحو ھذہ الاذکار لعدم التفات الکثیر بینھما اھ[1] مختصرا۔

ہے، اعلیٰ تعریف اسی کی ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہماری تابعداری اسی کے لئے خالص ہے اگرچہ کافر اسے ناپسند کریں"۔ کیونکہ مقدار مذکور تقریباً ہے تحدیداً نہیں وُہ وقت ان تمام اذکار کی گنجائش رکھتا ہے کیونکہ ان میں بہت زیادہ تفاوت نہیں ہے اھ مختصرا (ت)

بلکہ شیخ محقق مولٰنا عبدالحق قدس سرہٗ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں:

تعجیل قیام بہ سنت مغرب منافی نیست مرخواندن آیۃ الکرسی وامثال آنرا چنانکہ در حدیث صحیح وارد شدہ است کہ بخواند بعد از نماز فجر و مغرب دہ بار لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علٰی کل شیئ قدیر[2]۔

مغرب کی سنتوں کے لئے جلدی قیام آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھنے کے منافی نہیں کیونکہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ نمازِ فجر و مغرب کے بعد دس مرتبہ یہ پڑھا جائے: لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علٰی کل شیئ قدیر۔ (ت)

فقہ کی کسی کتاب معتمد میں یہ نہیں کہ جس نماز کے بعد سنّت ہے اُس کے امام کو قبلہ سے پھرنا ہی منع، ہاں فصل طویل کو ناپسند فرماتے ہیں اور اُس کے معنی ان کلماتِ علماء سے کہ فقیر نے نقل کئے ظاہر ہو گئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۲۲ از کھانہ ضلع رام پور مرسلہ قاضی ضیاء الدین احمد صاحب ۳ محرم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع میں عرصہ کثیر گزرا زمانہ پادشاہت اسلام میں قاضی شرع نے جو قاضی با اختیار تھے جامع مسجد قائم کی اور وُہ مقام شرائط جمعہ کے موافق مناسب سمجھ کر نمازِ جمعہ و نمازِ عیدین اُسی مسجد میں ہوتی رہی اور مسلسل اُسی وقت سے حسبِ اجازت و ہدایت اصل قاضی یا حاکم وقت مذکور کے اُسی خاندان میں امامت رہی اب ایک شخص نے بوجہ مخالفت چند امور دنیاوی کے امام سے رنج کرکے ایک دوسری مسجد میں جو تھوڑے زمانے سے تیار ہُوئی ہے نماز عید ادا کی اور باشندگانِ دیہ کو جامع مسجد قدیم کو آنے سے روک کر بہکا کر بہت سے اشخاص کو اُس نماز میں شریک کیا اور نماز پڑھائی اور جامع مسجد قدیم میں بھی مثل قدیم نماز پڑھی گئی اور جماعت ہُوئی تو اب دریافت طلب ہے کہ اُس مسجد جدید میں امام قدیم سے مخالفت کرکے نمازِ عید ہُوئی یا نہیں؟ اور ایسے نماز پڑھوانے والے کے واسطے جو تفریقِ جماعت کا مرتکب ہوا

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بیان صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۲
[2] اشعۃ اللمعات باب الذکر بعد الصلوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۱۸

کیا حکم ہے اور آئندہ اس طریقہ سے نماز ہوگی یا نہیں ؟

الجواب

جمعہ وعیدین وکسوف میں ہر شخص امامت نہیں کرسکتا بلکہ لازم ہے کہ سلطانِ اسلام کا مقرر کردہ یا اُس کا ماذون ہو، ہاں جہاں یہ نہ مل سکے تو بضرورت عام اہلِ اسلام کسی کو امام مقرر کرلیں، صورتِ سوال میں جبکہ سلطنتِ اسلام سقی اللہ تعالٰی عہدھا (اللہ تعالٰی اس کی مدت کو دراز فرمائے۔ ت) سے بحکم حاکم شرع وہاں جمعہ قائم اور امامت خاندان ایامِ قدیم میں مستمر و دائم ہے، تو امام خود ماذون من جانب السلطان ہے، اس کے ہوتے بلا مجبوری شرعی عام مسلمانوں کو بھی امام جدید قائم کرنے کا اختیار نہیں۔

لان الخیرۃ لھم انما یکون عند الضرورۃ لفقد الماذون فاذا وجد فلا ضرورۃ فلا خیرۃ۔ انھیں اختیار ضرورت کے وقت ہے جب مامور نہ ہو اور جب مامور ہے تو اب ضرورت نہیں لہذا اختیار بھی نہ ہوگا۔ (ت)

یہاں مجبوری شرعی یہ کہ امام ماذون خود نہ رہے یا اُس میں مذہب وغیرہ کے فساد پیدا ہونے سے قابلیتِ امامت معدوم ہوجائے اور اُس خاندانِ ماذون میں کوئی اور بھی صالح امامت نہ ہو، جب ان صورتوں میں سے کچھ نہ تھا اس دوسرے شخص کی امامت صحیح نہ ہُوئی اُس کے پیچھے نمازِ عید وجمعہ محض باطل ہوں گی وہ سخت گناہوں کا خود بھی مرتکب ہوگا اور اُتنے مسلمانوں کو بھی شدید معصیتوں میں مبتلا کردے گا وُہ دوسری مسجد کا جمعہ حرام ہوگا اور ظہر کا فرض سر پر رہے گا اور عیدین میں نمازِ عید باطل ہوگی، اُس کا پڑھنا گناہ ہوگا واجبِ عید سر پر رہ جائیگا، تفریقِ جماعت تو وہاں کہی جائے کہ نمازِ جمعہ یا عیدین اس کے پیچھے بھی صحیح ہوجائیں، جب یہاں سرے سے ہوئی ہی نہیں تو تفریق کیسی، بلکہ ابطال نماز ہے کہ سب سے سخت تر ہے، اللہ تعالٰی توفیقِ توبہ بخشے، یہ مسئلہ نہایت واجب الحفظ ہے، آج کل جہال میں یہ بلا بہت پھیلی ہُوئی ہے کہ جمعہ یا نمازِ عید نہ ملی کسی مسجد میں ڈھائی آدمی جمع ہُوئے اور ایک شخص کو امام ٹھہرا کر نماز پڑھ لی وُہ نماز نہیں ہوتی اور اُس کے پڑھنے کا گناہ الگ ہوتا ہے عوام کے خیال میں یہ نمازیں بھی پنجگانہ کی طرح ہیں کہ جس نے چاہا امامت کرلی حالانکہ شرعاً یہاں امام خاص اس طریق معیّن کا درکار ہے اُس کے بغیر یہ نمازیں ہو نہیں سکتیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

یشترط لصحتھا السلطان او مامورہ باقامتھا[1]۔ سلطان یا اس کے مامور کا جمعہ کو قائم کرنا صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹

درمختار میں ہے :

فی السراجیة لوصلی احد بغیراذن الخطیب لایجوز[1] الخ

سراجیہ میں ہے اگر اجازتِ خطیب کے بغیر کسی نے جمعہ پڑھایا تو جائز نہیں ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

حاصلہ انہ لاتصح اقامتہا الالمن اذن لہ السلطان بواسطۃ او بدونہا اما بدون ذلک فلا[2]۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اقامتِ جمعہ درست نہیں مگر اس شخص کے لئے جسے سلطان نے اجازت دی خواہ یہ اجازت بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ، اگر بغیر اجازت کسی نے جمعہ قائم کیا تو درست نہیں ۔ (ت)

تنویر و درمیں ہے :

(ونصب العامۃ) الخطیب (غیرمعتبرمع وجود من ذکر) اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ[3]۔

خطیب کو (عوام کا مقرر کرنا) (معتبر نہیں بشرطیکہ جب مذکورہ لوگ ہوں) لیکن اس صورت میں جب یہ لوگ نہ ہوں تو ضرورت کے لئے امام کا تقرر درست ہوگا (ت)

انھیں کے باب العیدین میں ہے :

(تجب صلوتھما علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطھا) فانھا سنۃ بعدھا و فی القنیۃ صلوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بمالایصح لان المصرشرط الصحۃ[4] ملخصاً ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

(عیدین کی نماز شرائطِ جمعہ کے ساتھ ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے) کیونکہ نمازِ عید ان شرائط کے بعد سنت ہے ۔ قنیہ میں ہے کہ دیہاتوں میں عید مکروہ تحریمی ہے یعنی یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شہر ہونا صحت کے لئے شرط ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۰

[2] ردالمحتار 〃 〃 مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۲

[3] درمختار 〃 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۰

[4] درمختار باب العیدین 〃 〃 〃 ۱/ ۱۱۴

مسئلہ ۱۳۲۳ ازملک بنگالہ ضلع میمن سنگھ قصبہ بنیازان ڈاک خانہ لکھی گنج مرسلہ منشی طالب حسین خاں ۲۳ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں ایک مسجد ہے جہاں لوگ بہت دنوں سے جمعہ پڑھا کرتے ہیں اگر امام مع چند لوگوں کے نمازِ جمعہ پڑھ لے تو بعدہٗ دوسرے لوگوں کو تکرارِ نمازِ جمعہ جائز ہے یا نہیں، اور اگر پڑھ لیا تو نماز اُن کی ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ایک مسجد میں تکرارِ نمازِ جمعہ ہرگز جائز نہیں

وقد اخطأ بعض العصریین من لکنؤ فی تجویز ذلك مغترا بجواز التعدد کما بیناہ فی فتاوٰنا۔

بعض معاصرینِ لکھنؤ نے اسے جائز کہہ کر غلطی کی ہے انھیں تعددِ جمعہ کے جواز سے دھوکا ہُوا ہے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کردیا۔ (ت)

جمعہ وعیدین کی امامت مثل نمازِ پنجگانہ نہیں کہ جسے چاہئے امام کردیجئے بلکہ اُس کے لئے شرط لازم ہے کہ امام ماذون من جہۃ سلطان الاسلام ہو بلاواسطہ یا بالواسطہ کہ ماذون کا ماذون ہو یا ماذون الماذون کا ماذون ہو۔

وھلم جرا بضرورۃ اوبدونھا ایضا علی اختلاف القیلین مع شرط المعلوم المبین فی کلمات العلماء الکرام۔

اور اسی طرح آگے ضرورت کی وجہ سے یا اس کے بغیر بھی اختلافِ قولین کی بنا پر باوجود دیگر علماء کرام کی عبارات میں شرط معلوم اور واضح ہے۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر بغیر اُس کی اجازت کے دُوسرا شخص امامتِ جمعہ کرے نماز نہ ہوگی۔ سراجیہ میں ہے:

لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز الا اذا اقتدی بہ من لہ ولایۃ الجمعۃ اھ[1] **اقول** ولا استثناء فان الاذن یعم الاذن دلالۃ۔

اگر خطیب کی اجازت کے بغیر نماز پڑھائی تو جائز نہیں البتہ اس صورت میں جب اس کی اقتدا کسی ایسے شخص نے کی جو جمعہ قائم کرسکتا تھا اھ **اقول** یہاں استثناء کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اجازت اس اجازت کو بھی شامل ہے جو دلالۃً ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے: واقرہ شیخ الاسلام (اسے شیخ الاسلام نے ثابت رکھا۔ ت) ہاں جہاں ماذونِ سلطان نہ باقی ہو وہاں بضرورت اقامت شعار اجتماع مسلمین کو قائم مقام اذن سلطان قرار دیا ہے

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۰

یعنی مسلمان متفق ہوکر جسے امام جمعہ مقرر کرلیں وہ مثل امام ماذون من السلطان ہوجائے گا۔ درمختار میں ہے:

نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ۔[1]

مذکورہ اشخاص کے ہوتے ہوئے عوام کا خطیب مقرر کرنا معتبر نہیں، البتہ اگر مذکورہ افراد نہ ہوں تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا۔ (ت)

اور شک نہیں کہ جو امر ضرورۃً جائز رکھا گیا وہ حدِ ضرورت سے تجاوز نہیں کرسکتا

لما عرف من القاعدۃ المطردۃ الفقھیۃ بل والعقلیۃ ان ماکان بضرورۃ فقدر بقدرھا۔

کیونکہ فقہ بلکہ عقلاً قاعدہ مسلّمہ ہے کہ جو کچھ ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے وہ ضرورت کی مقدار کے برابر ہی ہوتا ہے۔ (ت)

اور مسجد واحد کے لئے وقتِ واحد میں دو امام کی ہرگز ضرورت نہیں، تو جب پہلا امام معیّن جمعہ ہے دوسرا خود اُس کی لیاقت سے دور و مہجور تو اُس کے پیچھے نمازِ جمعہ باطل و محذور، البتہ اگر امامِ معیّن نے براہ شرارت خواہ اپنی کسی خاص حاجت کے سبب جلدی کی اور وقت معہود سے پہلے معدودے چند کے ساتھ نماز پڑھ لی عامہ جماعت مسلمین وقت معیّن پر حاضر ہُوئی تو اب ظاہراً مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ انھیں جائز ہو کہ دوسرے شخص کو باتفاق عام مسلمین امام مقرر کریں اور نمازِ جمعہ پڑھیں

لحصول الضرورۃ بالضرورۃ ولم تندفع بما فعل الامام بل لم یحصل من فعلہ ماکان نصبہ لہ فما نصب الا للعامۃ لا لعدۃ نفر کما لایخفی ولیحرر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

واضح ضرورت پائے جانے کی وجہ سے اور یہ ضرورت امام کے فعل سے پُوری نہیں ہُوئی بلکہ جس مقصد کے لئے اس کا تقرر ہوا وہ حاصل نہ ہوا وہ تو عام لوگوں کے لئے مقرر تھا نہ کہ چند لوگوں کے لئے، جیسا کہ مخفی نہیں، اسے واضح کرلینا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲۴: مرسلہ ظہور احمد از بلیتھو ڈاکخانہ چاکند ضلع گیا

جس موضع میں تین مسجدیں ہوں اور بڑی مسجد میں اُس جگہ کی سب لوگ گنجائش نہ کرسکیں اور اس جگہ سے تین میل شہر متصل ہو اُس موضع میں جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ اور اس جگہ کے لوگوں کو جمعہ پڑھنا اُس شہر میں واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ یہ جو عبارت وقایہ کی ہے کہ: مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ مصر[2] ایسی جگہ کہ بڑی مسجد میں اُس جگہ کی سب مسلمان گنجائش نہ کرسکیں جمعہ واجب ہے یا نہیں

---

[1] درمختار | باب الجمعۃ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۱۰

[2] شرح الوقایۃ | " | مکتبہ رشیدیہ دہلی | ۱/۲۴۰

یعنی مسلمان عاقل بالغ جس پر نمازِ جمعہ واجب ہے۔

الجواب

جو جگہ خود شہر نہ ہو اُس میں صحتِ جمعہ کے لئے فنائے مصر ہونا ضرور ہے، فنائے مصر حوالیِ شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصالحِ شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عیدگاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظتِ شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اُس کی چھاؤنی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچہریاں، اگرچہ یہ مواضع شہر سے کتنے ہی میل ہوں اگرچہ بیچ میں کچھ کھیت حائل ہوں، اور جو نہ شہر ہے نہ فنائے شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرضِ ظہر ذمّہ سے ساقط نہ ہوگا۔

فی تنویر الابصار والدر المختار یشترط لصحتھا المصر او فنائہ وھو ما حولہ اتصل بہ اولا کما حررہ ابن الکمال وغیرہ لاجل مصالحہ کدفن الموتی ورکض الخیل اھ[1] ملخصا، فی ردالمحتار قد نص الائمۃ علی ان الفناء ما اعد لدفن الموتی وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغیر ذلک اھ[2] وفی الدرالمختار عن القنیۃ صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحۃ[3]۔

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ صحتِ جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور فنا سے مراد وُہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے لئے ہو، خواہ متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان اھ ملخصاً، ردالمحتار میں ہے کہ ائمہ نے اس بات پر تصریح کی ہے کہ فنا سے مراد وہ میدان ہے جو دفنِ موتٰی اور شہر کی ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً گھوڑ دوڑ اور چوپایوں کے لئے، لشکر کے اجتماع کے لئے یا نشانہ بازی وغیرہ کے لئے ہو اھ، درمختار میں قنیہ سے ہے کہ دیہاتوں میں نمازِ عید مکروہِ تحریمی ہے یعنی ایسے عمل میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ صحتِ عید کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے (ت)

مصر کی یہ تعریف کہ جس کی اکبر مساجد میں وہاں کے اہلِ جمعہ نہ سمائیں اپنے ظاہر معنی پر ہمارے ائمہ کے مذہبِ متواتر کے خلاف ہے ولہذا محققین نے اسے رد فرمایا اور تصریح کی کہ اس تصریح پر خود مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ

---

[1] درمختار	باب الجمعہ	مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۱۰۹
[2] ردالمحتار	"	" مصطفی البابی مصر	۱/ ۵۹۱
[3] درمختار	باب العیدین	" مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۱۱۴

شہر سے خارج ہوئے جاتے ہیں اور ان میں جمعہ باطل ٹھہرتا ہے کہ اُن کی مساجد کریمہ اپنے اہل کی ہمیشہ سے وسعت رکھتی ہیں۔ غنیہ شرح منیہ علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

اختلفوا فی تفسیر المصر اختلافا کثیرا و الفصل فی ذلك ان مکۃ والمدینہ مصران تقام بھما الجمع من زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی الیوم فکل موضع کان مثل احدھما فھو مصر وکل تفسیر لایصدق علی احدھما فھو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتاخرین کصاحب المختار والوقایۃ وغیرھما وھو مالواجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لایسعھم فانہ منقوض بھما اذ مسجد کل منھما یسع اھلہ وزیادۃ فلا یعتبر ھذا التعریف وبالاولی ان لایعتبر تعریفہ بما یعیش فیہ کل محترف بحرفتہ اویوجد فیہ کل محترف فان مصر وقسطنطنیۃ من اعظم امصار الاسلام فی زماننا ومع ھذا فی کل منھما حرف لاتوجد فی الاخری فضلا عن مکۃ والمدینۃ[1] انتھی باختصار

تعریفِ شہر میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور فیصلہ اس میں یہ ہے کہ مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات سے لے کر آج تک جمعہ ادا کیا جاتا ہے، تو ہر وُہ مقام جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرح ہوگا وہ شہر کہلائے گا اور جو تفسیر شہر ان دونوں میں سے کسی ایک پر صادق نہ آئے گی وہ غیر معتبر ہوگی حتی کہ وُہ تعریف جیسے متاخرین کی ایک جماعت مثلاً صاحبِ مختار اور صاحبِ وقایہ وغیرہ نے اختیار کی کہ (وُہ مقام شہر ہوگا) اگر وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے لوگ جمع ہوجائیں اور مسجد میں ان کی گنجائش نہ رہے۔ ان دونوں (مکہ و مدینہ) کی وجہ سے قابلِ اعتراض ہے کیونکہ ان دونوں کی مساجد وہاں کے مقیم بلکہ اس سے زائد لوگوں کی گنجائش رکھتی تھیں لہذا یہ تعریف معتبر نہیں، اور بطریقِ اَولٰی شہر کی یہ تعریف غیر معتبر ہے کہ ہر وُہ مقام جس میں ہر کاریگر اپنی صنعت کے ساتھ ہو یا وہاں ہر قسم کا کاریگر موجود ہو کیونکہ ہمارے دور میں مصر، قسطنطنیہ مسلمانوں کے سب سے بڑے شہروں میں سے ہیں، باوجود اس کے دونوں میں سے ہر ایک میں مخصوص صنعت ہے جو دوسرے میں نہیں چہ جائیکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہو۔ غنیہ کی عبارت اختصاراً ختم ہوئی۔ (ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

وقیل مالواجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لایسعھم[2]

ایک قول یہ ہے کہ اگر وہاں کے لوگ سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو ان کے لئے کافی نہ ہو۔ (ت)

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

[2] ملتقی الابحر مع مجمع الانہر باب الجمعۃ ؍؍ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۶۶

مجمع الانہر میں ہے :

اورد بصیغة التمریض لانهم قالوا ان هذا الحد غیر صحیح عند المحققین[1] والله تعالٰی اعلم۔	صیغۂ تمریض لایا گیا ہے کیونکہ فقہاء نے فرمایا یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲۵ - ۱۳۲۶ از غازی پور محلہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :

(۱) بعد نماز جمعہ احتیاطاً ظُہر پڑھنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں ؟

(۲) خطبۂ جمعہ میں جب نام پاک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا آوے اُس وقت سامعین کو درود شریف پڑھنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) احتیاطی ظہر کی عام لوگوں کو حاجت نہیں۔

(۲) خطبے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سُن کر دل میں درود پڑھیں، زبان سے سکوت فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲۷ از بنگالہ ضلع ڈھاکہ ڈاک خانہ بلابو قصبہ نیلوکھیا مرسلہ محمد نیاز حسین ۱۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

اگر قری میں جہاں مسلمان کثرت سے ہوں اور مکانات آپس میں متصل بلا فاصلہ ہیں اگر ہے تو پندرہ یا بیس گز اور نماز پنجگانہ کے لئے مقرر ہے اذان وجماعت ہوتی ہے وہاں کے لوگ متفق ہو کر ایک شخص کو امام جمعہ مقرر کرکے نمازِ جمعہ ادا کرلیں تو علیہ ما وجب له (جو ان پر لازم ہے ۔ ت) سے بری ہوں گے یا نہیں، اور موافق مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ صحیح ہوگا یا نہیں، اور بعد نمازِ جمعہ ظہر احتیاطی پڑھنا کیسا ہے اور وہ لوگ بسبب اس جمعہ پڑھنے کے مستحق ثواب یا اثم، اور اگر اثم ہے تو کیسا ؟ بینوا بالتفصیل مع الدلیل توجروا یوم الاخر والحساب اٰمین یا رب العٰلمین (تفصیلاً دلائل کے ساتھ بیان فرما دیجئے اللہ تعالٰی آخرت میں آپ کو اجر عطا فرمائے۔ اے رب العالمین اِ دعا قبول فرما ۔ ت) صحتِ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے پس مصر کی تعریف صحیح موافق مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کیا ہے اور تعریف قری جس میں جمعہ واجب نہیں اور نہ وہاں جمعہ پڑھنا جائز کیا ہے . قری اور

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الجمعہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

میں فرق ہے یا نہیں، اگر فرق ہے تو کس میں جمعہ جائز اور کس میں ناجائز؟

الجواب

مذہب حنفی میں فرضیتِ جمعہ وصحتِ جمعہ وجوازِ جمعہ سب کے لئے مصر شرط ہے، دیہات میں نہ جمعہ فرض نہ وہاں اس کی ادا جائز وصحیح، اگر پڑھیں گے ایک نفل نماز ہوگی کہ برخلاف شرع جماعت سے پڑھی ظہر کا فرض سر سے نہ اُترے گا پڑھنے والے متعدد گناہوں کے مرتکب ہوں گے،

للاشتغال بما لا یصح[1] کما فی الدر المختار وللتنفل بجماعۃ بالتداعی ولترک جماعۃ الظھر وان ترکوا الظھر فاشنع واخنع۔

یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے، اور تداعی کے ساتھ نوافل کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور جماعتِ ظہر کا ترک لازم آتا ہے اور اگر وُہ ظہر ترک کر دیتے ہیں تو یہ نہایت ہی بُرا و قبیح عمل ہے۔ (ت)

قریہ زبانِ عرب میں شہر کو بھی کہتے ہیں،

قال تعالٰی وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیھم من اھل القری[2] ای الامصار لعلمھم وحلمھم دون البوادی لغلظھم وجفائھم وقال تعالٰی علی رجل من القریتین عظیم[3]، ای مکۃ والطائف وقال تعالٰی من قریتك التی اخرجتك[4]۔

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے "اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں کو جن پر ہم نے وحی کی اہلِ قری میں سے" یعنی شہروں سے، کیونکہ شہری لوگ صاحب علم وحلم ہوتے ہیں جبکہ اہلِ بادیہ نہایت سخت اور صاحبِ جفا ہوتے ہیں۔ (دوسرے مقام پر) اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "ان دو قریوں میں سے بڑے آدمی پر" یعنی مکّہ وطائف۔ (تیسرے مقام پر) اللہ تعالٰی نے فرمایا "تیرے اس قریہ سے جس سے تجھے نکالا"۔ (ت)

اور جب اُسے مصر کے مقابل بولیں تو اس میں اور دِہ میں کچھ فرق نہیں **ثم اقول** وبہ التوفیق (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) حق ناصح یہ ہے کہ مصر وقریہ کوئی منقولات شرعیہ مثل صلوٰۃ وزکوٰۃ نہیں

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴
[2] القرآن ۱۲/۱۰۹
[3] القرآن ۴۳/۳۱
[4] القرآن ۴۷/۱۳

جس کو شرع مطہر نے معنیٰ متعارف سے جُدا فرما کر اپنی وضع خاص میں کسی نئے معنی کے لئے مقرر کیا ہو ورنہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس میں نقل ضرور تھی کہ وضع شارع بے بیان شارع معلوم نہیں ہوسکتی اور شک نہیں کہ یہاں شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اصلاً کوئی نقل ثابت و منقول نہیں تو ضرور عرف شرع میں وہ انھیں معانی معروفہ متعارفہ پر باقی ہیں اور ان سے پھر کر کسی دوسرے معنی کے لئے قرار دینا دِہ قرار دہندہ کی اپنی اصطلاح خاص ہوگی جو مناط و مدار احکام و مقصود و مراد شرع نہیں ہوسکتی۔ محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ تعالیٰ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

واعلم ان من الشارحین من یعبر عن ھذا بتفسیرہ شرعا و یجب ان یراد عرف اھل الشرع وھو معنی الاصطلاح الذی عبرنا بہ لان الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نقلہ فانہ لم یثبت وانما تکلم بہ الشارع علی وفق اللغۃ[1]

واضح رہے کہ بعض شارحین نے اس تفسیر کو شرعی کہا ہے اور اس سے اہلِ شرع کا عرف مراد لینا واجب ہے اور اس اصطلاح کا یہی معنی ہے جس کے ساتھ ہم نے اسے تعبیر کیا اس کا یہ معنی نہیں کہ اسے شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نقل کیا ہے کیونکہ یہ تو ثابت نہیں شارع نے اس میں لغت کے مطابق تکلم فرمایا ہے۔ (ت)

اور ظاہر ہے کہ معنی متعارف میں شہر و مصر و مدینہ اُسی آبادی کو کہتے ہیں جس میں متعدد کُوچے محلے متعدد و دائمی بازار ہوتے ہیں، وُہ پرگنہ ہوتا ہے، اُس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہیں، عادۃً اس میں کوئی حاکم مقرر ہوتا ہے کہ فیصلۂ مقدمات کرے، اپنی شوکت کے سبب مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے، اور جو بستیاں ایسی نہیں وُہ قریہ و دِہ و موضع و گاؤں کہلاتی ہیں، شرعاً بھی یہی معنی متعارفہ مراد و مدارِ احکام جمعہ وغیرہا ہیں، ولہٰذا ہمارے امامِ اعظم و ہمام اقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر کی یہی تعریف ارشاد فرمائی۔ علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

فی تحفۃ الفقہاء عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ بلدۃ کبیرۃ فیھا سکك واسواق ولھا رساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما تقع

تحفہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے شہر وُہ ہوگا جو بڑا ہو اس میں سڑکیں، بازار سرائے ہوں وہاں کوئی ایسا والی ہو جو اپنے دبدبہ، اپنے علم یا غیر کے علم کی وجہ سے ظالم سے مظلوم کو انصاف دلاسکیں، حوادثات میں لوگ

---

[1] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/

من الحوادث وھذا ھوالاصح[1]۔ اس کی طرف رجوع کریں اور یہی اصح ہے۔ (ت)

ہاں اتنا ضرور ہے کہ جمعہ اسلامی حکم ہے اُس کے لئے اسلامی شہر ہونا ضرور ہے ولہذا دارالحرب میں اصلاً جمعہ نہیں اگرچہ کتنے ہی بڑے امصار عظام کبار ہوں جس میں دس دس لاکھ آدمیوں کی آبادی ہو، نہ اس وجہ سے کہ وہ شرعاً شہر نہیں، اصطلاحِ شرع میں وُہ گاؤں ہیں، حاشا یہ محض غلط ہے قیامت تک کوئی ثبوت نہیں دے سکتا کہ شرع مطہر نے کفار کے امصار کبار کو مصر و مدینہ سے خارج اور دِہ اور گاؤں بتایا ہو اس بنا پر کہ وہاں اقامتِ حدود وتنفیذِ احکامِ شرع نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جب بعثت ہُوئی مکہ معظمہ بلکہ تمام دنیا میں جیسا کفر و کافرین کا تسلط و غلبہ تھا ظاہر وعیاں ہے اور اکثر مرسلین کرام اصحابِ شرائع جدیدہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ایسے ہی شہروں میں پیدا ہوتے اور وہیں کے ساکن ہوکر اُنھیں پر مبعوث ہوتے اب کیا معاذ اللہ یہ کہا جائے گا کہ شرعاً یہ مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین دیہاتی تھے حالانکہ اللہ عزّوجل فرماتا ہے: وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیھم من اھل القرٰی[2] ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد اور شہری ہی تھے، اُن میں کوئی عورت نہ تھی نہ کوئی گنوار تھا، خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس وقت غلبۂ کفار کے سبب مکہ معظمہ سے ہجرت کی ضرورت ہُوئی اُس وقت بھی قرآن عظیم نے مکہ مکرمہ کو شہر ہی فرمایا وکاین من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتك التی اخرجتك اھلکنھم فلا ناصرلھم[3] بہتیرے شہر کو تمھارے اس شہر سے جس نے تم کو نکالا زیادہ قوت والے تھے ہم نے ہلاک کر دئے تو ان کا کوئی مددگار نہیں، بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ دارالحرب کے شہر کُفر کے شہر ہیں اور اقامتِ جمعہ کو اسلامی شہر درکار، اسی طرف نظرِ کرم فرما کر کلامِ قدما میں جبکہ اسلام کا دَور دَورہ تھا اور اسلامی شہر اسلامی احکام کے پابند تھے لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود (وہاں کوئی امیر یا قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود جاری کرسکے۔ت) واقع ہوا اس سے مقصود وہی تھا کہ اسلامی شہر کہ اُس وقت اسلامی شہر ایسے ہی ہوتے تھے، یہ معنی نہ تھے کہ تنفیذ احکام و اقامت حدود نسخ حقیقت شہر میں داخل ہے یہ نہ ہو تو شہر شرعاً شہر ہی نہ رہے گا گاؤں ہوجائے گا حالانکہ فتنۂ بلوائیان مصر میں خاص مُدینہ خلافتِ راشدہ میں چند روز تنفید احکام نہ ہوئی کیا اُس وقت مدینہ طیبہ گاؤں ہوگیا تھا اور اس میں جمعہ پڑھنا حرام و باطل ہُوا تھا؟ حاشا ہرگز ایسا نہیں، خود یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایام فتنہ میں اقامتِ جمعہ ہوگی اور شہر شہریت سے خارج نہ ہوگا، ولہذا ردالمحتار میں فرمایا:

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

[2] القرآن ۱۲/ ۱۰۹

[3] القرآن ۴۷/ ۱۳

لومات الوالی او لم یحضر لفتنۃ و لم یوجد احد ممن لہ حق اقامۃ الجمعۃ نصب العامۃ لھم خطیبا للضرورۃ کما سیأتی مع انہ لا امیر ولا قاضی ثمہ اصلا، وبھذا ظھر جھل من یقول لا تصح الجمعۃ فی ایام الفتنۃ مع انھا تصح فی البلاد التی استولی علیھا الکفار کما سنذکرہ فتامل۔[۱]

اگر والی فوت ہوگیا یا فتنہ کی وجہ سے آ نہیں سکتا اور وہاں کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو جمعہ کی امامت کا حقدار ہے تو پھر ضرورت کی وجہ سے خطیب مقرر کرسکتے ہیں جیساکہ عنقریب آرہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ کہ وہاں کبھی قاضی یا امیر نہ ہو، اس سے اس شخص کی جہالت بھی واضح ہوگئی جو کہتا ہے کہ فتنہ کے دنوں میں جمعہ صحیح نہیں حالانکہ جمعہ ان شہروں میں درست ہے جن پر کفار کی ولایت ہو جیساکہ ہم عنقریب بیان کریں گے، پس غور کیجئے۔ (ت)

اس تعریف میں الفاظ ینفذ ویقیم (نافذ کرے اور قائم کرے۔ ت) موہم فعلیت تھے جس سے بعض کبراء کو دھوکا ہُوا جسے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد یقدر علی الانصاف (وہ انصاف پر قادر ہو۔ ت) نے زائل کردیا کما بینہ فی الغنیۃ ورد المحتار وغیرھما من الاسفار (جیسے کہ یہ بات غنیہ اور رد المحتار وغیرہ جیسی کتب میں ہے۔ ت) اور حقیقۃً غور کیجئے تو ارشادِ امام میں علمہ او علم غیرہ (اپنے علم یا غیر کے علم کی بناء پر۔ ت) کہ مفید تقیید اسلام والی ہے یہ بھی اُسی زمانے کی حالت کے مطابق تھا اُس وقت میں اور اُس کے بعد صدہا سال تک اس کی نظیر قائم نہ ہُوئی تھی کہ شہر دار الاسلام ہو اور حاکم کافر، ولہذا نظر بحالت موجودہ اسلامیت شہر واسلام شہریار میں تلازم تھا اُن بندگانِ خدا کے خواب میں بھی یہ خیال نہ گزرتا ہوگا جو آج آنکھوں کے سامنے ہے کہ شہر دار الاسلام اور اس پر کفار حکام ورنہ حقیقۃً صرف اُسی قدر درکار ہے کہ اسلامی شہر ہو اگرچہ والی کافر ہی ہو، ولہذا جامع الرموز میں زیرِ قول ماتن شرط لادئھا المصر والسلطان (ادائے جمعہ کے لئے شہر اور سلطان کا ہونا شرط ہے۔ ت) فرمایا:

الاطلاق مشعر بان الاسلام لیس بشرط۔[۲] اطلاق بتاتا ہے کہ اسلام شرط نہیں۔ (ت)

مبسوط ومعراج الدرایہ وجامع الفصولین وہندیہ وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

فلو الولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ اگرچہ والیِ شہر کافر ہو مسلمانوں کے لئے جمعہ کا

---

[۱] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۰

[۲] جامع الرموز فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ ، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۳

الجمعۃ[1] قیام جائز ہے۔ (ت)

تو آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ صرف اسلامی شہر ہونا درکار ہے تنفیذ احکام یا اقامتِ حدود یا اسلام والی کچھ شرط نہیں اور بحمد اللہ تعالٰی ہم نے اپنے فتاوٰی میں دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ تمام ہندوستان سرحد کابل سے منتہائے بنگالہ تک سب دارالاسلام ہے تو یہاں جتنے شہر و قصبات میں (جن کو شہر و قصبہ کہتے ہیں اور وہ ضرور ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں متعدد محلے، متعدد دائمی بازار ہیں، وہ پرگنہ ہیں اُن کے متعلق دیہات ہیں، اُن میں ضرور کوئی حاکم فصلِ مقدمات کے لئے مقرر ہوتا ہے جسے ڈگری ڈسمس کا اختیار ہے نہ فقط تھانہ دار کہ وہ کوئی حاکم نہیں صرف حفاظت اور تحقیقات یا چالان کا مختار ہے) وہ ضرور سب اسلامی شہر ہیں اور ان میں جمعہ فرض ہے اور انھیں میں جمعہ صحیح ہے اُن کے علاوہ جتنی آبادیاں ہیں گاؤں ہیں اگرچہ مکانات پختہ اور مسلمان و مساجد بکثرت ہوں اُن میں نہ جمعہ فرض نہ جائز نہ صحیح، یہ حق تحقیق و تحقیقِ حق ہے جس سے سرِ مُو تجاوز نہیں، یہ تعریف کہ جس کی سب سے بڑی مسجد میں اُس کے سُکّانِ اہلِ جمعہ نہ سمائیں اگر بطورِ تعریف مانی جائے تو صریح باطل ہے جس پر وُہ اعتراضات قاہرہ وارد ہیں جن کا جواب اصلاً ممکن نہیں اور اگر کچھ اور نہ ہو تو یہی کیا کم ہے کہ اس تعریف پر خود مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ گاؤں ٹھہرے جاتے ہیں اور اُن میں جمعہ معاذ اللہ حرام و باطل قرار پاتا ہے اکبر مساجد (وہاں کی سب سے بڑی مسجد۔ت) کو اپنے ظاہر پر رکھیں اور اُن میں متعدد مساجد صغیر و کبیر اور اُن سب میں اکبر ہونا شرط کریں جب تو مکہ معظمہ کا شہر نہ ہونا صراحۃً واضح کہ مکہ معظمہ میں سوا مسجد الحرام کے کوئی مسجد صدہا سال تک نہ تھی اور عجب نہیں کہ اب بھی نہ ہو۔ نور العین و ردالمحتار کتاب الوقف میں ہے:

لا مسجد فی مکۃ سوی المسجد الحرام[2] (مکہ میں مسجد حرام کے علاوہ کوئی مسجد نہیں۔ت)

اور اگر ایک ہی مسجد پر قناعت کریں اور مجازاً ٹھہرالیں کہ جب یہی ایک مسجد ہے تو یہی اکبر مساجد ہے تو اوّل تو یہ کس قدر مقاصد شرع مطہر سے دور و مہجور ہے، ایک عظیم اسلامی شہر جس میں لاکھ مسلمان مرد مقاتل رہتے ہیں اُس میں ایک مسجد فرض کیجئے جس میں لاکھ سے زائد یا صرف لاکھ آدمی آسکیں اور ایک گمنام پہاڑ کی نلی میں بن کے کنارے دو جھونپڑیاں وحشی جنگلیوں کی ہوں جن میں آٹھ دس مرد رہتے ہیں اور انھوں نے ایک چبوترہ چند گز کا بنا لیا ہے جس میں سات آدمیوں کی گنجائش ہے آگے امام اور پیچھے تین تین آدمیوں کی دو صفیں، تو لازم ہے کہ وہ شہر عظیم الشان گاؤں ہو اور اس میں جمعہ حرام، اور یہ کوردہ مصر جامع و مدینہ عظیمہ ہو اور اس میں جمعہ فرض، کیا ارشادِ حدیث

۱؎ ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۵
۲؎ ״ کتاب الوقف ״ ״ ״ ۳/۴۲۱

لاجمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ۔[1]

مصر جامع اور بڑے شہر کے علاوہ کسی جگہ نہ جمعہ ہوسکتا ہے نہ تکبیراتِ تشریق، نہ نمازِ عید الفطر اور نہ نمازِ عید الاضحٰی۔ (ت)

کا یہی منشا ہے، حاشا وکلا معہذا ایسا ہو تو دن میں چھ چھ بار مصریت وقرویت پلٹا کھائے، ایک بستی میں سَو اہلِ جمعہ رہتے ہیں اور اس کی اکبر مساجد میں اتنے آدمیوں کی وسعت ہے تو گاؤں ہے، پہر دن چڑھے ان میں ایک لڑکا بالغ ہُوا تو وہ شہر ہوگیا کہ اب اس مسجد میں وہاں کے اہلِ جمعہ کی وسعت نہ رہی، دوپہر کو ایک شخص وہاں سے سکونت چھوڑ کر چلا گیا تو پھر گاؤں ہوگیا کہ اب پھر وسعت ہوگئی پہر دن رہے ایک غلام آزاد ہوا تو پھر شہر ہوگیا کہ وسعت نہ رہی، شام کو ایک شخص مرگیا تو پھر گاؤں ہوگیا، عشاء کو ایک مجنون ہوش میں آگیا تو پھر شہر ہوگیا، آدھی رات ایک شخص کی آنکھیں جاتی رہیں تو پھر گاؤں کا گاؤں رہا وعلٰی ہذا القیاس، بلکہ فرض کیجئے کہ ابھی وُہ شہر تھا اور جمعہ فرض تھا مسلمان جمعہ کے لئے جمع ہُوئے امام خطبہ پڑھ رہا ہے کہ خبر آئی فلاں مرگیا اب جمعہ حرام ہوگیا خطبہ بے کار گیا کہ شہر گاؤں ہوگیا، امام نے خطبہ چھوڑا اور اعلان ہُوا کہ بھائیو ظہر کی نیت باندھو، تکبیر ہوتی ہی تھی کہ ایک لڑکے نے کہا میری آنکھ لگ گئی تھی احتلام ہوگیا، وُہ نہانے کو گیا یہاں امام پھر خطبہ کو جائے کہ اب یہ پھر شہر ہے اور پہلا خطبہ کہ بوجہ زوال محلیت بیکار ہوگیا تھا پھر اعادہ کرے ابھی دوسرے خطبہ تک نہ پہنچا تھا کہ خبر آئی فلاں کی آنکھیں جاتی رہیں اب امام پھر اترے اور ظہر کا اعلان دے، تکبیر ہو رہی ہے کہ صف میں سے ایک مسافر نے اُٹھ کر کہا صاحبو! کیوں جمعہ کھوتے ہو میں یہاں چندروز کے لئے آیا تھا مگر اب یہیں کا ساکن ہوگیا امام سے کہئے پھر سہ بارہ خطبے کو جائے۔ اس الٹ پھیر میں معلوم نہیں کہ عصر کا وقت آنے تک جماعت کو جمعہ نصیب ہو یا ظہر، یہ سب خوبیاں اس تعریف کی ہیں اور ان سب سے قطع نظر کیجئے تو دونوں بلد کریم مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی مساجد طیبہ قطعاً وہاں کے اہلِ جمعہ بلکہ اُن سے بدرجہا زائد کی وسعت رکھتی ہیں جیسا کہ بحمد اللہ تعالٰی آنکھوں سے مشاہدہ ہے تو وہ دونوں شہر کریم معاذ اللہ گاؤں ہوئے اور ان میں جمعہ حرام ٹھہرا، اس سے زیادہ شناعت اور کیا ہوگی، اور یہ وسعت آج کی نہیں زمانۂ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھی تھی، تو معاذ اللہ زمانۂ اقدس سے وُہ گاؤں ہی تھے اور اُن میں جمعہ حرام تھا مگر ہوتا تھا، اب یہ منتہائے شناعت کبرٰی ہے جس سے مافوق متصور نہیں۔ جامع ترمذی شریف میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رحم اللّٰہ عثمٰن زاد فی مسجد نا حتی وسعنا ھذا مختصر اللہ تعالٰی عثمان پر رحمت فرمائے اس نے ہماری

---

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ من قال لاجمعۃ الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۰۱

مسجد شریف بڑھادی یہاں تک کہ اُس میں ہم سب نمازیوں کی وسعت ہوگئی ۔ ظاہر ہے کہ سب نمازیوں کی وسعت ہوجانا صرف اہلِ جمعہ کی وسعت سے کہیں زیادہ ہوگی، تو معاذاللہ اس تعریف پر حاصلِ حدیث یہ ہوگا کہ اللہ تعالٰی عثمان کا بھلا کرے اس نے ہماری مسجد بڑھا کر مدینہ کو گاؤں کردیا اور اُس میں جمعہ حرام ہوگیا ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ طحطاوی علٰی مراقی الفلاح باب الاستسقاء میں ہے :

من ہو مقیم بالمدینۃ لایبلغ قدر الحاجۃ وعند اجتماع جملتھم یشاھد اتساع المسجد الشریف فی اطرافہ ، وانما شدۃ الزحام فی الروضۃ الشریفۃ وما قاربھا للرغبۃ فی زیادۃ الفضل والقرب من المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کذا فی الشرح[1]۔

جو شخص مدینہ منورہ میں مقیم ہے تمام اہلِ مدینہ کے اجتماع کے باوجود مسجد نبوی شریف کی اطراف کو خالی دیکھا جاتا ہے ، ریاض الجنۃ اور اس کے آس پاس کی جگہ پر لوگوں کا ازدحام اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے مصطفٰی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قرب اور مزید فضل نصیب ہوتا ہے ۔ اسی طرح شرح میں ہے ۔(ت)

غنیہ میں ہے :

الفصل فی ذلک ان مکۃ والمدینۃ مصران تقام بہما الجمع من زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی الیوم فکل موضع کان مثل احدھما فھو مصر وکل تفسیر لایصدق علی احدھما فھو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتأخرین کصاحب المختار والوقایۃ وغیرھما وھو مالو اجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لایسعھم فانہ منقوض بہما اذ مسجد کل منہما یسع اھلہ وزیادۃ[2]۔

فیصلہ اس میں یہ ہے کہ مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات سے لے کر آج تک جمعہ ادا کیا جاتا ہے تو ہر وُہ مقام جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرح ہوگا وُہ شہر کہلائے گا اور جو تعریفِ شہر ان دونوں میں سے کسی ایک پر صادق نہ آئے گی وُہ غیر معتبر ہوگی حتی کہ وہ تعریف جیسے متاخرین کی ایک جماعت ــــــــــ مثلاً صاحبِ مختار اور صاحبِ وقایہ وغیرہ نے اختیار کیا کہ (ہر مقام شہر ہوگا) اگر وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے لوگ جمع ہوجائیں اور مسجد میں ان

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاستسقاء مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۰۱

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعہ " سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

کے لئے گنجائش نہ رہے" ان دونوں مکّہ ومدینہ کی وجہ سے محلِ اعتراض ہیں کیونکہ ان کی مساجد وہاں کے مقیم بلکہ اس سے زائد لوگوں کی گنجائش رکھتی ہیں۔ (ت)

لاجرم علما نے تصریح فرمائی کہ یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں۔ ملتقی الابحر میں ہے:

وقیل مالو اجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لایسعھم[1]۔

بعض نے شہر کی یہ تعریف کی ہے کہ وہاں کے تمام لوگ اگر جمع ہوں تو وہاں کی سب سے بڑی مسجد ان کے لئے کافی نہیں۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

انما اورد بصیغۃ التمریض لانھم قالوا ان ھذا الحد غیر صحیح عند المحققین[2]۔

"قیل" لایا گیا ہے اس لئے کہ فقہاء نے فرمایا کہ یہ تعریف محققین کے ہاں صحیح نہیں۔ (ت)

اسی طرح شرح نقایہ وغیرہ میں ہے معہذا معلوم ہے اور خود اس تعریف کے اختیار کرنے والوں کو اقرار ہے کہ وہ روایت نادرہ خلاف ظاہر الروایۃ ہے، اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے وہ ہمارے ائمہ کا قول نہیں وُہ سب مرجوع عنہ اور متروک ہے۔ بحر الرائق میں ہے:

ماخرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[3] ملخصا

جو ظاہر الروایہ سے نکل جائے وہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ امام کا قول نہیں رہے گا۔ ملخصاً (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرحوابہ ان ماخرج عن ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لابی حنیفۃ ولا قولا لہ[4]۔

فقہا نے تصریح کی ہے کہ جو ظاہر الروایہ سے نکل جائے وہ نہ امام صاحب کا مذہب ہوتا ہے اور نہ قول (ت)

رد المحتار میں ہے:

ماخالف ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا[5]۔

جو ظاہر الروایہ کے خلاف ہو وُہ ہمارے اصحاب (احناف) کا مذہب نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] ملتقی الابحر مع مجمع الانہر باب الجمعۃ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۶
[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر " " " " " "
[3] بحر الرائق فصل یجوز تقلید من شاء الخ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۷۰
[4] فتاوٰی خیریۃ کتاب الطلاق " دار المعرفۃ بیروت ۱/۵۲
[5] رد المحتار

تو ظاہر الروایہ مصحح معتمد معمول علیہ مختار جمہور مؤید ومنصور کے خلاف ایک روایت نادرہ پر عمل وفتوی کیونکر روا۔ درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للاجماع[1]

جو قول مرجوح ہو اس پر حکم وفتوی جاری کرنا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذا لم یصحح اویقو وجھہ واولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایۃ اذا لم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ[2] انتھی ح۔

جیسا کہ امام یوسف کے قول کی موجودگی میں امام محمد کے اس قول پر فتوی جائز نہیں جس کی تصحیح نہ ہوئی ہو یا اس قول کی وجہ قوی نہ ہو اور اس کی نسبت ظاہر روایت کے خلاف فتوی دینا اور بھی باطل ہے جبکہ اس خلاف کی تصحیح نہ ہو اور یوں ہی اس قول پر جس سے رجوع کرلیا گیا ہو فتوی ناجائز ہے انتہی، ح۔ (ت)

یہ تحقیق مسئلہ ہے اور بحمد اللہ اہلِ انصاف وعلم صاف جانیں گے کہ حق اس سے متجاوز نہیں، ہم نہ اس کے خلاف عمل کرسکتے ہیں نہ زنہار زنہار مذہبِ ائمہ چھوڑ کر دوسری بات پر فتوی دے سکتے ہیں مگر دربارہ عوام فقیر کا طریقِ عمل یہ ہے کہ ابتداءً خود انھیں منع نہیں کرتا نہ انھیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند رکھتا ہے، ایک روایت پر صحت اُن کے لئے بس ہے، وہ جس طرح خدا اور رسول کا نامِ پاک لیں غنیمت ہے، مشاہدہ ہے کہ اس سے روکئے تو وہ وقتی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ارأیت الذی ینھی ٥ عبدا اذا صلی[3] ٥

کیا تم نے اُسے نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز ادا کرتا ہے۔ (ت)

سیدنا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

شیئ خیر من لا شیئ[4] (کچھ ہونا بالکل نہ ہونے سے بہتر ہے)

---

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] ردالمحتار مطلب فی حکم التقلید " مصطفی البابی مصر ۱/۵۵

[3] القرآن ۹۶/۱۰

[4] کنز العمال ذیل ادب الصلوۃ حدیث ۲۲۵۵۰ " مکتبۃ التراث بیروت ۸/۲۰۲

رواہ عنہ عبد الرزاق فی مصنفہ انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مر برجل لا یتم رکوعا ولا سجودا فقال شیئ خیر من لا شیئ[1]

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو نہ نماز کا رکوع صحیح ادا کر رہا تھا نہ سجود، تو آپ نے فرمایا: کچھ ہونا بالکل نہ ہونے سے بہتر ہوتا ہے۔ (ت)

امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک شخص کو بعد نمازِ عید نفل پڑھتے دیکھا حالانکہ بعد عید نفل مکروہ ہیں، کسی نے عرض کیا: یا امیر المومنین! آپ منع نہیں کرتے۔ فرمایا:

اخاف ان ادخل تحت الوعید قال اللہ تعالٰی ارأیت الذی ینھی ۰ عبداً اذا صلّی[2] ذکرہ فی الدر المختار۔

میں وعید میں داخل ہونے سے ڈرتا ہوں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: کیا تُونے اسے نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وُہ نماز پڑھے۔ اسے درمختار میں ذکر کیا گیا۔

اُسی سے بحرالرائق میں ہے:

(ھذا للخواص) اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولا تنفل اصلا لقلۃ رغبتھم فی الخیرات[3]

یہ خواص کا معاملہ ہے، باقی عوام کو تکبیرات کہنے اور نوافل پڑھنے سے بالکل منع نہیں کیا کرتے، کیونکہ انھیں نیکیوں کا بہت کم شوق ہوتا ہے۔ (ت)

کتاب التجنیس والمزید پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

سئل شمس الائمۃ الحلوانی ان کسالی العوام یصلون الفجر عند طلوع الشمس افنزجرھم عن ذلك قال لا لانھم اذا منعوا عن ذلك ترکوھا اصلا وادا ؤھا مع تجویز اھل الحدیث لھا اولٰی من ترکھا اصلا[4]

شمس الائمہ حلوانی سے سوال ہوا کہ عوام سُستی کرتے ہوئے طلوعِ شمس کے وقت نمازِ فجر ادا کرتے ہیں کیا ہم انھیں زجر و توبیخ کریں؟ فرمایا: ایسا نہ کرو کیونکہ اگر تم اس سے ان کو روکو گے تو نماز بالکل ترک کردیں گے نماز کا ادا کرلینا چھوڑ دینے سے بہتر ہے اور محدثین اسے جائز بھی سمجھتے ہیں۔ (ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ عبدالرزاق ذیل الصلوٰۃ حدیث ۲۲۵۵۰ مطبوعہ مکتبۃ التراث ۸/ ۲۰۲

[2] درمختار باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۵

[3] بحرالرائق " مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۰

[4] " " " " " " "

درمختار میں ہے:

لا یجوز صلوٰۃ مطلقا مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلها لانهم یترکونها والاداء الجائز عند البعض اولٰی من الترك کما فی القنیۃ وغیرها۔[1] (ملخصاً)

طلوعِ آفتاب کے بعد کوئی نماز جائز نہیں مگر عوام کو نماز پڑھنے سے فقہا نے نہیں روکا ورنہ وہ بالکل ترک کردیں گے، ہر وہ عمل جس کی ادا بعض کے نزدیک جائز ہو اس کا بجالانا ترک سے بہتر ہوتا ہے، جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فلا یمنعون افاد ان المستثنٰی المنع لا الحکم بعدم الصحۃ عندنا قولہ کما فی القنیۃ وعزاہ صاحب المصفی الی الامام حمید الدین عن شیخہ الامام المحبوبی والی شمس الائمۃ الحلوانی وعزاہ فی القنیۃ الی الحلوانی والنسفی[2] (ملخصاً)

قولہ "فقہا منع نہیں کرتے" بتلا رہا ہے کہ استثناء "نہ روکنے کا" ہے نہ یہ کہ ہمارے نزدیک عدمِ صحت کا حکم نہیں ہے۔ قولہ "جیسا کہ قنیہ میں ہے" صاحبِ مصفی نے اس کی نسبت امام حمید الدین کی طرف کی ہے اور انھوں نے اپنے شیخ امام محبوبی سے بیان کیا ہے اور اس کی نسبت شمس الائمہ حلوانی کی طرف کی ہے اور قنیہ میں اس کی نسبت حلوانی اور نسفی دونوں کی طرف کی ہے۔ (ت)

ہاں جب سوال کیا جائے تو جواب میں وہی کہا جائے گا جو اپنا مذہب ہے وللہ الحمد یہ عوام کالانعام کے لئے ہے البتہ وہ عالم کہلانے والے کہ مذہب امام بلکہ مذہب جملہ ائمہ حنفیہ کو پس پشت ڈالتے تصحیحات جماہیر ائمہ ترجیح وفتوی کو پیٹھ دیتے اور ایک روایت نادرہ مرجوحہ مرجوعہ عنہا غیر صحیح کی بنا پر ان جہال کو ردہ میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دیتے ہیں بضرور مخالفتِ مذہب کے مرتکب اور اُن جہلا کے گناہ کے ذمہ دار ہیں نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے عفو و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۲۸: از مدرسہ اسلامیہ امروہہ مرسلہ مولوی عبدالشکور صاحب ارکانی ۱۳ محرم ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں قریب تین چار سو مسلمان مرد مکلف اور اُس کے

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۱

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۳

قریب قریب بھی اتنے مرد مقیم ہیں اُس بستی میں منصفی تھانہ ڈاکخانہ شفاخانہ بازار بھی ہیں اب یہ مصر ہے یا قریہ؟ اس بستی والے پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب نہیں تو یہاں جمعہ ادا کرنے سے صلوٰۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ ہمارے ملک برہما کی آبادی میں کہیں کہیں تو مسلمان مرد مکلف ہزار دو ہزار تلک مقیم ہیں مگر ایسی بستی کم ہے اور ادنیٰ درجے میں بعض بستیوں میں دس بیس مرد مسلمان مکلف مقیم ہیں البتہ جن بستیوں میں سَو دو سَو چار پانچ سو مرد مکلف ہیں بہت ساری ہیں بعض بستیوں میں سات آٹھ سو مکلف مقیم ہیں۔ اب ان آبادیوں میں سے کوئی شہر کہلا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر سب کو گاؤں مانیں گے تو کوئی بڑے گاؤں میں بھی جمعہ اور عیدین فرض واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر واجب نہیں تو ان بستیوں میں سے کسی میں جمعہ ادا کرے تو صلوٰۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ اگر آپ بڑے گاؤں میں جمعہ درست بتائیں تو ان بستیوں میں کون سی بستی بڑی کہلائے گی؟ اس کی تشریح فرمادیں، جو آبادیوں میں کئی ایک حصے ہیں فقط زراعت وغیرہ کی میل آدھ میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک دوسرے سے بسا ہے ہر ایک کا نام بھی آپس میں جُداگانہ ہے مگر اطراف میں ایک ہی نام مشہور ہے اب کیا سب کو ملا کر ایک بڑی بستی ماننا پڑے گی یا ہر ایک کا حکم جُداگانہ ہے حتی الامکان جواب مفصّل اور مدلّل سے ہم نابیناؤں کو ہدایت فرمائیں۔

الجواب

فرضیت وصحت وجوازِ جمعہ سب کے لئے اسلامی شہر ہونا شرط ہے، جو جگہ بستی نہیں جیسے بن سمندر پہاڑ، یا بستی ہے مگر شہر نہیں جیسے دیہات، یا شہر ہے مگر اسلامی نہیں جیسے روس وفرانس کے بلاد، اُن میں نہ جمعہ فرض ہے نہ صحیح نہ جائز بلکہ ممنوع وباطل وگناہ ہے اس کے پڑھنے سے فرضِ ظہر ذمّہ سے ساقط نہ ہوگا، شہر ہونے کے لئے یہ چاہئے کہ اس میں متعدد کُوچے متعدد دائمی بازار ہوں، وُہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں کہ موضع فلاں وفلاں وفلاں پرگنہ شہر فلاں اور اُس میں کوئی حاکم ہو کہ فیصلۂ مقدمات کا اختیار من جانب سلطنت رکھتا ہو دونوں باتیں عادۃً متلازم ہیں سلطنت جسے پرگنہ قرار دیتی ہے ضرور اس میں کوئی حاکم لا اقل منصف یا تحصیلدار رکھتی ہے اور جہاں سلطنت کوئی کچہری قائم کرتی ہے اسے ضرور ضلع یا کم از کم پرگنہ بناتی ہے اور عادۃً پہلی دو باتیں بھی ان دو کو لازم ہیں، جو پرگنہ ہوتا ہے جہاں کچہری مقرر ہوتی ہے وہاں ضرور متعدد بازار متعدد کُوچے ہوتے ہیں۔

ولا عکس فقد تتعدد ولا حاکم ولا رساتیق فذکر الاولین لایغنی عن الاخیرین بخلاف الاخیرین ففیھما الکفایۃ ولذا انما بنی الامر علیھما فی اقرب الاقاویل الی الصواب۔

اس کا عکس نہیں (یعنی جہاں بازار ہوں وہاں کچہری کا ہونا ضروری نہیں، اور کبھی کُوچے وبازار متعدد ہوتے ہیں مگر حاکم اور متعلقہ دیہات نہیں ہوتے تو پہلے دو کا ذکر آخری دو کے ذکر سے کفایت نہیں کرتا برخلاف آخری دونوں کا ذکر کہ وہ کفایت کرتا ہے اسی لئے صحت کے قریب ترین قول میں معاملہ کی بنا ان دونوں پر کی گئی ہے۔ (ت)

فتاوٰی غیاثیہ پھر غنیہ شرح منیہ میں ہے:

لو صلی الجمعۃ فی قریۃ بغیر مسجد جامع و القریۃ کبیرۃ لھا قری وفیھا وال و حاکم جازۃ الجمعۃ بنوا المسجد اولم یبنوا و ھو قول ابی القاسم الصفار و ھذا اقرب الاقاویل الی الصواب[1]

اگر جمعہ بغیر جامع مسجد کے قریہ میں پڑھ لیا حالانکہ وہ قریہ بڑا تھا اور اس کے اردگرد متعدد دیہات تھے اور وہاں والی وحاکم بھی تھا تو جمعہ جائز ہے خواہ وہ مسجد بنائیں یا نہ بنائیں، شیخ ابوالقاسم الصفار کا یہی قول ہے اور یہ تمام اقوال میں سے صواب کے زیادہ قریب ہے۔ (ت)

غنیہ میں اسے نقل کرکے فرمایا:

وھو لیس ببعید مما قبلہ والمسجد الجامع لیس بشرط[2] انتھی واراد بما قبلہ ما قدم عن تحفۃ الفقہاء للامام علاء الدین السمرقندی عن الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، انہ بلدۃ کبیرۃ فیھا سکک و اسواق و لھا رساتیق وفیھا وال قال فی التحفۃ ھذا ھو الاصح[3] اھ وانما لم یکن بعیدا منہ لما قدمنا ان السکک والاسواق تلزم عادۃ للامرین المذکورین کما قال فی الغنیۃ ایضا بعد نقل ما فی التحفۃ، الا ان صاحب الھدایۃ ترک ذکر السکک والرساتیق بناء علی الغالب ان الامیر والقاضی شانہ القدرۃ علی تنفیذ الاحکام واقامۃ الحدود ولا یکون الا فی بلد

یہ قول اپنے ماقبل قول سے دُور نہیں، اور مسجد جامع ہونا جمعہ کے لئے شرط نہیں انتہی اور ماقبل قول سے وہی مراد ہے جو امام علاء الدین سمرقندی نے تحفۃ الفقہا میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے لکھا کہ وہ مقام شہر ہے جو نہایت بڑا ہو، اس میں کُوچے بازار ہوں اور اس سے متعلقہ دیہات ہوں اور اس میں کوئی والی ہو، تحفہ میں کہا یہی اصح ہے اھ اس قول کی ماقبل قول سے بعید نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عادۃً کُوچے اور بازار مذکورہ دونوں امور کو لازم ہوتے ہیں جیسا کہ غنیہ میں بھی قنیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہا البتہ صاحب ہدایہ نے کُوچے اور دیہات کے ذکر کو ترک کردیا اس بنا پر کہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ وہ امیر اور قاضی جو احکام کے نفاذ اور اقامتِ حدود کی شان

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۱
[2] " " " " " " " " "
[3] " " " " " " " " ص ۵۵۰

کذلك قال فالحاصل ان اصح الحدود ما ذکر فی التحفة لصدقه علی مکة والمدینة و انهما الاصل فی اعتبار المصریة اھ[1]

رکھتے ہیں وہ اسی طرح کے شہر میں ہی ہوتے ہیں پھر کہا اصح تعریف وہی ہے جو تحفہ میں ہے کیونکہ وہ مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ میں سے ہر ایک پر صادق آرہی ہے اور وُہ دونوں شہر کے حوالے سے اصل کا درجہ رکھتے ہیں اھ (ت)

اور شہر کے اسلامی ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ یا تو فی الحال اُس میں سلطنت اسلام ہو خود مختار جیسے بحمد اللہ تعالٰی سلطنت عُلیہ عالیہ عثمانیہ و دولتِ خداداد افغانستان حفظہما اللہ تعالٰی عن شرور الزمان یا کسی سلطنت کفر کی تابع جیسے اب چند روز سے سلطنتِ بخارا، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل (ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہی سب سے بہتر کارساز ہے۔ ت) اور اگر فی الحال نہ ہو تو دو باتیں ضرور ہیں، ایک یہ کہ پہلے اُس میں سلطنت اسلامی رہی ہو، دوسرے یہ کہ جب سے قبضۂ کافر میں آئی شعارِ اسلام مثل جمعہ و جماعت و اذان و اقامت وغیرہا کُلاًّ یا بعضاً برابر اُس میں اب تک جاری رہے ہوں جہاں سلطنتِ اسلامی کبھی نہ تھی نہ اب ہے وُہ اسلامی شہر نہیں ہو سکتے نہ وہاں جمعہ وعیدین جائز ہوں اگرچہ وہاں کے کافر سلاطین شعائرِ اسلامیہ کو نہ روکتے ہوں اگرچہ وہاں مساجد بکثرت ہوں اذان و اقامت جماعت علی الاعلان ہوتی ہو اگرچہ عوام اپنے جہل کے باعث جمعہ و عیدین بلامزاحمت ادا کرتے ہوں، جیسے کہ روس و فرانس و جرمن و پرتگال وغیرہا اکثر بلکہ شاید کل سلطنت ہائے یورپ کا یہی حال ہے۔ یونہی اگر پہلے سلطنت اسلامی تھی پھر کافر نے غلبہ کیا اور شعائر کفر جاری کرکے تمام شعائرِ اسلام یکسر اٹھا دئے تو اب وہ شہر بھی اسلامی نہ رہے اور جب تک پھر از سرِ نو ان میں سلطنت اسلامی نہ ہو وہاں جمعہ وعیدین جائز نہیں ہو سکتے اگرچہ کفار غلبہ یافتہ ممانعت کے بعد پھر بطور خود شعائرِ اسلام کی اجازت دے دیں خواہ اُن کافروں سے دوسرے کافر چھین کر اجرائے شعائرِ اسلام کر دیں کہ کوئی غیر اسلامی شہر مجرد جریان شعائرِ اسلام سے اسلامی نہیں ہو جاتا، ہاں اگر اسلامی سلطنت کے کسی کافر صوبہ نے بغاوت کرکے کسی اسلامی شہر پر تسلط کیا اور شعائرِ اسلام بالکل اٹھا دئے مگر وُہ صوبہ چار طرف سے سلطنت اسلامیہ میں محصور ہے تو وہ شہر شہر اسلامی ہی رہے گا کہ اگرچہ کافر نے شعائرِ اسلام یکسر اُٹھا دئے مگر چار سمت سے سلطنتِ اسلامیہ میں محصور ہونے کے اُس کی یہ تاریک حالت محض عارضی ہے۔

وھذہ بحمدہ تعالٰی فوائد نفیسة سمح

بحمد اللہ تعالٰی یہ نہایت ہی قیمتی فوائد ہیں جیسے ہر صاحبِ فہم

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۱

بهاالبراع لو استرسلنا فی الکلام علی دلیلها و تفاصیلها لخرجنا عن القصد مع ان اکثرها جلیة عند من له اجالة نظر فی الکتب الفرعیة واجادة فکر فی الاصول الشرعیة فلنقتصر علی نقل بعض نصوص فقهیة۔

عزت کی نظر سے دیکھے گا اور اگر ہم ان کے دلائل اور تفاصیل میں جائیں تو مقصود سے دُور چلے جائیں گے۔ علاوہ ازیں ان لوگوں پر آشکار ہیں جو کتب نفیسہ میں نظر اور اصولِ شرعیہ میں عمدہ فکر رکھتے ہیں ہم یہاں چند نصوص فقہیہ کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ (ت)

جامع الفصولین ومبسوط ومعراج الدرایہ وہندیہ وردالمحتار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے:

الحکم اذا ثبت بعلة فما بقی شئ من العلة یبقی الحکم ببقائه فلما صارت بلدة دار الاسلام باجراء احکامه فما بقی شئ من احکامه و اثارہ تبقی دار الاسلام وکل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیه اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیهم واما طاعة الکفرة فهی موادعة ومخادعة واما فی بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد[1] الخ

جب کوئی حکم کسی علت کی بنا پر ہو تو جب تک علت رہتی ہے حکم بھی باقی رہے گا تو جب کوئی شہر احکام اسلامی کے اجراء سے دارالاسلام بن گیا تو جب تک احکام و آثار میں سے کچھ نہ کچھ باقی ہوگا وہ شہر دارالاسلام ہی رہے گا اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے مسلمان والی ہو وہاں جمعہ اور عیدین کا قیام، خراج لینا، قضا کے نفاذ اور بیوگان کا نکاح جائز ہوگا کیونکہ وہاں مسلمان غالب ہیں لیکن کفار کی طاعت، غلط اور دھوکا ہے، وہ شہر جہاں کفار والی ہیں وہاں جمعہ اور عیدوں کا قیام مسلمانوں کے لئے جائز ہے الخ (ت)

شرح نقایہ میں کافی سے ہے:

دار الاسلام ما یجری فیه حکم امام المسلمین[2]۔

دارالاسلام وہ ہوتا ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو۔ (ت)

فصول عمادی میں ہے:

ان دار الاسلام لاتصیر دار الحرب اذا بقی شئ من احکام الاسلام وان زال

جب احکام اسلامی کچھ نہ کچھ باقی ہوں دارالاسلام دارالحرب نہیں بن سکتا اگرچہ اہلِ اسلام کو وہاں

---

[1] جامع الفصولین فصل فی القضا مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[2] شرح نقایہ المعروف جامع الرموز کتاب الجہاد مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ایران ۴/ ۵۵۶

غلبة اهل الاسلام[1]
اسی طرح کتبِ کثیرہ سے مستفاد ہے۔

غلبہ حاصل نہ رہے۔ (ت)

وبالجملة یشترط لدار الاسلام ابتداء اعنی صیرورة دار الحرب دار الاسلام جریان حکم سلطان الاسلام فیها وبقاء مجرد ظهور شعائر الاسلام ولو بعضا وان لم یبق الحکم ولا السلطان والله المستعان وعلیه التکلان۔

الغرض دار الاسلام ابتداءً بننے کے لئے یہ شرط ہے یعنی دار الحرب کو دار الاسلام بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہاں سلطانِ اسلام کا حکم جاری ہو اور دار الاسلام کو باقی رہنے کے لئے شعائرِ اسلامی کا باقی رہنا ضروری ہے خواہ وُہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں اگرچہ وہاں حکم اور سلطان باقی نہ ہوں اور اللہ تعالٰی ہی مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔ (ت)

درر وغرر میں ہے:

تصیر دار الاسلام دار الحرب باجراء احکام الشرك واتصاله بدار الحرب بحیث لا یکون بینهما مصر للمسلمین[2] الخ

دار الاسلام اس وقت دار الحرب بن جاتا ہے جب وہاں احکامِ شرک جاری ہوجائیں اور اس کا اتصال کسی دار الحرب سے ایسا ہو کہ ان کے درمیان مسلمانوں کا کوئی شہر نہ ہو۔ (ت)

درمنتقی میں ہے: البحر المالح ملحق بدار الحرب[3] (نمکین سمندر دار الحرب کا حکم رکھتا ہے۔ ت)

رد المحتار میں ہے:

یلحق بها البحر الملح ونحوه کمفازة لیس وراءها بلاد اسلام نقله بعضهم عن الحموی وفی حاشیة ابی السعود عن شرح النظم الهاملی سطح البحر له حکم دار الحرب[3]

نمکین سمندر دار الحرب کے ساتھ ملحق ہے۔ اور وہ جنگل بھی جس سے آگے مسلمانوں کا شہر نہ ہو، یہ بات بعض نے حموی کے حوالے سے نقل کی ہے اور حاشیہ ابی السعود میں شرح النظم الہاملی کے حوالے سے ہے کہ سطحِ سمندر کا حکم دار الحرب کا ہے۔ (ت)

---

[1] فصول عمادی

[2] درر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب المستامن مطبوعہ مطبعۃ کامل الکاملیہ فی دار سعادت مصر ۱/ ۲۹۵

[3] درمنتقی علی ہامش مجمع الانہر فصل فی ما یبقی من احکام المستامن ؍؍ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۵۹

اس تحقیق سے تمام صورِ مستفسرہ کا حکم واضح ہوگیا جو آبادیاں پرگنہ ہیں اور اُن میں کوئی کچہری ہے (نہ فقط تھانہ یا ڈاک خانہ یا شفاخانہ کہ فصلِ مقدمات کے لئے نہیں ہوتے) اور وہاں سلطنت اسلام ہے یا پہلے تھی اور جب سے غیر مسلم کا قبضہ ہوا بعض شعائرِ اسلام بلامزاحمت اب تک جاری ہیں جیسے تمام بلادِ ہندوستان و بنگالہ ایسے ہی ہیں وہ سب اسلامی شہر ہیں ان میں جمعہ فرض ہے اور جو آبادی پرگنہ نہیں اُس میں کوئی کچہری نہیں یا کچہریاں ہیں، پرگنہ ہے مگر اُس میں اسلامی سلطنت کبھی نہ ہُوئی یا تھی مگر اس کے بعد کفار نے شعائرِ اسلام یکسر بند کر دئے گو بعد کو پھر اجازت بھی دے دی ہو، وہ سب یا گاؤں ہیں غیر اسلامی شہر، اُن میں جمعہ و عیدین جائز نہیں، پڑھنے سے گناہ ہوگا اور جمعہ سے ظہر کا فرض ساقط نہ ہوگا، اب فقط یہ سوال رہا کہ ایک آدمی کے چند حصے ہیں اور اُن میں باہم بوجہ زراعت فاصلہ ہے آیا وہ ایک ہی آبادی متصور ہوگی یا متعدد؟ ظاہراً اس سوال سے سائل کا مقصود مردم شماری کا لحاظ ہے کہ ان سب کے ساکنین ملاکر اُس بستی کی مردم شماری سمجھی جائے گی یا جُدا جُدا؟ جیسا کہ تمام سوال میں اس نے تعدادِ ساکنان کا ذکر کیا ہے، مگر تحقیق جواب سے واضح ہوگیا کہ مردم شماری و تعدادِ سکان پر اصلاً نظر نہیں، جو بستی پرگنہ نہیں اُس میں فیصلۂ مقدمات کا کوئی حاکم نہیں مطلقاً گاؤں ہے اس کی مردم شماری کسی قدر ہو، اور جو پرگنہ ہے اس میں کچہری مقرر ہے وہ شہر ہے اگرچہ مردم شماری میں کم ہو، ہاں جو آبادی شرعاً شہر قرار پائے اور اس میں جمعہ فرض صحیح ٹھہرے اور اس کے گرد اور آبادیاں میل ڈیڑھ میل کی مسافت پر واقع ہوں بیچ میں زراعت ہوتی ہو وہاں ایک یہ سوال متوجہ ہوتا ہے کہ اُن ساکنانِ حوالی پر بھی جمعہ فرض، اور اُن مواضع میں اس کی ادا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا جواب قولِ محقق پر یہ ہے کہ شہر کے گرداگرد جہاں تک کوئی موضع مصالح شہر کے لئے معین کیا گیا ہو مثلاً کیمپ یا عیدگاہ یا شہر کا قبرستان، وہاں ہو وہ سب فنائے مصر ہے اس میں جمعہ صحیح اور اس کے اہل پر جمعہ فرض اگرچہ بیچ میں زراعت کا فاصلہ ہو اور اگر مصالح شہر سے اُسے تعلق نہیں اور بیچ میں فصل ہے تو وہ توابع شہر سے نہیں نہ اُس میں جمعہ صحیح نہ اُس کے ساکنوں پر فرض۔ ردالمحتار میں ہے:

قد نص الائمۃ علی ان الفناء ما اعد لدفن الموتی و حوائج المصر کرکض الخیل و الدواب و جمع العساکر والخروج للرمی و غیر ذلک، وبہ ظہر صحتہا فی تکیۃ السلطان سلیم بمرجۃ دمشق وکذا فی مسجدہ بصالحیۃ دمشق فانہا من فناء دمشق وان انفصلت عن

ائمہ نے تصریح کی ہے کہ فناء سے مراد وہ جگہ ہے جو اموات کی تدفین اور شہری ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً گھوڑے اور چارپایوں کے دوڑانے کی جگہ، لشکر گاہ اور نشانہ بازی سیکھنے کے لئے جگہ وغیرہ۔ اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ مقام مرجہ دمشق میں سلطان سلیم کے تکیہ میں جمعہ صحیح ہے اسی طرح مقام صالحیہ دمشق پر ان کی مسجد میں بھی کیونکہ وہ فنائے دمشق ہے اگرچہ

دمشق بمزارع[1] اھ مختصرا ۔ دمشق سے کاشتی زمینوں کی وجہ سے الگ ہے۔ اھ مختصراً (ت)

نیز دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وُہ بستی شہر ہو یا نہ ہو جب اُس کا ساکن تین منزل کے ارادے سے سفر کو چلا تو آیا جب اپنی خاص آبادی سے نکل جائے گا اُسی وقت سے مسافر ٹھہرائے گا اور قصر کرے گا اگرچہ وہ دوسری آبادیاں ہنوز راہ میں آنے والی ہوں یا جب اُن سب آبادیوں سے نکل جائے گا اُس وقت سے مسافر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بیچ میں فاصلہ ہے زراعتیں ہوتی ہیں تو اُن سے گزر جانے کا لحاظ نہ ہوگا اگرچہ وہ مصالح شہر ہی کے لئے مقرر کی گئی ہوں، جب اپنی آبادی سے نکل جائے گا مسافر ہو جائے گا، ہاں جہاں تک آبادی متصل چلی گئی ہو وہ موضع واحد ہے اس سے تجاوز ضرور ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

اما الفناء وھو المکان المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتی والقاء التراب فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزتہ وان انفصل بغلوۃ او مزرعۃ فلا کما یاتی بخلاف الجمعۃ فتصح اقامتھا فی الفناء ولو منفصلا بمزارع[2]۔

فناء وُہ جگہ ہے جو شہر کی ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً چوپایوں کے دوڑنے، اموات کی تدفین اور مٹی وغیرہ پھینکنے کے لئے ہو اگر شہر کے ساتھ متصل ہو، تو پھر مسافر کا اسی سے گزر جانا معتبر ہے اور اگر بمقدار غلوۃ (تیر مارنے کا انتہائی فاصلہ) یا مزرعہ (کھیت) جدا ہے تو اس کا گزرنا ضروری نہیں جیسا کہ آرہا ہے بخلاف جمعہ کے اس کا قیام فناء میں جائز ہوتا ہے خواہ وُہ مزارع کی مقدار جدا ہو۔ (ت)

نیز تیسرا سوال یہ نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ فلاں آبادی میں نہ رہوں گا پھر اپنی خاص آبادی جس میں رہتا تھا چھوڑ کر گرداگرد کی کسی آبادی میں سکونت اختیار کی تو آیا قسم سچی ہوئی یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اُن آبادیوں کے خاص خاص نام جُدا ہیں اور سب ملاکر ایک جدا نام سے تعبیر کی جاتی ہیں تو اگر اس نے وہ نام لے کر قسم کھائی جو خاص اُس کی آبادی کا تھا اور اُسے چھوڑ کر دوسری آبادی میں جا رہا جس پر وہ نام اطلاق نہیں کیا جاتا اور اس کا ساکن عرف میں اُس آبادی کا ساکن نہیں ٹھہرتا تو قسم پُوری ہُوئی اور اگر وہ نام لیا تھا جس میں یہ سب داخل ہیں جس آبادی میں اب آیا وہ اسی پہلی آبادی کا حصہ سمجھی جاتی ہے اور اس کے ساکن کو اُسی کا ساکن تصوّر کیا جاتا ہے تو قسم پُوری نہ ہُوئی کفارہ دے۔

وذلک لان مبنی الایمان علی المعنی المتفاھم فی العرف فعلیہ یدار الحکم۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

یہ اس لئے ہے کہ اقسام کا مدار اسی معنی پر ہوتا ہے جو عرفی ہو لہذا حکم کا مدار اسی پر ہوگا۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۱

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ المسافر 〃 ۱/ ۵۲۸

مسئلہ ۱۳۲۹ از گوالیار ضلع مندسور قصبہ جادو مرسلہ عبدالملک خاں ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ جادو ایک قصبہ ہے جہاں تین مسجدیں آباد ایک ہی محلہ میں قریب قریب واقع ہیں جمعہ کے روز ہر مسجد والے اپنی اپنی مسجد میں مانند صلوٰۃ خمسہ کے جمعہ پڑھا کرتے ہیں ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح جمعہ پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ جمعہ کی شرائط سے حضور سلطان ہے یا نائب یا ماذون باقامۂ جمعہ تو یہ شرط یہاں پر مفقود ہے اور ایسے مقام پر مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک شخص کو اپنا قاضی و سردار بنا کر اُس کے پیچھے جمعہ پڑھا کریں، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت کے واسطے سلطان یا اُس کے نائب ماموں کا ہونا شرط نہیں، اگر اُن سے ایک بھی نہ ہو تو بھی جمعہ صحیح ہے اور مسلمانوں کو قاضی بنانا اور اُس کے پیچھے نماز پڑھنے کی کچھ ضرورت نہیں اسی طرح اپنی اپنی مسجدوں میں بھی جمعہ پڑھنا کچھ حرج نہیں بلکہ ایک جگہ جمع ہونے میں حرج ہے امیدوار قولِ فیصل ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع ادائے جمعہ کے لئے سلطان یا اُس کے نائب یا ماذون یا ماذون الماذون **وھلم جرا** (اسی طرح آگے چلے چلو۔ت) کا اقامت کرنا باتفاق ائمہ حنفیہ شرط ہے **کتب المذھب طافحۃ بذلک** (کتبِ مذہب اس سے معمور ہیں۔ت) مگر یہ اُن شرائط سے ہے کہ محلِ ضرورت میں بخلفیت بدل ساقط ہوجاتی ہیں جیسے صحتِ نماز کے لئے وضو شرط ہے اور پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم اس کا خلیفہ و بدل ہے اور اس سے واضح تر استقبالِ قبلہ ہے کہ قطعاً شرط ہے اور بحالِ تعذر جہت تحری اُس کی نائب، یُوں ہی اقامتِ سلطان بمعنی مذکور ضرور شرطِ جمعہ ہے اور یہاں بوجہ تعذر تعیین مسلمین، قائم مقام تعیینِ سلطان ہے تو اسے شرط نہ کہنا بھی غلط اور اُس کے نہ ہونے کے سبب یہاں جمعہ صحیح نہ ماننا اُس سے زیادہ باطل و غلط اور مذہب صحیح و معتمد و مفتی بہ میں تعددِ جمعہ مطلقاً جائز ہے۔ **کما نص فی غیر ما کتاب واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۱۳۳۰ از پیلی بھیت مولانا وصی احمد صاحب محدث سُورتی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امامت پنجگانہ و امامتِ جمعہ و عیدین کا ایک ہی حکم ہے یا کیا؟ فقط

الجواب

جمعہ و عیدین و کسوف امامت نماز پنجگانہ سے بہت تنگ تر ہے، پنجگانہ میں ہر شخص صحیح الایمان صحیح القراءۃ صحیح الطہارۃ مرد عاقل بالغ غیرِ معذور امامت کرسکتا ہے یعنی اس کے پیچھے نماز ہوجائے گی

اگرچہ بوجہ فسق وغیرہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو تجوز الصلٰوۃ خلف کل بر و فاجر (ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے۔ ت) کے یہی معنی ہیں مگر جمعہ وعیدین وکسوف میں کوئی امامت نہیں کرسکتا اگرچہ حافظ قاری متقی وغیرہ وغیرہ فضائل کا جامع ہو مگر وہ جو بحکمِ شرع عام مسلمانوں کا خود امام ہو کر بالعموم اُن پر استحقاقِ امامت رکھتا ہو یا ایسے امام کا ماذون ومقرر کردہ ہو اور یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے:

اوّلاً وہ سلطانِ اسلام ہو۔

ثانیاً جہاں سلطنتِ اسلام نہیں وہاں یہ امامتِ عامہ اس شہر کے اعلم علمائے دین کو ہے۔

ثالثاً جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بمجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں، بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود ایسا امام نہ ایسے امام کا نائب وماذون ومقرر کردہ اُس کی امامت ان نمازوں میں اصلاً صحیح نہیں، اگر امامت کرے گا نماز باطل محض ہوگی، جمعہ کا فرض سر پر رہ جائے گا۔ ان شہروں میں کہ سلطانِ اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے، اعلم علمائے بلد کہ اُس شہر کے سُنّی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو نماز کے مثل مسلمانوں کے کاموں میں اُن کا امام عام ہے اور بحکمِ قرآن عظیم اُن پر اُس کی طرف رجوع اور اُس کے ارشاد پر عمل فرض ہے، جمعہ وعیدین وکسوف کی امامت وہ خود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے، اُس کے خلاف پر عوام بطورِ خود اگر کسی کو امام بنالیں گے صحیح نہ ہوگا کہ عوام کا تقرر بمجبوری اُس حالت میں روا رکھا گیا ہے جب امام عام موجود نہ ہو اُس کے ہوتے ہوئے ان کی قرارداد کوئی چیز نہیں۔ تنویر الابصار و درمختار باب الجمعہ میں ہے:

یشترط لصحتھا سبعۃ اشیاء الاول المصر وفناءہ والثانی السلطان او مامورہ باقامتھا[1]

صحتِ جمعہ کے لئے سات چیزیں شرط ہیں: ایک یہ شہر اور فناءِ شہر، دوسری سلطان یا اقامتِ جمعہ پر اس کی طرف سے کوئی مامور ہو (ت)

فتاوٰی امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۴۰ میں ہے:

اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر

جب کامل سلطان سے زمانہ خالی ہو تو معاملات علماء کے سپرد ہوں گے اور امت پر لازم ہے کہ وہ علماء کی طرف رجوع کرے اور اس وقت علماء ہی والی ہوجائیں گے اور جب ان کا کسی معاملہ پر

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۹

باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمهم فان استووا اقرع بینهم[1]۔

جمع ہونا مشکل ہوجائے تو ہر علاقہ کے لوگ اپنی طرف کے علماء کی اتباع کرلیں، اور اگر اس علاقہ میں علماء زیادہ ہوں تو ان میں زیادہ علم والے کی اتباع کریں اور اگر وہ برابر ہوں تو قرعہ ڈال لیا جائے (ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اطیعوا اللّٰه واطیعوا الرسول واولی الامر منکم[2]۔

اللہ کی اطاعت کرو، رسول اللہ کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحبِ امر ہیں۔ (ت)

ائمۂ دین فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ آیۂ کریمہ میں اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں نص علیہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المواھب وغیرہ فی غیرہ (علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں اور دیگر علماء نے اپنی کتب میں اس پر تصریح کی ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ[3]۔

مذکور لوگ (سلطان وغیرہ) ہوں تو لوگوں کا خطیب کو مقرر کرنا درست نہ ہوگا اور ان کی عدم موجودگی میں ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں و ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم یجز الا ان یکون الامام امرہ بذلك[4] واللّٰه تعالٰی اعلم۔

اگر کسی نے امام کی اجازت کے بغیر خطبہ دیا حالانکہ امام موجود تھا تو یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں جب امام نے اسے اجازت دی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۳۱ از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار تاریخ ۸ / ۱ / ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ گاؤں میں درست ہے یا نہیں؟

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثالث من انواع العلوم الثلثۃ الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] القرآن ۴/ ۵۹

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۰

[4] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۴

الجواب

جمعہ وعیدین دیہات میں ناجائز ہیں اور ان کا پڑھنا گناہ، مگر جاہل عوام اگر پڑھتے ہوں تو ان کو منع کرنے کی ضرورت نہیں کہ عوام جس طرح اللہ و رسول کا نام لے لیں غنیمت کما فی البحر الرائق والدر المختار والحدیقۃ الندیۃ وغیرھا (جیساکہ بحرالرائق، درمختار اور حدیقہ ندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳۲ تا ۱۳۳۳ از خیرآباد ضلع سیتاپور محلہ میاں سرائے مدرسہ عربیہ قدیم مرسلہ مولوی سید فخرالحسن صاحب ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

خطبہ جمعہ واعیاد کا سوائے زبان عربی خواہ فارسی ہو یا دیگر زبان میں ہو پڑھنے کی نسبت جناب مفتی سعداللہ صاحب مرحوم اپنے فتاوٰی سعدیہ میں فرماتے ہیں:

نزد امام ابوحنیفہ جائز و مکروہ بکراہت تنزیہی است۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ جائز مگر مکروہ تنزیہی ہے۔ (ت)

اور اسی جواب میں اختتام عبارت میں ہے:

اگر کسے خطبہ بقدر واجب کہ نزد صاحبین بقدر تشہد است بعربی ادا کردہ باشد خواندن ماورائش در فارسی وغیر آں نزد ایشاں مضائقہ ندارد کما فی منح الغفار شرح تنویر الابصار۔ اگر کوئی شخص خطبہ بمقدار واجب جو صاحبین کے نزدیک تشہد کی مقدار ہے عربی میں پڑھ لے اور اس کے علاوہ خطبہ کسی اور زبان میں پڑھ لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیساکہ منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے۔ (ت)

جناب مولوی عبدالحی صاحب اپنے مجموعۂ فتاوٰی کے جلد دوم میں بہت شد و مد کے ساتھ خطبہ کو زبان عربی میں سنّتِ مؤکدہ اور غیر زبان میں پڑھنے کو مکروہِ تحریمی و بدعت ضالہ تحریر فرماتے ہیں، مگر اُسی فتاوٰی کے جلد سوم میں مکروہِ تنزیہی تحریر فرماتے ہیں، لہٰذا جو خطبہ کُلاً غیر زبان میں ہو یا بعضاً مخلوط بزبان عربی و زبانِ دیگر میں ہو پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور بدعت ضالہ یا مکروہِ تنزیہی یا جائز بلاکراہت، جو حکم ہو اُس سے ہدایت فرمائی جائے، بینوا توجروا۔

(۲) خطبۂ جمعہ مصنفہ حضرت مخدوم سعدالدین عرف مخدوم شیخ سعد قدس سرہٗ خیرآبادی خلیفہ حضرت مخدوم شاہ مینا لکھنوی قدس سرہ العزیز جو منسلکہ ہذا ہے منجملہ عبارت خطبۂ مذکور کے:

چوں گفت حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم نے

بار خدا اگر گلیم بر سر کشم، گوئی یا یھا المزمل قم
اللیل الا قلیلا نصفہ۔ واگر بیروں آرم گوئی واھجرھم
ھجرا جمیلا ۔ مرا چہ باید کرد؟ فرمان آمد کہ اے محمد تو راحت
می طلبی وما از تو سرگردانی میخواہیم وتو میخواہی کہ با من حساب
حسنات بسر بری وبگوشہ نشینی وما می خواہم کہ مرا با تو و ترا
با من صد ہزار گونہ حساب بود، تو کیستی کہ خاطر جمع میخواہی
حکم بر انبیاہائے اولیں کردیم بہ پریشانی، اگر شادت
بینم، گویم ان اللہ لا یحب الفرحین[1] ۔ واگر دل تنگت
بینم، گویم ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما
یقولون[2] ۔ زہے سرگردانی کہ مشتِ خاک راست کیست
کہ دریں ماتم ومصیبت وقوف دارد؟ فریاد از محمد برخاست
یالیت رب محمد لم یخلق محمدا و فریاد
عاشقاں بریں نوع ست اے کاش نزادے پسرے
مادر عالم ، خود نہ بدی نام ونشاں پدر من ، عاقبت ایں
دنیائے مکارہ وغدارہ را پابستہ نداری کہ سلطانِ مرسلاں
ایں معاملہ بودہ است ۔

بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا اے اللہ! اگر میں کملی
سر پر لیتا ہوں تو آپ فرماتے ہیں "اے چادر اوڑھنے والے
رات کو تھوڑا قیام کر نصف رات"۔ اگر میں باہر آتا ہوں
تو آپ فرماتے ہیں" ان کو احسن طریقے سے چھوڑ دے"
مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا
کہ اے محمد! آپ راحت کے طلبگار ہیں اور ہم آپ سے
محنت وپریشانی چاہتے ہیں، آپ چاہتے ہیں کہ میری
نیکیوں کا حساب ہو اور گوشہ نشین رہوں، اور ہم چاہتے
ہیں کہ ہم تیرے ساتھ اور آپ میرے ساتھ سو ہزار قسم کا
حساب رکھیں، آپ کون ہیں جو دل کا اطمینان چاہتے ہیں
ہم نے تو سابقہ انبیاء کو پریشانی کا حکم دیا اگر میں تجھے
خوش دیکھوں گا تو کہوں گا" یقیناً اللہ تعالیٰ خوش ہونے
والوں کو پسند نہیں کرتا" اور اگر تیرے دل کو تنگ پاؤں
تو کہوں گا "ہم جانتے ہیں اس بات کو کہ آپ کا سینہ
ان کی باتوں سے تنگ ہے"۔ وہ پریشانی کتنی اچھی ہے
جو مشتِ خاک کو حاصل ہوئی ہے، کون ہے جو اس
معاملہ میں ماتم ومصیبت کا اظہار کرے؟ محمد کی طرف سے یہ فریاد ہوئی اے ربِ محمد! کاش محمد کو پیدا ہی نہ کرتا،
عشاق کی فریاد اسی طرح کی ہوتی ہے، کاش اس کائنات میں کوئی ماں بیٹا ہی نہ جنتی، یا خود میرے باپ کا نام ونشان
تک نہ ہوتا، اس مکارہ وغدار دنیا کے پاؤں تو نہیں باندھ سکتا جبکہ رسولوں کے سربراہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا
یہ معاملہ تھا۔ (ت)

اس عبارت پر ایک صاحب کو جو بنظرِ حالت زمانہ حال ذی علم خیال کئے جاتے ہیں یہ اعتراض ہے کہ اس
عبارت میں اہانت وبے حرمتی حضرت نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ہے جو باعثِ تکفیر قاری وسامعین خطبہ ہے
کیونکہ اس مضمون کا استنباط نہ کسی آیتِ قرآنی سے ہے نہ کسی حدیث سے، یہ اعتراض معترض کا صحیح ہے یا
غلط؟ اور اگر غلط ہے تو معترض کے اعتراض کا کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا

---

[1] القرآن ۲۸/۷۶ [2] القرآن ۱۵/۹۷

الجواب

خطبہ میں غیر زبان عربی کا خلط کرنا ضرور مکروہ تنزیہی وخلافِ سنّت متوارثہ ہے اور بالکل خطبہ غیر زبان میں ہونا اور زیادہ مکروہ کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) مگر اسے مکروہ تحریمی و بدعتِ ضلالت کہنا محض غلط و باطل و بے دلیل ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) یہ خطبہ پڑھنا حرام اور محض بدخواہی عوام اسلام ہے، یہ مخاطبہ ہائلہ کہ اس میں مذکور ہوا اصلاً کسی آیت یا حدیث یا اثر یا کسی کتاب معتمد معتبر میں اس کا پتا نہیں، نہ حضرت سیدنا مخدوم شیخ سعد بدھن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بروجہ صحیح اُس کا ثابت ہونا معلوم اگر ایسی ہی حکایت بے سروپا ہے جب تو اس کا واجب الرد ہونا خود ظاہر، اور اگر خطائے نساخ نہ ہو تو اس کی بے ربطی عبارت خود اس کے بطلان نسبت پر دلیل زاہر مثلاً صدر خطبہ میں افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام ومن تاب توبۃ نصوحا من التابعین (کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالٰی اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور وہ شخص جس نے خالص توبہ کرلی وُہ تابعی ہے۔ ت) خطبۂ ثانیہ میں نشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ خصوصا علی افضل الصحابۃ وافضلھم بالتحقیق (ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں خصوصاً صحابہ سے افضل اور بالیقین ان سے صاحبِ فضیلت پر۔ ت) پھر اصل مقصود خطبہ کہ لوگوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے یعنی اعمال صالحہ کی ترغیب دینا، معاصی سے روکنا، یہ خطبہ اُس سے اصلاً بحث نہیں رکھتا بلکہ صراحۃً اس کے خلاف ہے، جب ہر جمعہ جاہل لوگ سنیں گے کہ اللہ عزوجل فرما چکا ہے کہ ہرکہ گواہی دہد مرا بوحدانیت و مرترا برسالت درآید بہ بہشت بر ہر کاریکہ او باشد (جو میری وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دے دے وہ جنت میں داخل ہوگا اسکے عمل جیسے بھی ہوں) اس کا کیسا بُرا اثر اُن پر پڑے گا وہ سمجھ لیں گے کہ بس کلمہ پڑھ لینا کافی ہے اعمال فضول و مہمل ہیں پھر عوام کے سامنے یہ تین مصطلحات خاصۂ صوفیۂ کرام مثل قماربازی و قلندری و چاک دامنی وعیاری کا تذکرہ کس قدر خلاف مقاصد خطبہ ہے اور ان سب سے بدتر اور کروروں درجہ بدتر وہ تذکرہ کہ مصطفٰی سید المرسلین اکرم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خطاب ہوا تو کیستی کہ خاطر جمع می خواہی حکم برانبیائے اولین کردیم بر پریشانی (آپ کون ہیں جو دل کا اطمینان چاہتے ہیں ہم نے تو سابقہ انبیاء کو پریشانی کا حکم دیا۔ ت) اس سے صاف صاف انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی معاذ اللہ حضور پُرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضلیت ٹپکتی ہے، ایسے محاورات میں اعلٰی ہی سے استشہاد کیا کرتے ہیں، مثلاً کسی امیر سے کہیں تیری کیا حقیقت ہے سلاطین تو اس سے محفوظ نہ رہے، اور اگر تنزل بھی کیجئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اگلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء سے افضل نہ ہونا تو اس کا صاف کہنا ہے یہ کیا گمراہی نہیں، پھر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف راحت طلبی کی نسبت، اور وُہ بھی

یُوں کہ مرضیِ الٰہی کے خلاف، اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس فریاد کا انتساب کہ یالیت رب محمد لم یخلق محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اے ربِ محمد! کاش محمد کو پیدا ہی نہ کرتا۔ ت) جہال کی نگاہ سے معاذ اللہ سقوطِ عظمت کا باعث ہوگا اور عیاذاً باللہ یہ عقیدہ ہو تو ایمان ہی گیا کہ ایمان تو صرف ان کی تعظیم و محبت کا نام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر، اور ان کی خوب تعظیم و توقیر کرو۔ (ت)

غرض کسی طرح گمان نہیں کیا جاتا کہ حضرت مخدوم قدس سرہ الکریم نے یہ خطبہ تصنیف فرمایا ہو اور اگر بالفرض حضرت ممدوح سے اس کا ثبوت صحیح بروجہ معتمد ہو کہ حضرت نے یہ مخاطبہ کہیں ذکر فرمایا تو اب نظر اس میں ہوگی کہ آیا بر سبیل نقل و حکایت ہے یا بربنائے کشف و الہام۔ بر تقدیر اول جبکہ مدار روایت پر رہا تو مسئلہ علوم ظاہرہ کے دائرہ میں آگیا صحتِ سند درکار ہوگی اور کسی ولی معتمد کا کوئی نامعتمد حکایت کسی سے نقل فرمانا اس کی روایت کو صحیح و واجب الاعتماد نہ کردے گا،

وھذا ما اعتذر وابہ عن الامام محمد الغزالی قدس سرہ العالی فی ایرادہ الاحادیث الواھیۃ فی الاحیاء مع جلالۃ قدرہ فی العلوم الظاھرۃ والباطنۃ۔

یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ اہلِ علم نے امام محمد غزالی کی طرف سے اس بات پر عذر کے طور پر پیش کیا جو انھوں نے باوجود علوم ظاہری و باطنی میں عظیم ماہر ہونے کے اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں احادیث موضوعہ ذکر کی ہیں۔ (ت)

مولیٰ بحر العلوم ملک العلماء قدس سرہٗ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:

(قیل کثیرا ما یوجد عدول فی غیر الائمۃ علم من عادتھم انھم لا یروون الا عن عدل) فارسالھم ایضا یقتضی تعدیل من رووا عنھم فیکون حجۃ کارسال الائمۃ فلا فرق (اقول) لا نسلم وجود العدول بالصفۃ المذکورۃ فی غیر الائمۃ، بل العدول من غیرھم لا یبالون عمن أخذوا ورووا ألا تری ان الشیخ علاء الدولۃ السمنانی قدس سرہٗ

(کہا گیا ہے کہ غیر ائمہ میں جو اکثر عادل پائے جاتے تو ان کے معمول سے معلوم ہے کہ وہ کسی عادل ہی سے روایت کرتے ہیں) لہٰذا ان کا ارسال بھی اس کا مقتضی ہے کہ جن سے انھوں نے روایت کی ہے وہ عادل ہیں لہٰذا ان کی روایت مرسلہ ائمہ کے ارسال کی طرح ہی حجت ہوگی اور ان میں کوئی فرق نہ ہوگا (اقول) ہم غیر ائمہ میں صفت مذکورہ کے ساتھ عدل کو تسلیم نہیں کرسکتے بلکہ غیر ائمہ میں جو عادل ہیں وہ اس بات کی پروا نہیں

[1] القرآن ۴۸/۹

کیف اعتمد علی الرتن الهندی و أی رجل یکون مثلہ فی العدالۃ (و لو سلم فذلك بزعمھم و کثیرا ما یخطؤن) فیظنون غیر العدل عدلا[1] (ملخصًا)۔

کرتے کہ وہ کس سے روایت لے رہے ہیں، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شیخ علاء الدولہ سمنانی قدس سرہ نے رتن ہندی پر کیسے اعتماد کرلیا، حالانکہ ان کی مثل عدالت میں کون ہے؟ (اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو یہ ان کے زعم کے مطابق ہے حالانکہ عام طور پر وُہ خطا کرتے ہیں) پس وہ غیر عادل کو عادل گمان کرلیتے ہیں (ملخصاً)۔ (ت)

اور اگر بالفرض غلط یہ بھی تحقیق ہوجائے کہ حضرت مخدوم قدس سرہ المکتوم نے بربنائے کشف و الہام یہ مخاطبہ ذکر فرمایا تو بحمد اللہ ہم غلامانِ بارگاہِ اولیاء اُن میں نہیں کہ کشف و الہام کو باطل یا نامعتبر ٹھہرائیں احتمال خطا کشف مبتدین و اوساط میں ہوتا ہے اکابر واصلین نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم فی الدنیا و الآخرۃ والدین کا کشفِ متین و الہامِ مبین حق و صحیح ہوتا ہے، مولٰی بحر العلوم ملک العلماء قدس سرہٗ فواتح میں فرماتے ہیں:

ان تاملت فی مقامات الاولیاء و مواجید ھم واذواقھم کمقامات الشیخ محی الدین و قطب الوقت السید محی الملۃ والدین السید عبد القادر الجیلانی الذی قدمہ علی رکاب کل ولی و الشیخ سھل بن عبداللہ التستری و الشیخ ابن مدین المغربی و الشیخ ابی یزید البسطامی و سید الطائفۃ جنید البغدادی و الشیخ ابی بکر الشبلی و الشیخ عبداللہ الانصاری و الشیخ احمد النامقی الجامی و غیرھم قدس اسرارھم علمت ان ما یلھمون بہ لا یتطرق الیہ احتمال و شبھۃ بل ھو حق حق مطابق لما فی نفس الامر و یکون مع خلق علم ضروری انہ من اللہ تعالٰی لکن لا ینالون

اگر آپ اولیاء کے مقامات، وجدان اور اذواق میں غور و فکر کریں مثلاً مقاماتِ شیخ محی الدین، قطبِ وقت السید محی الملۃ والدین السید عبد القادر جیلانی جن کا مبارک قدم ہر ولی کی گردن پر ہے، شیخ سہل بن عبداللہ تستری، شیخ ابو مدین المغربی، شیخ ابویزید بسطامی، سید الطائفہ جنید بغدادی، شیخ ابوبکر شبلی، شیخ عبداللہ انصاری اور شیخ احمد النامقی الجامی وغیرہ ہیں تو آپ بالیقین جان لیں گے کہ جو کچھ انھیں الہام کیا جاتا ہے اس میں کسی قسم کا احتمال و شبہہ راہ نہیں پاسکتا بلکہ وہ حق حق اور نفس الامر کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں انھیں اس بات کا بھی علم یقینی ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے اور وہ یہ علم مقام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مدد و تائید سے پاتے ہیں بغیر واسطہ اور وسیلہ کے

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی، مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ مطبعۃ امیر قم ایران ۲/۱۷۵

هذا الوعاء من العلم الا بالمدد المحمدی و تأییدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا بالذات من غیر وسیلۃ اصلا الٰی اٰخر ما افاد واجاد علیہ رحمۃ الملک الجواد۔

نہیں پاتے الٰی آخرہ جیسا کہ انھوں نے خوب بیان کیا اور ان پر مالک وجواد اللہ کی رحمت ہو۔ (ت)

اب یہ مخاطبہ ان مقامات راز ونیاز سے ہوگا جو مولٰی وعبد ومحبوب میں ہوتے ہیں جن میں دوسرے کو دخل دینا حرام، انھیں نقل مجلس بنانا حرام، بلکہ بحالِ فساد نیت کفر صریح بلا کلام، بھلا یہ تو ایک مخاطبہ کشفیہ ہوگا، امیر المومنین ایک شخص کو کہ سورۂ عبس شریف کی تلاوت بکثرت کرتا زجر شدید فرمایا۔ امام ابن الحاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں:

قد قال علمائنا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم ان من قال عن نبی من الانبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام فی غیر التلاوۃ والحدیث انہ عصی او خالف فقد کفر نعوذ باللہ من ذلک[2]، وقد قال الامام ابو عبداللہ القرطبی رحمہ اللہ تعالٰی فی کتاب التفسیر لہ حین تکلم علی قولہ وطفقا یخصفان علیہما من ورق الجنۃ الاٰیۃ فی سورۃ طٰہٰ، قال القاضی ابوبکر ابن العربی رضی اللہ تعالٰی عنہ لا یجوز لاحد منا الیوم ان یخبر بذلک عن اٰدم علیہ الصلٰوۃ والسلام الا اذا ذکرناہ فی اثناء قولہ تعالٰی عنہ او قول نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاما ان نبتدئ ذلک من نفسنا فلیس بجائز لنا فی اٰبائنا

ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا: ہر وہ شخص جو تلاوتِ قرآن وحدیث رسول پڑھنے کے علاوہ کہے کہ فلاں نبی نے نافرمانی کی یا شریعت کی مخالفت کی وہ کافر ہو جائے گا، ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، امام ابو عبداللہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں سورہ طٰہٰ میں "وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتّے چپکانے لگے" کے تحت لکھا کہ قاضی ابوبکر ابن العربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا، ہم میں سے کسی کو اجازت نہیں کہ آج وہ حضرت آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بارے میں ایسی بات کی اطلاع دے البتہ اس صورت میں جب وہ اللہ تعالٰی کا یہ فرمان پڑھ رہا ہو یا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث مبارک، ہم اپنی طرف سے ایسے واقعات کو بیان کرنا شروع کردیں تو یہ ہم اپنے قریب اپنی نسل پہلے آباء کے بارے میں نہیں کہہ سکتے

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی بل کان یجوز لہ علیہ السلام الاجتہاد الخ مطبوعہ مطبعۃ امیر قم ایران ۲/۳۸۲

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی مولد النبی مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۲/۱۵

الادنین الینا المماثلین لنا فکیف بابینا الاقدم الاعظم الاکبر النبی المقدم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی جمیع الانبیاء والمرسلین[1] انتہی

تو اس ہستی کے بارے میں یہ کیسے جائز ہوگا جو ہمارے سب سے اقدم، اعظم، اکبر اور مقدم نبی ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی جمیع الانبیاء والمرسلین انتہی (ت)

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

الدعا بها (ای بالمغفرۃ) لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من امتہ لا ینبغی لا یہامہ القصور من المدعو لہ کالدعاء لہ بالرحمۃ واما قول اللہ تعالٰی لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر ودعاؤہ لنفسہ بالمغفرۃ فلا یقاس علیہ[2]

امت کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے دعا (برائے مغفرت) جائز نہیں کیونکہ اس میں آپ سے کوتاہی کا وہم ہوتا ہے جیسے کہ آپ کے لئے رحمت کی دعا کرنا بھی مناسب نہیں، رہا معاملہ اللہ تعالٰی کے اس ارشادِ گرامی کا کہ "اللہ تعالٰی نے معاف فرمادئے آپ کے معاملات سابقہ اور آنے والے" اور آپ کا اپنے لئے مغفرت کی دعا کرنا تو اس پر دیگر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ مدارج النبوۃ شریف میں فرماتے ہیں:

بدانکہ اینجا ادبے وقاعدہ ایست کہ بعضے از اصفیاء و از اہلِ تحقیق ذکر کردہ اند وشناخت آں ورعایت آں موجب حل اشکال وسبب سلامت حال ست و آں اینست کہ اگر از جناب ربوبیت جل وتعالٰی خطابے عتابے وسطوتے وسلطنتے واستغنائے واقع شود مثل انك لا تھدی ولیحبطن عملك ولیس لك من الامر شیئ وترید زینۃ الحیٰوۃ الدنیا وامثال آں یا از جانب نبوت عبودیتے یا انکسارے وافتقارے وعجزے ومسکنتے بوجود آید مثل انما انا بشر مثلکم اغضب کما یغضب العبد ولا اعلم

واضح رہے کہ یہاں ادب اور قاعدہ ہے جسے بعض اصفیا اور اہلِ تحقیق نے بیان کیا ہے اور اس کا جان لینا اور اس پر عمل پیرا ہونا مشکلات سے نکلنے کا حل اور سلامت رہنے کا سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی مقام پر اللہ رب العزت جل وعلا کی طرف سے کوئی خطاب، عتاب، رعب و دبدبہ کا اظہار یا بے نیازی کا وقوع ہو مثلاً آپ ہدایت نہیں دے سکتے، آپ کے اعمال ختم ہوجائیں گے، آپ کے لئے کوئی شئی نہیں، آپ حیاتِ دنیوی کی زینت چاہتے ہیں، اور اس کی مثل دیگر مقامات، یا کسی جگہ نبی کی طرف سے

---

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی مولد النبی مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۶

[2] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی کیفیۃ الصلوٰۃ علیہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۴۸۵

ماوراء هذا الجدار وما ادری ما یفعل بی ولا بکم و مانند آں ما را نباید دراں دخل کنیم او اشتراک جوئیم و انبساط نمائیم بلکہ بر حد ادب وسکوت و تحاشی توقف نمائیم خواجہ را می رسد کہ با بندۂ خود ہرچہ خواہد بگوید و بکند و استعلاء و استیلا نماید و بندہ نیز با خواجہ بندگی و فروتنی کند دیگرے راچہ مجال یارائے آنکہ دریں مقام در آید و دخل کند و حدِ ادب بیروں رود ایں مقام پالغز بسیارے از ضعفا و جہلا و سبب تضرر ایشاں است و من اللہ العصمۃ والعون[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

عبدیت، انکساری، محتاجی و عاجزی اور مسکینی کا ذکر آئے مثلاً میں تمھاری طرح بشر ہوں، مجھے اسی طرح غصہ آتا ہے جیسے عبد کو آتا ہے اور میں نہیں جانتا اس دیوار کے اُدھر کیا ہے، میں نہیں جانتا میرے ساتھ اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور اس کی مثل دیگر مقامات۔ ہم امتیوں اور غلاموں کو جائز نہیں کہ ان معاملات میں مداخلت کریں، ان میں اشتراک کریں اور اسے کھیل بنائیں، بلکہ ہمیں پاسِ ادب کرتے ہوئے خاموشی وسکوت اور توقف کرنا لازم ہے، مالک کا حق ہے کہ وُہ اپنے بندے سے جو چاہے فرمائے، اس پر اپنی بلندی وغلبہ کا اظہار کرے۔ بندے کا بھی یہ حق ہے کہ وُہ اپنے مالک کے سامنے بندگی اور عاجزی کا اظہار کرے، دوسرے کی کیا مجال کہ وہ اس میں دخل اندازی کرے اور حدِ ادب سے باہر نکلنے کی کوشش کرے، اس مقام پر بہت سے کمزور اور جاہل لوگوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں جس سے وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں، اللہ تعالٰی محفوظ رکھنے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳۴ از افریقہ جوہانس برگ مرسلہ محمد ابراہیم صاحب شافعی ۱۳ شعبان ۱۳۲۷ھ

امام حنفی ہے اور مقتدی شوافع بھی ہیں اگر خطبۂ اُولٰی جمعہ میں امام اوصیکم بتقوی اللہ نہ پڑھے اور درود شریف نہ پڑھے تو شوافع کی نماز تام ہوگی یا نہیں ؟

الجواب

مذہب شافعی پر شافعی کی نماز نہ ہوگی کہ وصیت و درود اُن کے نزدیک ارکانِ خطبہ سے ہیں اور خطبہ بالاتفاق شرطِ صحت نمازِ جمعہ، جب رُکن فوت ہُوئے خطبہ نہ ہوا، جب خطبہ نہ ہوا نماز نہ ہُوئی۔ کتاب الانوار میں ہے :

لصحۃ الجمعۃ وراء الشروط العامۃ شروط الٰی ان قال السابع خطبتان قبل الصلوٰۃ وارکانھما خمسۃ حمد اللہ تعالٰی الثانی

صحتِ جمعہ کے لئے شروطِ عامہ کے علاوہ شروط ہیں، ساتویں شرط یہ ہے کہ نماز سے پہلے دو خطبے ہوں اور اس کے ارکان پانچ ہیں ایک اللہ تعالٰی کی حمد، دُوسرا

---

[1] مدارج النبوۃ وصل در ازالہ شبہات از بعضے آیات مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۸۳

الصلٰوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الثالث الوصیۃ بالطاعۃ والتقوٰی[1] اھ ملتقطا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں درود و سلام، تیسرا طاعت وتقوٰی کی نصیحت اھ ملتقطا (ت)

اُسی میں ہے:

لصحۃ الاقتداء شروط الاول ان یکون الامام متطھرمسلما الثانی ان تصح صلوتہ باعتقاد المامومر فلو اقتدی الشافعی بالحنفی وقد مس فرجہ اوترك البسملۃ او الحنفی بالشافعی الذی افتصد او احتجم ولم یتوضأ بطلت صلوتہ[2] اھ مختصرا۔

صحتِ اقتداء کے لئے شروط ہیں، اول یہ کہ امام مسلمان طاہر ہو، دوسرا یہ کہ اس کی نماز مقتدی کے اعتقاد کے مطابق درست ہو، اگر شافعی نے کسی حنفی کی اقتدا کی تو امام نے شرمگاہ کو چھُو لیا یا اس نے بسم اللہ ترک کر دی، یا حنفی نے ایسے شافعی کی اقتدار کی جس نے رگ کٹوالی یا پچھنے لگوائے اور وضو نہ کیا تو اقتداء کرنے والے کی نماز باطل ہوجائے گی اھ اختصاراً (ت)

فتاوٰی امام ابن حجر مکی شافعی میں ہے:

ان علم انھم یترکون بعض الارکان او الشروط لم تصح منھم جمعۃ فلا یجوز لاحد ان یصلی معھم[3] (ملخصاً)

اگر یہ جان لیا گیا ہو کہ اُنھوں نے بعض ارکان یا شرائط کو ترک کر دیا ہے تو ان کا جمعہ صحیح نہ ہوگا لہذا ان کے ساتھ جمعہ کی ادائیگی درست نہ ہوگی اھ (ملخصاً)

ترکِ درود تو سخت تر ہے، درودِ خطبہ میں اگر نامِ اقدس نہ لیا ضمیر پر اکتفا کی مثلاً صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، تو امام مذکور نے بطلانِ خطبہ و نماز ثابت کیا، اسی طرح اُن کے شیخ حضرت شیخ الاسلام زکریا انصاری قدس سرہٗ نے شرح بہجہ و شرح روض و شرح منہج میں فرمایا کما ھو مذکور کلہ فی فتاواہ الکبرٰی (جیسا کہ یہ تمام ان کے فتاوٰی الکبرٰی میں مذکور ہے۔ ت) آدمی کہ تنہا نماز پڑھے اُسے بالاجماع مستحب ہے کہ جملہ ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذاہب کی حتی الامکان رعایت رکھے، اور حتی الامکان کے یہ معنی کہ جہاں تک اُس کی رعایت میں اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے کما نص علیہ فی غیر ما موضع فی رد المحتار وفی المسلك المتقسط للملا علی القاری وغیرھما (جیسے کہ اس پر رد المحتار اور المسلک المتقسط للملا علی قاری وغیرہ میں متعدد مقامات پر

---

[1] و [2] کتاب الانوار

[3] فتاوٰی کبرٰی فقہیہ ابن حجر مکی باب صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۳۹

تصریح ہے۔ ت) نہ کہ وُہ امور جو اپنے مذہب میں مسنون و مستحب اور دوسرے مذہب ائمہ حق میں فرض ہوں کہ اب تو اس کا ترک سخت جہالت، نہ کہ امام کہ دوسرے مذہب کے اہلِ سنّت بھی اس کے مقتدی ہوں اُسے تو حتی الوسع اُس مذہب کی رعایت کمال مہم و مؤکد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۳۵ ازبریلی محلہ بہاری پور مسئولہ جناب نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۸ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

جمعہ کے دن چند آدمیوں نے مل کر مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی بعدہٗ اور دس بارہ آدمی آگئے انھوں نے بھی اذان و اقامت خطبہ کے ساتھ اُسی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کی پھر دس بارہ آدمی آگئے اُنھوں نے بھی ایسا ہی کیا، تو دوسری تیسری جماعت والوں کا جمعہ ادا ہو لیا یا نہیں، فقط، بینوا توجروا

الجواب

نمازِ جمعہ وعیدین مثل عام نمازوں کے نہیں کہ جسے امام کر دیا نماز ہوگئی، اُن کے لئے ضرور ہے کہ امام خود سلطانِ اسلام ہو یا اس کا مقرر کردہ، اور یہ نہ ہوں تو بضرورت وہاں کے عام مسلمانوں نے جسے امامتِ جمعہ کے لئے معیّن و مقرر رکیا ہو، تو ان تینوں جماعتوں میں جس کا امام امامِ معیّن و مقرر کردہ جمعہ تھا اُس کی اور اُس کے مقتدیوں کی نماز ہوگئی باقیوں کی نہیں، اور اگر کسی کا امام ایسا نہ تھا تو کسی کی نہ ہوئی، مثلاً سرِراہ مسجد ہے دس بارہ راہگیر گزرے ایک نے آگے ہو کر نمازِ جمعہ پڑھائی پھر کچھ اور آئے اُنھوں نے بھی ایسا ہی کیا یوں ہی دس بیس جماعتیں ہُوئیں جمعہ ایک کا بھی نہ ہوا اور فرضِ ظہر سب کے ذمّہ رہا۔ درمختار میں ہے:

الجمعۃ یشترط لصحتھا السلطان اوماموره باقامتھا ونصب العامۃ غیر معتبر مع وجود من ذکر امامع عدمہ فیجوز للضرورۃ اھ[1] ملتقطا واللہ تعالیٰ اعلم۔

صحتِ جمعہ کے لئے سلطان یا اس کا مقرر کردہ برائے اقامتِ جمعہ کا ہونا ضروری ہے، مذکورہ افراد کے ہوتے ہوئے عوام کا مقرر کرنا معتبر نہیں اور اگر مذکور اشخاص نہیں تو ضرورت کے لئے عوام کا تقرر جائز ہوگا اھ مختصراً۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳۶ ازگنور تحصیل سونی پت ضلع رہتک مرسلہ حافظ احمد حسین صاحب امام مسجد ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے روز امامِ اول کا خطبہ پڑھ کے جلسہ کرنا ہے اُس جلسہ میں ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا مذہبِ حنفی میں جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ناجائز ہے تو کس درجہ کا، مکروہ تنزیہی یا مکروہِ تحریمی؟ زید درمیان خطبتین کے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا بدعت اور حرام بتاتا ہے، یہ عقیدہ

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹ و ۱۱۰

زید کا موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں ؟

الجواب

زید کا قول باطل ہے ، دونوں خطبوں کے بیچ میں امام کو دُعا مانگنا تو بالاتفاق جائز ہے بلکہ خود عین خطبہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مینہ کے لئے دونوں دستِ انور بلند فرما کر دُعا مانگنا کُتبِ صحاح میں موجود ہے ، مقتدیوں کے بارہ میں مذہبِ حنفی میں اختلاف ہے ، امام ابویوسف وامام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما بلاشبہہ اُن کے لئے بھی جائز فرماتے ہیں ، اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو روایتیں آئیں ، ایک مطابق قولِ صاحبین کہ امام کے نزدیک بھی مقتدیوں کو بین الخطبتین دعا مانگنا جائز ہے ، امام سغناقی نے نہایہ وامام اکمل الدین بابرتی نے عنایہ شروح ہدایہ میں فرمایا : ھو الصحیح یہی صحیح ہے ۔

سننہا خمسۃ عشرۃ ، رابعتہا التعوذ فی نفسہ قبل الخطبۃ سادستہا البدایۃ بحمد اللہ تعالٰی الخ[1] ملخصًا ۔

اس کی پندرہ سنتیں ہیں ، چوتھی یہ کہ خطبہ سے پہلے دل میں تعوذ کا پڑھنا ، چھٹی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے ابتدا کرنا الخ ملخصًا (ت)

پھر یہ کوئی ایسا امر نہیں جس پر تشدّد ضروری ہو ، بہ نرمی سمجھایا جائے اگر نہ مانے تو گروہ بندی واثارتِ فتنہ کی حاجت نہیں والفتنۃ اکبر من القتل (فتنہ قتل سے بڑا ہے ۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۳۳ از جیل کانپور مرسلہ کلن خاں جمعدار ۱۲ شوال ۱۳۳۱ھ

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد عرض تسلیم بصد تعظیم گزارش ہے کہ جیل میں جہاں پانچ چھ سو آدمی قیدی و حوالاتی اور ملازمین رہتے ہیں نمازِ جمعہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں ؟ جہاں پر صوم وصلوٰۃ کی جماعت کو عام اجازت ہے اس میں روک ٹوک نہیں مگر باہر کے لوگ بغیر اجازت اندر نہیں آسکتے نہ اندر کے باہر جاسکتے ہیں ، پس جو مسلمان اندر جیل کے ہیں اور جن کی تعداد سو سے زائد ہے جمعہ کے روز جماعت سے نمازِ جمعہ ادا کریں یا نماز ظہر کی امید کہ بوالیسی ڈاک جواب سے سرفرازی بخشی جائے ۔ زیادہ حدِ آداب !

الجواب

جمعہ کی ایک شرط اذنِ عام ہے ، جیل میں کوئی نہیں جاسکتا تو اُس میں نمازِ جمعہ ناممکن و باطل ہے اور ظہر کی جماعت بھی اُن کو جمعہ کے دن جائز نہیں جبکہ جیل حدودِ شہر میں ہو ، بلکہ ہر شخص تنہا ظہر پڑھے ملازم ہو یا ماخوذ ، ہاں جیل بیرونِ شہر ہو تو ظہر بجماعت پڑھیں ، تنویر الابصار میں ہے :

---

[1] بحرالرائق باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۷

يشترط لصحتها الاذن العام فلودخل امير حصنا و اغلق بابه وصلى باصحابه لم تنعقد[1]

صحتِ جمعہ کے لئے اذنِ عام شرط ہے، اگر کسی امیر نے قلعہ میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا اور اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھایا تو یہ جمعہ منعقد نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

كره تحريما لمعذور و مسجون و مسافر اداء ظهر بجماعة فى مصر قبل الجمعة وبعدها[2] وھو سبحنه و تعالٰى اعلم۔

شہر میں معذور، قیدی اور مسافر کے لئے جمعہ سے پہلے اور بعد نمازِ ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ وہو سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جہاں پر حکم مصر رکھتا ہے اور بنا بر قول معتبر کے وہاں جمعہ ہوتا ہو اُن میں احتیاط ظہر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کو نہیں پڑھتے ہیں جمعہ پڑھنے سے ظہر ساقط ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر اس کا ثبوت شرع میں ہو تو اس کو کس نیّت سے پڑھنا چاہئے اور جو اُس کا مانع ہو از رُوئے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ بينوا بالدلائل الشرعية و توجروا بالبراهين العقلية (دلائل شرعیہ سے بیان کرو اور براہینِ عقلیہ سے اجر پاؤ۔ ت)

الجواب

بلاشبہہ جو اسلامی مصر ہو اور وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو اور امام میں کوئی شبہہ ناجوازیِ امامت کا نہ ہو وہاں احتیاطی ظہر پڑھنا ممنوع و بدعت ہے مگر یہ بات آج عامۂ بلاد میں کہیں نہیں سوا حرمین شریفین وغیرہما بعض بلاد کے، یُونہی جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو، جس نے سب سے اوّل جماعت میں پڑھا اسے احتیاطی ظہر کی اجازت نہیں، اور جہاں مصریت میں شبہہ ہو یا امام یا اس کی ماذونیت میں یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور اپنی جماعت سب سے پہلے ہونا معلوم نہیں وہاں اگر شبہہ ضعیف ہے احتیاطی ظہر مستحب ہے اور قوی ہے تو واجب، مگر اس کا حکم خواص کے لئے ہے عوام کو حاجت نہیں تحملا للضرر الادنى مخافة الاقوى (بڑے ضرر سے ڈرتے ہوئے ادنٰی ضرر کو برداشت کرتے ہوئے۔ ت) خواص یہ نیت کریں کہ پچھلی وہ ظہر جو میں نے پائی اور ادا نہ کی، اور یہ خطرہ بھی نہ آنے پائے کہ جمعہ ہوگیا تو یہ میرے نفل ہیں ورنہ فرض، نہ جمعہ کی نیت کے وقت تردّد ہو کہ تردّد منافیِ نیت ہے، جو منع کی جگہ منع کرتا ہے حرج نہیں اور جو استحباب کی جگہ منع کرتا ہے احمق ہے اور وجوب کے

---

[1] تنویرالابصار مع درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۲
[2] درمختار " " " " " "

محل پر منع کرتا ہے تو گنہگار ہے وتفصیل المسألۃ فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق (مسئلہ کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے اور یہ اللہ کی توفیق سے ہے۔ ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳۹: نیٹھور ضلع بجنور مرسلہ محمد عبدالحی سوداگر جفت ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

جس جامع مسجد میں ایسا امام نماز پڑھاتا ہو جو صاحبِ جائداد ہے اور دوسری جائداد سودی روپیہ لے کر خریدی اور اس کے بدلنے کو چند اشخاص اہلِ شہر جن کا زور زیادہ ہے پسند نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی اس بابت ذکر بھی کرے تو خوف فتنہ کا ہے ایسی صورت میں شہر میں سے کسی محلہ کے آدمیوں کو متفق ہو کر کسی دوسری مسجد میں جمعہ کا ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر اس امام کے بدلنے پر قدرت نہ ہو تو شہر میں دوسری جگہ جہاں کوئی امام صالح امامت جمعہ پڑھاتا ہو وہاں جانا واجب ہے اور اگر شہر میں دوسری جگہ جمعہ ہوتا ہی نہ ہو یا اور امام بھی ایسی ناقابل امامت ہوں تو نیا امام سُنّی صحیح العقیدہ، صحیح خواں، صحیح الطہارۃ، مسائل داں کہ فاسق معلن نہ ہو مقرر کریں اور اس کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۴۰: از حیدر آباد دکن محلہ سلطان پورہ مکان نمبر ۶/۲۹۵۴ مرسلہ مولوی محمد عبدالجلیل صاحب نعمانی مہتمم امور مذہبی ۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبۂ جمعہ وعیدین عربی، عوام نہیں سمجھ سکتے ہیں کیا اُن کے لحاظ سے اردو زبان ہی میں پڑھا جا سکتا ہے؟ بینوا توجروا ان اجرکم علی اللہ تعالٰی (بیان کرکے اجر پاؤ کہ تمہارا اجر اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ ت)

الجواب

زمان برکت نشان حضور پُرنور سید الانس والجان علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والسلام سے عہد صحابہ کرام و تابعین عظام وائمۂ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور و ماثور اور باآنکہ صحابہ ومن بعدہم من ائمۃ الکرام کے زمانوں میں ہزارہا بلادِ عجم فتح ہوئے ہزارہا جوامع بنیں، ہزارہا منبر نصب ہوئے، عامۂ حاضرین اہلِ عجم ہوئے، اور ان حضرات میں بہت وُہ تھے کہ مفتوحین کی زبان جانتے اُس میں اُن سے کلام فرماتے باایں ہمہ کبھی مروی نہ ہوا کہ خطبہ غیر عربی میں فرمایا یا دونوں زبانوں کا ملایا ہو کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی شرح الموطا (جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے شرح موطا میں ذکر کیا ہے۔ ت) سنّتِ متوارثہ کا خلاف ناپسند ہے،

فی الدر المختار ان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم[1] اھ ای ثبت وتاکد۔

درمختار میں ہے کہ یہ مسلمانوں میں توارث کے ساتھ ثابت ہے لہذا ان کی اتباع واجب ہے اھ۔ یعنی ثابت اور مؤکد ہے۔ (ت)

نہ کہ ایسی سنّت جہاں باوصف تحقق حاجت، جانب خلاف رُخ نہ فرمایا ہو کہ اب تو اس کا خلاف ضرور مکروہ واساءت ہوگا۔

اقول وتحقیقہ ان التنکیر بالعجمیۃ کان المقتضی لہ بعینہ موجودا والمانع مفقودا ثم لم یفعلوہ فکان ذلك کفا منھم لا ترکا والکف فعل والفعل یجری فیہ التوارث بخلاف الترك اذ لامعنی لتوارثہ ولامساغ للتاسی فیہ لانہ غیر مفعول ولا مقدور کما نص علیہ الاکابر الصدور وقال فی الاشباہ والنظائر التروك لایتقرب بھا الااذا صار الترك کفا وھو فعل وھو المکلف بہ فی النھی لاالترك بمعنی العدم لانہ لیس داخلا تحت القدرۃ للعبد کما فی التحریر[2] اھ ای تحریر الاصول للامام المحقق حیث اطلق رحمہ اللہ تعالٰی اتقن ھذا فانہ من اجل المھمات۔

اقول اس کی تفصیل یہ ہے کہ عجمی زبان میں وعظ و نصیحت کا تقاضا بعینہٖ موجود تھا اور مانع بھی کوئی نہیں تھا پھر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ ان کا رکنا ہے ترک نہیں اور رکنا فعل ہے اور فعل میں توارث جاری ہوتا ہے بخلاف ترک کے، کیونکہ اس کے نقل ہونے کا معنی نہیں اور نہ ہی اس میں اقتداء جائز ہے کیونکہ وہ معمول سے نہیں اور نہ ہی قدرت میں، جیسے کہ اس پر ہمارے اسلاف اکابر نے تصریح کی ہے' الاشباہ والنظائر میں ہے کہ تروک کے ساتھ تقرب نہیں ہوسکتا مگر اس صورت میں جب ترک کف کی صورت میں ہو اور وہ فعل ہوگا اور نہی میں یہی مکلّف بہ ہے نہ کہ ترک بمعنی عدم کیونکہ معدوم قدرت عبد کے تحت نہیں ہوتا جیسا کہ تحریر میں ہے اھ۔ اس سے مراد تحریر الاصول للامام المحقق المطلق نے ذکر کیا ہے اسے اچھی طرح یاد کرلو کیونکہ یہ نہایت اہم معاملات میں سے ہے۔ (ت)

اذان ضرور بلانے اور ان لوگوں کو اطلاع وقت دینے کے لئے ہے مگر غیر عربی میں ہو تو ہرگز اذان ہی نہ ہوگی اگرچہ مقصود اعلام حاصل ہوجائے کہ اذان صرف سنّت تھی جب فی نفسہٖ برخلاف سنّت ہوئی راسا

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۴۷

فوت ہوگئی۔ تنویر میں ہے :

الاذان اعلام مخصوص علی وجہ مخصوص بالفاظ کذلک[1] | اذان، الفاظِ مخصوص میں بطریق مخصوص اطلاع دینا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

اشار الی انہ لایصح بالفارسیۃ وان علم انہ اذان وھوالاظھر والاصح کما فی السراج[2]۔ | اس میں اشارہ ہے کہ یہ فارسی میں جائز نہیں اگر یہ معروف ہو کہ یہ اذان ہے اور یہی اظہر واصح ہے جیسا کہ سراج میں ہے۔ (ت)

خطبہ ضرور وعظ و تذکیر کے لئے ہے جیسے نماز کہ ذکر کے لئے ہے قال اللہ تعالٰی اقم الصلوۃ لذکری[3] (اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ ت) اور خود قرآن عظیم کہ اس کا تو نام ہی ذکر حکیم ہے اور اس کے نہ سمجھنے پر سخت انکار فرماتا ہے افلا یتدبرون القراٰن ام علی قلوب اقفالھا[4] (کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔ ت) پھر جس کی سمجھ میں عربی نہ آئے نہ اُس کے لئے نماز و قرآن اردو یا بنگلہ یا انگریزی کر دئے جائیں گے نہ خطبہ و اذان، یہ اس کا اپنا قصور ہے اس کا دین عربی، نبی عربی، کتاب عربی، پھر عربی اتنی بھی نہ سیکھی کہ اپنا دین سمجھ سکتا۔ انگریزی کی حالت دیکھئے اس پر کیسے اندھے باؤلے ہو کر گرتے ہیں کہ دو پیسے کمانے کی امید ہے اور عربی جس میں دین ہے ایمان ہے اُس سے کچھ غرض نہیں اللہ تعالٰی توفیق و ہدایت بخشے، اٰمین واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۴۴ تا ۱۳۴۳: از پیلی بھیت محلہ بھورے خاں مرسلہ حاجی عزیز احمد صاحب ۲ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :

(۱) اذان ثانی جمعہ کے دن امام کے قریب اندر مسجد کے جو مروج ہے اس میں کراہت یعنی کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟

(۲) فصیلِ حوض خارج مسجد ہے یا داخل مسجد؟

(۳) ابوداؤد کی حدیث میں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے وقت میں

---

[1] درمختار باب الاذان مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۲

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۸۲

[3] القرآن ۲۰/ ۱۴

[4] القرآن ۴۷/ ۲۴

باب مسجد پر اذان کا ذکر ہے اُس وقت تک اذانِ اوّل شروع تھی یا نہیں؟ اگر اس وقت میں صرف ایک اذان تھی تو جب سے دوسری اذان شروع ہُوئی اُس وقت بھی بقیہ خلفائے راشدین کے وقت میں اذانِ ثانی بابِ مسجد پر ہوتی تھی یا امام کے متصل منبر کے پاس؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) علمائے کرام نے کراہت لکھی اور اسے مطلق رکھا اور مطلق کراہت غالباً کراہتِ تحریم پر محمول ہوتی ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں اذان دروازۂ مسجد پر ہُوا کی اور کبھی نہ حضور سے منقول نہ خلفائے راشدین سے کہ مسجد کے اندر اذان کہلوائی ہو، اور عادت کریمہ تھی کہ مکروہِ تنزیہی کو بیانِ جواز کے لئے کبھی اختیار فرماتے پھر اس میں ترکِ ادب بارگاہِ الٰہی ہے والعلم بالحق عند اللہ۔

(۲) حوض قدیم کی فصیل فنائے مسجد ہے نہ عین مسجد ورنہ اس پر وضو ناجائز ہوتا اور فنائے مسجد میں اذان جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) صدر خلافت امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک وہی ایک اذانِ خطبہ تھی اُنھوں نے اذانِ اوّل زائد فرمائی مگر اذانِ خطبہ میں کوئی تبدیلی نہ کی، نہ کسی خلیفۂ راشد سے اُس میں کوئی تغیر منقول، ہاں امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں ہشام بن عبدالملک بادشاہ مروانی کی نسبت لکھا کہ اس نے سنت کو بدلا اس کا زمانہ امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسّی برس بعد ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۴۴ مسئولہ مولوی فضل الرحمان صاحب از چھاؤنی صدر بازار فیروزپور پنجاب ۱۹ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ مرقومۃ الذیل میں کہ ایک قلعہ میں جہاں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں اور نہ ملازمان کو باہر بجز وقتِ معینہ کے منجملہ پانچ صد مردمان مسلمان ملازمان کے ایک جماعت وہاں نمازِ جمعہ باجازت مشتہرۂ گورنمنٹ قائم کرتی ہے وہاں بنائے مسجد نہیں ہے نیز متصل قلعہ مذکور کے شہر اور چھاؤنی صدر بازار میں چند جگہ دیگر مساجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے کیا اس جماعت کا جمعہ ادا ہو جاتا ہے؟ بعض علمائے دین نے بحوالۂ فتاوٰی عالمگیر و درمختار بباعث عدم اذن عام اور جماعت مذکور کو محبوسین وغیرہ کا مقیس علیہ قرار دے کر عدمِ جواز اور نادرست ہونے نمازِ جمعہ کا فتوٰی دیا ہے اور بعض نے بحوالۂ عبارت شامی کہ

قلت وینبغی ان یکون محل النزاع ما اذا کانت لاتقام الا فی محل واحد امالو تعددت فلا لانہ لایتحقق التفویت کما افادہ التعلیل تامل۔

میں کہتا ہوں کہ مناسب یہ ہے کہ محلِ نزاع وہ صورت ہے جب ایک ہی مقام پر جمعہ کا قیام ہو اور اگر متعدد جگہ ہو تو پھر محلِ نزاع نہیں کیونکہ پھر تفویت متحقق نہیں جیسا کہ علت کے بیان نے فائدہ دیا ہے، غور کرو۔ (ت)

درست ہونے نمازِ جمعہ کا فتوٰی دیا ہے، بیّنوا بالدلیل توجروا بالاجر جزیل (دلیل سے بیان کرکے اجرِ عظیم پائیں۔ ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جبکہ قلعہ کی بندش ہے، باہر کا کوئی شخص نماز کے لئے اس میں نہیں جا سکتا تو اذنِ عام نہ ہوا، اور اذنِ عام فی نفسہ شرطِ جمعہ ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ قول کسی سے نقل نہ فرمایا بلکہ یہ اُن کا اپنا خیال ہے جسے وہ قُلتُ سے شروع فرماتے ہیں اور خود اُن کو بھی اس پر وثوق نہیں کہ آخر میں تامل کا حکم فرماتے ہیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اہلِ بحث نہیں ان کی بحث کا اگر مسئلہ منصوصہ کے خلاف ہونا معلوم نہ بھی ہو تاہم وہ ایک بحث ہے جو حجت نہیں ہو سکتی نہ کہ جب اُن کی بحث مخالف منقول و منصوص واقع ہے کہ ایسی بحث تو امام ابن الہمام کے بھی مقبول نہیں ہوتی جس کی خود علامہ شامی نے جابجا تصریح فرمائی کما بیناہ فی کتابنا فصل القضاء فی رسم الافتاء (جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "فصل القضاء فی رسم الافتاء" میں بیان کیا ہے۔ ت) براہ بشریت یہ بحث اسی طرح واقع ہوئی۔ فقیر نے ردالمحتار پر اپنی تعلیقات میں اس مسئلہ کی بحث تمام کردی ہے اس میں سے یہاں صرف یہ چند کلمات کافی ہیں کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی کتاب مستطاب بدائع اور اُن کے سوا اور ائمہ اپنی تصانیف میں اور اُن سب سے امام ابن امیر الحاج حلیہ میں نقل فرماتے ہیں:

السلطان اذا صلی فی دارہ والقوم مع امراء السلطان فی المسجد الجامع قال ان فتح باب دارہ جاز، وتکون الصلٰوۃ فی موضعین، ولو لم یاذن للعامۃ وصلی مع جیشہ لا تجوز صلٰوۃ السلطان وتجوز صلٰوۃ العامۃ۔[1]

جب سلطان نے اپنی دار میں اور قوم نے اس کے حکم سے جامع مسجد میں جمعہ ادا کیا تو انہوں نے فرمایا اگر دار کا دروازہ کھلا تھا تو جائز، اور نماز دونوں جگہ ہو جائے گی، اور اگر عوام کو اذنِ عام نہ تھا اور بادشاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ جمعہ ادا کیا تو سلطان کی نماز جائز نہیں البتہ عوام کی نماز جائز ہوگی۔ (ت)

دیکھو یہ نص صریح ہے اجلۂ ائمہ کی نقل اور محررِ مذہب امام محمد سے بلاخلاف منقول کہ قلعہ سے باہر بھی جمعہ ہوا اور قلعہ میں بھی سلطان نے پڑھا اگر قلعہ میں آنے کا اذنِ عام دیا تھا تو دونوں جمعے صحیح ہو گئے ورنہ باہر کا جمعہ صحیح ہوا اور قلعہ کا باطل، صاف ثابت ہوا کہ اذنِ عام فی نفسہٖ شرطِ صحتِ جمعہ ہے اگرچہ جمعہ متعدد جگہ پایا جائے اور تفویت لازم نہ آئے ولیس بعد النص الا الرجوع الیہ (نص پائے جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ت)

---

[1] بدائع الصنائع مفہوماً فصل فی بیان شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۹

مسئلہ ۱۳۴۵ مسئولہ محمود حسن صاحب از بمبئی پوسٹ بائی کھلا ۲۰ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ میں اثنی اشخاص حنفیہ اور بیس۲۰ اشخاص شافعیہ ہر دو مذہب کے درمیان شافعی امام جمعہ میں خطبہ کے دو۲ رکعت فرض پڑھا کے حنفیوں نے نماز سے فارغ ہُوئے بعدہٗ مذکور امام نے اپنے مذہب والوں کو لے کر پھر دوبارہ چار رکعت فرض نماز پڑھواتا ہے لیکن ہر دو مذہب والوں کے ساتھ دو رکعت فرض پڑھنے سے شافعیہ مذہب کی نماز جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وُہ امام شافعی المذہب نیتِ جمعہ میں شک وتردد کو راہ نہیں دیتا خالص صحیح نیت فرض جمعہ کی کرتا ہے تو اُس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے جبکہ فرائض مذہب حنفی کا پابند ہو مثلاً فصد لے کر یا زخم خواہ پھوڑیا سے پیپ یا پانی بہہ کر ضرور وضو کرلیتا ہو دہ در دہ سے کم پانی میں اگر نجاست پڑجائے اس سے طہارت نہ کرتا ہو وضو میں چہارم سر سے کم کے مسح پر قناعت نہ کرتا ہو وضو کئے ہوئے پانی سے دوبارہ وضو نہ کرتا ہو وعلٰی ہذا القیاس اگر ان باتوں کی رعائت کرتا ہے تو اُس کے پیچھے نماز جائز ہے اگرچہ اولٰی حنفی کے پیچھے ہے اگر رعایت نہ کرتا ہو تو اس کے پیچھے حنفی کی نماز باطل ہے اور اگر کچھ نہ معلوم ہو تو مکروہ ہے کما حقق کل ذٰلک فی البحر والدر وغیرھما (جیسا کہ اس تمام کی بحر اور در وغیرہ میں تحقیق ہے۔ ت) اور جمعہ کی نیّت کے ساتھ شک کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز باطل ہے کہ لانیۃ الا بالعزم ولاعزم مع الشک (عزم کے بغیر نیت نہیں اور شک کی صورت میں عزم نہیں ہوتا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۴۶ از پیلی بھیت محلہ محمد شیر خاں مسئولہ عبداللطیف خاں صاحب ۲۲ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جامع مسجد کے امام معین کے بغیر اذن دوسرے شخص نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ بھی امام معین کے بے اذن پڑھائی اور امام مذکور اس میں شریک نہ ہُوا اس صورت میں وہ نماز ہوئی یا نہیں، اگر نہ ہوئی تو ظہر کی قضا فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ بے اجازت خطیب معیّن دوسرا شخص خطبہ نہیں پڑھ سکتا، اگر پڑھے گا خطبہ جائز نہ ہوگا، اور خطبہ شرطِ نماز جمعہ ہے، جب خطبہ نہ ہُوا نماز بھی نہ ہوئی، عالمگیری میں ہے:

رجل خطب یوم الجمعۃ بغیر اذن الامام والامام حاضر لایجوز ذٰلک الا ان یکون الامام امرہ بذٰلک کذا	کسی شخص نے اذنِ امام کے بغیر خطبہ جمعہ دیا حالانکہ امام موجود تھا تو یہ جائز نہیں البتہ اس صورت میں جب امام نے اسے حکم دیا ہو، جیسا کہ

فی فتاوی قاضی خان[1]۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے (ت)

اور تصریح فرماتے ہیں کہ امام معین کے بغیر اذن اگر کوئی شخص نماز جمعہ پڑھائے تو نماز نہ ہوگی مگر اس صورت میں کہ امام اُس نماز میں شریک ہوجائے۔ فتاوی سراجیہ و درمختار میں ہے:

لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لا یجوز الا اذا اقتدی بہ من لہ ولایۃ الجمعۃ[2]۔ اگر کسی نے اذن خطیب کے بغیر نماز پڑھائی تو جائز نہیں البتہ اس صورت میں جب مقتدی ایسا شخص ہو جو جمعہ کا والی تھا (ت)

یہاں کہ خطبہ بھی بے اجازتِ امام پڑھا گیا اور نماز بھی بے اُس کی اجازت کے پڑھائی گئی اور امام اس میں شریک نہ ہوا تو دُو وجہ سے وہ نماز ناجائز ہوئی اُن پر ظہر کی قضا لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۳۴۷ مولوی نعیم الدین صاحب از مراد آباد ۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ

حضور عالی سلام نیاز۔ میں جمعہ کی نماز قلعہ کی مسجد میں پڑھاتا ہُوں اُس مسجد کا وسیع صحن ہے مسجد سے باہر راستہ ہے جو ایک بانس کے قریب مسجد کے فرش سے نیچا ہے کوئی جگہ ہی نہیں جہاں مؤذن کھڑا ہوسکے سخت حیرانی ہے، یا بعض ایسی مسجدیں ہیں کہ ان میں بعد صحن کے کسی دوسرے شخص ہنود وغیرہ کی دیواریں ہیں کہ اُن دیواروں پر میذنہ نہیں بنایا جاسکتا ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور صواب کی ہدایت عطا فرما۔ ت) یہاں دو سنتیں ہیں، ایک محاذاتِ خطیب، دوسرے اذان کا مسجد سے باہر ہونا۔ جب ان میں تعارض ہو اور جمع ناممکن ہو تو ارجح کو اختیار کیا جائے گا کما ھو الضابطۃ المستمرۃ الغیر المنخرمۃ (جیسا کہ دائمی اور نہ ٹوٹنے والا ضابطہ ہے۔ ت) یہاں ارجح واقوی سنت ثانیہ بوجوہ **اولاً** مسجد میں اذان سے نہی ہے، قاضی خاں و خلاصہ و خزانۃ المفتین و فتح القدیر و بحر الرائق و برجندی و عالمگیری میں ہے: لایؤذن فی المسجد[3] (مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ت) نیز فتح القدیر و نظم و طحطاوی علی المراقی وغیرہا میں

---

[1] فتاوی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[2] درمختار باب الجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

[3] فتاوی ہندیۃ فصل فی کلمات الاذان والاقامۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵

مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی تصریح ہے اور ہر مکروہ منہی عنہ ہے ، ردالمحتار میں قبیل احکام مسجد ہے :

لایلزم منہ ان یکون مکروھا الابنھی خاص لان الکراھۃ حکم شرعی فلابد لہ من دلیل[1]

اس سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا مگر یہ کہ نہی خاص وارد ہو کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے ، لہٰذا اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے (ت)

اور اجتنابِ ممنوع ایتانِ مطلوب سے اہم و اعظم ہے ، اشباہ میں ہے :

اعتناء الشرع بالمنہیات اشد من اعتنائہ بالمامورات ولذا قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا امرتکم بشئی فاتوا منہ مااستطعتم وان نہیتکم عن شئی فاجتنبوہ وروی فی الکشف حدیثا لترک ذرۃ مما نہی اللہ تعالٰی عنہ افضل من عبادۃ الثقلین ومن ثم جاز ترک الواجب دفعا للمشقۃ ولم یسامح فی الاقدام علی المنہیات[2]

شریعت کے ممنوعات کا اہتمام اس کے مامورات سے زیادہ ہے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : جب کسی شئی کا حکم دوں تو اس کو استطاعت کے مطابق بجالاؤ اور اگر میں تمھیں کسی شئی سے منع کروں تو اس سے بچو ۔ الکشف میں یہ حدیث منقول ہے ایک ذرّہ کے برابر اس کام سے رک جانا جس سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا جن و انس کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے ، یہی وجہ ہے کہ رفعِ مشقت کے لئے واجب کا ترک جائز ہوتا ہے لیکن ممنوعات پر عمل کی اجازت نہیں ۔ (ت)

ثانیاً محاذاتِ خطیب ایک مصلحت ہے ، اور مسجد کے اندر اذان کہنا مفسدت اور جلبِ مصلحت سے سلبِ مفسدت اہم ہے ۔ اشباہ میں ہے :

درء المفاسد اولٰی من جلب المصالح[3]

مفاسد کا دفع کرنا مصالح کے حصول سے بہتر ہے (ت)

وجہ مفسدت ظاہر ہے کہ دربار ملک الملوک جل جلالہ کی بے ادبی ہے شاہد اس کا شاہد ہے دربار شاہی میں اگر چوبدار عین مکانِ اجلاس میں کھڑا ہوا چلائے کہ دربار یو چلو سلام کو حاضر ہو ضرور گستاخ بے ادب ٹھہرے گا ، جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ انھیں کچہریوں کو دیکھ لے کہ مدعی مدعا علیہ گواہوں کی حاضری

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ،، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۱۲۵

[3] ایضاً

کمرہ سے باہر پکاری جاتی ہے پھر اسی خود کمرۂ کچہری میں کھڑا ہو کر چلاّئے اور حاضریاں پکارے تو ضرور مستحق سزا ہو اور ایسے امورادب میں شرعاً عرف معہود فی الشاہد ہی کا لحاظ ہوتا ہے محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں :

یحال علی المعھود من وضعھا حال قصد التعظیم فی القیام والمعھود فی الشاھد منہ تحت السرۃ۔[1]

حالتِ قیام میں بقصدِ تعظیم جو معروف ہو اس کے مطابق ہاتھ باندھے جائیں گے اور جس معروف کا مشاہدہ ہے وُہ یہی ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے۔(ت)

اسی بناء پر علماء نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں جُوتا پہنے جانا بے ادبی ہے حالانکہ صدرِ اول میں یہ حکم نہ تھا۔ فتاوٰی سراجیہ و فتاوٰی عالمگیری میں ہے : دخول المسجد متنعلا مکروہ[2] (مسجد میں جُوتا پہن کر داخل ہونا مکروہ ہے۔ت) عمدۃ المفتین و ردالمحتار میں ہے : دخول المسجد متنعلا من سوء الادب[3] (مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا بے ادبی ہے۔ت) مسئلہ اولٰی یعنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں کوئی حدیث موافق نہ تھی اور ثانیہ میں حدیث برخلاف تھی بااینہمہ امورِ ادب میں عرف شاہد کا اعتبار فرمایا تو جہاں خود حدیث بھی موافق ہی موجود ہے ادبِ معروف کا لحاظ نہ کرنا کس درجہ گستاخی و بیباکی ہے معہذا حدیث نے مسجد میں چلاّنے سے بھی منع فرمایا ہے، بحرالرائق و ردالمحتار میں ہے :

اخرج المنذری مرفوعا جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وبیعکم وشراءکم ورفع اصواتکم[4] **قلت** رواہ ابن ماجۃ عن واثلۃ ابن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ وعبدالرزاق فی مصنفہ بسند اسلم عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ

امام منذری نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) اپنی مسجدوں کو اپنے بچّوں اور دیوانوں اور خرید وفروخت اور آواز بلند کرنے سے بچاؤ۔ میں کہتا ہوں اسے ابن ماجہ نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ اور امام عبدالرزاق نے مصنف میں محفوظ سند سے

---

[1] فتح القدیر — باب صفۃ الصلوٰۃ — مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴۹
[2] فتاوٰی سراجیہ — باب المسجد از کتاب الکراہیۃ — ״ نولکشور لکھنؤ ص ۷۱
[3] ردالمحتار — مطلب فی احکام المساجد — ״ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۶
[4] ایضاً

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ — حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے (ت)

تو اس ادب کی طرف خود حدیث میں اشارہ موجود ہے اور علماء نے اس ممانعت کو ذکر کے لئے بھی عام ہونے کی تصریح فرمائی، درمختار میں ہے:

یحرم فیہ (ای فی المسجد) السوال ویکرہ الاعطاء ورفع صوت بذکر الا للمتفقھة[1] — (مسجد میں) سوال کرنا حرام ہے اور دینا مکروہ ہے، اور ذکر کے لئے آواز کو بلند کرنا بھی، البتہ دین پڑھانے اور سمجھانے والا آواز بلند کرسکتا ہے۔ (ت)

تو اصل منع ہے جب تک ثبوت خاص نہ ہو جیسے اقامت و قراءتِ نماز، لیکن یہاں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اندرونِ مسجد اذان کا ہرگز ثبوت نہیں، تو اگر کچھ اور دلیل نہ ہوتی اسی قدر اس کے بے ادبی و ممنوع ہونے کو بس تھا بلکہ شرع مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا ہے جس کے لئے مساجد کی بنا نہ ہو، صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذا[2] — جو گمی ہوئی چیز کو مسجد میں دریافت کرے اُس سے کہو اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔ (ت)

حدیث میں حکم عام ہے اور فقہ نے بھی عام رکھا، درمختار وغیرہ میں ہے: کرہ انشاد ضالة (گمشدہ شئی کا (مسجد میں) اعلان کرنا مکروہ ہے۔ ت) تو اگر کسی کا مصحف شریف گُم گیا اور وہ تلاوت کے لئے مسجد میں پُوچھتا ہے اُسے بھی یہی جواب ہوگا کہ مسجدیں اس لئے نہ بنیں، اگر اذان دینے کے لئے اس کی بنا ہوتی تو ضرور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کے اندر ہی اذان دلواتے یا کبھی کبھی تو اس کا حکم فرماتے، مسجد جس کے لئے بنی زمانۂ اقدس میں اسی کا مسجد میں ہونا کبھی ثابت نہ ہو یہ کیونکر معقول، تو وجہ وہی ہے کہ اذان حاضری دربار پکارنے کو ہے اور خود دربار حاضری پکارنے کو نہیں بنتا، ہمارے بھائی اگر گردنیں عظمتِ الٰہی کے حضور جھکا کر آنکھیں بند کرکے براہِ انصاف نظر فرمائیں تو جو بات ایک منصف یا جنٹ کی کچہری میں نہیں کرسکتے

---

[1] درمختار — باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] صحیح مسلم — باب نہی من اکل ثوما الخ — ر ر نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۱۰

احکم الحاکمین عزجلالہ کے دربار کو اُس سے محفوظ رکھنا لازم جانیں نہ کہ حدیث کا وہ ارشاد، پھر کتب معتمدہ فقہ کی یہ صریح تصریحات کہ مسجد میں اذان منع ہے سب کچھ دیکھیں اور ایک رواج پر اڑے رہے ہیں، ذی انصاف بھائیو! یہ آپ کی شان نہیں۔

ثالثاً محاذاتِ خطیب ایک اختلافی سنّت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہاں نقل مختلف ہے بکثرت ائمہ مالکیہ اذانِ ثانی جمعہ کے رُوبروئے خطیب ہونے ہی کو بدعت بتاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں یہ اذان بھی منارہ ہی پر ہوتی تھی جیسے پنجگانہ کی اذان، علامہ خلیل ابن اسحٰق مالکی توضیح فرماتے ہیں:

اختلف النقل ھل کان یؤذن بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او علی المنار الذی نقلہ اصحابنا انہ کان علی المنار[1] نقلہ ابن القاسم عن مالک فی المجموعۃ و نقل ابن عبدالبر فی کافیہ عن مالک ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم[2]۔

نقل میں اختلاف ہے کہ کیا اذان نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے دی جاتی تھی یا اس منار پر جس کے بارے میں ہمارے اصحاب نے نقل کیا کہ اذان منار پر ہوتی تھی، اسے ابن القاسم نے "مجموعہ" میں امام مالک سے نقل کیا اور شیخ ابن عبدالبر نے کافی میں امام مالک سے نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا امر قدیم نہیں ہے۔ (ت)

امام ابن الحاج مکی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں:

ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلک کان علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابی بکر و عمر و صدرا من خلافۃ عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم، ثم زاد عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ اذاناً اٰخر بالزوراء وھو موضع بالسوق و ابقی الاذان الذی کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی

جمعہ کی اذان میں سنّت یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو موذن منار پر اذان دے۔ یہی طریقہ جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ابتدائی دور میں تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک اور اذان کا اضافہ فرمایا جو بازار میں مقام زوراء پر دی جاتی تھی اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والی اذان کو منار پر

---

[1] المختصر فی فروع المالکیۃ
[2] کافی فروع المالکیۃ

علیہ وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاک ثم لما تولی ھشام نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر بین یدیہ[1] (ملخصاً)

ہی باقی رکھا اور اس وقت خطیب منبر پر ہوتا، پھر جب ہشام والی بنے تو جو اذان منارہ پر ہوتی تھی اسے منبر پر چڑھنے کے وقت منبر کے سامنے کر دیا۔ (ت)

یہاں تک کہ فرمایا:

فقد بان ان فعل ذلک فی المسجد بین یدی الخطیب بدعۃ فیتمسک بعض الناس بھاتین البدعتین ثم صار کانہ سنۃ معمول بھا ولیس لہ اصل فی الشرع وانما ھی عوائد وقع الاستئناس بھا فصار المنکر لھا کانہ یاتی ببدعۃ علی زعمھم فانا للہ وانا الیہ راجعون علی قلب الحقائق اھ مختصراً[2]

یعنی روشن ہوا کہ اس اذان کا مسجد میں خطیب کے سامنے کہنا بدعت ہے جسے ابتداءً بعض لوگوں نے اختیار کیا پھر اس کا ایسا رواج پڑ گیا گویا وہ سنّت ہے حالانکہ شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں وہ تو یہی ایک عادت ہے کہ لوگوں کے جی اس میں لگ گئے تو جو اس پر انکار کرے اُن کے زعم میں گویا وہی بدعت نکالتا ہے تو انا للہ وانا الیہ راجعون حق لوگوں میں کیسا اُلٹا ہو گیا کہ حق کو باطل، باطل کو حق سمجھنے لگے اھ مختصراً

علامہ یوسف بن سعید سفطی مالکی حاشیۂ جواہر زکیہ شرح عشماویہ میں فرماتے ہیں:

الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیہ اھل المغرب الی الان وفعلہ بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ البرزلی وقد نھی عنہ مالک وفعلہ علی المنار والامام جالس ھو المشروع اھ سکندری[3] اھ باختصار۔

دوسری اذان زمانۂ قدیم میں منار پر ہوتی تھی اہل مغرب کا اب تک اسی پر عمل ہے۔ امام کے سامنے اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ اس پر برزلی نے تصریح کی، اور امام مالک نے اس سے منع فرمایا، اذان کا اس وقت منار پر دینا جب امام منبر پر ہو یہی مشروع ہے اھ سکندری اھ اختصاراً (ت)

---

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر البدع التی احدث فی المساجد مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/۲۱۲

[2] ایضاً

[3] حاشیہ جواہر زکیہ شرح المقدمۃ العشماویۃ

بخلاف اذانِ مسجد کہ مالکیہ بھی اسے ممنوع جانتے ہیں۔ مدخل میں ہے:

فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد فیمنع من الاذان فی جوف المسجد لوجوہ احدھا انه لم یکن من فعل من مضی[1] الخ	مسجد میں اذان ممنوع ہونے کے بیان میں فصل، مسجد میں اذان کئی وجہ سے منع ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اسلاف کا طریقہ نہیں رہا الخ (ت)

تو ثابت ہوا کہ اذان بیرونِ مسجد ہونا ہی محاذاتِ خطیب سے اہم و اعظم و اکد والزم ہے تو جہاں دونوں نہ پڑیں محاذاتِ خطیب سے درگزریں اور منارہ یا فصیل وغیرہ پر یہ اذان بھی مسجد سے باہر ہی دیں ھذا کلہ ماظھر لی والعلم بالحق عند ربی (یہ تمام مجھ پر واضح ہوا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۳۴۸: مسئولہ اقبال حسین از قصبہ سرولی ضلع بریلی ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ خطبہ جمعہ کا ایک فرض ہے دوسرا سنت، یا دونوں فرض ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خطبہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صرف بقدر الحمد فرض ہے اور صاحبین رحمھم اللہ کے نزدیک ذکرِ طویل جیسے عرف میں خطبہ کہیں تو نفس فرض اگرچہ خطبہ اولٰی بلکہ اُس کے بعض سے ادا ہوجاتا ہے مگر جب کوئی مطلق مامور بہ ہو تو قاعدہ شرع یہ نہیں کہ اس کے ایک حصے کو جو ادنٰی درجہ اطلاق مطلق کا ہو مامور بہ ٹھہرائیں باقی کو خارج بلکہ جس قدر واقع ہو سب اُسی مطلق کا فرد ہے تو سب اسی صفت سے متصف ہوگا جیسے فرض قرات نماز میں ایک آیت سے ادا ہوجاتا ہے اب یہ نہ کہیں گے کہ الحمد شریف کی پہلی آیت فرض تھی باقی اُس کا غیر بلکہ الحمد اور سورت بلکہ سارا قرآن مجید اگر ایک رکعت میں ختم کرے سب زیرِ فرض داخل ہوں گے کہ فاقرؤا ما تیسر من القراٰن (پس قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اُتنا پڑھو۔ ت) کا فرد ہے ولہذا اگر سورۂ فاتحہ پڑھ کر سُورت ملانا بھول گیا اور وہاں یاد آیا تو حکم ہے رکوع کو چھوڑے اور قیام کی طرف عود کرکے سورت پڑھے اور رکوع میں جائے حالانکہ واجب کے لئے فرض کا چھوڑنا جائز نہیں ولہذا اگر پہلی التحیات بھول کر پورا کھڑا ہوگیا اب عود کی اجازت نہیں مگر سُورت کے لئے خود شرع نے عود کا حکم فرمایا کہ جتنا قرآن مجید پڑھا جائے گا سب فرض ہی میں واقع ہوگا تو یہ واجب کی طرف عود نہیں بلکہ فرض کی طرف، ولہذا اگر دوبارہ رکوع نہ کرے گا نماز نہ ہوگی کہ

---

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی النھی عن الاذان مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۲۵۱

پہلا رکوع عود الی الفرض کے سبب زائل ہوگیا تو جس طرح الحمد اور سورت دونوں سے فرض ہی ادا ہوتا ہے یوں ہی دونوں خطبوں سے بھی کہ سب مطلق فاسعوا الی ذکر اللہ (اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ۔ ت) کے تحت میں داخل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۲۰ ۱۳

مرقاۃ الجمان فی الھبوط عن المنبر لمدح السلطان

(تعریفِ حاکم کے لئے خطیب کے منبر کی ایک سیڑھی اُترنے پھر چڑھنے کے بارے میں تحقیق)

مسئلہ ۱۳۴۹ ازاحمد آباد گجرات محلہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیارہ مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ان دونوں جوابوں میں کون سا جواب احق بالقبول ہے:

سوال: علمائے دین متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں بحوالۂ کُتب معتبرہ تحریر فرمائیں خطیب کو خطبۂ ثانی میں منبر سے ایک سیڑھی اُترنا اور پھر چڑھ جانا یہ شرع شریف میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بسند الکتاب و توجروا فی یوم الحساب۔

الجواب ھو الصواب: صورتِ مسئولہ میں خطیب کو سیڑھی اُترنا اور چڑھنا جائز نہیں بدعت شنیع ہے جیسا کہ شامی جلد اول صفحہ ۸۶۰ میں مذکور ہے:

قال ابن حجر فی التحفۃ و بحث بعضھم ان ما اعتید الاٰن من النزول فی الخطبۃ الثانیۃ الٰی درجۃ سفلی ثم العود بدعۃ قبیحۃ

ابن حجر نے تحفہ میں فرمایا کہ بعض لوگوں نے یہ بحث کی ہے کہ یہ جو عادت بنالی گئی ہے کہ دُوسرے خطبہ کے وقت منبر کی نچلی سیڑھی اور پھر دوبارہ اوپر والی سیڑھی پر

شنیعہ۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ چلاجانا بدترین بدعت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد عیسیٰ عفی عنہ۔ المجیب مصیب عند اللہ عبد الرحمٰن ولد مولوی محمد عیسیٰ عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ اللھم ارنا الحق وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت ہی مہربان اور رحم والا ہے، اے اللہ! ہمیں حق دکھا اور اس پر چلنے کی توفیق دے اور ہمیں باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔ (ت)

مجیب لبیب نے زینہ اترنے کا ناجائز ہونا بلکہ بدعت شنیعہ ہونا جو علامہ شامی نے ابن حجر شافعی کے قول سے جو ان کی کتاب تحفہ میں ہے نقل کیا ہے ثابت کیا ہے ہرگز ناجائز ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے نہ بدعت شنیعہ ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے، طریقہ محمدیہ کی شرح میں لکھا ہے:

ان المسئلۃ الواقعۃ متی امکن تخریجھا علی قول من الاقوال فی مذھبنا اومذھب غیرنا فلیست بمنکر یجب انکارہ والنھی عنہ وانما المنکر ماوقع الاجماع علی حرمتہ والنھی عنہ خصوصا[2] انتھی مختصرا۔

یعنی اگر کوئی مسئلہ ایسا واقع ہو کہ اس کی تخریج ہمارے حنفی مذہب کے کسی قول کے موافق ممکن ہو شافعیوں یا حنبلیوں یا مالکیوں کے مذہب کے موافق اُس کی تخریج ممکن ہو تو وہ ایسا منکر نہیں ہے کہ اس کا انکار کرنا اور اُس سے منع کرنا واجب ہو بلکہ ایسا اس منکر کیلئے ہے جس کی حرمت اجماعی ہو اور شارع علیہ السلام نے اس سے بالخصوص منع کیا ہو انتہی مختصراً (ت)

اب اہلِ انصاف بغور ملاحظہ فرمائیں کہ اس زینہ اُترنے کی وجہ کیا ہے، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مکتوبات کی جلد ثانی کے صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ نولکشور میں تحریر فرماتے ہیں:

میدانید کہ در خطبہ روزِ جمعہ نام سلاطین کہ در زینہ پایہ سہ فرود آمدہ می خوانند وجہش چیست این تواضعیست کہ سلاطین عظام نسبت باں سرور و بخلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نمودہ اند وجائز نداشتہ اند کہ اسامی ایشاں با اسامی اکابر دین در یک درجہ مذکور شود شکر اللہ سعیہم[3] انتہی۔

علامہ حسین کاشفی مؤلف تفسیر حسینی اپنی کتاب "ترغیب الصلوٰۃ" میں فرماتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار | باب الجمعۃ | مطبوعہ مصطفی البابی مصر | ۱/۶۰۸

[2] طریقہ محمدیہ شرح طریقہ محمدیہ | النوع الثالث الثلاثون | مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد | ۲/۳۰۹

[3] مکتوبات امام ربانی | مکتوب نود و دوم | مطبوعہ نولکشور لکھنؤ | ۲/۶۲

ازاں پایۂ منبر کہ حمد وثنا و درود گفتہ و ذکر خلفائے کرام کردہ نشیب آید و ذکر و دعائے سلطان چوں تمام کند باز بالا رفتہ خطبۂ باقیہ تمام کند انتہی۔

مطلب عبارتِ مکتوبات کا یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی جان لیں کہ جمعہ کے دن خطبہ میں نام بادشاہوں کو نیچے کے زینے منبر پر اُتر کر پڑھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے، آنجناب اس کی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ تواضع و فروتنی ہے کہ بڑے بڑے مسلمان بادشاہوں نے بہ نسبت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام و خلفائے راشدین آں سرور کائنات علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کی ہے اور اُن بادشاہوں نے یہ بات جائز نہیں رکھی ہے کہ بادشاہوں کے نام ساتھ اسامی اکابر دین کے ایک درجہ میں مذکور ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ رحمۃ الباری اُن نیکبخت بادشاہوں کے حق میں دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان بادشاہوں کی کوشش کو قبول کرے اور ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور مطلب عبارتِ "ترغیب الصلوٰۃ"[1] کا یہ ہے کہ منبر کے اُس زینۂ معلومہ پر حمد و ثناء و درود پڑھ کر اور ذکر خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کر کے نیچے کے زینہ پر خطیب آئے اور ذکر و دعائے سلطان کر کے جب دُعائے سلطان تمام ہو جائے پھر اوپر کے زینہ پر پڑھ کر خطبۂ باقیہ تمام کرے۔

اب منصفین غور فرمائیں کہ ہمارے حنفی مذہب کی کتاب میں بھی اس زینہ اُترنے کے لئے ملا حسین کاشفی حنفی مصنف تفسیر حسینی نے تحریر فرمایا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے کہ بوجہ مذکور الصدر کے یہ زینہ اُترنا جاری ہوا ہے اب جو علما اس کو بدعتِ قبیحہ شنیعہ فرماتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں کہ بدعتِ قبیحہ و منکرہ مطابق عبارت شرح طریقۂ محمدیہ کے جب ہوتی ہے کہ اس کی تخریج ہمارے مذہب کے کسی قول کے موافق ممکن نہ ہو اور مانحن فیہ میں، خود ہمارے حنفی مذہب کی کتابوں میں اس زینہ اُترنے کو تحریر فرمایا ہے اور اُس کی وجہ بھی بیان کی ہے اب یہ زینہ اترنا بدعت کیسے ہوا، ہاں جو علماء اس کو بدعت قرار دیتے ہیں حنفی مذہب کی اور کتابوں سے اس کا بدعت قبیحہ ہونا ثابت کریں یا کسی کتاب میں یہ لکھا ہو کہ زینہ اُترنا حرام اجماعاً ہے یا شارع علیہ السلام نے صراحۃً منع فرمایا ہے۔ جب اس کا منکرہ ہونا ثابت ہو تو اس سے منع کرنا واجب ہوگا و دونہ خرط القتاد (جبکہ اس کے آگے مضبوط رکاوٹ ہے۔ ت) اور جو علماء اس زینہ اُترنے کو بدعتِ قبیحہ شنیعہ قول علامہ ابن حجر شافعی سے ثابت کرتے ہیں اُن پر یہ بات ضرور ہے کہ اس کا بدعت قبیحہ شنیعہ ہونا ثابت کریں، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۱۷۹ میں ہے:

---

[1] ترغیب الصلوٰۃ لعلامہ حسین کاشفی

قال الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی ما احدث مما یخالف الکتاب او السنۃ او الاثر او الاجماع فھو ضلالۃ وما احدث من الخیر مما لایخالف شیئا من ذٰلک فلیس بمذمومٍ[1] انتھی۔

یعنی حضرت امام شافعی (جن کے علامہ ابنِ حجر مقلد ہیں) فرماتے ہیں جو ایسی چیز نکالی جائے کہ وہ کتاب اللہ یا سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم یا اجماعِ امت کے مخالف ہو وُہ بدعتِ ضلالت و بدعتِ قبیحہ شنیعہ ہے، اور جو چیز نیکی سے ایسی نکالی جائے کہ وُہ اشیائے اربعہ مذکورہ میں سے کسی چیز کے مخالف نہ ہو وہ ہرگز مذموم نہیں ہے انتہی بلکہ وہ بدعتِ حسنہ ہے بالجملہ فعل بدعت غیر مذمومہ میں جن کے اقسام ثلثہ مشہورہ اعنی واجبہ، مندوبہ ومباحہ ہیں اُن میں سے ایک میں داخل ہے۔

اب اہلِ انصاف بغور ملاحظہ فرمائیں کہ زینہ اُترنا کون سی قرآن مجید کی آیت کے خلاف ہے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کون سی حدیث شریف کے خلاف ہے یا کون سے اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے خلاف ہے۔ جب ان ادلّہ مذکورہ کے خلاف نہ ہوا تو مطابق فرمانے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے اس کا بدعت قبیحہ ہونا ثابت نہ ہُوا اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے اس قول "وما احدث من الخیر مما لایخالف شیئا من ذٰلک فلیس بمذموم" (جو ایسی نیکی ایجاد کی جائے جو مذکورہ اشیاء (کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ، اقوالِ صحابہ اور اجماعِ اُمت) کے خلاف نہ ہو وہ ہرگز مذموم نہیں ہوتی۔ ت) میں داخل ہوا اور امام شافعی کے قول کے برخلاف علامہ ابنِ حجر شافعی کا قول دیکھ کر اس زینہ اُترنے کو بدعتِ قبیحہ شنیعہ کہنا مردود و مطرود ہوگیا، عاقل منصف کے لئے اشارہ کافی ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

یہ میرے نزدیک ہے اور اللہ سب سے خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم اتم اور کامل ہے۔ (ت)

حررہ الفقیر الی ربہ القدیم عبدالرحیم عفی عنہ

الحمد للہ المنزل القراٰن المبین علی عارج معارج التقریب المکین صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وصحبہ اجمعین الیہ یصعد الکلم الطیب والحمد للہ رب العلمین۔

سب تعریف اللہ کے لئے جس نے قرآن مبین اس ذاتِ اقدس پر نازل فرمایا جو لامکان کی بلندیوں پر فائز ہُوئی صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وصحبہ اجمعین، اور اسی کی طرف مبارک کلمات بلند ہوئے ہیں، الحمد للہ رب العالمین۔ (ت)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام، فصل اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۱۶

الجواب

اقول وباللہ التوفیق کسی فعلِ مسلمین کو بدعتِ شنیعہ و ناجائز کہنا ایک حکم اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر لگانا ہے اور ایک حکم مسلمانوں پر۔ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تو یہ حکم کہ اُن کے نزدیک یہ فعل ناروا ہے اُنھوں نے اس سے منع فرمادیا ہے، اور مسلمانوں پر یہ کہ وہ اس کے باعث گنہ گار و مستحقِ عذاب وناراضیٔ رب الارباب ہیں۔ ہر خداترس مسلمان جس کے دل میں اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کامل عزّت وعظمت اور کلمۂ اسلام کی پوری توقیر و وقعت اور اپنے بھائیوں کی سچّی خیر خواہی ومحبت ہے کبھی ایسے حکم پر جرأت روا نہ رکھے گا جب تک دلیل شرعی واضح سے ثبوت کافی ووافی نہ مل جائے۔

قال اللہ تعالٰی ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون[1]۔ اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے: یا تم ایسی بات اللہ تعالٰی کی طرف سے کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں (ت)

کیا اللہ عزوجل پر بے علم حکم لگائے دیتے ہو، دلیل شرعی مجتہد کے لئے اصولِ اربعہ ہیں اور ہمارے لئے قولِ مجتہد صرف ایسی ہی جگہ علمائے کرام حکم بالجزم لکھتے ہیں اس کے سوا اگر کسی عالم غیر مجتہد نے کسی امر کی بحث کی تو ہرگز اُس مسئلے کو یُونہی نہیں لکھ جاتے کہ حکم یہ ہے بلکہ صراحۃً بتاتے ہیں کہ یہ فلاں یا بعض کی بحث ہے تاکہ منقول فی المذہب نہ معلوم ہو اور جس کا خیال ہے اُسی کے ذمّہ رہے وَلِّ حَارَّھَا مَنْ تَوَلّٰی قَارَّھَا (معاملہ کے گرم حال کو بھی اس کے سپرد کردو جو سرد حال کا مالک ہے یعنی اچھا پہلو جس کے سپرد کیا ہے بُرا پہلو بھی اسی کے سپرد کردو یا جو نفع اٹھاتا رہا وہی بوجھ اور نقصان بھی اٹھائے۔ اہلِ عرب کے نزدیک گرم چیز بُری اور ٹھنڈی چیز اچھی سمجھی جاتی ہے، حارّ العمل سخت اور کٹھن کام، اور قارّ العمل آسان کام۔ ت) اگر احیاناً کوئی اُسے بطور جزم لکھ جاتا ہے تو اُس پر گرفت ہوتی ہے کہ ساقہا مساق المنقول فی المذھب یہ اس مسئلے کو ایسا لکھ گیا گویا مذہب میں منقول ہے خود اسی ردالمحتار وغیرہ کے مواضع عدیدہ سے نظر کرنے والوں کو یہ بیان عیاں ہوجائے گا یہاں بھی علامہ شامی نے وہی طریق برتا، یہ نہ فرمایا کہ نزول وصعود ممنوع یا بدعت شنیعہ ہے بلکہ ابن حجر شافعی کا کلام نقل فرمادیا کہ ماخذ مسئلہ متمیز رہے منقول فی المذہب ہونا درکنار اپنے کسی عالم مذہب کا مذکور نہ سمجھا جائے وہی تحفظ امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالٰی نے ملحوظ رکھا، مسئلے کا حکم خود نہ لکھا جس سے جزم مفہوم ہو بلکہ فرمایا بحث بعضہم بعض نے یوں بحث کی ہے، بحث وہیں کہیں گے جہاں مسئلہ نہ منقول ہو نہ صراحۃً کسی کلیہ نامخصوصہ مذہب کے

---

[1] القرآن ۲/ ۸۰

تحت میں داخل ہو کہ ایسے کلیات سے استناد بحث و نظر پر موقوف نہیں مثلاً سوال کیا جائے کہ ایک لڑکے نے چھ مہینے پانچ دن چار گھڑی تین منٹ کی عمر میں ایک عورت کا دُودھ پیا اس کی دختر اس پر حرام ہوئی یا نہیں؟ جواب ہوگا کہ حرام، یہ صورتِ خاصہ اگرچہ اصلاً کسی کتاب میں منقول نہیں مگر اسے ہرگز بحثِ فلاں نہ کہا جائے گا کہ کتبِ مذہب میں اس کلیۂ عامہ کی تصریح ہے کہ مدت رضاعت کے اندر جو ارتضاع ہو موجبِ تحریم ہے، تو ثابت ہوا کہ علامہ شامی یا امام ابن حجر اُسے کسی کلیۂ مذہب کے نیچے بھی صراحۃً داخل ہونا نہیں مانتے ورنہ یہ قال ابن حجر و بحث بعضھم (ابن حجر نے کہا اور اس میں بعض نے بحث کی ہے۔ ت) پر اکتفا نہ کرتے، پھر بعضھم (کم از کم۔ ت) کے لفظ نے اور بھی اشعار کیا کہ یہ خیال صرف بعض کا ہے اکثر علماء اس کے مخالف ہیں یا لا اقل ان کی موافقت ثابت نہیں، خود علامہ شامی نے اسی ردالمحتار میں اس اشارہ و اشعار کی جا بجا تصریح کی، درمختار میں نظم الفرائد سے نقل کیا: ع

واعتاقہ بعض الائمۃ ینکر[1]

(بعض ائمہ کا اسے آزاد قرار دینا ناپسند ہے۔ ت)

اس پر علامہ شامی نے اعتراض نقل فرمایا:

مفھوم قولہ بعض الائمۃ ینکر انہ یجوزہ اکثرھم ولم ینقل ذلك[2] الخ — قولہ "بعض الائمۃ ینکر" کا مطلب یہ ہے کہ اکثر نے اسے جائز قرار دیا ہے الخ (ت)

بلکہ تصریح فرمائی کہ ایسی تعبیر اُس قول کی بے اعتمادی پر دلیل ہوتی ہے، درمختار کتاب الغصب میں تھا:

اختار بعضھم الفتوی علی قول الکرخی فی زماننا[3] — ہمارے زمانے میں بعض نے امام کرخی کے قول پر فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

شامی نے کہا:

ھذا من کلام الزیلعی اتی بہ لاشعار ھذا التعبیر بعدم اعتمادہ[4] (ملخصاً) — یہ امام زیلعی کا کلام ہے ان کی یہ تعبیر واضح کر رہی ہے کہ یہ معتمد نہیں (ملخصاً)۔ (ت)

---

[1] درمختار	کتاب الصید	مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی	۲/۲۶۴
[2] ردالمحتار	"	" مصطفی البابی مصر	۵/۳۳۹
[3] درمختار	کتاب الغصب	" مطبع مجتبائی دہلی	۲/۲۰۶
[4] ردالمحتار	"	" مصطفی البابی مصر	۵/۱۳۳

درمختار فصل صفۃ الصلوٰۃ میں تھا :

لوبقی حرف اوکلمۃ فاتمہ حال الانحناء لاباس بہ عند البعض منیۃ المصلی[1]

اگر ایک حرف یا کلمہ رہ گیا تھا جو نماز میں جھکنے کی حالت میں پورا کیا تو بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، منیۃ المصلی۔ (ت)

شامی نے لکھا :

قولہ لاباس بہ عند البعض اشار بھذا الی ان ھذا القول خلاف المعتمد[2] الخ

قولہ "بعض کے نزدیک کوئی حرج نہیں" اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ یہ قول معتمد کے خلاف ہے الخ (ت)

اس تقریر منیر سے بحمد اللہ تعالیٰ روشن ہوگیا کہ علامہ شامی خواہ امام ابن حجر کی تحریر اس دعوے جزم بحکم عدم جواز کے اصلا مساعد نہیں بلکہ ہے تو مخالف ہے اب رہی بعض کی بحث،

اقول اوّلاً وہ بعض مجہول ہیں اور مجہول الحال کی بحث مجہول المآخذ کیا قابلِ استناد بھی نہیں، اسی ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی میں ہے :

قول المعراج رأیت فی موضع الخ لایکفی فی النقل لجہالتہ[3]۔

صاحبِ معراج کا قول کہ میں نے کسی جگہ پڑھا ہے الخ ان کے عدمِ علم کی وجہ سے نقل کے لئے کافی نہیں (ت)

ثانیاً محتمل بلکہ ظاہر کہ وہ بعض ائمۂ مجتہدین سے نہیں اور مقلدین صرف کہ کسی طبقۂ اجتہاد میں نہ ہوں نہ خود اپنی بحث پر حکم لگا سکتے ہیں نہ دوسرے پر اُن کی بحث حجت ہوسکتی ہے والا لکان تقلید مقلد وھو باطل اجماعا (ورنہ یہ مقلد کی تقلید ہوجائے گی اور وہ بالاتفاق باطل ہے۔ ت)

ثالثاً اس پر کوئی دلیل ظاہر نہیں،

اگر کہیے حادث ہے **اقول** مجرد حدوث اصلاً نہ شرعاً دلیل منع، نہ اس کی حجیت علامہ شامی نہ امام ابن حجر نہ ان بعض کسی کو تسلیم۔ ردالمحتار میں ہے :

صاحب بدعۃ ای محرمۃ والا فقد تکون

صاحبِ بدعت محرمہ ہوگا ورنہ وہ بدعت واجبہ

---

[1] درمختار واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۵
[2] ردالمحتار " " " " مصطفی البابی مصر ۱/۳۶۴
[3] " کتاب النکاح، باب الولی " " " ۲/۳۳۹

واجبة کنصب الادلة للرد علی اھل الفرق الضالة وتعلم النحو المفھم للکتاب والسنة ومندوبة کاحداث نحو رباط ومدرسۃ و کل احسان لم یکن فی الصدر الاول ومکروھۃ کزخرفۃ المساجد ومباحۃ کالتوسع بلذیذ الماٰکل والمشارب والثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تھذیب النووی و مثلہ فی الطریقۃ المحمدیۃ للبرکوی[1]۔

ہوگی جیسے کہ گمراہ فرقوں کی گمراہی کا رد کرنے کے لئے دلائل قائم کرنا اور علمِ نحو کا سیکھنا جو کتاب وسنت کی تفہیم کے لئے ضروری ہے، یا وہ مستحب ہوگی جیسے کہ سرائے اور مدرسہ اور ہر وہ نیکی کا کام جو پہلے دور میں نہ تھا، اور وہ مکروہ ہوگی جیسے مساجد کو مزین کرنا، اور مباح ہوگی جیسے کھانے پینے اور لباس میں وسعت اختیار کرنا جیسا کہ امام مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب نووی سے بیان کیا، اور برکوی کی طریقہ محمدیہ میں بھی اسی طرح ہے۔ (ت)

امام ابن حجر فتح المبین میں فرماتے ہیں:

الحاصل ان البدعۃ الحسنۃ متفق علی ندبھا وعمل المولد واجتماع الناس لہ کذلک[2]۔

حاصل یہ ہے کہ بدعت حسنہ کے مندوب ہونے پر اہلِ علم کا اتفاق ہے، میلاد شریف کرنا اور اس کے لئے لوگوں کا اجتماع بھی بدعتِ حسنہ ہی ہے۔ (ت)

خود اسی قول میں بدعت کو قبیحہ شنیعہ سے مقید کرنا مشعر ہے کہ نفس بدعیت مستلزم قبح وشناعت نہیں معہذا یوں تو وہ محل جس پر یہ نزول وصعود ہوتا ہے یعنی ذکرِ سلاطین خود ہی بدعت تھا تو اس نزول وصعود کے ساتھ تخصیص کلام کی وجہ نہ تھی، اسی ردالمحتار میں بعد نقل عبارت جامع الرموز:

ثم یدعو لسلطان الزمان بالعدل والاحسان متجنبا فی مدحہ عما قالوا انہ کفر و خسران کما فی الترغیب وغیرہ[3] اھ۔

پھر بادشاہِ وقت کے لئے یہ دُعا کی جائے کہ اللہ تعالٰی اسے عدل واحسان کی توفیق دے لیکن بادشاہ کی مدح سرائی سے اجتناب کرے کیونکہ علماء نے کہا ہے کہ ایسا کرنا کفر اور خسارہ ہے جیسا کہ ترغیب وغیرہ میں ہے (ت)

فرمایا:

اشار الشارح بقولہ وجوز الی حمل قولہ

شارح نے "یہ جائز ہے" کہہ کر اس طرف اشارہ

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۴
[2] فتح المبین
[3] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۹

ثوید عوعلی الجواز لاالندب لانه حکم شرعی لابدله من دلیل وقد قال فی البحر انه لایستحب لماروی عن عطاء رضی اللّٰه تعالٰی عنه حین سئل عن ذلك فقال انه محدث وانما کانت الخطبة تذکیرا اھ ولا مانع من استحبابه فیھا کما یدعی لعموم المسلمین فان فی صلاحه صلاح العالم وما فی البحر من انه محدث لاینافیه فان سلطان ھذا الزمان احوج الی الدعاء له ولامرائه بالصلاح والنصر علی الاعداء وقد تکون البدعة واجبة او مندوبة اھ مختصرا۔[1]

کیا ہے کہ" پھر دُعا کرے" کے الفاظ جواز پر محمول ہیں ندب پر نہیں کیونکہ ندب حکم شرعی ہے اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے، اور بحر میں ہے کہ یہ مستحب نہیں کیونکہ حضرت عطا رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ سے اس بارے میں پُوچھا گیا تو فرمایا یہ نئی ایجاد ہے اور خطبہ تو محض نصیحت کے لئے ہوتا ہے اھ تو خطبہ میں سلطان کے لئے دُعا کے مستحب ہونے میں کوئی امر مانع نہیں جیسے کہ تمام مسلمانوں کے لئے اس میں دعا کی جاتی ہے کیونکہ سلطان کی اصلاح تمام جہان کی اصلاح ہوتی ہے، اور جو بحر میں ہے کہ یہ نئی چیز ہے وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ اس دور میں بادشاہ اور اس کے رفقاء اس دُعا کے زیادہ محتاج ہیں کہ ان کی اصلاح ہو اور وہ دشمن پر غالب آئے اور بعض اوقات بدعت واجب یا مندوب ہوتی ہے اھ مختصراً (ت)

اگر کہئے زیادت علی السنۃ ہے **اقول** یُوں تو ذکر سلاطین بلکہ ذکر عمین کریمین و بتول زہرا و ریحانتین مصطفٰی وستہ باقیہ من العشرۃ المبشرۃ بلکہ ذکر خلفائے اربعہ بھی صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وعلیہم جمیعا وبارک وسلم سب زیادت علی سنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ٹھہریں گے، زیادہ علی السنۃ وہ مکروہ ہے کہ باعتقاد سنّت ہو ورنہ باعتقادِ اباحت یا ندب زیادت نہیں۔ درمختار بیان سنن الوضوء میں ہے:

لوزاد لطمانینة القلب اولقصد الوضوء علی الوضوء لاباس به وحدیث فقد تعدی محمول علی الاعتقاد۔[2]

اگر کسی نے (تین سے) زائد بار اعضاء کو دھویا اور مقصد اطمینانِ قلب یا وضو پر وضو تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں، باقی فرمانِ نبوی "ایسا کرنے والے نے زیادتی کی" اعتقاد (کہ اس کے بغیر وضو نہیں ہوتا) پر محمول ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۹

[2] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲

اسی ردالمحتار میں بدائع امام ملک العلماء سے ہے :

الصحیح انه محمول علی الاعتقاد دون نفس الفعل حتی لو زاد اونقص واعتقد ان الثلاث سنة لایلحقه الوعید[1]

صحیح یہ ہے کہ یہ اعتقاد پر محمول ہے نفسِ فعل پر نہیں حتی کہ اگر کسی نے اضافہ کرلیا یا کمی کی مگر عقیدہ یہ تھا کہ سنّت تین دفعہ ہی ہے تو اسے وعید لاحق نہ ہوگی۔ (ت)

خود علامہ شامی فرماتے ہیں :

اقول قد تقدم ان المنهی عنه فی حدیث قد تعدی محمول علی الاعتقاد عندنا کما صرح به فی الهدایة وغیرہ وقال فی البدائع انه الصحیح حتی لو زاد او نقص واعتقد ان الثلاث سنة لایلحقه الوعید (الی ان قال) ان من اسرف فی الوضوء بماء النهر مثلا مع عدم اعتقاد سنة ذلك نظیر من ملأ اناءً من النهر ثم افرغه فیه ولیس فی ذلك محذور سوی انه عبث لافائدة فیه وهو فی الوضوء زائد علی المامور به فلذا سمی فی الحدیث اسرافاً قال فی القاموس الاسراف التبذیر اوما انفق فی غیر طاعة ولا یلزم من کونه زائدا علی المامور به وغیر طاعة ان یکون حراماً نعم اذا اعتقد سنیته یکون قد تعدی وظلم لاعتقادہ مالیس بقربة قربة فاذا حمل علماؤنا النهی علی ذلك[2]

میں کہتا ہُوں کہ پہلے گزرا کہ ہمارے نزدیک فرمانِ نبوی "اس نے زیادتی کی" میں ممنوع اعتقاد ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے ، اور بدائع میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اگر کسی نے اضافہ کیا یا کمی کی اور اعتقاد یہ رکھا کہ سنّت تین دفعہ ہی ہے تو وہ گنہ گار نہ ہوگا (آگے چل کر کہا کہ) وہ شخص جو نہر کے پانی میں وضو کرتے ہُوئے اسراف کرتا ہے لیکن اس کے سنت ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا یہ اس شخص کی طرح ہی ہے جس نے نہر سے برتن بھرا پھر اس میں واپس ڈال دیا ، تو اس میں کوئی قباحت نہیں سوائے اس کے یہ عمل عبث ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ مامور بہ وضو میں زائد شئ ہے پس اسی لئے حدیث میں ایسے کو اسراف کا نام دیا گیا ہے۔ قاموس میں ہے اسراف ، فضول خرچی یا ایسی جگہ خرچ کرنا ہے جو مقام طاعت کے علاوہ ہو ، مامور بہ سے زائد یا مقامِ طاعت کے علاوہ خرچ کرنے سے اس کا حرام ہونا لازم نہیں آتا البتہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۹
[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۸

اگر کہئے اس میں اندیشہ ہے کہ عوام سنّت سمجھ لیں گے **اقول** اوّلاً وہی نقوض ہیں کہ یہ نفس اذکار بھی سنت نہیں تو وہ اندیشہ یہاں بھی حاصل۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اندیشہ مذکورہ نہ فعل کو بدعت قبیحہ شنیعہ کر دیتا ہے نہ اس کے ترک کو واجب، بلکہ جہاں اندیشہ ہو صرف اتنا چاہئے کہ علماء کبھی کبھی اُسے بھی ترک کر دیں تاکہ عوام سنّت نہ سمجھ لیں، اسے ناجائز و بدعتِ قبیحہ ہونے سے کیا علاقہ! فقیر غفر المولی القدیر نے اپنی کتاب رشاقۃ الکلام حاشیۃ اذاقۃ الاثام میں اس کی بکثرت تصریحات ائمۂ دین وعلمائے معتمدین حنفیہ وشافعیہ ومالکیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیں، اسی رد المحتار میں فتح القدیر سے ہے:

مقتضی الدلیل عدم المداومۃ لا المداومۃ علی الترک فان لزوم الایھام ینتفی بالترک احیانا اھ باختصار

دلیل کا تقاضا عدمِ مداومت ہے نہ کہ ترک پر مداومت کیونکہ کبھی کبھار ترک سے لازم و واجب ہونے کی نفی ہوجاتی ہے اھ باختصار (ت)

اب نہ رہا مگر ادعائے عبث کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں اور عبث ہر جگہ مکروہ ہے نہ کہ خود عبادت میں۔ اس کا جواب الف ثانی کے مکتوبات سے فاضل مجیب دوم سلمہٗ نے بروجہ کافی نقل کر دیا جس سے اس کی مصلحت ظاہر ہوگئی اور توہم عبث زائل ہولیا۔

وانا اقول وباللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) جن اعصار و امصار میں بعض نے یہ بحث کی وہاں اس فعل پر ایک نکتہ جمیلہ و دقیقہ جلیلہ اصول شرعی سے ناشئ ہوسکتا ہے جس سے یہ فعل شرعاً نہایت مفید و مہم قرار پاتا اور بحث باحث کا اصلاً پتا نہیں رہتا ہے خطبے میں ذکر سلاطین اگرچہ محدث ہے مگر شعارِ سلطنت قرار پاچکا یہاں تک کہ کسی ملک میں کسی کی سلطنت ہونے کو یُوں تعبیر کرتے ہیں کہ وہاں اس کا سکّہ وخطبہ جاری ہے، سلطنتِ اسلامی میں اگر خطیب ذکرِ سلطان ترک کرے موردِ عتاب ہوگا، مصر ہو تو گویا باغی اور سلطنت کا منکر ٹھہرے گا اور ایسی حالت میں مباح بلکہ مکروہ بھی بقدر اندیشہ فتنہ موکد بلکہ واجب تک مترقی ہوتا ہے، اسی ردالمحتار میں اسی مسئلہ ذکرِ سلطان میں ہے:

وایضا فان الدعاء للسلطان علی المنابر قد صار الاٰن من شعار السلطنۃ فمن ترکہ یخشی علیہ ولذا قال بعض العلماء لو قیل ان الدعاء لہ واجب لما فی ترکہ

سلطان کے لئے منبر پر دُعا کرنا بھی اب سلطنت کے شعار میں سے ہوگیا ہے، جو اسے ترک کرے گا اس پر نقصان کا خدشہ ہے، اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ اس میں کوئی بُعد نہیں اگر یہ کہہ دیا جائے

من الفتنة غالبا لم يبعد کما قیل بہ فی قیام الناس بعضھم لبعض[1]

کہ سلطان کے لئے دُعا کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے ترک پر غالباً فتنہ اُٹھنے کا اندیشہ ہوتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کے بعض کے لئے قیام کے بارے میں کہا گیا ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ صدہا سال سے اکثر سلاطینِ زماں فساق ہیں، اس کا فسق اور کچھ نہ ہو تو حدودِ شرعیہ یک لخت اُٹھا دینا اور خلافِ شریعتِ مطہرہ طرح طرح کے ٹیکس اور جرمانے لگانا کیا تھوڑا ہے، اسی ردالمحتار آخر کتاب الاشربہ میں سیدی عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے:

قد قالوا من قال لسلطان زماننا عادل کفر[2]

علماء نے فرمایا جو ہمارے دور کے سلطان کو عادل کہے گا وُہ کافر ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ جس طرح وُہ خطبہ میں اپنا نام نہ لانے پر ناراض ہوں گے یوں ہی اگر نام بے کلمات مدح وتعظیم لایا جائے تو اس سے زیادہ موجبِ افروختگی ہوگا اور فاسق کی مدح شرعاً حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ العرش[3] رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ وابویعلی فی مسندہ والبیھقی فی شعب الایمان عن انس بن مالك وابن عدی فی الکامل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

جب فاسق مدح کیا جاتا ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب عرشِ الٰہی ہل جاتا ہے۔ اسے امام ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ، ابویعلٰی نے مسند اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

خطباء جب کہ مجبوراً اس میں مبتلا ہُوئے ان بندگانِ خدا نے چاہا کہ اس ذکر کو خطبے سے علیحدہ بھی کردیں کہ نفسِ عبادت اسی امر پر مشتمل ہے اور بالکل خطبے سے جُدائی بھی معلوم ہو کہ آتشِ فتنہ مشتعل نہ رہے اس

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۹

[2] ردالمحتار کتاب الاشربہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۲۰

[3] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ باب فی حفظ اللسان مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۲۳۰

کے لئے اگر یُوں کرتے کہ خطبہ پڑھتے پڑھتے کچھ دیر خاموش رہتے اس کے بعد ذکرِ سلاطین کرکے بقیہ خطبہ تمام کرتے تو ہرگز کافی نہ تھا کہ مجلس واحد رہی اور مجلس واحد حسبِ تصریح کافہ ائمہ جامع کلمات ہوتی ہے جو کچھ ایک مجلس میں کہا گیا گویا سب الفاظ دفعۃً واحدۃ معاً صادر ہوئے۔

وعن ھذا یتم ارتباط الایجاب بالقبول اذا لحقہ فی المجلس والا فی الایجاب انما کان لفظا صدر فعدم و القبول لم یوجد بعد واذا وجد لم یکن الایجاب موجوداً والموجود لا یرتبط بالمعدوم کما افادہ فی الھدایۃ وغیرھا۔

اور اسی سے ایجاب کا قبول سے ربط تام ہوگا بشرطیکہ وہ مجلس کے اندر رہی ہو ورنہ جب ایجاب لفظاً صادر ہوا اور ابھی تک قبول معرضِ وجود میں نہیں آیا اور جب وُہ معرضِ وجود میں آیا تو ایجاب نہ تھا اور موجود کسی معدوم سے مرتبط نہیں ہوسکتا، ہدایہ وغیرہ میں ایسے ہی تحریر ہے (ت)

لہذا یہ تدبیر نکالی کہ اس ذکر کے لئے زینہ زیریں تک اُتر آئیں اور بقدرِ امکان مجلس بدل دیں کہ خطبہ پڑھتے پڑھتے نیچے اترنا شرعاً اُس کے قطع ہی کے لئے معہود ہے تو عموماً اجنبی خصوصاً بہ نیت قطع، تبدل مجلس و انفصالِ ذکر کا باعث ہوگا جس طرح تلاوتِ آیتِ سجدہ میں ایک شاخ سے دوسری پر جانے کو علماء نے تبدیلِ مجلس گنا ہے۔ اسی ردالمحتار میں ہے:

لعل وجھہ ان الانتقال من غصن الی غصن والتسدیۃ ونحو ذلك اعمال اجنبیۃ کثیرۃ یختلف بھا المجلس حکما کالکلام والاکل الکثیر لما مر من ان المجلس او البیت یختلف حکما بمباشرۃ عمل یعد فی العرف قطعا لما قبلہ ولا شك ان ھذہ الافعال کذلك وان کانت فی المسجد او البیت بل یختلف بھا حقیقۃ لان المسجد مکان واحد حکما وبھذہ الافعال المشتملۃ علی الانتقال یختلف

شاید وجہ یہ ہے کہ ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف منتقل ہونا اور کپڑا بنانے کے لئے تانا لگانا اعمال اجنبی اور کثیر ہیں جن کی وجہ سے مجلس حکماً مختلف ہوجاتی ہے جیسے کثیر کلام اور طعام سے مجلس بدل جاتی ہے جیسا کہ پیچھے گزرا کہ مجلس اور گھر، ہر ایسے کام سے حکماً تبدیل ہوجاتے ہیں جنھیں عرف میں ما قبل کام کو ختم کرنے والا کہا جاتا ہو اور ان افعال کے ایسا ہونے میں کوئی شک ہی نہیں اگرچہ یہ مسجد یا گھر میں سرزد ہوں بلکہ ان میں حقیقۃً تبدیلی آجائے گی کیونکہ مسجد حکماً ایک جگہ کی طرح ہوتی ہے

حقیقة بخلاف الاکل فان الاختلاف فیہ حکمی[1]   اور ان افعال جوانتقال پر مشتمل ہیں کی وجہ سے حکماً مختلف ہوجائے گی بخلاف کھانے کے، کیونکہ اس میں اختلاف حکماً ہوگا۔ (ت)

اس میں اس قدر ہوگا کہ بیچ میں خطبہ قطع کرنا ہُوا اُس محظور کے دفعہ کو، اس میں کیا محذور جب خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں شاہزادوں کے لینے کے لئے خطبہ قطع فرماکر نیچے اُترنا پھر اوپر تشریف لے جانا ثابت تو بعضھم کی بحث اصلاً متجہ نہ تھی۔ غرض نقل مذکور میں مدعی عدمِ جواز کے لئے کوئی محلِ احتجاج نہیں، جہاں صورت یہ ہو جو فقیر نے ذکر کی وہاں اس نزول وصعود سے یہی نیت کریں اور جب ذکرو مدح سلطان ترک نہ کرسکیں اس مصلح کے ترک کی کوئی وجہ نہیں، اور جہاں ایسا نہ ہو جیسا ہمارے بلاد میں وہاں مدح میں الفاظ باطلہ ومخالفۂ شرع ذکر کرنا خود حرام خالص ہے، خصوصاً کذب وشنائع کو عبادت میں ملانا، تو اس کے ملئے یہ نزول عذر نہیں ہوسکتا، اور جب مخالفاتِ شرع سے پاک تو بہ نیتِ اظہارِ مراتب، جس طرح شیخ مجدد رحمہ اللہ تعالٰی کے مکتوبات میں ہے: نزول وصعود ایک وجہ موجہ رکھتا ہے اس صورت میں اس پر نکیر لازم نہیں، ہاں عوام سے اندیشۂ اعتقادِ سنیّت کے سبب علماء کو مناسب کہ گاہ گاہ اس نزول وصعود بلکہ خود ذکرِ سلطان اعزاللہ نصرہ کو بھی ترک کریں ورنہ دعائے سلطان اسلام مجبوب ومندوب ہے اور اس نیت کے لئے نزول وصعود میں بھی حرج نہیں، اور بے دلیل شرعی مسلمانوں پر الزام گناہ وارتکاب بدعت شنیعہ باطل مبین، پس احق بالقبول حکم مجیب ثانی ہے ھذا ما ظھرلی (یہ مجھ پر واضح ہوا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۵۱: از ڈاک خانہ مہرگنج چرٹنگی ضلع بریسال مکان منشی عبدالکریم مرسلہ محمد حسین صاحب ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

یک فریق اسمہ دودمیاں متواطن فورید فوری اند صلوۃ جمعہ را بملک بنگالہ بلکہ ہند را حرام گویند چرا اینجا شہر نیست بمصداق قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وینفذالاحکام ویقیم الحدود ایں تعریف نیست مگر اجرت تسبیح وتہلیل وغیر ذلک اخذمی کنند ویک جماعت صلوۃ جمعہ رامی خوانند وایں دیار را

ایک فریق جو فوریدفوری میں رہائش پذیر ہیں ان کو دودمیاں کہا جاتا ہے ان کے نزدیک بنگالہ بلکہ تمام ہندوستان میں جمعہ حرام ہے کیونکہ یہاں جو شہر ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کہ (وہاں حاکم احکام نافذ کرے اور حدود جاری کرے) کی تعریف پر پُورے نہیں اترتے، حالانکہ

---

[1] ردالمحتار   باب سجود التلاوۃ   مطبوعہ مصطفی البابی مصر   ۱/ ۵۷۴

شہر گویند بمطابق قول صاحبین وہو قول البعض و ہو
موضع اذا اجتمع اہلہ فی اکبر مساجدہ لم یسعہم فہو مصر مصداق
ایں کہ ملک بنگالہ و ہند را شہر بگویند و نماز مذکور درو
ادا می کنند مگر اجرت تسبیح تہلیل را حرام گویند
وایں گویند بمطابق قول امام اعظم حرام است و
نزد صاحبین جائز ست مگر قول متقدمین را اتباع
می کنم و متاخرین در پائے نشدم علی ہذا القیاس
ایں ہر دو جماعت تنازع می کنند۔

وہ تسبیح و تہلیل پر اجرت لیتے ہیں، ایک جماعت ______ جمعہ ادا کرتی ہے اور اس علاقہ کو صاحبین کے قول کے مطابق شہر قرار دیتی ہے، اور البعض کا قول ہے کہ شہر کی اس تعریف "ہر وہ جگہ جس کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے تمام لوگ جمع ہوں تو وہ ان کی گنجائش نہ رکھتی ہو" کے مطابق ملک بنگالہ اور تمام ہندوستان کو شہر کہتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں، تسبیح تہلیل پر اُجرت حرام کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کے قول کے مطابق حرام اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے مگر میں متقدمین کے قول کی اتباع کروں گا نہ کہ متاخرین کی، علٰی ہذا القیاس یہ دونوں جماعتیں آپس میں تنازع کر رہی ہیں۔ (ت)

الجواب

آنکہ گویند المصر ما لا یسع اکبر مساجدہ
اہلہ نہ مذہب امام ست نہ قولِ صاحبین بلکہ روایت
نادرہ مرجوحہ است وحاجت باو نیست امصار دیار
ہند و بنگالہ بلاشبہہ شہرہائے دار الاسلام ست و
جمعہ درانہا فرض و ترک او معصیت شدیدہ و انکار او
ضلالت بعیدہ در مذہب امام و سائر ائمہ مامصر
آنست کہ کوچہا و بازارہائے دائمہ داشتہ باشد
و مر او را روستاہا باشد چنانکہ او را در اصطلاح حال
ضلع یا پرگنہ خوانند و در و حاکمے باشد کہ بحشمت و
سطوت خود داد ستم زدہ از ستمگراں تواں گرفت اگرچہ
نگیرد ہمین ست معنی ینفذ الاحکام و یقیم
الحدود الا از ہند و بنگالہ چہ گوئی خود حرمین محترمین
نیز از مصریت خارج شوند و اقامتِ جمعہ آنجا

یہ جو شہر کی تعریف کر رہے ہیں کہ وُہ مقام جس کی سب سے بڑی مسجد وہاں کے لوگوں کے لئے گنجائش و وسعت نہ رکھتی ہو یہ مذہب امام ہے نہ صاحبین کا قول، بلکہ روایتِ نادرہ مرجوحہ ہے اور اس کی حاجت بھی نہیں ہندوستان اور بنگال بلاشبہ شہر دار الاسلام ہیں ان میں جمعہ فرض ہے، اس کا ترک سخت گناہ اور اس کا انکار شدید گمراہی ہے۔ امام اعظم اور باقی سب ائمہ کے ہاں شہر وُہ ہوتا ہے جس کے کُوچے ہوں اور دائمی بازار ہوں اور اس کے لئے دیہات ہوں جنھیں موجودہ اصطلاح میں ضلع یا پرگنہ کہا جاتا ہے اور وہاں کوئی نہ کوئی ایسا حاکم ہو جو اتنے اختیارات رکھتا ہو کہ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلا سکے اگرچہ وُہ عملاً ایسا نہ کر رہا ہو" وُہ احکام کو نافذ کر سکے اور

حرام زیراکہ حدود از صدہا سال مفقود ومسدود شدہ است وبر تسبیح وتہلیل اُجرت خواندن گرفتن روانیست اجارہ در امور مباحہ باشد نہ در طاعت ومعصیت کماحققہ المولی بن عابدین الشامی فی ردالمحتار والعقود الدریۃ وشفاء العلیل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حدود قائم کرسکے" کا یہی معنٰی ہے ورنہ ہند اور بنگلہ کی کیا بات ہُوئی خود حرمین شریفین بھی شہر کی تعریف سے خارج ہوجائیں گے اور وہاں جمعہ حرام ہوگا کیونکہ حدود کا قیام صدیوں سے ختم اور بند ہوگیا ہے' اور تسبیح و تہلیل پر اُجرت لینا جائز نہیں کیونکہ کرایہ واجرت امورِ مباحہ میں ہوتی ہے نہ کہ امورِ طاعت ومعصیت میں' جیساکہ ابن عابدین شامی ردالمحتار' عقود الدریۃ اور شفاء العلیل میں اس کی تحقیق کی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵۱ از کلکتہ دھرم تلہ اسٹریٹ مرسلہ مولوی عبدالمطلب صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

حامدا ومصلیا۔ ماقولکم ایھا العلماء الکرام من الاحناف العظام فی ھذہ المسئلۃ ان صلوۃ الجمعۃ واجبۃ علی اھل القری ام لا۔ بینوا بجواب شاف توجروا بثواب واف۔

اللہ تعالٰی کی حمد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے' حنفی علماء کرام کا اس مسئلہ میں کیا فرمان ہے کہ اہلِ دیہات پر جمعہ لازم ہے یا نہیں؟ جواب کافی سے نواز کر ثوابِ کامل حاصل کریں۔ (ت)

الجواب

الجمعۃ علی اھل القری لیست بواجبۃ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لاجمعۃ ولاتشریق ولاصلوۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع اوفی مدینۃ عظیمۃ[1] وفی فتح القدیر ان قولہ تعالٰی فاسعوا الٰی ذکراللہ لیس علی اطلاقہ اتفاقا بین الامۃ اذ لایجوز اقامتھا فی البراری اجماعا ولا فی کل قریۃ عندہ فکان خصوص المکان مرادا

جمعہ اہلِ دیہات پر لازم نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جمعہ' تکبیراتِ تشریق' عیدالفطر اور عیدالاضحٰی کی نماز صرف جامع شہر یا بہت بڑے شہر میں ہی ہوسکتی ہیں۔ فتح القدیر میں ہے اللہ تعالٰی کا فرمان "پس تم اللہ تعالٰی کے ذکر کی طرف بھاگو" ائمہ کے ہاں بالاتفاق مطلق نہیں کیونکہ جمعہ کا قیام جنگلوں میں بالاتفاق جائز نہیں اور امام شافعی کے نزدیک دیہات میں جمعہ نہیں ہوسکتا تو یہاں

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۰۱

ف: مصنفِ ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً منقول ہے۔ نذیر احمد

فيها اجماعا فقدر الشافعي القرية الخاصة
وقدرنا المصر وهو اولى لحديث علي
رضي الله تعالىٰ عنه ولو عورض بفعل
غيره كان علي رضي الله تعالىٰ عنه مقدما عليه
فكيف ولم يتحقق معارضة ما ذكرنا اياه
ولهذا لم ينقل عن الصحابة انهم حين
فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر و
الجمع الا في الامصار دون القرى ولو كان
لنقل ولو احاداً[1] وايضا ان الجمعة فرضت
على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم
وهو بمكة قبل الهجرة[2] كما اخرجه
الطبراني عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ
عنه فلم يكن اقامتها من اجل الكفار
فلما هاجر النبي صلى الله تعالىٰ عليه
وسلم ومن هاجر معه من اصحابه الى
المدينة لبث رسول الله صلى الله تعالىٰ
عليه وسلم في بني عمرو بن عوف اربعة
عشر اياما ولم يصل الجمعة فهذا دليل
على عدم الجمعة في القرى والا لصلى
رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم
الجمعة ومع ان البخاري روى في صحيحه
كان الناس يتنابون وفي رواية يتناولون
الجمعة من منازلهم والعوالي فياتون في

بالاتفاق جگہ کی تخصیص کرنا ہوگی۔ امام شافعی نے دیہات
کی تحقیق کی اور ہم نے شہر کی، اور شہر حدیث علی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی وجہ سے اولیٰ ہے اور اس کا معارضہ اگر
دوسرے کے عمل سے ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کو اس پر تقدیم ہوگی اور یہ تقدیم کیوں نہ ہو کہ ہمارے
مذکور معنی کے خلاف معارضہ ثابت ہی نہیں اسی لئے
صحابہ سے یہی منقول ہے کہ جب انھوں نے علاقے
فتح کئے تو فقط شہروں میں جامع مسجد اور منبر بنائے
نہ کہ دیہاتوں میں، اور اگر وہ دیہاتوں میں بناتے
توان کا یہ عمل منقول ہوتا خواہ کوئی ایک ہی روایت
ہوتی، اور یہ بھی مسلّم ہے کہ جمعہ حضور علیہ السلام پر
مکہ میں قبل از ہجرت فرض ہوا جیسا کہ امام طبرانی نے
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے
لیکن وہاں کفار کی وجہ سے آپ نے جمعہ قائم نہ فرمایا
جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے
مدینہ طیبہ ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
چودہ دن تک قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے رہے
مگر آپ نے وہاں جمعہ قائم نہ فرمایا، یہ دلیل ہے اس
پر کہ دیہات میں جمعہ نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم وہاں جمعہ قائم فرماتے اور باوجودیکہ امام بخاری
نے صحیح روایت کیا کہ لوگ جمعہ پاتے تھے، اور ایک
روایت میں ہے کہ لوگ اپنے اپنے گھر اور عوالی سے جمعہ
کیلئے آتے پس وہ غبار میں آتے تو انھیں غبار پہنچتی

له و ٢ه فتح القدير باب صلوة الجمعة مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۳

الغبار فیصیبھم الغبار والعرق ویخرج من العرق[1] الحدیث وفی القدوری ولا تصح الجمعۃ الا فی مصرجامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری[2] قال مولنا بحرالعلوم فی ارکانہ تحت قولہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الٰی ذکر اللہ وذروا البیع ای یحرم البیع ویجب السعی الی الجمعۃ بعد سماع النداء ثم ان البیع قد یطول الکلام فیہ فیفوت الخطبۃ او الجمعۃ لان التجار لا یترکون صفقاتھم فی ھذا الزمان ولذا امنع من النداء الاول[3] فالبیع والشراء فی المصر ظاھر[4] وقال ایضا فیہ ویکرہ للمریض وغیرہ من المعذورین ان یصلوا الظھر یوم الجمعۃ بجماعۃ، ولا باس بالجماعۃ للظھر للقروی لان الجمعۃ جامعۃ للجماعات فی المصر[3] فعلم ان الشرط المصر لوجوب الجمعۃ مشروع لانہ جری التوارث من لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی ھذا الاٰن ان لا یصلی الجمعۃ

اور پسینہ آتا۔ اور قدوری میں ہے کہ جمعہ کے لئے شہر کی جامع مسجد یا شہر کی عیدگاہ کا ہونا ضروری ہے دیہات میں جمعہ جائز نہیں، مولٰنا بحرالعلوم "ارکان الاسلام" میں اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی "اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے ندا دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ آؤ اور بیع ترک کر دو" کے تحت لکھتے ہیں یعنی اذان کے بعد بیع حرام ہے اور جمعہ کی طرف سعی لازم ہے پھر بیع میں گفتگو طویل ہو جانے کی وجہ سے جمعہ اور خطبہ فوت ہو جاتا ہے کیونکہ اس دور کے تاجروں میں ایسی صفات متروک نہیں اور اسی لئے ندا اول کے وقت ہی سے اس سے منع کر دیا گیا، پس بیع و شراء کا شہر میں ہونا ظاہر ہے، اور وہاں یہ بھی فرمایا کہ مریض اور دیگر معذور لوگوں کے لئے جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا مکروہ ہے البتہ دیہاتی لوگوں کے لئے ظہر کی جماعت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شہر میں جمعہ تمام جماعتوں کا جامع ہوتا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وجوبِ جمعہ کے لئے شہر کا شرط ہونا مشروع ہے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ظاہری حیات سے لے کر آج تک یہی متوارث ہے کہ اہلِ دیہات جمعہ نہیں پڑھتے، تو

---

[1] صحیح البخاری — باب من این تؤتی الجمعۃ الخ — قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۳

[2] المختصر للقدوری — باب صلٰوۃ الجمعۃ — مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ص ۳۹

[3] رسائل الارکان — فصل فی الجمعۃ — مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۸

[4] ایضاً

اهل البدو والقرى فالعمل على قول صاحب
القدوري لازم على المقلدين لانه قوله مطابق
لمذهب الحنفي واتبعوه ورجحوه جمهور فقهاء
المحققين ولم ينكره احد من علماء الحنفيين
كما في رد المحتار[1] فعلينا اتباع ما رجحوه
وما صححوه كما لو افتونا في حيوتهم الحق
احق بالاتباع والمقلد الذي يخالفه فحكمه
غير جائز كما في الدر المختار واما
المقلد فلا ينفذ قضاءه بخلاف
مذهبه اصلاً[2] فشرط المصر لصحة الجمعة
محقق عند جمهور الحنفية بلا انكار
احد لكن الاختلاف بينهم في تعريف
المصر البتة فقال الامام الشافعي موضع
فيه بنيان غير منتقلة ويكون المقيمون
اربعون رجلا من اصحاب المكلفين فاذا
كان كذلك لزمت الجمعة واختلف
الروايات في مذهبنا ففي ظاهر الروايات
بلدة لها امام او قاض يصلح لاقامة
الحدود وفي فتح القدير قال الامام
ابوحنيفة المصر كل بلدة فيها
سكك واسواق وبها رساتيق ووال ينصف
المظلوم من الظالم وعالم يرجع اليه

صاحبِ قدوری کے قول پر مقلدین کے لئے عمل لازم
ہے کیونکہ ان کا قول مذہب حنفی کے مطابق ہے اور
جمہور فقہاء محققین نے اسی کی اتباع کرتے ہوئے
اسے ہی راجح قرار دیا ہے اور علماء احناف میں سے
کسی نے اس کا انکار نہیں کیا جیسا کہ رد المحتار میں ہے
تو ہم پر اس کی اتباع لازم ہے جسے انھوں نے راجح
کہا اور اس کی تصحیح کی جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں اس
پر ہمیں فتویٰ دیتے تو اسی کی اتباع کی جاتی اور حق ہی
اتباع کے لائق ہے اور وہ مقلد جو اس کی مخالفت کرے
اس کا حکم جائز نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے، بہرحال اپنے
مذہب کے خلاف مقلد کی قضا اصلاً نافذ نہ ہوگی،
صحتِ جمعہ کے لئے شہر کا شرط ہونا جمہور احناف کے
ہاں ثابت ہے اور اس میں کسی کو انکار نہیں، ہاں
تعریفِ شہر میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے،
امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر وہ جگہ جہاں نہ منتقل ہونے
والی آبادی ہو اور وہاں چالیس مکلف آدمی مقیم ہوں
تو وہاں جمعہ لازم ہو جاتا ہے، ہمارے مذہب میں
اس بارے میں روایات مختلف ہیں، ظاہر الروایت
میں ہے کہ ایسا شہر ہو جس میں کوئی ایسا امام یا قاضی
ہو جو اقامتِ حدود کی طاقت رکھتا ہو۔ فتح القدیر میں
ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں شہر وہ ہوگا جس میں
محلے اور بازار ہوں اور ایسا والی ہو جو مظلوم کی

---

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵
[2] ،، ،، ،، ،،

من الحوادث[1]، و روایۃ عن الامام ابی یوسف المصر موضع یبلغ المقیمون فیہ عددا لایسع اکبر مساجد ایاھم فی الھدایۃ وھواختار البلخی[2] وبہ افتی اکثر المشائخ لما رأوا فساد اھل الزمان والولاۃ وعنہ ایضا کل موضع فیہ یسکن عشرۃ الاف رجل، و عنہ ایضا ان کل موضع لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وھو اختیار الکرخی[3] کذا فی الھدایۃ وقال بعضھم ھو ان یعیش کل محترف بحرفتہ من سنۃ الی سنۃ من غیر ان یحتاج الی حرفۃ اخری وقال بعضھم ھو ان یکون بحال لوقصدھم عدو یمکنھم دفعہ وقال بعضھم ان یولد فیہ کل یوم ویموت فیہ انسان، وقال بعضھم ھو ان لایعرف عدد اھلہ الا بکلفۃ و مشقۃ فمختار اکثر الفقہاء مراعۃ لضرورۃ زماننا والمفتی بہ عند جمھور المتاخرین فی تعریف المصر الروایۃ المختارۃ للبلخی ای

فریادرسی کرسکے اور ایسا عالم ہو جس کی طرف لوگ مختلف پیش آنے والے واقعات میں رجوع کرسکیں، امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ شہر وہ جگہ ہے جہاں کے رہائشی اتنے ہوں کہ وہاں کی سب سے بڑی مسجد ان کے لئے ناکافی ہو، ہدایہ میں ہے یہ امام بلخی کا مختار ہے اور فساد زمانہ اور امراء کا فتنہ دیکھتے ہوئے اکثر مشائخ نے اسی پر فتوی دیا، اور امام ابو یوسف سے یہ روایت بھی ہے کہ ہر وہ جگہ شہر ہے جہاں دس ہزار مرد مقیم ہوں، یہ بھی روایت ہے کہ ہر وہ مقام جہاں ایسا امیر یا قاضی ہو جو احکام کو نافذ اور اقامتِ حدود کا اختیار رکھتا ہو، امام کرخی نے اسی کو اختیار فرمایا ہدایہ، بعض کی رائے یہ ہے کہ وہاں ہر صاحبِ صنعت سالہا سال سے اس طرح رہتا ہو کہ اسے دوسری صنعت کی محتاجی نہ ہو، بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر وہاں دشمن حملہ آور ہو تو ان سے دفاع ممکن ہو، بعض نے کہا کہ وہاں ہر روز کوئی نہ کوئی پیدا ہو اور کوئی نہ کوئی مرے، بعض نے کہا کہ وہاں کے رہائشی لوگوں کی تعداد کا علم بغیر مشقت کے نہ ہوسکے۔ ہمارے زمانے کی ضرورت کے پیش نظر تعریفِ شہر میں اکثر فقہاء کا مختار اور متاخرین کا مفتٰی بہ قول وہی روایت ہے جو امام بلخی کی مختار ہے کہ وہ مقام شہر ہے جس کی سب سے

---

[1] فتح القدیر — باب الجمعۃ — مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر — ۲/۲۴
[2] الہدایۃ — باب الجمعۃ — مطبوعہ مکتبہ عربیہ کراچی — ۱/۱۴۸
[3] ایضاً

مالا يسع اكبر مساجده اهله المكلفون بها
وقال ابو شجاع هذا احسن ما قيل فيه وفى
الولوالجية وهو صحيح[1] بحر وعليه مشى فى الوقاية
ومتن المختار وشرحه وقدمه فى متن الدرر
على قول الأخر وظاهره ترجيحه وايده
صدر الشريعة بقوله لظهور التوانى فى
احكام الشرع لاسيما فى اقامة الحدود فى
الامصار[2] وكل موضع يصدق عليه التعريف
المذكور فهو مصر تجب الجمعة على اهله
والا فلا تجب سواء ذلك الموضع يتعارف
بلفظ القرية اودونها غير المصر فالأن هو
لاحق فى حكم المصر شرعا لا عرفا لتطبيق
تعريف المتاخرين وهذا احسن ومالا يصدق
عليه التعريف المذكور فهو ليس بمصر شرعا
وعرفا ففى لفظ القرية اعتباران شرعا
بحيث ترسم به وبحيث لا ترسم به
ففى الاول تصح الجمعة وهى مدينة عظيمة
اوقرية كبيرة وفى الثانى لا تصح الجمعة
وهى قرية صغيرة ومفازة ومثلها كما
يدل عليه عبارة القهستانى وتقع فرضا
فى القصبات والقرى الكبيرة فيها اسواق[3]
وفى البحر لا تصح فى قرية ولا مفازة لقول

بڑی مسجد وہاں کے مکلف لوگوں کی گنجائش نہ رکھتی ہو۔
شیخ ابو شجاع کہتے ہیں کہ ان تعریفات میں یہی حسن ہے،
ولوالجیۃ میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔ بحر، وقایہ، متن مختار
اور اس کی شرح میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے، اور متن درر
میں اسے ہی دوسرے قول پر مقدم کیا اور ظاہراً ترجیح
اسی کو ہے، صدر الشریعۃ نے اپنے اس قول سے تائید
کی ہے کہ کیونکہ احکام شرع خصوصاً اقامتِ حدود میں سستی
واقع ہو چکی ہے، ہر وہ جگہ جس پر تعریف صادق آرہی ہو
وہ شہر ہے اور وہاں کے رہنے والوں پر جمعہ لازم ہوگا
اور اگر تعریف صادق نہ آئے تو وہاں جمعہ نہیں ہوگا خواہ
وہ قریہ کے نام سے متعارف ہو یا کسی اور نام سے،
تو اب وہ مقام متاخرین کی تعریف کے مطابق حکم مصر
میں شرعاً ہوگا نہ کہ عرفاً اور یہی احسن ہے، اور جس پر
تعریفِ مذکور صادق نہ ہو وہ نہ شرعاً شہر ہے نہ عرفاً،
لفظِ قریہ میں شرعاً دو اعتبار ہیں ایک وہ جس کی یہ
تعریف کی گئی، دوسرا وہ جس کی یہ تعریف
نہ ہو سکے، پس پہلے میں جمعہ صحیح ہے اور بڑا
شہر یا قصبہ ہے اور دوسرے میں جمعہ صحیح نہیں اور
یہ دیہات ہے اور جنگل کا بھی یہی حکم ہے جیسا کہ اس
پر قہستانی کی عبارت دال ہے کہ قصبات اور بڑے
دیہاتوں جن میں بازار ہوں جمعہ فرض ہوتا ہے، اور
بحر میں ہے کہ قریہ اور جنگل میں جمعہ نہیں ہوسکتا

۱؎ بحرالرائق — باب صلوٰۃ الجمعۃ — مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۲/۱۴۰
۲؎ شرح الوقایۃ — باب الجمعۃ — مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ دہلی — ۱/۲۴۰
۳؎ جامع الرموز — فصل صلوٰۃ الجمعۃ — مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران — ۱/۲۶۱

على رضى الله تعالىٰ عنه لاجمعة ولا تشريق
ولا صلوٰة فطر ولا اضحى الا فى مصر جامع او
مدينة عظيمة ثم قال فلا تجب
على غير اهل المصر[1] كذا فى الطحطاوى
فبينهما عموم وخصوص فثبت بالدلائل
المذكورة فرضية الجمعة مخصصة بالاجماع
فان صلى الجمعة اهل قرية لايقال لها
مصر شرعا لايسقط الظهر عن ذمته و ان
صلى الظهر فرادى يعصو بكبيرة لترك
الواجب اى الجماعة الظهر باداء جماعة
النفل وهذا من قباحة عظيمة اعلم
ان الجمعة جامعة للجماعات وفى
اداء الظهر بالجماعة تفريق الجماعة
عن الجمعة وتقليلها فيها بخلاف اهل
القرى اذ لاجمعة عليهم ولا يفضى اداء
الظهر بالجماعة الى تفريق الجمعة و
تقليلها فيكون ذلك فى حقهم كسائر الايام
فى جواز اداء الظهر بالجماعة من غير كراهة
مجالس الابرار فقول من يقول ما الفرق
بين الجمعة والظهر غير الخطبتين
وصحت الجمعة بلاكراهة فى كل موضع
مثل الظهر سواء كان ذلك الموضع مصرا
او قرية او غيره وتاركها بلا عذر فاسق و
عاص مردود وقائله ضال مضل

کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ جمعہ ،
تکبیراتِ تشریق ، نمازِ عید الفطر اور اضحی مصر جامع یا
بڑے شہر کے سوا نہیں ہوسکتیں ، پھر کہا اہلِ شہر کے
علاوہ یہ کسی پر لازم نہیں طحطاوی میں اسی طرح ہے ، تو
ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے تو
دلائل مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ بالاتفاق فرضیتِ جمعہ
مخصوص ہے تو اگر ایسے اہلِ دیہات جمعہ قائم کریں جسے
شرعاً شہر نہیں کہا جاسکتا تو ان کے ذمے سے ظہر
ساقط نہ ہوگی ، اور اگر وہ ظہر تنہا ادا کریں گے تو انھوں
نے کبیرہ کا ارتکاب کیا کیونکہ واجب کا ترک ہوا ، یہی
نوافل جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی وجہ سے ظہر کی
جماعت ترک کردی اور یہ عظیم قباحت ہے ، واضح
رہے کہ جمعہ تمام جماعتوں کا جامع ہے ، ظہر کو جماعت
کے ساتھ ادا کرنا جمعہ کی جماعت کو متفرق اور کم کرنا ہے
بخلاف اہلِ دیہات کے کہ وہاں جمعہ لازم نہیں تو وہاں
ظہر کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جمعہ کے لئے تفریق و
تقلیل کا سبب نہیں ان کے لئے تو یہ دن جماعت کے
ساتھ بلاکراہت ظہر ادا کرنے کے لحاظ سے دیگر دنوں
کی طرح ہی ہے مجالس الابرار ، تو وہ شخص جو کہتا ہے
کہ جمعہ اور ظہر کے درمیان خطبوں کے علاوہ کوئی فرق
نہیں ، جمعہ ہر جگہ ظہر کی طرح ادا ہوجاتا ہے خواہ شہر
ہو یا دیہات یا اور کوئی مقام ہو ، اس کا تارک
فاسق اور مردود ہے تو ایسے قول کا قائل گمراہ ہے
اور گمراہ کرنے والا ہے اور اس کا تعلق مقلدین سے

---

[1] بحرالرائق باب صلوۃ الجمعۃ ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۴۰

ليس من المقلدين وعلى المقلدين اجتناب عن اقواله وافعاله واحتراز عن مصاحبته ومخالطته والله اعلم وعلمه احكم كتبه احقر الورى ابوالفيض محمد حبيب الرحمٰن عفا الله عنه۔

نہیں اس کے اقوال وافعال، اس کی محبت و مخالطت سے مقلدین کو احتراز کرنا لازم ہے، اللہ تعالٰی کا علم کامل واکمل ہے۔ کتبہ احقر الورٰی ابوالفیض محمد حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ۔ (ت)

الجواب

الذی یدعی عموم الجمعة کل محل ولا یخصه بمصر ولا قریة فقد خالف الاجماع وھو ضلال بلا نزاع وقد اجتمع ائمتنا علی اشتراط المصر لھا وان الاشتغال به فی القری تکرہ تحریما لکونه اشتغالا بما لا یصح کما فی الدر[1] وغیرہ وقد حققنا المسئلة فی رسالتنا لوامع البھا وغیرما موضع من فتاوٰنا واما المصر فالصحیح فی تعریفه ماھو ظاھر الروایة عن امامنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی کما بیناہ فی فتاوٰنا بما لا مزید علیه واما مالا یسع اکبر مساجدہ اھله فغیر صحیح عند المحققین کما نص علیه فی الغنیة وکفی قاضیا علیه بالبطلان ان مکة والمدینة تخرجان علیه من المصر وتمنع الجمعة فیھما لان اتساع مسجدیھما لا یوف مؤلفة ممن یرد الیھما من الآفاق مشاھد مرئی فضلا عن اھلھما خاصة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جو شخص یہ دعوٰی کرتا ہے کہ جمعہ ہر مقام پر ہوجاتا ہے اس کے لئے کسی شہر اور دیہات کی تخصیص نہیں، وہ بالاتفاق اجماع کے مخالف اور گمراہ ہے، ہمارے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے دیہاتوں میں جمعہ کا قیام مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ نادرست کام میں مشغول ہونا ہے جیسا کہ درّ وغیرہ میں ہے، اس کی تحقیق ہم نے اپنے رسالہ لوامع البہا اور اپنے فتاوٰی میں متعدد جگہ کی ہے۔ شہر کی صحیح تعریف جو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ظاہر الروایت میں منقول ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی وہ تفصیل دی جس پر اضافہ دشوار ہے، رہی یہ تعریف کہ "جس جگہ کی سب سے بڑی مسجد اس کے باشندوں کی گنجائش نہ رکھتی ہو" محققین علماء کے ہاں درست نہیں، جیسا کہ اس پر غنیہ میں تصریح ہے اور اس تعریف کے بطلان پر یہی دلیل کافی ہے کہ اس صورت میں مکۃ المکرمۃ اور مدینہ طیبہ دونوں ہی شہر نہ ہوں اور ان میں جمعہ کی نماز منع ہو کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ وُہ تو مشرق تا مغرب آنے والے زائرین کے لئے کافی نہیں چہ جائیکہ وہاں کے لوگوں کے لئے کافی ہوں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

مسئلہ ۱۳۵۲ از بنگال

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی اذانِ ثانی میں مقتدیوں کو بھی مناجات کرنا اور جمعہ وعیدین کے خطبہ کو بسم اللہ شریف سے شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ جواز کہتے ہیں عدمِ جواز کی دلیل چاہتے ہیں۔

الجواب

اذانِ ثانی کا جواب امام دے مقتدیوں کو ہمارے امام کے نزدیک جائز نہیں صاحبین اجازت دیتے ہیں تبیین الحقائق میں اوّل کو احوط کہا اور نہایہ اور عنایہ میں ثانی کو واضح، تو عمل اول ہی پر ہے کہ وہی قولِ امام ہے، اور اگر کوئی ثانی پر عمل کرے تو اس سے بھی نزاع نہ چاہئے کہ تصحیح اُس طرف بھی ہے ابتدائے خطبہ میں بسم اللہ کہنے کے جواز میں تو شک نہیں کہ منع شرعی نہیں مگر آہستہ کہے، کتابوں میں جس قدر لکھا ہے وُہ یہ ہے کہ اعوذ آہستہ پڑھ کر خطبہ شروع کرے کما فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۵۳ از نصیر آباد محلہ تیلیان مرسلہ محمد عمر صاحب ۲۶ شوال ۱۳۳۶ھ

داود ولد محمد علی عرف پیرجی پیش امام مسجد دودھیان نصیر آباد مورخہ ۵ جولائی ۱۹۱۸ء بروز جمعہ خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور جب خطبۂ اول ختم کرکے دُعا کے لئے بیٹھے اُس وقت ۲ دو شخصوں نے کھڑے ہوکر سنّت پڑھنا شروع کیا تب مسمی داود مذکور بالا نے کچھ خطبہ ثانی پڑھ کر فرمایا کہ سُنتوں کا خطبۂ اوّل وثانی میں پڑھنا ناجائز ہے اور جب خطبہ میں نام محمد مقتدی سُنیں تو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا ناجائز ہے۔ آیا یہ مسئلہ جو مسمی داود نے بیان کیا قرآن شریف وحدیث شریف کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کی نسبت جو خطبے میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سُن کر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا جائز نہ جانتا ہو اُس کے حق میں ازرُوئے شرع شریف کیا حکم ہے آیا خارج اسلام ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کو ایسے عقیدہ والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے جائز ہے یا نہیں؟ شیخ محمد عمر نصیر آباد۔ رسول بخش اوورسیر۔ محمد اکبر خاں۔ قمر الدین کلرک۔ نور محمد مستری، لعل محمد۔

الجواب

اطراف واقطار سے ہمارے معزز اہلسنت بھائی حفظھم اللہ تعالٰی بعض سوالات بعض مسائل فقہیہ کی نسبت بھیجتے ہیں اُن سوالوں میں جو قول کسی کا نقل کرتے ہیں اُسے وہابیت وغیرہ ضلالتوں سے کچھ علاقہ نہیں ہوتا خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ شخص چنین وچناں ہے جواب استفتا میں یہاں خط ملحوظ نہیں ہوتا خصوصاً بارہا وہ بات جو اُس شخص کی طرف نسبت کی فی نفسہٖ صحیح ہوتی ہے اب اس کی تصحیح کیوں نہ کیجئے کہ بات صحیح ہے اور تصحیح کیجئے تو عوام ذہن میں وہابی وغیرہ ضالین کی باتوں کا صحیح ہونا آتا ہے جس سے اندیشہ ہے کہ وہ اس کی اور باتوں

کو بھی صحیح یا مشکوک ہی سمجھنے لگیں اور یہ اُن کے دین کا نقصان ہے، وہابی ہو یا کوئی کافر یہودی مجوسی بُت پرست وغیرہم کسی کی سب باتیں جھوٹی نہیں ہوتیں کوئی نہ کوئی بات ہر شخص سچ کہتا ہے۔ فقہ حنفی میں تو متعدد اشخاص مثل زمخشری و زاہدی و مطرزی معتزلہ گزرے ہیں ان کے اقوال فروعِ فقہ میں نقل و مسلّم ہوتے ہیں اور عقائد میں وہ لوگ گمراہ بددین ہیں یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے، بلاشبہہ صحیح مذہب یہی ہے کہ دونوں خطبوں کا سُننا فرض ہے اور کسی خطبے کے وقت نہ سُنتیں پڑھنے کی اجازت، نہ اللہ عزّوجل کا نام پاک سُن کر عزّ شانہٗ وغیرہ نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سُن کر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغیرہ زبان سے کہنے کی اجازت کہ بحالتِ خطبہ سلام و کلام مطلقاً حرام ہے، ہاں دل میں جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہیں، درمختار میں ہے:

اذا خرج الامام فلا صلٰوۃ ولا کلام الی تمامہا خلا قضاء فائتۃ لم یسقط الترتیب بینہا و بین الوقتیۃ فانہا لا تکرہ سراج وغیرہ لضرورۃ صحۃ الجمعۃ والا فیحرم کلام ولو تسبیحا او امر بمعروف بل یجب علیہ ان یسمع ویسکت[1] (ملخصاً)

جب امام آجائے تو اب اتمام تک نہ کلام نہ نماز جو فوت شدہ نماز کی قضا کے علاوہ ہو اس میں اور وقتی نماز میں ترتیب ساقط نہ ہوئی ہو، لہذا قضا میں کراہت نہیں تاکہ جمعہ صحیح ہو، سراج وغیرہ، اور اگر ایسی صورت نہیں تو کلام حرام ہے خواہ ایک تسبیح ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح امر بالمعروف بھی، بلکہ اس پر لازم ہے کہ خطبہ سُنے اور خاموش رہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ینصت ان قرأ الامام اٰیۃ ترغیب او ترھیب کذا الخطبۃ فلا یاتی بما یفوت الاستماع ولو کتابۃ او رد سلام وان صلی الخطیب علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا اذا قرأ اٰیۃ صلوا علیہ فیصلی علیہ المستمع سرا بنفسہ وینصت بلسانہ عملا بامری صلوا وانصتوا[2] ملخصاً واللہ تعالٰی اعلم۔

جب امام کوئی آیتِ ترغیب یا ترہیب پڑھے تو مقتدی خاموش رہے، اسی طرح خطبہ کا معاملہ ہے، پس ایسا کام نہ کرے جس سے سماع فوت ہوتا ہو اگرچہ کتابت ہی کیوں نہ ہو یا سلام کا جواب دینا ہو اگرچہ خطیب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ رہا ہو البتہ جب خطیب آیت صلوا علیہ کہے تو سُننے والا دل میں آہستہ درود شریف پڑھ لے اور زبان سے خاموش رہے تاکہ دونوں حکموں درود شریف پڑھو اور خاموش رہو پر عمل ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

[2] درمختار فصل ویجہر الامام الخ " " " ۱/۸۱

مسئلہ ۱۳۵۴ از اودے پور میواڑ راجپوتانہ مہارانا اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب مدرس
۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

جمعہ کے دن جب خطیب خطبہ پڑھتا ہے تو کتاب میں دیکھ کر پڑھتا ہے اور ایک شخص یہاں بے دیکھے کتاب پڑھتا ہے لہذا فرمائیں دونوں میں کس کا عمل موافق سنّت ہے؟

الجواب

دیکھ کر اور زبانی دونوں نفس ادائے حکم میں یکساں ہیں مگر زبانی اوفق بالسنۃ ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۵۵ از بمبئی اسٹیشن باندرہ محلہ نواپارہ مسجد مرسلہ محمد جہانگیر صاحب امام مسجد مذکور
۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

جناب مولانا صاحب حجۃ قاہرہ مجدد مائۃ حاضرہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گزارش یہ ہے کہ یہ رسالہ آپ کی خدمت میں روانہ کرکے عرض کیا جاتا ہے کہ اس میں آپ کی مہر ہے اور آج کل یہاں دعا بین الخطبتین میں تنازع ہے تو ہم لوگ اس رسالہ پر آپ کی مُہر دیکھ کر عمل کرلیا ہے کیونکہ آپ کے دستخط تحریر ہیں اور چند علمائے ہند نامی کی بھی دستخطیں تحریر، اس وجہ سے لوگوں نے بلے دغدغہ عمل کرلیا ہے تو اسی واسطے آپ کی خدمت میں ارسال کرکے عرض ہے کہ دستخط آپ کے موجود ہیں اور دیگر علمائے ہند نامی گرامی کی تحریر ہے تو عمل کریں یا نہ کریں اور اس رسالہ میں جو دلیلیں تحریر ہیں صحیح ہیں یا نہیں۔ جیسا آپ تحریر فرمائیں آمنّا کیا جائے۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، دُعا بین الخطبتین ہرگز ایسی چیز نہیں ہے جس سے ممانعت پر کچھ بھی زور دیا جائے ایسے مسائل میں تفرقہ اندازی، فتنہ پردازی، جدال پسندی، فریق بندی وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو اُس کے ذریعہ شہرت چاہتے ہیں۔ فقیر کی عبارت کہ اس رسالہ میں منقول ہُوئی ہے اس میں بہت قطع وبرید وکمی کی گئی ہے میرا مسلک اس میں ہمیشہ یہ رہا ہے کہ خود میرے سامنے مقتدین دعا کرتے ہیں اور میں کبھی منع نہیں کرتا اور یہی مسلک میرے آبائے کرام اور محققین اعلام کا رہا ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین، خود بمبئی میں بھی میں نے جمعہ پڑھایا اور حاضرین نے بین الخطبتین دُعائیں مانگیں اور میں نے نہ اس وقت منع کیا نہ بعد کو، اس رسالہ میں بہت اغلاط فاحشہ ہیں اور بہت اکاذیب باطلہ ہیں، یہاں تک کہ صحیح حوالوں کو جھٹلایا ہے اور خود محض جھُوٹا حوالہ کتاب پر گھڑ دیا ہے، ان امور کی تفصیل اور مسئلہ کی تحقیق جمیل ایک رسالہ ہوسکتی ہے مسلمانوں کو سمجھ لینے کو اتنا کافی ہے کہ یہ شخص اور اس کے استاد دیوبندی ہیں گنگوہی کے شاگرد اور گنگوہی وتھانوی کے مداح، اور یہ وُہ ہیں کہ علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق نام بنام ان کے کفر کا فتوی دیا اور فرمادیا کہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر

جوان کے کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے، نہ کہ وہ جو انھیں عالم دین جانے اور چنان وچنیں مانے۔ والعیاذ باللہ، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۵۶ ہادی حسن خاں از کانپور نئی سڑک ۵ اصفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک دیہات ہے جس کی آبادی تقریباً پانچسو کے ہے اور اس میں ایک ایسی مسجد ہے کہ اگر اس گاؤں کے مکلفین اس میں جمع ہوں تو مسجد پُر نہ ہوگی اور اس کے قریب دو دو کوس پر کئی قصبے ہیں تو اُس گاؤں میں از رُوئے مذہب حنفی نماز جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

باجماع جملہ ائمہ حنفیہ اس میں جمعہ وعیدین باطل ہیں اور پڑھنا گناہ۔ تمام متون وشروح وفتاوی میں ہے: شرط صحتہا المصر[1] (جمعہ کی صحت کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

صلوٰۃ العید فی القری تکرہ تحریما لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحۃ[2]۔

دیہاتوں میں عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے عمل میں مشغول ہونا ہے جو درست نہیں کیونکہ اس کی صحت کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے (ت)

خود نہ پڑھیں گے حکم پُوچھا جائے گا تو فتوٰی یہ دیں گے جہاں نہیں ہوتے قائم نہ کریں گے باایں ہمہ اگر عوام پڑھتے ہوں منع نہ کریں گے۔ درمختار:

کرہ تحریما صلوٰۃ مطلقا ولو نفلا مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلہا لانہم یترکونہا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک[3] (ملخصاً)

طلوعِ آفتاب کے بعد ہر نماز مکروہ تحریمی ہے خواہ نفل ہو لیکن عوام کو نماز پڑھنے سے روکا نہیں جائے گا کیونکہ وہ بالکل ترک کردیں گے، اور جو بعض کے نزدیک جائز ہو اس کا بجالانا ترک سے اولی ہوتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فلا یمنعون افاد ان المستثنی المنع

قولہ "فلا یمنعون" واضح کر رہا ہے کہ استثناء

---

[1] درمختار | باب الجمعۃ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۰۹
[2] " | باب العیدین | " " " | ۱/ ۱۱۴
[3] " | کتاب الصلوٰۃ | " " " | ۱/ ۶۱

لا الحکم بعدم الصحۃ عندنا قولہ عند البعض ای بعض المجتہدین کالامام الشافعی ھنا۔[1] واللہ تعالٰی اعلم

منع کا ہے نہ کہ عدم صحت کے حکم کا ہمارے نزدیک، قولہ عند البعض یعنی بعض مجتہدین مثلاً امام شافعی کے نزدیک اس مقام پر جواز کا قول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵۷: عبدالستار ابن اسمٰعیل از رنگون ۲ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شہر میں جمعہ کی نماز پڑھانے والا دیوبندی یا بدعقیدہ اور دوسری کسی مسجد میں بھی جمعہ نہ ہوتا ہو یا تمام مساجد جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اُن کے امام بدمذہب ہوں تو ایسی صورت میں اہل سنت جمعہ کو ترک کرے یا کوئی اور حکم ہے؛ نیز ایسا ہی عیدین کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب

جب صورت ایسی ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ کسی مسلمان صالح امامت کو اپنا امام مقرر کریں اُس کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھیں، جمعہ قائم کرنے کے لئے اگر کوئی مسجد بنائیں تو اذن عام مسلمین واشتہار کے ساتھ کسی میدان خواہ مکان میں پڑھیں اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو اور سب مساجد کے امام دیوبندی یا وہابی یا غیر مقلد یا نیچری یا مرزائی وغیرہم مرتدین ہیں تو فرض ہے کہ ظہر تنہا تنہا پڑھیں ان لوگوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے جیسے کسی بُت پرست یا آریہ کے پیچھے، یہ ترکِ جمعہ نہ ہوا کہ وہ جو پڑھ رہے ہیں لغو و باطل حرکت ہے نماز ہی نہیں، اور اُن کی اقتداء بوجوہ حرام قطعی ہے بلکہ اُن کے عقائد پر مطلع ہو کر پھر بھی انھیں قابلِ امامت جاننے تو کافر ہوجائے من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر (جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا اس نے کفر کیا۔ ت) ہاں اگر کہیں ایسا بدمذہب ہو جس پر حکمِ کفر نہیں جیسے تفضیلیہ اور سنّی کی امامت نہ مل سکے تو اس کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھ لے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۵۸: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دوسری بستی میں جمعہ ہوتا ہے لوگ وہاں جا کر جمعہ پڑھتے ہیں اب وبا یعنی ہیضہ وغیرہ آگیا ہو تو ایسی حالت میں اس ہیضہ والی بستی میں جا کر جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر یہ جگہ حوالیِ شہر ہے تو دوسری جگہ نہیں اُسی کا حصہ ہے ورنہ اگر خود شہر ہے تو بغیر وبا بھی یہیں جمعہ

---

[1] رد المحتار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۷۳

قائم کیا جائے نہ کہ دوسری جگہ پڑھنے جائیں، اور اگر گاؤں ہے تو اُن پر جمعہ نہیں بحالتِ وبا، وہاں نہ جائیں،
واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۵۹ ازبمبئی بنجر ضلع منڈلا مسئولہ عبدالستار صاحب پیلی بھیتی ۲ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا خطبۂ جمعہ کھڑے ہو کر سُننا جائز ہے؟

الجواب

خطبہ سُننے کی حالت میں حرکت منع ہے اور خطبہ بلاضرورت کھڑے ہو کر سُننا خلافِ سنّت ہے۔ عوام میں یہ معمول ہے کہ خطیب آخر خطبہ میں ان لفظوں پر پہنچتا ہے ولذکر اللہ تعالٰی اعلیٰ تو اس کے سنتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں یہ حرام ہے کہ ہنوز ختم نہ ہوا چند الفاظ باقی ہیں اور خطبہ کی حالت میں کوئی عمل حرام ہے
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۶۰ از ریاست فریدکوٹ ضلع فیروزپور پنجاب مطبع سرکاری مرسلہ منشی محمد علی ارم
۶ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ بامامت خود پڑھایا دُوسری مسجد میں ایک ضرورت کی وجہ آجانے سے خود مقتدی ہو کر بھی جمعہ پڑھا، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

کوئی حرج نہیں جبکہ امامت پہلے کر چکا ہو فان التنفل بالجمعۃ غیر ممنوع (جمعہ کو نفل بنانا منع نہیں۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۶۱ از شہر مسئولہ شوکت علی صاحب ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا قول ہے علمائے اہلسنّت وجماعت کا اس مسئلہ میں کہ شہر میں بہت جگہ نماز ہوتی ہے تو ہر وہ مسجد جس میں جمعہ ہوتا ہے جامع مسجد ہے اور جامع مسجد کی فضیلت رکھتی ہے یا وہی ایک مسجد جو متصل قلعہ کے جامع مسجد مشہور ہے اور شہر میں بہت جگہ جمعہ ہونے میں کچھ ممانعت تو نہیں ہے اور جمعہ میں کم از کم کے آدمی ہوں جو جمعہ ہو سکے اور زیادہ ثواب شہر کی کس مسجد میں ہے؟

الجواب

جامع مسجد وہی ایک ہے شہر میں متعدد جگہ جمع ہونے کی ممانعت نہیں۔ جمعہ کے لئے کم سے کم امام کے

سوا تین آدمی ہوں مگر جمعہ وعیدین کا امام ہر شخص نہیں ہوسکتا وہی ہوگا جو سلطانِ اسلام ہو یا اُس کا نائب یا اُس کا ماذون، اور ان میں کوئی نہ ہو تو بضرورت جسے عام نمازی امامِ جمعہ مقرر کرلیں، جمعہ کا زیادہ ثواب جامع مسجد میں ہے مگر جبکہ دوسری جگہ کا امام اعلم وافضل ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۶۲ از جرودہ ضلع میرٹھ مرسلہ سید الطاف حسین صاحب زمیندار و گورنمنٹ پنشنر

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی میں تین مسجدیں ہیں اور تینوں میں پنجوقتہ باجماعت نماز ہوتی ہے آٹھ سات حافظِ قرآن ہیں، دو تین حاجی الحرمین الشریفین ہیں، دس پندرہ اچھی فارسی اور دو تین کچھ عربی فارسی پڑھے ہوئے ہیں، ایک صاحب مدرسہ طبیہ دہلی کے سند یافتہ اور تین چار عطائی طبیب ہیں، ایک شخص آنکھیں بناتا ہے، ایک قرآنی مکتب ہے جس میں دس بارہ طالب علم قرآن شریف حفظ کرتے ہیں، اس کے علاوہ ایک گورنمنٹی مدرسہ ہے، ڈاک خانہ بھی موجود ہے، پانچ چھ آدمی انگریزی داں ہیں جن میں بی اے اور ایف اے بھی ہیں، پندرہ سولہ آدمی گورنمنٹی ملازم ہیں جو دس روپیہ سے تین سو روپیہ تک تنخواہ پاتے ہیں، ایک شخص گورنمنٹ سے تیس روپیہ پنشن پاتا ہے، تین چار دکانیں ہیں جن میں ضرورت کی تمامی اشیاء ہمہ وقت دستیاب ہوتی ہیں، تین چار بزاز ہیں، دو نواڑی کی ایک عطار کی دکان ہے، تین چار گھر قصابوں کے ہیں، پانچ چھ پختہ مکانات ہیں، سات پختہ کنویں بستی میں آبنوشی کے ہیں، سوائے گڈریوں اور چماروں کے ہندو کوئی آباد نہیں، قربانی وغیرہ آزادی سے ہوتی ہے، زمینداری مسلمانوں کی ہے۔ بھنگی، سقہ، بڑھئی، لوہار، حجام وغیرہ پیشہ ور سب آباد ہیں، قریباً بارہ سو کی مردم شماری ہے، ہمیشہ سے جمعہ کی نماز ہوتی رہی ہے جس میں کبھی کبھی تین تین سو آدمیوں کا مجمع ہوجاتا ہے، اب بعض بعض حضرات معترض ہیں کہ اس بستی میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہیں اور چند اشخاص نے جمعہ کی نماز ترک بھی کردی ہے، حالات موجودہ مذکورہ کی موجودگی میں نمازِ جمعہ وعیدین ترک کی جائے یا بدستور پڑھی جائیں۔

الجواب

اگر وہ پرگنہ ہے اُس کے متعلق دیہات ہیں اور ایسی حالت میں ضرور جانب سلطنت سے کوئی حاکم وہاں فصل خصومات وفیصلہ مقدمات کے لئے ہوتا ہے مثلاً تحصیلدار وغیرہ، جب تو وہ خود شہر ہے اور اُس میں ادائے جمعہ وعیدین ضرور اور لازم، اور ان کا تارک گنہگار وآثم۔

فقد صدق علیھا حد المصر الصحیح المروی فی ظاھر الروایۃ عن الامام الاعظم

اس پر شہر کی وہ صحیح تعریف صادق آرہی ہے جو ظاہر الروایۃ میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

رضی اللہ تعالٰی عنہ انہا بلدۃ فیہا سکک واسواق ورساتیق وفیہا والٍ الخ[1]

مروی ہے کہ وہ بڑا شہر جس میں کُوچے اور بازار ہوں اور کوئی نہ کوئی والی ہو الخ (ت)

اور اگر وُہ پرگنہ نہیں یا وہاں کوئی حاکم فصلِ مقدمات پر مقرر نہیں مگر زمانۂ سلطنت اسلام میں وُہ ایسا تھا اور جب سے اُس میں جمعہ ہوتا تھا تو اب بھی پڑھا جائے گا۔ صلوٰۃِ مسعودی باب ۳۳ میں ہے:

جائے راکہ حکم شہر دادند بعد ازاں خرابی پذیرفت آں حکم شہرے باقی ماند تا اگر نائب سلطان یا جمع درانجا نماز آدینہ گزارند روا بود[2]

وہ جگہ جسے شہر قرار دیا گیا خرابی کے بعد بھی وہ حکم شہر رکھتا ہے اگر نائب سلطان یا کوئی جماعت وہاں جمعہ ادا کرتی ہے تو ادا ہوگا۔ (ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو مذہب حنفی میں وہاں جمعہ وعیدین نہیں پھر بھی جبکہ مدت سے قائم ہے اُسے اُکھاڑا نہ جائے گا نہ لوگوں کو اس سے روکے گا مگر شہرت طلب،

قال اللہ تعالٰی ارأیت الذی ینھٰی ہ عبدًا اذا صلّٰی ہ[3] وفیہ عن امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجہہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا "بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وُہ نماز پڑھے"۔ اور اسی آیت کے تحت حضرت امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے بھی ایک روایت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶۳: از کراچی صدر بازار دفتر انجمن جمعیۃ الاحناف مرسلہ ابوالرجا غلام رسول صاحب ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

جنابِ تقدس مآب مجمعِ مکارمِ اخلاق، منبعِ محاسنِ اشفاق، سراپا اخلاقِ نبوی، مظہرِ اسرارِ مصطفوی، سلطان العلماء اہلسنت، برہان الفضلاء الملۃ، قدوۃ شیوخ الزمان، مولٰنا المخدوم، بحرالعلوم، اعلٰحضرت امام الشریعت والطریقت، مجدد مائۃ حاضرۃ، متع اللہ المسلمین، بطول بقائہم و دامت علی رؤس المسترشدین فیوضاتکم وبرکاتکم۔ بعد سلام مسنون واشتیاق روز افزوں آنکہ بحکم شاوروا (مشورہ طلب کرو۔ ت) حضرت سے التماس ہے ایک عرصہ ہوا غربائے اہلسنت کراچی کی صدائے محزون نے تاحال کوئی اثر پیدا نہیں کیا، جمعہ وجماعت کی جیسی کچھ تکلیف ہے ناقابلِ بیان ہے لہذا دُعا فرمائیے۔ اس وقت حضور پرنور وارث سجادہ رسالتمآب

---

[1] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴

[2] صلوٰۃ مسعودی باب ۳۳

[3] القرآن ۹۶/۹-۱۰

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، اللہ تعالٰی جناب کی دعا کی برکت سے ہم فقیروں کے لئے جامع اہلسنّت پیدا کر دے کہ صدر کے مسلمانانِ اہلسنّت فریضہ جمعہ ادا کر سکیں، صدر میں دو مسجدیں ہیں، اس وقت دونوں پر تصرف ایسی طاقتوں کا ہے کہ جن کے نزدیک دینداری اور مذہب معاذ اللہ جنون ہے یا اہل سنت کی موجودہ مشہور و متعارف صورت کہ جس پر ہم اور ہمارے شیوخ کرام ہیں والعیاذ باللہ تعالٰی شرک و بدعت ہے لہذا ہم مع احباب و متعلقین تراویح و فرائض ایک کرایہ کے مکان میں جو وسیع اور قابل انعقاد محافل ہے ادا کر لیا کرتے ہیں جمعہ جا کر ایک اور مسجد جو صدر سے قریباً میل بھر کے فاصل پر ہوگی یا کم و بیش پہنچ کر ادا کر لیتے ہیں لیکن بعض کو یہ مسجد قریب پڑ جاتی ہے اور بعض کو دقت ہوتی ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے مکان میں جو کرایہ کا مکان ہو جمع ہو کر جمعہ و عیدین ادا کر سکتے ہیں جناب مجددیہ سے جو فرمان ہو خواہ ہاں یا نہ، قوم کو اور میری تسلی ہو جائے گی۔

الجواب

جناب محترم ذی المجد والکرم اکرم اللہ تعالٰی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کے سوا نہ مسجد شرط ہے نہ بنا۔ مکان میں بھی ہو سکتا ہے میدان میں بھی ہو سکتا ہے اذنِ عام درکار ہے۔ بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

السلطان اذا صلی فی دارہ ان فتح باب دارہ جاز وان لم یاذن للعامۃ لا تجوز[1] (ملخصاً)

سلطان نے اگر اپنی دار میں نمازِ جمعہ پڑھی اگر دروازہ کھلا تھا تو جائز اور اگر عوام کو شرکت کی اجازت نہ تھی تو جائز نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یشترط لصحتھا المصر او فناءہ وھو ما حولہ لاجل مصالحہ کدفن الموتی ورکض الخیل[2] (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم۔

صحتِ جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے فنا سے مراد شہر کے ارد گرد وہ جگہ ہے جو شہر کی ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو، مثلاً قبرستان اور گھڑ دوڑ کے لئے جگہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶۴: از جبیب والا ضلع بجنور تحصیل دھامپور مرسلہ منظور صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی ہے جس کی کل آبادی قریب ۹۰۰ کے ہے اور اس میں

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان شرائط الجمعہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۹

[2] درمختار باب الجمعہ ” مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۹

ہر چیز بھی وقت پر نہیں مل سکتی، لہٰذا ایسی بستی میں جمعہ جائز ہے یا نہیں ؛ وجوبِ صلوٰۃ کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؛ مدلل بیان ہوں۔

الجواب

جمعہ صرف شہر و فنائے شہر میں جائز ہے ورنہ نہیں، شہر وہ بستی ہے جس میں متعدد کوچے، دائم بازار ہوں، اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات ہوں اور اُس میں فیصلۂ مقدمات پر کوئی حاکم مقرر ہو۔ وجوبِ جمعہ کی سات شرطیں ہیں:

(۱) حریت
(۲) ذکورت
(۳) عقل
(۴) بلوغ
(۵) شہر میں اقامت
(۶) اتنی صحت کہ حاضرِ جماعت ہو کر پڑھ سکے۔
(۷) عدمِ مانع مثل حبس وخوفِ دشمن و بارانِ شدید وغیرہ۔

ان کی تفاصیل اور بعض استشہاد، درمختار وغیرہ میں ہیں وقد ادخلنا البصر وقدرۃ المشی فی الصحۃ (اور اس کے صحیح ہونے کی سات شرطیں ہیں:

(۱) شہر یا فنائے شہر
(۲) سلطانِ اسلام یا اس کا نائب یا ماذون یا بضرورت جسے عام مسلمین نے امام جمعہ بنایا ہو۔
(۳) وقت ظہر ختم تک باقی رہنا۔
(۴) خطبہ وقتِ ظہر میں۔
(۵) قبل نماز کم از کم تین مسلمان مردوں عاقلوں کے سامنے خطبہ ہونا۔
(۶) جماعت سے ہونا جس میں کم از کم تین ایسے مرد ہوں۔
(۷) جمعہ کے لئے اذنِ عام ہونا بلا وجہ شرعی کسی کی روک نہ ہو۔

بیان دلائل سے کتب لبریز ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۶۵ از مولیس پور برہما مرسلہ محمد واحد خطیب مسجد قبرستان نئی بستی ۲۷ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کہ ائمہ مساجد احناف کو نواب صدیق حسن خاں کی تصنیف کا خطبہ ہر جمعہ وعیدین میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور حنفیہ کے نزدیک کون خطبہ معتبر ہے؟

الجواب

صدیق حسن خاں غیر مقلد لامذہب تھا اس کی تصنیف کا خطبہ اہلسنّت کو پڑھنا نہ چاہئے لان فیہ تنویھا بذکرہ

و ترویجا لمکرہ و ذلك لایجوز (کیونکہ اس میں اس کے ذکر کا احترام اور اس کے مکر کی ترویج ہے اور یہ جائز نہیں۔ ت) خصوصاً اگر اُس میں اپنے مذہب کی خباثت درج کی ہو جب تو قطعاً حرام ہے خطب ابن نباز مصری اچھے ہیں اور اب ہند میں علمی کے خطبے، مگر اردو اشعار خطبہ میں پڑھنا مناسب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۶۶ ازمراد آباد مرسلہ مولوی محمد عبدالباری صاحب ۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص خطبۂ جمعہ میں آیۂ قرآنی میں تعوذ و تسمیہ پڑھتا ہے حالانکہ سلف سے کہیں یہ بدعت ثابت نہیں، اگر یہ مسنون ہوتا تو کہیں بھی علمائے کرام سے ثابت ہوتا خصوصاً ہمارے ہادی مرشد حضرت مولانا صاحب مجدد ملّتِ حاضرہ یعنی آپ خود ایسا تجویز فرماتے، اب یہ تجدید خلاف ائمہ سلف کے ہوئی، کہاں تک ناجائز ہے؟

الجواب

خطبہ میں آیۂ قرآنی سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے اور اگر وہ آیت ابتدائے سُورہ ہے تو بسم اللہ شریف بھی، فقیر کا ہمیشہ اسی پر عمل ہے، اور اگر سرِ آیت پر بھی بسم اللہ پڑھ لے گا حرج نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الامداد وفی المحیط یقرأ فی الخطبۃ سورۃ او اٰیۃ فاذا قرأ سورۃ تامۃ یتعوذ ثم یسمی قبلھا وان قرأ اٰیۃ قیل یتعوذ ثم یسمی و اکثرھم قالوا یتعوذ ولا یسمی[1]۔ (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم۔

امداد اور محیط میں ہے کہ خطبہ میں سورت یا آیت پڑھی جائے، جب سورۃ پڑھے تو تعوذ پڑھے پھر بسم اللہ اگرچہ ایک آیت ہی پڑھنی ہو، بعض نے کہا تعوذ پڑھے پھر تسمیہ۔ اور اکثریت کی رائے یہ ہے کہ تعوذ پڑھے اور تسمیہ نہ پڑھے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶۷ ازبریلی مدرسہ منظرالاسلام مسئولہ مولوی رمضان علی صاحب بنگالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جمعہ میں خطبہ نہیں ملا اور وقت بھی تنگ ہوگیا جو اور مسجد سے تلاش کرکے لاسکے اور امام صاحب کو کوئی خطبہ نہیں یاد تھا تو اس صورت میں کس طرح نماز ادا کی جائے گی اور اگر بغیر خطبہ کے نماز پڑھ لی تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب

نمازِ جمعہ بے خطبہ باطل ہے، خطبہ مختصر کافی ہے، ایسا شخص امام جمعہ نہیں ہوسکتا جو خطبہ نہ پڑھ سکے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸

مسئلہ ۱۳۶۸: از شہر کانپور توپ خانہ بازار قدیم مسجد صوبیدار مرحوم معرفت مولانا مولوی حافظ عبید اللہ صاحب قبلہ مرسلہ محمد جعفر ۲ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجموعہ خطب علمی کا پڑھنا نمازِ جمعہ وعیدین میں جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اس خطبہ میں کچھ اشعار اُردو کے بھی شامل ہیں اسی وجہ سے تمام ہندوستان کے لوگ جن کی زبان اردو ہے اس کو بہت شوق سے سُنتے ہیں اور اکثر بزرگ اس خطبہ کو بکثرت نمازِ جمعہ وعیدین میں پڑھا کرتے ہیں سید محبوب علی شاہ صاحب سکنہ حیدر آباد دکھن جو مرید بھی کرتے ہیں اور وعظ بھی فرماتے ہیں اُنھوں نے بمبئی محلہ کماٹی پورہ گلی ۵ میں باآوازِ بلند بعد نمازِ جمعہ یہ فرمایا کہ مجموعہ خطب علمی کا پڑھنا اور سُننا نمازِ جمعہ وعیدین میں ناجائز ہے اس سے نماز نہیں ہوتی ہے کیونکہ علمی کا مذہب رافضی تھا، لہٰذا بکمال ادب مستدعی ہوں کہ اس مسئلہ میں شرعاً کیا حکم ہے، آیا مجموعہ خطب علمی کا پڑھنا اور سُننا نمازِ جمعہ وعیدین میں ناجائز ہے یا نہیں، اور علمی کا مذہب کیا تھا؟ علمی نے خطبہ میں صحابہ کرام کی تعریف اور مدح بھی کی ہے، مع حوالہ کتاب مطلع فرمائیے کہ نمازِ جمعہ وعیدین مجموعہ خطب مذکورہ بالا پڑھنے سے جائز ہوگی یا نہیں؟ اور درحقیقت اگر علمی کا مذہب اہلسنت والجماعت تھا تو جو شخص علمی کو رافضی کہے اس کے حق میں کیا حکم ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور اس کا مُرید ہونا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

مولٰنا محمد حسن علمی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سُنّی صحیح العقیدہ اور واعظ وناصح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مداح اور میرے حضرت جدامجد قدس سرہ العزیز کے شاگرد تھے انھیں رافضی نہ کہے گا مگر کوئی ناصبی یا خارجی، دکھنی صاحب نے اگر کسی کی سُنی سنائی بے تحقیق کہہ دی تو یہ آیہ کریمہ:

فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم ندمین[1] (تحقیق کرلو کہیں جہالت کی وجہ سے کسی قوم پر حملہ آور نہ ہوجاؤ تو پھر تم اپنے کئے پر نادم ہوجاؤ۔ (ت))

کا خلاف کیا، صحیح حدیث:

لاتذکروا موتاکم الا بخیر[2]۔ رواہ البخاری (اپنے فوت شدگان کو اچھائی سے یاد کیا کرو۔ اسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا۔ (ت))

وغیرہ۔

---

[1] القرآن ۴۹/ ۶

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۷/ ۴۹۱-۴۹۰ اور جلد ۱۰ ص ۳۷۴

اور حدیث صحیح :

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع[1] رواہ مسلم وغیرہ۔

کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ سُنی سُنائی بیان کر دیتا ہو۔ اسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا۔ (ت)

آیت کا ارشاد یہ ہے کہ غیر ثقہ کی خبر خوب تحقیق کر لو کہیں کسی کو جہالت سے آزار دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہو، اور حدیث اوّل کا کہ اپنے اموات کو خیر ہی سے یاد کرو اور دوم کا یہ کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کو یہ بہت ہے کہ جو کچھ سُنے اُس پر اعتبار کرکے لوگوں سے بیان کر دے اور اگر اپنی طرف سے کہا تو آفت سخت تر ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من ذکر امرأ بشیئ لیس فیہ لیعیبہ بہ حبسہ اللہ فی نار جھنم حتی یاتی بنفاذ ما قال فیہ[2]۔

جو کسی کے عیب لگانے کو وہ بات بیان کرے جو اس میں نہیں اللہ اسے نارِ جہنم میں قید کرے گا یہاں تک کہ اپنے کئے کی سند لائے۔

دوسری روایت میں ہے :

کان حقا علی اللہ ان یذیبہ یوم القیمۃ فی النار حتی یاتی بانفاذ ما قال[3]۔ رواہ الطبرانی بسند صحیح عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اللہ پر حق ہے کہ جب تک اپنی اُس بات کا ثبوت پیش نہ کرے اُسے آتشِ دوزخ میں پگھلائے۔ اسے طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ ابی درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور بفرضِ غلط اگر معاذ اللہ کوئی بدمذہب ہی خطبہ تصنیف کرے اور وہ صحیح ہو اس میں کوئی بدمذہبی نہ ہو تو اس کے پڑھنے سے نماز کیوں ناجائز ہونے لگی، یہ دل سے مسئلہ گھڑنا اور شریعتِ مطہرہ پر افتراء کرنا ہے، ہاں اُردو زبان خطبہ میں ملانا نہ چاہئے کہ خلافِ سنّتِ متوارثہ ہے یہ دوسری بات ہے اسے عدمِ جواز نماز سے کیا علاقہ، شخص مذکور اگر اپنی ان حرکات پر مصر رہے اور تائب نہ ہو تو اُس کے پیچھے نماز نہ چاہئے نہ اس کے ہاتھ پر بیعت، ویتوب اللہ علی من تاب (اللہ تعالٰی ہر توبہ کرنے والے پر کرم فرماتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

---

[1] صحیح مسلم — النھی عن الحدیث بکل ما سمع — مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی — ۱/ ۸

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم اوسط — باب جاء فی الغیبۃ والنمیمۃ — " دار الکتاب بیروت — ۸/ ۹۴

[3] " " بحوالہ الطبرانی الکبیر " " " — ۴/ ۲۰۱

مسئلہ ۱۳۶۹ از سرکوں تحصیل کھٹیما ڈاک خانہ ٹنک پور مرسلہ ننھے خاں صاحب ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

جمعہ کی نماز ہر شخص پر فرض ہے سوا اُن کے جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مستثنٰی فرما دیا۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۲۱ باب وجوب الجمعہ میں طارق ابن شہاب سے مرفوعاً روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ جمعہ حق ہے اور واجب ہے مگر چار پر غلام اور عورت اور نابالغ اور بیمار۔ یعنی ان چار کے سوا سب پر واجب ہے، خود کسی کا نوکر ہو یا سوداگر یا کھیتی والا یا مزدور ہو، بعض روایت میں مسافر کا بھی ذکر ہے۔ اور اسی کتاب کے اُسی صفحہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرفوعاً روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ باز آئیں لوگ جمعہ کا ناغہ کرنے سے ورنہ اللہ تعالٰی ان کے دلوں پر مُہر لگا دے گا پھر وُہ منافقوں میں سے ہوجائیں گے یعنی اُن کا نام منافقوں کے دفتر میں لکھا جائے گا، ہاں اتنی قید اور شرط تو حدیث شریف میں آئی ہے کہ جماعت کے ساتھ پڑھو، سو جماعت کا مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک سے زیادہ ہُوئے خواہ دو ہوں یا زیادہ ہوں اُن کو جماعت کہتے ہیں، چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب الجماعۃ وفضلہا ص۳۲ میں ابوموسٰی اشعری سے مرفوعاً روایت ہے اور مشکوٰۃ شریف کے باب الجمعہ میں روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے؛ جو شخص تین جمعے بلاضرورت نہ پڑھے تو لکھا جاتا ہے منافق اُس کتاب میں جو نہ مٹتی ہے نہ بدلتی ہے، لہٰذا نمازِ جمعہ ہر جگہ پڑھنا چاہئے خواہ شہر ہو یا گاؤں ہو یا جنگل ہو یا بَن ہو کیونکہ حدیث شریف میں کوئی خصوصیت نہیں آئی ہے، فقط حررہ محمد اشرف خاں عفی عنہ۔

الجواب

جمعہ بَن میں حرام ہے اور گاؤں میں ناجائز ہے اور عمومات اپنے شروط سے مشروط ہوتے ہیں، احادیث سے جو جاہلانہ استناد کسی جاہل نے کیا ہے وُہ اگر دامنِ ائمہ چھوڑے تو یہی بتائے کہ یہ حدیثیں اُس نے شروع میں کیونکہ حجت قرار دیں، اللہ تعالٰی نے تو سُورۂ جمعہ میں یاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[1] (اے ایمان والو) مطلق ارشاد فرمایا ہے اس میں عورت یا بچّے یا غلام یا مریض یا مسافر کسی کا استثنا نہیں تو کیوں نہیں کہتا ہے کہ چار برس کے بچّے پر بھی جمعہ فرض ہے وُہ احادیث سب خبر آحاد ہیں اور خبرِ آحاد موجب ظن، تو اُن سے استدلال کرنا اس کو حرام اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ان یتبعون الا الظن[2] (وہ نہیں اتباع کرتے مگر ظن کی۔ ت) اور فرماتا ہے: ان الظن

---

[1] القرآن ۶۲/ ۹

[2] القرآن ۱۰/ ۶۶

لا یغنی من الحق شیئا[1] (بلاشبہہ ظن، حق سے بے نیاز نہیں کرسکتا۔ ت) تو ان پر عمل خصوصاً عموم قرآن مجید کے خلاف کیونکر اس نے حلال کرلیا، اور یہ بھی اُس وقت ہے کہ ان احادیث آحاد کی صحت ثابت کرلے، ائمہ مجتہدین کا اجتہاد نہ ماننا اور بخاری ومسلم کی تصحیح یا نسائی ودارقطنی کی تعدیل وتخریج پر اعتماد کرنا ظلم شدید وجہل بعید ہے، کون سی آیت یا حدیث میں آیا ہے کہ بخاری جس حدیث کو صحیح کہہ دیں اُسے مانو اور جسے ضعیف کہہ دیں اُسے نہ مانو یا یحیٰی وشعبہ جسے ثقہ کہہ دیں اُسے معتمد جانو اور ضعیف کہہ دیں تو ضعیف جانو، قرآن وحدیث متواترہ اجماعِ امت کو حجت بتاتے ہیں، اور اجماعِ اُمت ہے کہ جمعہ کا حکم مطلق وعام نہیں مقید بقیود ومشروط بشرائط ہے اور جو اجماع کا خلاف کرتا ہے قرآن عظیم فرماتا ہے: نصلہ جھنم وساءت مصیرا[2] ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے وہ بہت ہی بُری پھرنے کی جگہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۷۰: مرسلہ جناب جد الحسین از فریدپور مورخہ ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں معہ چند اشخاص اپنے محلہ کی مسجد کو چھوڑ کر دوسرے محلہ کی مسجد میں جاکر نمازِ جمعہ کو ادا کرنا باوجود اس کے کوئی طریقہ فضیلت نہیں رکھتی ہے نہ مسجد بڑی نہ جماعت کثیر نہ امام افقہ، ہاں اتنا ہے کہ دُوسرے محلہ کی مسجد ربع میل اور اپنے محلہ کی مسجد ثلث میل فاصلہ پر ہے جائز ہے یا نہیں؟ اور ان لوگوں کے جانے کی وجہ سے اپنے محلہ کی مسجد میں جماعت کم ہوتی ہے اکنون ان لوگوں کو منع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور برتقدیر منع نہ کرنے کے ان لوگوں کے ساتھ اور لوگوں کے بھی جانے کا احتمال ہے اور بصورت جائز ہونے کے کون سی مسجد میں افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جمعہ مسجد جامع میں افضل ہے، مسجد محلہ کا حق نمازِ پنجگانہ میں ہے جب وُہ جامع نہیں اور دوسری جگہ جانے میں اُن کو آسانی ہے تو ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۷۱: از شہر روہیلی ٹولہ مسئولہ طالب علم بنگالی ۲۳ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس گاؤں میں تعریف شہر کی صادق آئے مثلاً بڑی سے بڑی مسجد میں اس کے اہل نہ جمع ہوسکیں اور گلیاں اور بازار ہوں اور اس میں چند مولوی ہوں مسئلہ دین کا جاری کرتے ہوں اور قاضی ہوکر انصاف مظلوم کا کرتے ہوں اُس گاؤں کے متصل اور گاؤں بھی ہے ایسے

---

[1] القرآن ۱۰/ ۳۶

[2] القرآن ۴/ ۱۱۵

گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

گاؤں متصل ہونے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ دیہات اس کے متعلق ہوں یہ ضلع یا پرگنہ ہو اپنے اپنے طور پر فیصلہ کرنے سے شہر نہیں ہو جاتا بلکہ والیِ ملک یا اُس کا مقرر کردہ حاکم ہو، اگر یہ دونوں باتیں ہیں تو اس میں جمعہ جائز و صحیح ہے ورنہ باطل و ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷۲ تا ۱۳۷۶ مسئولہ مکرم احمد اللہ صاحب صدر بازار ہردوئی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں :

۱۔ جمعۃ الوداع رمضان المبارک کو نبی کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع پڑھا ہے یا نہیں ؟

۲۔ اگر حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں پڑھا ہے تو سب سے پہلے خطبۃ الوداع کس نے پڑھا ہے اور اس کا موجد و مخترع کون ہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا ائمۂ مجتہدین فقہاء و محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۳۔ شریعتِ مقدسہ مطہرہ منورہ محمدیہ حنفیہ اہلسنّت و جماعت میں خطبۃ الوداع کا کیا درجہ ہے فرض، واجب، سنّت، مستحب، مباح ؟ صاف صاف مدلل تحریر فرمائیں۔

۴۔ جس جمعۃ الوداع کو خطبۃ الوداع نہ پڑھا جائے وہ جمعہ صحیح ہوگا یا نہیں ؟ اور تارک خطبۃ الوداع کس درجہ کا خاطی و گنہ گار ہے، قابلِ ملامت و زجر ہے یا نہیں ؟ ملامت و زجر کرنے والے تو گنہ گار نہ ہونگے؟ امامت اُس کی جائز ہے یا ناجائز ؟

۵۔ کتاب تنبیہ الانسان کے صـ۲۴ میں لکھا ہے :

اما خواندن کلماتِ حسرت و افسوس در خطبۂ آخر رمضان مباح است فاما از سلف منقول نیست و افضل ترک ست تا عوام را گمانِ وجوب و سنتش نگردد و دریں شرط ست کہ روایت دروغ و بہتان بر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دراں نباشد والا حرام ہمچنانکہ این ست ـہ

رمضان کے آخری جمعہ میں حسرت و افسوس کے کلمات پڑھنا مباح ہے لیکن اسلاف سے منقول نہیں، ترک افضل ہے تاکہ عوام اسے واجب یا سنت نہ بنا لیں، شرط یہ ہے کہ اس میں رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت جھوٹ شامل نہ ہو ورنہ حرام ہے اور وہ یہ ہے :

اکثر محمد مصطفےٰ محبوبؐ مطلوب خدا
گفتے دریں حسرتا ای ماہِ رمضاں الوداع

خدا کے محبوب و مطلوب محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے اے ماہِ رمضان! الوداع۔ (ت)

یہ فتویٰ مفتی سعد اللہ نامی کسی بزرگ کا ہے جو ۱۲۹۶ھ میں مطبع نولکشور کانپور میں چھپا ہے جناب اس فتوے کے متعلق کیا فرماتے ہیں آیا صحیح قابلِ عمل ہے یا واجب الرد؟ جو کچھ ہو صاف صاف تحریر فرمائیے، بینوا توجروا۔

الجواب

۱۔ الوداع جس طرح رائج ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

۲۔ نہ صحابہ کرام و مجتہدین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نہ اس کا موجد معلوم۔

۳۔ وہ اپنی حد ذات میں مباح ہے ہر مباح نیتِ حسن سے مستحب ہو جاتا ہے اور عروض و عوارض خلاف سے مکروہ سے حرام تک۔

۴۔ جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے خاص خطبہ الوداع کوئی چیز نہیں اُن کے ترک سے نماز پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا اُس کے ترک میں کچھ خلل نہیں، نہ تارک پر زجر و ملامت روا جبکہ ترک بر بنائے وہابیت نہ ہو، ہاں اگر وہابیت ہے تو وہابی کے پیچھے نماز بیشک ناجائز محض باطل' اور وُہ زجر و ملامت سے بھی سخت تر کا مستحق ہے۔

۵۔ اس فتوے میں جو کچھ لکھا حرف بحرف صحیح ہے سوائے اس لفظ کے کہ "افضل ترک است" اس کی جگہ یوں چاہئے التزامش نہ شاید گاہے ترک ہم کنند تا عوام گمان وجوب و امتنان؟ (اس کا التزام نہیں کرنا چاہئے کبھی اسے ترک کر دیں تاکہ عوام کو وجوب یا سنت ہونے کا وہم نہ ہو۔ ت) فقد صرح العلماء الکرام ان الترك احیانا یزیل الایھام (علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ بعض اوقات ترک کر دینا عوام کے وہم کو زائل کر دیتا ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷۷ از ضلع ڈھاکہ ڈاکخانہ نہروی مدرسہ حافظ پور مخلص الرحمان

بخدمت شریف جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام ظلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

عرض یہ ہے کہ ہمارے ملک بنگالہ میں ایسی بستیاں ہُوا کرتی ہیں کہ ہر ایک میں متعدد پارہ یعنی حصّے ہوتے ہیں اور ہر ایک پارہ جُدا جدا نام سے موسوم ہے، ایک پارہ سے دوسرے پارہ علیحدہ اور اس قدر فاصلہ سے بسا ہے کہ گویا قریۂ صغیرہ مستقلہ ہے اور پاروں کے درمیان مواضع منفصلہ میں مزارع اور میدان اور کہیں کہیں

بانس اور دیگر ادنیٰ جنگل ہوا کرتے ہیں موسم برسات میں ایک پارہ سے دوسرے پارہ میں جانے کے لئے کشتی کی ضرورت کم ہی ہوا کرتی ہے مگر جوتی پہن کر نہیں جاسکتے کہیں کہیں درمیانی فاصلہ میں زانو تک پانی ہوتا ہے اور اکثر جگہ میں اس سے کچھ کم ایک پارہ سے دوسرے پارہ میں جانے کے لئے سوائے کھیتوں کی حدبندی اور چھوٹے چھوٹے راستوں کے اور کوئی بڑا راستہ نہیں ہے یعنی دو آدمی محاذی ہو کر ایسے راستہ سے چلنا دشوار ہے، ہاں کہیں کہیں مواشی کے چلنے کے لئے "گوپاٹ" یعنی کچھ زمین افتادہ مثل بڑے راستے کے فراخ چھوٹی ہوئی ہے وہ بھی مثل سڑک کے اونچے نہیں، ہر ایک پارہ کے ابنیہ بھی متصل نہیں بالکل غیر منظم حالت پر ہیں، ان پاروں کا ایک بڑا نام ہوا کرتا ہے جس سے وہ خط وکتابت و تمسک و قبالہ دگورنمنٹی کاغذات میں مشہور ہوتا ہے اکثر ان گاؤں میں نہ ڈاک خانہ ہے نہ تھانہ و سکک واسواق، روزانہ بالکل نہیں ہاں ہفتہ میں دو ایک مرتبہ بعض گاؤں کے کنارے میں بازار (ہاٹ) لگتا ہے جس میں لوگ اشیائے خوردنی بیچتے اور خریدتے ہیں مگر بازار کے معین وقت کے سوا وہاں شاذ ونادر ہی کچھ ملتا ہے مگر ایسے دکان دو ایک سے زیادہ نہیں ہوتا، ایسے گاؤں کے پاروں میں نمازِ جمعہ کے لئے مسجدیں بنی ہیں اُن مسجدوں میں جو نہایت بڑی ہوتی ہے اس میں بمشکل چالیس آدمی سما سکتے ہیں، ہر ایک گاؤں یعنی (مجموعہ چند پاروں میں) دو ڈھائی ہزار لوگ ہندو مسلمان بستے ہیں اس تعداد میں بالغ نابالغ مرد و زن سب شامل ہیں، الحاصل سوائے کثرت مردم کے شہر و محلے کی دوسری کوئی علامت ان پاروں میں نہیں ہے، نماز پنجگانہ کی جماعت نہیں ہوتی، اتفاقیہ دو چار آدمی کہیں جمع ہوتے ہیں تو جماعت پڑھتے ہیں ورنہ کچھ جماعت راتبہ نہیں، اب سوال یہ ہے کہ ایسے گاؤں میں نمازِ جمعہ پڑھنی مطابق مذہب حنفی کے درست یا نہیں، برتقدیر ثانی پڑھنے والے گنہگار رہوں گے یا نہیں، ایسے گاؤں کو جو متعدد پارہائے منفصلہ سے بنا ہے اور جس میں دو ڈھائی ہزار لوگ بستے ہیں قریہ کبیرہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا عند اللہ اجراً حسنا۔ زیادہ والسلام

الجواب

صورتِ مذکورہ میں وہ چھوٹے پارے اور اُن کا مجموعہ سب گاؤں ہیں اور اُن میں جمعہ ناجائز اور پڑھنا گناہ، درمختار میں ہے:

صلوٰۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لا یصح[1]

دیہاتوں میں نمازِ عید مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو درست ہی نہیں۔ (ت)

اور اگر اس کے سبب ظہر ترک کریں گے تو تارک فرض ہوں گے اور ظہر احتیاطاً تنہا پڑھی تو تارک واجب

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

ہوں گے، بہرحال متعدد گناہ ان پر لازم ہیں بایںہمہ جہاں لوگ پڑھتے ہوں اُنھیں نہ روکا جائے، کما افادہ فی الدرالمختار فی الصلوۃ عند الشروق[1] (جیسا کہ ردالمحتار میں طلوعِ آفتاب کے وقت نماز' کے بارے میں بیان کیا ہے۔ ت) اور خود ہرگز نہ پڑھیں، نہ نئی جگہ قائم کریں کہ گناہ سے بچنا لازم ہے اور پاروں کے مجموعہ کو اگرچہ مجموعی طور پر قریہ کبیرہ کہہ سکیں مگر قریہ کبیرہ بمعنی بلدۂ صغیرہ ہرگز نہیں جس میں جمعہ جائز ہو سکے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷۵ تا ۱۳۸۱ از قصبۂ جہان آباد خاص ضلع پیلی بھیت مرسلہ عاشق حسین بخشی قصبۂ مذکور مورخہ ۷ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع مسائلِ ذیل میں:

(۱) جمعہ کے خطبوں میں عربی عبارت پڑھ کر بعد کو ترجمہ اردو زبان میں محض بہ نیت آگاہی قوم امام جمعہ پڑھے تو کیا نقص یا فضل ہے؟

(۲) خطبۂ دراز یا قراءتِ طویل کا پڑھنا کوئی فضل رکھتا ہے یا نقصان؟

(۳) قبل اور بعد جمعہ سنتوں میں سنتِ رسول اللہ کہنا کوئی نقصان ہے؟

(۴) مکرر الوداع شریف، کوئی عمل شرعی میں نقص رکھتا ہے اور یہ عمل درست ہے یا نادرست؟ بشریعت بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) خطبہ میں عربی کے سوا دوسری زبان ملانا مکروہ وخلافِ سنّت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) قراءت بقدرِ سنت سے زائد نہ ہو اور اتنی زیادت کہ کسی مقتدی کو ثقیل ہو حرام ہے' اور خطبہ کی نسبت ارشاد فرمایا کہ آدمی کی فقاہت کی یہ نشانی ہے کہ اس کا خطبہ کوتاہ ہو اور نماز متوسط، زیادہ طویل خطبہ خلافِ سنت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) سُنتیں جمعہ کی ہوں یا اور وقت کی، اُن کی سنتوں میں نامِ اقدس کی طرف اضافت کہ حضور کی سنت ہے اس میں کوئی حرج نہیں اس سے وہابیہ منع کرتے ہیں جو نامِ اقدس سے جلتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) الوداع کہ رائج ہے نہ کوئی شرعی حکم ہے نہ اس سے منع شرعی، ہاں علماء اس کا التزام نہ کریں، کبھی

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۱

ترک بھی کریں کہ عوام واجب نہ سمجھنے لگیں، اور سچی الوداع قلب سے ہے کہ رمضان شریف کے آنے سے خوش ہو اور جانے سے غمگین، اور اگر یہ حالت ہو کہ آنا بار تھا اور جانے کے لئے گھڑیاں گنیں تو جھوٹی الوداع ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۸۲ از جانب انجمن اہلسنت وجماعت سہسوانی ٹولہ بریلی ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک فرد یا ایک گروہ حنفی المذہب اہل سنت والجماعت کا جو کہ حتی الامکان مشرکوں بدعتیوں وہابیوں اور خصوصاً رافضیوں سے مجتنب ہے اور ان سے عمل ترکِ موالات جائز رکھتا ہے لیکن شرکتِ نماز جماعت اور خصوصا نماز جماعت کثیر کا شائق ہے، اس جانکاہ وجگر خراش ہنگامہ محرم الحرام کے موقع پر یہ دیکھتے ہوئے کہ جمعہ کا روز عشرہ کا دن نماز جماعت اور عیدگاہ کا موقع ہے جس کا انتظام بریلی کے حنفی المذہب اہل سنت والجماعت انجمنوں کی مشترکہ کوششوں سے ہوا ہے مگر اس ہنگامہ میں تعزیہ دار بدعتی وغیرہم شامل ہیں نیز اس گروہ کثیر کا اجتماع محض تعزیہ داری وتخت بینی کی وجہ سے ہوا ہے کیا اس نماز جماعت میں شریک ہو سکتا ہے اور اس کو نماز کا اس قدر ثواب جتنا کہ اتنی بڑی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے حاصل ہونا چاہئے حاصل ہوگا اور یہ بھی کہ آمد وشد میں اس کی نظر تخت وتعزیہ وغیرہ اور ان اشخاص پر پڑے کہ جو خوشی ومیلہ سمجھ کر اس موقع پر جمع ہوئے ہیں تو اس کے مطمحِ نظر کو دیکھتے ہوئے اس کے ثواب نماز جماعت وجمعہ میں فرق آتا یا اس کا گناہگار ہونا تو لازم نہ ہوگا۔

الجواب

جبکہ جماعت کا انتظام سُنّی حنفی اصحاب نے کیا اور امام سُنّی حنفی جامع شرائط امامت ہوگا تو اُس میں بلاشبہہ جماعتِ کثیر کا ثواب ملنے کی امید واثق ہے، تعزیہ داری ایک بدعت عملی ہے وہ اس حد تک نہیں کہ اُس کے مرتکب معاذ اللہ رافضی وہابی وغیرہم خبثاء کی مثل ہوں یا معاذ اللہ ان کی جماعت جماعت نہ ہو یا اُن سے اجتناب ایسا ہی فرض ہو جیسا اُن خبیثوں سے ضروریاتِ دین یا لائے سرزدہ عقائد ضروریہ اہلسنت کے بھی منکر نہیں نہ محبوبانِ خدا کی معاذ اللہ توہین کرتے ہیں، نہ کسی محبوبِ بارگاہ سے معاذ اللہ دشمنی رکھتے ہیں، پھر ان خبیثوں کو ان سے کیا نسبت، یہ عقیدۃً ہم میں سے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں بپیشِ خود محبتِ محبوبانِ خدا کی نیت سے کرتے ہیں، براہِ جہالت ونادانی اس میں لہو ولعب وافعالِ ناجائز شامل کرتے ہیں لہٰذا ان کی جماعت پر حکم جماعت نہ ماننا محض ظلم ہے اور جب اس کی نیت تماشا دیکھنے کی نہیں نماز با جماعت کثیر کی نیت ہے تو راستے میں اُن چیزوں پر نگاہ پڑنے کا اس پر الزام نہیں جیسا کہ زمانہ عرس میں آج کل مزارات طیبہ کی حاضری۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۸۴ از عیش آرا ضلع میمن سنگھ پوسٹ کالوہا، خندہ کار معظم علی صاحب ۔ ۸ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ رحمکم اللہ تعالیٰ فی الدارین کہ اس دیار میں چند علماء جاہلوں کو یہ دھوکا دے رہے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ درست نہیں اور پڑھنے والا گنہگار ہوگا کیونکہ جمعہ جبکہ درست نہیں تو اس سے فرض ظہر کا ساقط نہیں ہوا بہت جگہ کے جمعہ کو ایسے ویران کردیا اور عیدین کی نماز بھی منع کرتا ہے اور خود بھی نہیں پڑھتا ہے، اور یہ بھی کہا کرتا ہے کہ جو شخص گاؤں میں نمازِ جمعہ ونمازِ عید ادا کرتا ہے وہ گناہِ کبیرہ کا اصرار کرتا ہے اور گناہِ کبیرہ کا اصرار کرنے والا کافر ہے، آیا ایسے عالم جو نمازین مومنین کو کافر کہتا ہے کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب

دیہات میں نمازِ جمعہ وعیدین مذہبِ حنفی میں جائز نہیں مگر جہاں ہوتا ہے اُسے بند کرنا جاہل کا کام ہے

قال اللہ تعالیٰ ارأیت الذی ینھی ۵ عبدا اذا صلّٰی ۵[1]	اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو نماز پڑھنے سے روکتا ہے (ت)

اور جو انھیں کافر کہتا ہے گمراہ و بددین ہے، نہ وہ کبیرہ ہے لاختلاف الائمۃ (ائمہ کے درمیان اختلاف کی وجہ سے۔ ت) نہ کبیرہ پر اصرار اہلسنت کے نزدیک کفر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۸۴ - ۱۳۸۵ جملہ اہلِ اسلام قصبہ بیرہٹہ ریاست سوامی جے پور معرفت حامد محمد مدرس فارسی اسکول بیراہٹہ بذریعہ ڈاک خانہ تھانہ غازی ریاست الور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک قصبہ میں قاضی اور خطیب مسجد جامع، سندی یادشاہی رہتے ہیں اور وہ دونوں حسب ونسب میں برابر اور برادر ہیں اور علم فارسی ومسائل میں حسبِ لیاقت خود ہیں الّا قاضی کہ بزعم قضایت ونفسانیت و نقیض باہمی، یہ کہتا ہے کہ نمازِ جمعہ پڑھانے کا میرا حق ہے اور خطیب مسجد جامع کہتا ہے کہ میں قاضی نہیں الّا خطیب سندی یادشاہی ہوں میں نمازِ جمعہ پڑھانے کا مستحق ہوں یا مجھ سے اجازت لے کر آپ قاضی صاحب یا دیگر جو افضل ہوں وُہ پڑھائیں لیکن قاضی صاحب بوجوہات مندرجہ بالا کے اجازت ناگوار سمجھتے ہیں اور اُسی چھوٹے قصبہ میں جامع مسجد شاہی کو چھوڑ کر دو تین آدمیوں میں سے دیگر مسجد میں علیحدہ جمعہ پڑھتے ہیں اور مسجد جامع درمیان قصبہ کہ جہاں گرد و نواح میں قوم ہنود آباد ہے ایسے مقام پہ اہلِ اسلام کی جماعت

---

[1] القرآن ۹۶/۹ و ۱۰

کی نماز ہونا زینت و شوکتِ اسلام میں داخل ہے پھر جماعتِ اسلام میں خلل انداز ہو کر جامع مسجد کو چھوڑ کر دیگر مسجد میں علیحدہ جمعہ پڑھتے ہیں اس حالت میں جمعہ کون پڑھانے کا مستحق ہے خطیبِ مسجد جامع یا قاضی صاحب یا دیگر، اور اجازت بھی خطیب سے لینا واجب ہے یا نہیں، اور جمعہ کون سی مسجد میں ہونا واجب ہے، اور اس چھوٹے قصبہ میں دو جمعہ بوجوہات مندرجہ بالا جائز یا ناجائز؟ از روئے شرع شریف مع تشریح کے جواب سے مطلع فرمائیں۔

(۲) ایک قصبہ میں زید نامی شخص کہ جو نابینا اور مرض بھگندر یعنی ناسور دائمی میں مبتلا ہے کہ جس کی وجہ سے جسم و جامہ کی پاکی و ناپاکی مشتبہ رہتی ہے کہ جن کا پاک ہونا فرائض نماز میں سے ہے اور زید بھی کہتا ہے کہ مجھ پر سے جمعہ ساقط ہوچکا پھر کیا وجہ ہے کہ عید و جمعہ کی امامت بخواہش نفسانی خود کرتا ہے اگر اس سے کہا جاتا ہے کہ بقول آپ کے جمعہ ساقط آپ پر ہوچکا اور آپ معذور ہیں پھر امامت آپ کی کس طرح جائز اور درست ہوسکتی ہے، زید نے کوئی ثبوت اس بارہ میں نہیں دیا آیا زید کی امامت جائز ہے یا ناجائز؟ اس لئے مکلف خدمت بابرکت میں ہیں کہ دونوں سوالات کے جواب بالتشریح حوالہ کتب ائمہ دین و آیات شریف و احادیث شریف تحریر فرمائیں۔

الجواب

(۱) صورتِ مذکورہ میں وہ خطیب ہی قابلِ امامتِ جمعہ ہے قاضی کو کوئی حق نہیں یہ قاضی قاضی نکاح خوانی ہوتے ہیں نہ والی قاضی کہ دو تین آدمیوں کے ساتھ الگ جمعہ پڑھتا ہے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا جمعہ باطل محض ہے خطیب ہی بوقتِ ضرورت جبکہ خود بوجہ مرض یا سفر حاضری مسجد سے معذور ہو اپنی جگہ دوسرے کو نائب کرسکتا ہے نہ یہ کہ صرف اس کی اجازت سے دوسری جگہ جمعہ قائم ہوسکے اس کا اسے بھی اختیار نہیں،

فان نصب امام الجمعۃ لوالی الاسلام فان لم یکن فللعامۃ لا للخطیب وحدہ۔

امام جمعہ کا مقرر کرنا والی اسلام کا کام ہے اور اگر والی نہ ہو تو عوام۔ خطیب تنہا نہیں کرسکتا۔ (ت)

جمعہ اسی مسجد میں ہوگا اور وہاں دوسری جگہ بلا ضرورت جمعہ قائم نہ ہوگا فان تولیۃ العامۃ مقید بالضرورۃ (کیونکہ باقی عوام کا تقرر ضرورت کے ساتھ مقید ہے۔ ت) ہاں اگر وہاں کوئی عالم دین فقیہ معتمد افقہ اہل بلد ہو تو وہ حسبِ مصلحت اپنے حکم سے دوسری جگہ بھی جمعہ قائم کرسکتا ہے واللہ تعالٰی اعلم

(۲) زید اگر واقعی معذور ہے تو جمعہ وغیر جمعہ کسی نماز میں غیر معذورین کی امامت نہیں کر سکتا اور اگر معذور نہیں اور کپڑوں کی نجاست ثابت نہیں تو اور نمازوں کی امامت کر سکتا ہے اور جمعہ وعیدین کی بھی اگر جانب سلطانِ اسلام سے ماذون ہو یا عام مسلمانوں نے اسے جمعہ وعیدین کا امام مقرر کیا ہو اور بوجہ نابینائی اس پر جمعہ فرض نہ ہونا جمعہ میں اس کی صحت امامت کا مانع نہیں جیسے غلام ومسافر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۸۶ ازنوشہرہ تحصیل جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۴ محرم ۱۳۳۹ھ

ایک اولیاء اللہ کا مجلس خانہ مقرر ہے وہاں عرس شریف کے دن مجلس ہوتی ہے اس مجلس خانہ میں عید نماز یا جمعہ نماز یا مطلق پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا

الجواب

مجلس خانہ میں نماز ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، ہاں مسجد کا ثواب نہ ملے گا اور بلا عذر ترکِ مسجد ہو تو گناہ ہوگا مگر نماز ہو جائے گی، یونہی جمعہ وعیدین بھی اگر عام شہرت واذن ہو کہ یہاں جمعہ یا عید پڑھیں گے جو چاہے آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۸۷ ازایرایاں محلہ سادات ضلع فتح پور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دھوپ کی شدت سے اگر خطبہ سنتے وقت چھاتا لگالے تو حرج تو نہیں؟

الجواب

بہتر نہیں، حاضریِ دربار کے خلاف ہے، اور یہ ضعیف یا مریض ہے اور دھوپ ناقابلِ برداشت، تو لگالے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۸۸ ازمقام درگر ممالک متوسطہ مرسلہ جناب ڈاکٹر حسین بیگ صاحب معرفت جناب عبدالمجید صاحب مورخہ ۲ ربیع الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص فجر کی نماز پڑھ کر جمعہ کے روز بازار کرنے کو ایک مقام پر جو کہ سکونت سے ۹ میل کے فاصلہ پر چلا جاتا ہے اور جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوتا جس کو عرصہ دراز ہوگیا ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ وہ منافق ہوگیا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں نہیں دفن کرنا چاہئے اور اُس سے میل ومحبت وغیرہ سب ترک کردئے جائیں وہ کہتا ہے کہ اپنے بچّوں کی پرورش کرنے کی وجہ سے جاتا ہوں اس پر شرعی فتویٰ کی ضرورت ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

اگروہ ٹھیک دوپہر ہونے سے پہلے شہر کی آبادی سے نکل جاتا ہے تو اس پر اصلاً کچھ الزام نہیں اور اگر اُسے شہر ہی میں وقتِ جمعہ ہوجاتا ہے اُس کے بعد بے پڑھے چلاجاتا ہے تو ضرور گنہگار ہے مگر یہ باطل ہے کہ اسے قبرستانِ مسلمین میں دفن نہ کرسکیں اسے نفاقِ عملی کہہ سکتے ہیں نہ کہ حقیقی، ہاں اس جرم پر مسلمان اُس سے میل جول ترک کرسکتے ہیں اور پہلی تقدیر پر تو جتنے احکام اُس پر لگائے گئے سب غلط ہیں۔ فتاوی ظہیریہ وغیرہ شروح و درمختار وغیرہا میں ہے:

الصحیح انه یکرہ السفر بعد الزوال قبل ان یصلیها ولا یکرہ قبل الزوال[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

صحیح یہ ہے کہ زوال کے بعد جمعہ ادا کرنے سے پہلے سفر پر نکلنا مکروہ ہے البتہ قبل از زوال نکلنا مکروہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۸۹: مسئلہ از کشن گنج ضلع پورنیہ مسئولہ ماسٹر محمد طاہر علی صاحب ہیڈ ماسٹر مدرسہ انجمن اسلامیہ ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس جوار کا دستور ہے کہ اکثر لوگ احاطۂ مکان میں ایک چار چھ ہاتھ کا مربع مکان دیوار یا ٹٹی کا بنام اللہ گھر یا مسجد کے بلالحاظ پابندی نماز بناتے ہیں یہ مکان ضرورتاً ادھر اُدھر ہٹا بھی دیا جاتا ہے اور کبھی کھود بھی ڈالتے ہیں غرض ایسی عرفی مسجدوں میں جو بڑی سے بڑی مسجد تھی اُس میں لوگوں نے جمعہ جماعت طیار کرلی اور چلتے پھرتے واعظ لوگ آتے انھوں نے ان لوگوں کی شامل جمعہ بھی پڑھا اور پڑھتے ہیں تو ایسی حالت میں بتحقیق مقلدین احناف یہ خوانندۂ جمعہ مصیب ٹھہریں گے یا خاطی؟ جواب مدلل بادلہ حنفیہ ہو۔

الجواب

یہ مکانات مساجد البیوت کہتے ہیں یہ حقیقۃً مسجد نہیں ہوتے، نہ ان کے لئے حکمِ مسجد ہے۔ درمختار میں ہے:

کرہ غلق باب المسجد والوطء فوقه والبول والتغوط ولا یکرہ ما ذکر فوق بیت جعل فیه مسجد بل ولا فیه لانه لیس

مسجد کا دروازہ بند رکھنا، مسجد کی چھت پر وطی اور بول و براز مکروہ ہے لیکن یہ اُس گھر کے اوپر مکروہ نہیں جس گھر میں مسجد ہو بلکہ اس کے اندر بھی مکروہ نہیں کیونکہ

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

بمسجد شرعا[1] (ملخصاً) وہ شرعی مسجد نہیں۔(ت)

مگر جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں مکان میں بھی ہوسکتا ہے جبکہ شرائطِ جمعہ پائے جائیں اور اذنِ عام دے دیا جائے لوگوں کو اطلاع عام ہو کہ یہاں جمعہ ہوگا اور کسی کے آنے کی ممانعت نہ ہو۔ کافی امام نسفی میں ہے:

السلطان اذا اراد ان یصلی بحشمہ فی دارہ فان فتح بابھا واذن للناس اذنا عاما جازت[2]۔

اگر سلطان چاہتا ہے کہ وہ اپنے گھر میں نمازِ جمعہ ادا کرے تو اگر اس نے دروازہ کھلا رکھا اور لوگوں کو اذنِ عام تھا تو جائز ہے۔(ت)

تو اگر صورت یہ تھی وہ لوگ مصیب ہوئے، ہاں اگر وہاں مسجدِ جمعہ موجود تھی اُس میں نماز نہ ہُوئی اور گھر میں قائم کی تو کراہت ہُوئی، درمختار میں ہے:

لو دخل الامیر قصرہ واغلق بابہ وصلی باصحابہ لم تنعقد ولو فتحہ واذن للناس بالدخول جاز وکرہ[3]۔

اگر امیر نے اپنے محل میں داخل ہوکر دروازہ بند کرکے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کی تو منعقد ہوگی اور اگر دروازہ کھلا رکھا اور لوگوں کے لئے اجازت عام تھی تو جائز ہوگی البتہ کراہت ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانہ لم یقض حق المسجد الجامع زیلعی و درر[4]۔

مکروہ اس لئے ہے کہ اس نے جامع مسجد کا حق ادا نہ کیا۔ زیلعی اور درر۔(ت)

اور اگر کوئی شرطِ جمعہ مفقود تھی مثلاً وہ جگہ مصر و فنائے مصر نہ تھی یا امام امامِ جمعہ نہ تھا یا بعض نمازیوں کو بلا وجہ شرعی وہاں نماز کے آنے سے ممانعت تھی یا نمازیوں میں وہاں اقامتِ جمعہ مشہور نہ تھی بطورِ خود ان لوگوں نے پڑھ لی اور عام اطلاع نہ ہوئی اگرچہ لوگوں نے اور مسجدوں میں پڑھی تو ان صورتوں میں ان کی نماز نہ ہوئی، خلاصہ میں شرح جامع صغیر امام صدر شہید سے ہے:

من جملۃ ذلک الاذن العام یعنی الاداء علی

ان میں سے ایک اذنِ عام بھی ہے یعنی اعلانیہ

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳
[2] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب الجمعۃ " مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۱
[3] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۲
[4] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۱

سبیل الاشتہاد[1] اداکیا جائے ۔ (ت)

بدائع وحلیہ وغیرہما میں ہے :

السلطان اذا صلی فی دارہ والقوم مع امراء السلطان فی المسجد الجامع ان فتح باب دارہ واذن للعامۃ جاز وتکون الصلوۃ فی موضعین ولو لم یأذن للعامۃ وصلی مع جیش لاتجوز صلوۃ السلطان وتجوز صلوۃ العامۃ[2] اھ وتمامہ فیما علقناہ علی ردالمحتار ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

سلطان نے اپنی دار میں جمعہ پڑھا، باقی لوگ مع امراء سلطان نے جامع مسجد میں جمعہ پڑھا تو اب اگر دار کا دروازہ کھلا تھا تو جائز ہے اور نماز دونوں مقام پر ہوجائے گی، اور اگر وہاں عام لوگوں کو اجازت نہ تھی بادشاہ نے صرف اپنے لشکر کے ساتھ نماز ادا کی تو اب سلطان کی نماز نہ ہوئی، ہاں عوام کی ہوجائے گی اھ اس کی تفصیل ہمارے حاشیہ ردالمحتار میں ملاحظہ کیجئے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹۰ / ۱۳۹۱ حافظ مولوی حشمت علی صاحب لکھنوی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی محلہ سوداگران
۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا ارشاد ہے حماۃ سنت سنیہ بیضاء و محاۃ بدعت قبیحہ ظلماء کا اس مسئلہ میں کہ خطبہ میں رغماً لانوف الوہابیہ والرافضیہ سرکار حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام اقدس لے کر بہ تبعیت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

(۲) اولی الامر منکم سے حقیقۃً علمائے دین مراد ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو جو عالم اہلسنت دل وجان سے دین وسنت پر فدا ہو اور اُس کی ذات سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچتی ہو اُس زمانہ کے علمائے اہلسنت کے اتفاق سے وہ پیشوائے علماء سید الفقہاء ہو، اُس نے اپنی زندگی محض حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقدس قدموں پر تصدق کردینے کے لئے وقف کردی ہو، جہاں کوئی دین میں نیا فتنہ اُٹھتے دیکھے، حتی الوسع اس کے مٹانے میں اپنے قلم و زبان وجان سے کوشش کرے، اُس کی مبارک زندگی زیادہ ہو، غیب سے اس کی مدد و نصرت فرمائی جائے، تمام اعداء اللہ و اعداء الرسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اُس کے غالب رہنے کی خطبہ میں دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا عند الملک الجلیل ثم لدی الحبیب

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی بحوالہ شرح الجامع الصغیر لصدر شہید ومنہا الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۱۰

[2] بدائع الصنائع بحوالہ النوادر فصل فی بیان شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۹

الجمیل جل علا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (تفصیل کے ساتھ بیان کرکے اللہ جل جلالہ مالک وجلیل اور اس کے حبیب جمیل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹۲ تا ۱۳۹۴: از آگرہ ابوالعلائی اسٹیم پریس مسئولہ وحیدالدین صاحب ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) ہندوستان کے شہروں میں جمعہ ادا ہوتا ہے یا نہیں اور جمعہ ادا کرنے کے بعد ظہر احتیاطی واجب ہے یا مستحب یا مکروہ؟

(۲) کیا ایک وقت میں دو۲ نمازیں فرض ہیں اور کیا جمعہ ادا کرنے سے ظہر ساقط نہیں ہوتی۔

(۳) ہندوستان کے جن شہروں میں جامع مسجد کا امام باتفاق مقرر کیا گیا ہے کیا وہ اقامت و ادائیگی جمعہ کے لئے کافی ہے یا بادشاہِ اسلام یا نائب بادشاہ کی ضرورت، مختصر ادلہ وحوالہ کتب کے ساتھ جواب مرحمت ہو۔

الجواب

(۱) ہندوستان کے شہروں میں جمعہ صحیح ہے اور ظہر احتیاطی صرف خواص کو مناسب ہے۔ درمختار میں ہے:

نصب العامۃ غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ۔[1]

جب مذکور اشخاص موجود ہوں تو عوام کا مقرر کرنا معتبر نہیں اور مذکورہ افراد نہ ہوں تو ضرورت کے پیش نظر تقرر جائز ہوگا۔ (ت)

اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی اور ہمارے رسالہ لوامع البہا میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ایک وقت میں دو۲ فرض ہرگز نہیں اور جمعہ جب ادا ہوجائے گا ظہر ضرور ساقط ہوجائے گی، ایسے ہی خیالوں سے بچنے کو علماء نے عوام کو ظہر احتیاطی کا حکم نہ دیا، ردالمحتار میں ہے:

ولذا قال المقدسی نحن لانامر بذلک امثال ھذہ العوام بل ندل

ہم ایسی اشیاء کا حکم عوام کو نہیں دیتے بلکہ خواص کو بتاتے ہیں اگرچہ خواص عوام کی

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

علیہ الخواص ولو بالنسبۃ الیھم۔[1] نسبت سے ہوں۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) وُہ امام کافی ہے اگر صحیح العقیدہ، صحیح القراءۃ، صحیح الطہارۃ، جامع شرائط صحت ہو۔ ابھی درمختار سے گزرا: یجوز للضرورۃ (ضرورت کے لئے جائز ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹۵: از پیلی بھیت محلہ پنجابیاں مسئولہ محمد یونس صاحب ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مقام پر دریا شہر میں واقع ہے اور ایک آگبوٹ یہاں مدام کھڑا رہتا ہے اور جہاز والے چند جہازوں کو اُس آگبوٹ میں لاکر جوڑتے ہیں مال اور سواریاں جہازوں کی آگبوٹ اُتارتے ہیں اور آگبوٹ کے آگے ایک پُل لوہے کا بنا ہوا ہے سواریاں شہر کو اسی پُل سے پار ہوکر جاتی ہیں اور اس آگبوٹ اور جہازوں میں تین گز کا فاصلہ ہے اور جہاز پر کام کرنے والے لوگ ان جہازوں میں سے ایک جہاز پر نمازِ عید و نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں کیونکہ جہاز والے بوجہ خوف چوری کے شہر میں جاکر نماز ادا کرنے سے منع کرتے ہیں تو از رُوئے شرع نماز اُن کی جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب

دریا میں نمازِ جمعہ و عیدین نہیں ہوسکتی، اگر سمندر ہے جب تو ظاہر ہے کہ وُہ حکم دارالحرب میں ہے اور دارالحرب میں جمعہ و عیدین باطل۔ ردالمحتار میں ہے:

فی حاشیۃ ابی السعود عن شرح النظم الھاملی سطح البحرلہ حکم دارالحرب۔[2] حاشیہ ابوسعود میں شرح النظم الہاملی کے حوالے سے ہے کہ سطح سمندر کا حکم دارالحرب کا ہے (ت)

اُسی میں دُرمنتقی شرح الملتقی سے ہے: البحرالملح ملحق بدارالحرب[3] (نمکین سمندر، دارالحرب سے ملحق ہے۔ ت) اور اگر دریا ہو تو دریا نہ مصر ہے نہ فنائے مصر، یہاں تک کہ شہر کے دو حصّے کہ اس کے دو پہلوؤں پر آباد ہوں دو شہر کے مثل ہیں کہ دریا ایک جدا و مستقل چیز بیچ میں فاصل ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

اصلہ عند ابی حنیفۃ لایجوز تعددھا فی اس کی اصل امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی ہے،

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۹۰-۵۹۶

[2] ″ باب استیلاء الکفار ″ ″ ″ ۲/۶۷-۲۶۶

[3] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۳/۲۶۷

فی مصر واحد وکذا روی اصحاب الاملاء عن ابی یوسف انہ لا یجوز فی مسجدین فی مصر الا ان یکون بینھما نھر کبیر حتی یکون کمصرین وکان یامر بقطع الجسر ببغداد کذلک[1]

کہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ نہیں ہوتا، اسی طرح اصحاب الاملاء نے امام ابویوسف سے روایت کیا کہ شہر میں دو۲ مساجد میں جمعہ نہیں ہوتا، ہاں جب ان کے درمیان بڑی نہر ہو تو وہ اس وقت دو شہروں کی طرح ہوجائیں گے، اسی لئے انھوں نے بغداد میں پُل ختم کرنے کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (ت)

ظاہر ہے کہ فنا تابع ہے نہ کہ قاطع، اور جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتے مگر مصر یا فنائے مصر میں، یہ سب اُس صورت میں ہے کہ خوف صحیح ہو اترنا متعذر ہو ورنہ نماز پنجگانہ و وتر وسنّتِ فجر بھی اُن جہازوں میں نہیں ہوسکتے کہ اُن کا استقرار پانی پر ہے اور ان نمازوں کی شرط صحت استقرار علی الارض مگر بحال تعذر، فتح القدیر میں ہے:

فی الایضاح ان کانت موقوفۃ فی الشط وھی علی قرار الارض فصلی قائما جاز لانھا اذا استقرت علی الارض فحکمھا حکم الارض فان کانت مربوطۃ ویمکنہ الخروج لم تجز الصلوٰۃ فیھا، لانھا اذا لم تستقر فھی کالدابۃ انتھی بخلاف ما اذا استقرت فانھا حینئذ کالسریر[2]

ایضاح میں ہے اگر وہ کشتی کنارے پر کھڑی ہے اور زمین پر برقرار ہے تو نماز کھڑے ہو کر ادا کرے تو نماز جائز ہے کیونکہ اب زمین پر قرار پکڑنے کی وجہ سے زمین کے حکم میں ہی ہے، اور اگر کشتی باندھی ہُوئی تھی اور اس سے نکلنا ممکن تھا تو اب اس پر نماز نہ ہوگی کیونکہ جب وُہ مستقر نہیں تو وہ چارپایہ کے حکم میں ہے بخلاف اس صورت کے جب وہ مستقر ہے تو اس وقت وہ چارپائی کی طرح ہوتی ہے۔ (ت)

اس صورت میں اگر جبراً نہ اُترنے دیتے ہوں پنجگانہ پڑھیں اور اترنے کے بعد سب کا اعادہ کریں لان المانع من جھۃ العباد (کیونکہ رکاوٹ بندوں کی طرف سے ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹۶ از کاٹھیاواڑ ضلع راجکوٹ شہر پوربندر پنج ہسٹری مسئولہ سید غلام محمد صاحب قادری رضوی امام مسجد میلھی ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

امام العلماء المحققین مقدام الفضلاء المدققین حضرت سیدنا ومخدومنا ومولٰنا مولوی حاجی قاری

---

[1] فتح القدیر باب صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵

[2] فتح القدیر باب صلوٰۃ المریض مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۶۲

احمد رضا خاں صاحب قبلہ قادری برکاتی مدظلہ ودام فیضہ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ یہاں ملک کاٹھیاواڑ میں اکثر مقامات پر یہ رواج ہے کہ جمعہ کے روز خطبہ میں سلطان المسلمین کے واسطے دُعا مانگی جاتی ہے تو خطیب بروقت دُعا مانگنے کے منبر پر سے ایک سیڑھی نیچے اُترتا ہے اور بعد دُعا مانگ کر ایک سیڑھی اوپر چڑھتا ہے اور بعض مقامات پر اس طرح نہیں کیا جاتا ہے یعنی خطیب ایک سیڑھی نیچے اُترتا تو زید اس سے اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سلطان کے لئے دعا مانگنے کے وقت ایک سیڑھی اُترنا چاہئے، غرض یہ ہے کہ یہ فعل کیسا ہے ؟

الجواب

خطیب کا ایک سیڑھی نیچے آنا اور پھر اُوپر جانا بعض علما نے بمجبوری ایک مصلحت شرعی کے لئے رکھا تھا جس کا ذکر مکتوبات شیخ مجدد اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے، یہاں وہ مجبوری نہیں، نہ سلاطین کے نام کے ساتھ مبالغہ آمیز غلط الفاظ ملانے کی حاجت، لہذا یہ فعل عبث محض ہے، رد المحتار میں اس کا بدعت ہونا نقل کیا، وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۹۷ از بھوساول ضلع خاندیس محلہ ستارہ مسئولہ حافظ الیس محبوب صاحب ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جمعہ کی نماز باجماعت کس وقت سے لے کر اور کب تک ادا کر سکتے ہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جمعہ اور ظہر کا ایک وقت ہے زوال شمس کے بعد اذانِ اول ہو پھر سنتیں پھر اذانِ ثانی پھر خطبہ پھر نماز، یہ اس کا اول وقت ہے اور ایسے وقت اذان وخطبہ ونماز ہوں کہ سایہ دو مثل ہونے سے پہلے اخیر سنتیں ہوجائیں یہ اس کا آخر وقت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹۸ از جے پور بیرون اجمیری دروازہ کوٹھی عبد الواجد علی خاں مسئولہ حامد حسن قادری ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ خطبۂ جمعہ میں بعد جلسۂ استراحت درمیانی کس قدر خطبہ پڑھنا چاہئے اور اس میں کیا کیا مضامین ہوں، کیا صرف چند کلمات حمد اور ایک آیت قرآنی سے خطبہ ثانیہ پورا ہوجائے گا، اور کیا نعت حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و درود شریف و ذکر خلفائے کبار و اہلبیت کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین و دُعا برائے مومنین کے ترک سے کچھ نقصان نہ ہوگا ؟ بینوا توجروا

الجواب

خطبۂ ثانیہ پورا ہونا بایں معنی کہ فرض ادا ہوجائے، یہ تو پہلے ہی خطبہ سے حاصل ہوگیا مگر بلا ضرورت

سنّتِ متوارثہ قدیمہ دائمہ کو چھوڑنا ور مسلمانوں کی تنفیر کا باعث ہونا اور اپنے اوپر فتح بابِ غیبت کرنا اور ارشادِ اقدس بشروا ولا تنفروا (خوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ۔ ت) کی مخالفت کرنا دیندار عاقل کا کام نہیں، نعتِ اقدس سے دُعا برائے مومنین تک جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں سب محمود و معمول و ماثور ہیں انھیں ضرور بجالانا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۹۹ از شاہجہان پور محلہ خلیل مسئولہ امیر خاں مختار عام ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہان پور میں ایک مسجد ہے اُس میں یہ قرار پایا کہ اول ہر وقت یہاں تک کہ جمعہ کی نماز قادیانی پڑھیں، بعد کو اہلسنّت مع خطبہ جمعہ کے۔ تو حضور فرمائیے کہ ہماری نماز ہوگی یا نہیں؟ پہلے قادیانی خطبہ پڑھ چکے ہم دوبارہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

نہ قادیانیوں کی نماز ہے نہ اُن کا خطبہ، خطبہ کہ وہ مسلمان ہی نہیں۔ اہلسنّت اپنی اذان کہہ کر اُسی مسجد میں اپنا خطبہ پڑھیں اپنی جماعت کریں یہی اذان و خطبہ و جماعت شرعاً معتبر ہوں گے۔ اور اس سے پہلے جو کچھ قادیانی کرگئے باطل و مردود محض تھا۔ وھو تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۰۰ از جگندل ضلع چوبیس پرگنہ نیا بازار نئی مسجد مسئولہ عبدالستار ہاشمی ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے خطبہ اولٰی کے بجائے وعظ و پندِ عوام کو احکامِ شرعیہ بتانے اور سمجھانے کے لئے جائز ہے یا نہیں یا قطعی حرام ہے؟ اُردو کلام کرنا اندر خطبہ کے یا خطبوں کا ترجمہ یا آیات و احادیث جو خطبوں میں ہیں اُن کا ترجمہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

خطبہ خود وعظ و پند ہے مگر اُس میں غیر عربی زبان کا خلط مکروہ و خلافِ سنّتِ متوارثہ ہے اگرچہ نفس فرض خطبہ خالص دوسری زبان سے ادا ہوجائے گا صحابہ کرام نے عجم کے ہزاروں شہر فتح فرمائے اور ان میں منبر نصب کئے اور خطبے پڑھے اور اُن کی زبانیں جانتے تھے اُن سے گفتگو کرتے تھے مگر کبھی منقول نہیں کہ عربی کے سوا کسی اور زبان میں خطبہ فرمایا یا غیر زبان کو ملایا،

فھو کف وانکف متبع قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد[1]

یہ فعل سے رُکنا ہے اور رُکنے میں اتباع کی جائے گی، حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے کسی معاملے میں اختراع کی حالانکہ وہ اس میں سے نہ تھی تو وہ مردود ہوگی۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب اذا اصطلحوا علی صلح جورٍ فھو مردود مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۱

درمختار میں ہے :

صح لوشرع بغیر عربیۃ وشرطا عجزہ وعلی ھذا الخلاف الخطبۃ[1]۔

صحیح ہے اگر اس نے نماز کی تکبیر غیر عربی میں شروع کی اور صاحبین کے نزدیک بشرطیکہ وہ عاجز ہو، یہی اختلاف خطبہ کے بارے میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں غرر الافکار شرح درر البحار سے ہے :

کرہ الدعاء بالعجمیۃ لان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نھی عن اطاعۃ الاعاجم[2]۔

عاجمی زبان میں مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عجمی لوگوں کی پیروی سے منع فرمایا۔ (ت)

اسی میں ولوالجیہ سے ہے :

التکبیر عبادۃ اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی لایحب غیر العربیۃ[3]۔

تکبیر اللہ کی عبادت ہے اور اللہ تعالٰی غیر عربی کو پسند نہیں کرتا۔ (ت)

ہاں اگر اثنائے خطبہ میں مثلاً کسی ہندی کو کوئی فعل ناجائز کرتے دیکھا جیسے خطبہ ہونے کی حالت میں چلنا یا پنکھا جھلنا، اور وہ عربی نہیں سمجھتا تو اردو میں اسے منع کرے کہ یہ حاجت یونہی رفع ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۰۱ تا ۱۴۰۲ از بھاجی بازار شہر مسئولہ مظہر حسین صاحب آزاد پرائیویٹ سیکریٹری

۸ شوال ۱۳۳۹ھ

بعالیخدمت فیض درجت شریعت پناہ فضیلت دستگاہ عالیجناب مولٰنا احمد رضا خاں صاحب زاد مجدہم،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں :

(۱) قاضی وخطیب شہر گورنمنٹ کا خطاب یافتہ ہے اور اُس کے متعلق اُس کو معاش، زمانہ شاہی سے ملی ہوئی ہے اس نے ذاتی رنجشوں عداوتوں کی وجہ سے خطاب وغیرہ ترک موالات کے سلسلہ میں واپس نہیں کئے، ویسے خلافت کا ہمدرد اور قولاً وفعلاً امداد کی اور کرنے کو تیار ہے، بوجہ خطیب ہونے کے عیدین میں خطبہ پڑھتا ہے کیا شرعاً ایسے شخص کا خطبہ سُننا جائز ہے؟

(۲) جامع مسجد اور عیدگاہ میں ایک شخص حافظ قاری جو دو حج بھی کرچکا ہے اور خطاب یافتہ نہیں ہے منجانب قاضی وخطیب مذکور امامت کے لئے عرصہ دراز سے مقرر ہے اُس کی امامت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۴

[2] ردالمحتار مطلب فی الدعاء بغیر العربیۃ ر مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۵

[3] ر ر ر ر ر ر ر

(۳) ایک شہر میں دو خطاب یافتہ مسلمان ہیں، خلافت کمیٹی بھی قائم ہے اس کمیٹی نے ایک خطاب یافتہ کی جانبداری اختیار کر رکھی ہے، اس کو خطاب وغیرہ چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتی اور اس کی تولیت میں جو مسجد ہے اور اس میں اُسی خطاب یافتہ کی جانب سے امام مقرر ہے، اُس کا خطبہ سُننا اور اُس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز قرار دیا ہے اور دوسرے خطاب یافتہ کا خطبہ سُننا اور اُس کے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز قرار دیا ہے، کیا کمیٹی کا یہ فعل فتاوی علمائے کرام اور احکامِ خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور احکامِ شرعیہ میں کوئی تفرقہ ہے یا سب مسلمانوں کے لئے یکساں اور عام ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) جو زمانۂ شاہی سے منصبِ خطبہ و امامت پر منصوب ہے بلا وجہ شرعی اُس کے خطبہ سُننے کو ناجائز بتانے والا شریعتِ مطہرہ پر افتراء کرتا ہے، خطاب واپس نہ کرنا کوئی ایسا جُرم نہیں جس کے سبب اُس کا خطبہ سننا منع ہوجائے ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون[1] (بلاشبہہ وہ لوگ جو اللہ تعالٰی پر افتراء باندھتے ہیں وُہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ ت)

(۲) جائز ہے اگر اس میں کوئی مانع شرعی نہ ہو اگرچہ خطاب یافتہ ہو۔

(۳) یہ تفرقہ محض جہالت اور افتراء بر شریعت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۸۰ از ایرایان ضلع فتحپور سادات مسؤلہ سید صغیر حسین صاحب نائب مدرس مڈل اسکول ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے روز جب امام منبر پر خطبہ پڑھنے کو آجائے اور اذان کہی جائے تو کلماتِ اذان کا جواب دینا اور بعد اذان دعائے اذان پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک پر اذان میں انگوٹھا چُومنا یا خطبہ میں آں حضرت کے نام پر انگوٹھا چومنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

اذانِ خطبہ کے جواب اور اُس کے بعد دُعا میں امام و صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اختلاف ہے بچنا اولٰی، اور کریں تو حرج نہیں، یوں ہی اذانِ خطبہ میں نامِ پاک پر انگوٹھے چُومنا اس کا بھی یہی حکم ہے لیکن خطبہ میں محض سکوت و سکون کا حکم ہے، خطبہ میں نامِ پاک سُن کر صرف دل میں درود شریف پڑھیں اور کچھ نہ کریں زبان کو جنبش بھی نہ دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۱۶/ ۱۱۶

مسئلہ ۱۴۰۵ از قصبہ سرسی محلہ بوچڑخانہ کلاں پرگنہ سنبھل ضلع مراد آباد مسؤلہ حافظ خدا بخش و شیخ عبد العزیز یکم ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ فرقہ نجدیہ کے اشخاص جابجا گشت کرتے ہیں اور مومنین و مومنات کو بہکاتے پھرتے ہیں ان کا بیان سننے کو کوئی نہیں ٹھہرتا، تو انھوں نے اب یہ کید کیا ہے کہ بوقتِ خطبہ جمعہ اغوا شروع کرتے ہیں اور اُس کا نام خطبہ رکھتے ہیں، یہ فرقہ کیا حکم رکھتا ہے اور خطبۂ جمعہ دراصل اردو میں جائز بھی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وہابیہ کفار مرتدین ہیں جیسا کہ علمائے حرمین شریفین کے فتوے "حسام الحرمین" سے ظاہر ہے، اُن کا خطبہ باطل، ان کی نماز باطل، اُن کے پیچھے نماز باطل محض جیسے کسی ہندو یا نصرانی کے پیچھے۔ اور اردو میں خطبہ پڑھنا سنتِ متوارثہ کا خلاف اور بہت بُرا ہے، اور وہابیہ کے طور پر تو اصل ایمان میں خلل انداز ہے کہ بدعت ہے اور اُن کے نزدیک ہر بدعت اصل ایمان میں خلل انداز اگرچہ اُن کے پاس سرے ہی سے نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۰۶ از اوجین گوالیار مرسلہ مولوی یعقوب علی خاں ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک قصبہ میں نسلاً بعد نسلٍ مسندِ قضا پر بحکم حاکم و اتفاقِ جماعتِ مسلمانان مامور ہے اور امامت وخطابت اور نمازِ عیدین بلکہ تمام کاروبار متعلقہ عہدۂ قضا کرتا ہے اور سوائے زید کے شوہر ہندہ نے تمام عمر امامت و خطیبی نہ کی باوجود ان وجوہات کے ہندہ نے بعد وفاتِ شوہر اپنے کے بشراکت چند کس زید کو بلا وجہ خدمتِ مذکورہ سے علیحدہ کرکے عمرو داماد اپنے کو بحکم حاکم قائم مقام زید کیا چاہتی ہے، ہندہ بچی زید ہے تو باجازت و اعانت عورت بلا استرضا کے اقوام اہل اسلام عمرو امامت و خطابت کرسکتا ہے یا نہیں؟ بسندِ کتب بیان فرمائیں۔

الجواب

عورت کہ سلطنت نہ رکھتی ہو اور اسی طرح سلطانِ اسلام یا اُس کے نائب ماذون کے سوا کسی حاکم کا کسی شخص کو خطیب یا امامِ جمعہ مقرر کرنا اصلاً معتبر نہیں، نہ ایسے شخص کے خطبہ پڑھنے یا نماز پڑھانے سے جمعہ ادا ہوسکے کہ اس میں اذنِ سلطانِ اسلام شرط ہے جسے اس نے مقرر کیا یا اس کے مقرر کئے ہوئے نے اذن دیا وہی خطیب و امام ہوسکتا ہے دُوسرا نہیں، درمختار میں ہے:

الجمعۃ شرط لصحتہا السلطان او مامورہ باقامتہا وقالوا یقیمہا امیر البلد ثم الشرطی ثم

صحتِ جمعہ کے لئے سلطان یا اس کے مامور برائے اقامتِ جمعہ کا ہونا ضروری ہے، فقہاء نے فرمایا

القاضی ثم من ولاہ قاضی القضاۃ[1] اھ ملتقطا

کہ جمعہ امیرِ شہر قائم کرے اس کے بعد محاسب پھر قاضی پھر وہ شخص جسے قاضی القضاۃ نے مقرر کیا ہو اھ اختصاراً (ت)

پس اگر آباء و اجدادِ زید سلطنتِ اسلام سے اس عہدہ پر از جانب سلاطین اسلام مقرر تھے اور وہ خطباء و ائمہ یکے بعد دیگرے اپنی اولاد میں ایک دوسرے کو نائب کرتے آئے یہاں تک کہ یہ نیابت زید تک پہنچی تو زید خود سلاطینِ اسلام کی طرف سے اس عہدہ پر مامور گنا جائے گا اور اس کے ہوتے ہوئے اگر تمام اہل شہر بے اس کے اذن کے دوسرے کو امام یا خطیب مقرر کرنا چاہیں گے ہرگز جائز نہ ہوگا نہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی خطبہ خوانی یا امامت صحیح ہوگی، ردالمحتار میں ہے:

الاذن من السلطان انما یشترط فی اول مرۃ فاذا اذن باقامتہا لشخص کان لہ ان یأذن لغیرہ وذلک الغیر لہ ان یأذن لاٰخر وھلم جرا ولا تصح اقامتھا الا لمن اذن لہ السلطان بواسطۃ او بدونہا اما بدون ذلک فلا[2] اھ ملخصا

سلطان کا اذن پہلی دفعہ شرط ہے جب سلطان کسی شخص کو اقامتِ جمعہ کا اذن جاری کر دے تو وہ شخص کسی دوسرے کو اجازت دے سکتا ہے اسی طرح وُہ آگے ایسا کرسکتا ہے، اقامتِ جمعہ وہ قائم کرسکتا ہے جس کو اذنِ سلطان حاصل ہو خواہ بلاواسطہ اذن ہو یا بالواسطہ، لیکن اگر اذن نہیں تو جمعہ قائم نہیں کرسکتا اھ تلخیصاً (ت)

اور اگر ایسا نہیں یعنی اُس کے اجداد جانبِ سلاطینِ اسلام سے مامور نہ تھے یا اس کو انھوں نے نائب نہ کیا تاہم جبکہ یہ خود باتفاقِ مسلمین امامت و خطابت پر مامور ہے تو ہمارے اعصار و امصار میں بلا ریب امام و خطیب صحیح شرعی ہے کہ جہاں سلطان نہ ہو اس امر کا اختیار عامہ مسلمین کے ہاتھ ہوتا ہے وہ جسے مقرر کر دیں اسی کا تقرر ٹھیک ہے، درمختار میں ہے:

نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ[3]۔

عوام کا خطیب کو مقرر کرنا مذکورہ افراد کے ہوتے ہوئے معتبر نہیں اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا۔ (ت)

تو اس صورت میں بھی دوسرا کوئی شخص بغیر اذن زید کے امامت و خطابت کا مجاز نہیں کہ آخر یہ خطیب شرعی ہے

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹-۱۱۰
[2] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۲
[3] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

اور خطیب شرعی کے بے اجازت دوسرا امامت یا خطابت نہیں کرسکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

قولہ لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز ظاھرہ ان الخطیب خطب بنفسہ والاخر صلی بلا اذنہ ومثلہ مالوخطب بلا اذنہ لما فی الخانیۃ وغیرھا خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم یجز اھ[1]

قولہ "اگر کسی نے اذنِ خطیب کے بغیر نماز پڑھائی تو جائز نہیں" اس کا ظاہر بتا رہا ہے کہ خطیب نے خود خطبہ دیا مگر نماز اس کی اجازت کے بغیر دوسرے نے پڑھا دی اور اسی کی مثل وہ صورت ہے جب بلا اجازتِ خطیب کسی نے خطبہ دے دیا، کیونکہ خانیہ وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی نے بغیر اجازتِ امام خطبہ دیا اور امام حاضر تھا تو یہ جائز نہیں اھ (ت)

ہاں اس صورت میں اگر عامہ مسلمین جیسے آج تک تقرر زید پر متفق رہے اب بوجہ شرعی معزولی زید پر متفق ہوجائیں اور دوسرے شخص کو قائم کردیں تو اس صورت زید معزول اور دوسرے کا تعین صحیح ومقبول ہوگا صرف عورت کی جاہلانہ حرکت یا حاکم سلطنت غیر اسلامی کی شرکت واعانت محض بیکار و بے سُود ہے کہ کسی منصب سے معزول کرنے کا اُسی کو اختیار ہوتا ہے جسے مقرر کرنے کا اختیار تھا وہ اصالۃً سلطانِ اسلام ہے اور ضرورۃً جماعاتِ مسلمین، نہ کہ عورت یا حکام سلطنت غیر اسلام۔ کما لایخفی علی من لہ بالفقہ ادنی الالمام (جیسا کہ یہ ہر اس شخص پر واضح ہو جو فقہ میں ادنٰی سا درک رکھتا ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۰۷: از بنارس محلہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی عبدالغفور صاحب

جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بروز جمعہ نیت چار رکعت سنّت کی باندھی، بعدہٗ امام نے خطبہ شروع کیا اب وہ دو رکعت پڑھ کر سلام کرے یا چار رکعت پُوری پڑھے اس میں جو کچھ اختلاف درمیان علمائے حنفیہ سے ہے وہ جناب پر ظاہر ہے لیکن بطور نمونہ قدرے درج ذیل ہے:

فی الدرالمختار فی باب الجمعۃ ولو خرج وھو فی السنۃ او بعد قیامہ لثالثۃ النفل یتم فی الاصح ویخفف القراءۃ[2] وایضا فیہ فی باب ادراک الفریضۃ وکذا سنۃ الظھر

درمختار کے باب الجمعہ میں ہے کہ اگر امام آگیا اور نمازی سنن ادا کررہا تھا یا نفل کی تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہوا تو اصح قول کے مطابق اسے مکمل کرلے اور قراءت میں تخفیف کرے۔ اس کے باب ادراک الفریضہ میں بھی یہی ہے

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۳-۹۴

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۳

وسنة الجمعة اذا اقیمت اما خطب
الامام یتمها اربعا علی القول الراجح
لانها صلوٰة واحدة لیس القطع للاکمال
بل للابطال خلافا لما رجحه الکمال[1]
وفی العلمگیریة ولو کان فی
السنة قبل الظهر والجمعة فاقیم
اوخطب یقطع علی راس الرکعتین
یروی ذلك عن ابی یوسف
رحمه اللہ تعالٰی وقد قیل یتمها
کذا فی الهدایة، وهو الاصح کذا فی
محیط السرخسی، وهو الصحیح هکذا
فی السراج الوهاج[2]، فی الصغیری
شرح منیة اذا صعد الامام المنبر یجب علی
الناس ترك الصلوٰة[3] الٰی اٰخره فی حاشیة
رد المحتار علی الدر المختار متعلق، لما رجحه
الکمال حیث قال وقیل یقطع علی راس الرکعتین
وهو الراجح لانه یتمکن فی قضائها بعد الفرض
ولا ابطال فی التسلیم علی الرکعتین فلا یفوت
فرض الاستماع والاداء علی الوجه الاکمل
بلا سبب اھ اقول وظاهر الهدایة اختیاره و
علیه مشی فی الملتقی ونور الایضاح والمواهب

اور اسی طرح سنّتِ ظہر اور سنّتِ جمعہ میں اگر تکبیر کہی
جائے یا امام خطبہ شروع کردے تو قولِ راجح کے
مطابق وہ چار رکعت مکمل کرے کیونکہ یہ ایک ہی نماز
کے حکم میں ہے یہاں انقطاع 'اکمال نہیں بلکہ ابطال
ہوگا، یہ اس کے خلاف ہے جیسے کمال نے ترجیح دی'
اور عالمگیری میں ہے اگر کوئی شخص ظہر اور جمعہ کی پہلی
سنّتوں میں تھا تکبیر کہی گئی یا خطبہ شروع ہوگیا تو دو
رکعات ادا کرکے ختم کردے یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ
تعالٰی سے مروی ہے اور بعض نے کہا کہ تمام کرے
اسی طرح ہدایہ میں ہے اور یہی اصح ہے، محیط سرخسی
میں یہی ہے اور یہی صحیح ہے، اسی طرح سراج الوہاج
میں ہے، صغیری شرح منیہ میں ہے جب امام منبر پر
چڑھے تو لوگوں میں نماز کا ترک کردینا لازم ہے الخ حاشیہ
رد المحتار علی الدر المختار میں کمال کی ترجیح کے بارے میں
ہے کہ بعض نے کہا دو رکعتوں پر اختتام کردے یہی
راجح ہے کیونکہ فرائض کے بعد ان کی قضا ممکن ہے
اور دو رکعات پر سلام ان کا ابطال بھی نہیں، پس اب
خطبہ کا سُننا جو فرض وہ بھی فوت نہ ہوگا اور کامل طریقہ
پر سنن کی ادائیگی بھی ہوجائے گی اقول ہدایہ کا ظاہر
یہی کہ یہ ان کا مختار ہے، اسی پر ملتقی، نور الایضاح،
المواہب، جمعۃ الدرر اور فیض میں ہے شرنبلالیہ میں

۱؎ درمختار — باب ادراک الفریضة — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۹۹
۲؎ فتاوٰی ہندیة — الباب العاشر فی ادراک الفریضة — ” نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۱۲۰
۳؎ صغیری شرح منیة المصلی — فصل فی صلوٰة الجمعة — ” مطبع مجتبائی دہلی — ص ۲۸۰

جمعۃ الدرر والفیض وعزاہ فی الشرنبلالیۃ الی البرھان وذکر فی الفتح انہ حکی عن السغدی انہ رجع الیہ لمارآہ فی النوادر عن ابی حنیفۃ وانہ مال الیہ السرخسی والبقالی وفی البزازیۃ انہ رجع الیہ القاضی النسفی وظاھر کلام المقدسی المیل الیہ ونقل فی الحلیۃ کلام شیخہ الکمال ثم قال وھو کما قال ھذا[1] الخ فی شرح الوقایۃ اذا خرج الامام حرم الصلوۃ[2] وفی عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ لمولٰنا واستاذنا مولوی عبدالحی صاحب مرحوم ومغفور واخرج اسحٰق بن راھویۃ فی مسندہ عن السائب کنا نصلی فی زمن عمر یوم الجمعۃ فاذا خرج عمر وجلس علی المنبر قطعنا الصلوۃ[3] الخ۔

اسے برہان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، فتح میں ہے سغدی سے منقول ہے کہ اس کی طرف رجوع اس لئے کیا کہ نوادر میں امام ابوحنیفہ سے اسی طرح مروی ہے اور اسی کی طرف سرخسی اور بقالی نے میلان کیا ہے اور بزازیہ میں ہے کہ اس کی طرف قاضی نسفی نے رجوع کیا، کلام مقدسی سے ظاہراً اسی طرف میلان معلوم ہوتا ہے، حلیہ میں کمال کا کلام نقل کرکے کہا کہ وہ اسی طرح ہے جو یہ کہا گیا ہے الخ شرح وقایہ میں ہے جب امام آجائے تو نماز حرام ہوجاتی ہے، ہمارے سرتاج اور استاذ مولوی عبدالحی مرحوم نے عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ اسحاق بن راہویہ نے مسند میں حضرت سائب سے روایت کیا کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دور میں نماز پڑھتے تھے تو جب حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ منبر پر بیٹھتے تو ہم نماز ختم کردیتے تھے الخ (ت)

الجواب

دونوں قول قوی ونجیح ہیں اور دونوں طرف جزم وترجیح اور مختار فقیر قول اخیر کہ اول روایت نوادر ہے اور ثانی مفاد ظاہر الروایہ والفتوی متی اختلفت فالمصیر الی ظاھر الروایۃ (جب روایات مختلف ہوں تو ظاہر الروایت کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا وناھیک بہ حجۃ وقدوۃ (اس میں وہی مقتدا کافی ہیں۔ ت) فتح القدیر میں ہے: الیہ اشار فی الاصل[4] (اسی کی طرف اصل میں اشارہ ہے۔ ت) معہذا کثرت تصحیح وافتائے صریح بھی اسی

---

[1] ردالمحتار	باب ادراک الفریضہ	مطبوعہ مصطفی البابی مصر	۵۲۷/۱
[2] شرح الوقایہ	باب الجمعۃ	” مکتبہ رشیدیہ دہلی	۲۴۴/۱
[3] عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ	باب الجمعۃ	” ” ”	”
[4] فتح القدیر	باب ادراک الفریضۃ	” مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر	۳۹۳/۱

طرف ہے۔

والقاعدۃ ان العمل بما علیہ الاکثر کما نصوا علیہ فی غیر ما کتاب وبیناہ فی رسالتنا بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلوۃ الجنائز۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ عمل اس پر کیا جائے جس پر اکثریت ہو جیسا کہ فقہا نے کتب میں متعدد جگہ اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اس کی تفصیل اپنے رسالے "بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلوۃ الجنائز" میں دی ہے۔ (ت)

قول اول کی ترجیح صریح کتب معتمدہ مرجحین میں کہ اس وقت فقیر کے پاس ہیں خانیہ و فتح کے سوا کسی میں نظر سے نہ گزری

اما الحلیۃ فقد تبعت الفتح واما المراقی فانما تبع البرھان شرح مواھب الرحمٰن بشھادۃ غنیۃ ذوی الاحکام واما الطرابلسی فانما اقتفی اثر الکمال کما ھو دابہ فی کل مقال قال الکلام الی الکمال مع ان الشرنبلالی خالف نفسہ فی جمعۃ غنیۃ کما یأتی۔

حلیہ نے فتح کی اتباع کی ہے، مراقی نے غنیۃ ذوی الاحکام کے بیان کے مطابق برہان شرح مواہب الرحمٰن کی اتباع کی ہے، طرابلسی نے کمال کی اقتداء کی جیسا کہ ان کا ہر جگہ یہی طریقہ ہے اور کہا کہ کلام کمال کی طرف ہی ہے باوجودیکہ شرنبلالی نے جمعہ غنیہ میں خود اپنی مخالفت کی ہے جیسا کہ آرہا ہے۔ (ت)

اور قول اخیر کو صاحب محیط و امام عبدالرشید و امام ابوحنیفہ ولوالجی و امام عیسٰی بن محمد قرہ شہری صاحب ملتقی و امام ظہیر الدین مرغینانی صاحب ظہیریہ و علامہ شمسی و صاحب سراج وہاج نے فرمایا: ھو الصحیح[1] (صحیح قول یہی ہے۔ت) امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا: ھو الاصح[2] (اصح قول یہی ہے۔ت) درمختار میں ہے: فی الاصح[3] (اصح قول میں یہی ہے۔ت) متنِ تنویر میں ہے: علی الراجح[4] (یہ راجح قول کے مطابق ہے۔ت) بحرالرائق میں ہے: صححہ المشائخ[5] (مشائخ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ت) مجمع الانہر میں ہے: صححہ اکثر المشائخ[6] (اکثر مشائخ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ت) اسی طرح جامع الرموز و ہندیہ و نہر وغیرہا میں اس کی تصحیح و ترجیح

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ السراج الوہاج الباب العاشر فی ادراک الفریضۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۲۰
[2] " " " محیط السرخسی " " " "
[3] درمختار باب الجمعۃ " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۳
[4] " باب ادراک الفریضۃ " ۱/ ۹۹
[5] بحرالرائق باب صلوۃ الجمعۃ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۸
[6] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب ادراک الفریضۃ " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۴۱

مذکور یہاں تک کہ امام اجل مجتہد الفتوی حسام الدین عمر صدر شہید قدس سرہٗ نے فتاوی صغری میں فرمایا : علیہ الفتوی[1] (فتوی اسی پر ہے ۔ ت) شرنبلالیہ میں ہے :

اقول الصحیح خلافہ وھو انہ یتم سنۃ الجمعۃ اربعا وعلیہ الفتوی کما فی الصغری وھو الصحیح کما فی البحر عن الولوالجیۃ والمبتغی[2] الخ ۔

میں کہتا ہوں صحیح اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کی چار سنتیں مکمل کرے ، اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ صغری میں ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ بحر میں ولوالجیہ اور مبتغی سے ہے الخ ۔ (ت)

لاجرم بحر میں قول اول کی نسبت فرمایا : ھو قول ضعیف وعزاہ قاضی خاں الی النوادر[3] (یہ ضعیف قول ہے اور قاضی خاں نے اس کی نسبت نوادر کی طرف کی ہے ۔ ت) رہیں روایات قطع و ترک و تحریم نماز بخروج امام للخطبہ انھیں اس مبحث سے علاقہ نہیں وہ فریقین کی منصوصہ و متفق علیہا ہیں ان کے معنی یہ ہیں کہ خروجِ امام کے بعد کوئی نماز (سوائے فائتہ واجب الترتیب کے) شروع نہ کرے پہلے سے جو انتظارِ امام میں نوافل وغیرہا پڑھ رہا ہے اُس کا سلسلہ قطع کردے متمادی نہ رہے نہ یہ کہ جو نماز پڑھ رہا ہے وہ حرام ہوگئی اُسے قطع کر دے نیت توڑ دے یہ قطعاً باطل ہے ورنہ اگر ہنوز نیت ہی باندھی یا ایک ہی رکعت پڑھی کہ امام خطبہ کے لئے خارج ہوا تو فوراً نیت توڑ دینا واجب ہو یہ کسی کا قول نہیں نصوص عامہ کتب مذہب اس کے بطلان پر متظافر و متواتر ہیں کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے ۔ ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم ۔

۱۰ ھ ۱۳

رِعایة المذہبین فی الدعاء بین الخطبتین

(دو خطبوں کے درمیان دُعا کرنے کا بیان)

مسئلہ ۱۴۰۸ از کٹھور اسٹیشن سائن ضلع سورت مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب مدرس مدرسہ عربیہ ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۱۰ھ

اس جائے پر بروز جمعہ بین الخطبتین کے جلسہ میں ہاتھ اٹھا کر دُعا آہستہ مانگی جاتی ہے اور بعضے لوگ اس کو مکروہِ شدید وحرام و بدعتِ سیئہ وشرک قرار دے کر اس فعل کو منع کرتے ہیں، لہذا التماس یہ ہے کہ اس کے جوابِ باصواب سے جو دافع جدال ہو تحریر فرما کر رفعِ خصومت بین المسلمین فرمائیں۔

الجواب

امام کے لئے تو اس دُعا کے جواز میں اصلاً کلام نہیں جس کے لئے نہیِ شارع نہ ہونا ہی سند کافی۔ ممنوع وہی ہے جسے خدا ورسول منع فرمائیں جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، بے اُن کی نہی کے ہرگز کوئی شے ممنوع نہیں ہوسکتی خصوصاً دُعا سی چیز جس کی طرف خود قرآنِ عظیم نے بکمال ترغیب وتاکید علی الاطلاق بے تحدید وتقیید بلایا اور احادیث شریفہ نے اسے عبادت ومغزِ عبادت فرمایا، پھر یہاں صحیح حدیث کا فحوی الخطاب اُس کی اجازت پر دلیل صواب کہ خود حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عین خطبہ میں دست مبارک بلند فرما کر ایک جمعہ کو مینہ برسنے اور دوسرے کو مدینہ طیبہ پر سے کھل جانے کی دُعا مانگنا، صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما میں حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حالانکہ وہ قطعِ خطبہ کو مستلزم، تو بین الخطبتین بدرجۂ اولٰی جواز ثابت، لاجرم علمائے کرام نے شروحِ حدیث وغیرہ کتب میں صاف اُس کا جواز افادہ فرمایا، مولٰنا علی قاری مکی حنفی رحمہ اللہ تعالٰی مرقاۃ شرح

مشکوٰۃ میں زیرِ حدیث یخطب ثم یجلس فلا یتکلم (امام خطبہ پڑھے پھر بلا گفتگو بیٹھ جائے۔ ت)

فرماتے ہیں:

لا یتکلم ای حال جلوسہ بغیر الذکر او الدعاء او القراءۃ سرا والاولی القراءۃ لروایۃ ابن حبان کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقرأ فی جلوسہ کتاب اللہ[1] الخ

نہ گفتگو کرے یعنی بیٹھنے کی حالت میں آہستہ ذکر یا قراءۃ کے علاوہ بات نہ کرے، قرات اولٰی ہے کیونکہ ابن حبان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیٹھنے کی حالت میں کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے تھے الخ (ت)

حافظ الشان شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی فتح الباری شرح صحیح بخاری شریف میں اسی حدیث کی نسبت فرماتے ہیں:

واستفید من ھذا ان حال الجلوس بین الخطبتین لا کلام فیہ لکن لیس فیہ نفی ان یذکر اللہ او یدعوہ سرا[2]۔

اس کا مفاد یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان بلا کلام بیٹھنا ہے لیکن اس سے اس بات کی نفی نہیں کہ آہستہ آہستہ اللہ کا ذکر اور دُعا بھی کی جائے (ت)

علامہ زرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مواہب لدنیہ و منح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

ثم یجلس فلا یتکلم (جھرا فلا ینافی روایۃ ابن حبان انہ کان یقرأ فیہ ای الجلوس وقال الحافظ مفادہ[3]) الی اخرما مر۔

پھر خطیب گفتگو کے بغیر بیٹھ جائے (یعنی بلند آواز سے گفتگو نہ کرے یہ بات روایتِ ابن حبان کے منافی نہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس (جلوس) میں قرات فرماتے تھے اور حافظ نے کہا اس کا مفاد وہ جو پہلے بیان ہوچکا ہے۔ (ت)

بلکہ صحیح حدیث حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و متعدد اقوال صحابہ و تابعین کی رُو سے یہ جلسہ اُن اوقات میں ہے جن میں ساعتِ اجابت جمعہ کی امید ہے، صحیح مسلم شریف میں بروایت حضرت ابی موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دربارۂ ساعتِ جمعہ فرمایا:

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الخطبۃ والصلوٰۃ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۲۰۰

[2] فتح الباری شرح البخاری باب القعدۃ بین الخطبتین یوم الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۵۷

[3] شرح الزرقانی علی المواہب الباب الثانی فی ذکر صلوتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجمعۃ مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۷/ ۳۸۵

ھی مابین ان یجلس الامام الی ان تقضی الصلوٰۃ۔[1]	امام کے جلوس سے نماز ختم ہونے تک ساعتِ جمعہ ہے۔ (ت)

دوسری حدیث میں آیا حضور پرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے فرمایا: شروع خطبہ سے ختم خطبہ تک ہے رواہ ابن عبدالبر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما (اسے ابن عبدالبر نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت) انہی ابن عمر و ابوموسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی کہ خروجِ امام سے ختمِ نماز تک ہے۔ یونہی امام عامر شعبی تابعی سے منقول رواہ ابن جریر الطبری (اسے ابن جریر طبری نے روایت کیا ہے۔ ت) انہی شعبی سے دوسری روایت میں خروجِ امام سے ختمِ خطبہ تک اُس کا وقت بتایا رواہ المروزی (اسے امام مروزی نے روایت کیا۔ ت) اسی طرح امام حسن بصری سے مروی ہوا رواہ ابن المنذر (اسے ابن المنذر نے روایت کیا۔ ت) ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اذان سے نماز تک رکھا رواہ حمید بن زنجویہ (اسے حمید بن زنجویہ نے روایت کیا۔ ت) بہرحال یہ وقت بھی اُن میں داخل، تو یہاں دُعا ایک خاص ترغیب شرع کی مورد خصوصاً حدیث دوم پر جبکہ کسی مطلب خاص کے لئے دُعا کرنی ہو جسے خطبہ سے مناسبت نہ ہو تو اُس کے لئے یہی جلسہ بین الخطبتین کا وقت متعین بلکہ علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ نے بالتعیین اسی وقت کو ساعتِ اجابت بتایا اور اُسے بعض شراح مصابیح سے نقل فرمایا بلکہ خود ارشاد اقدس مابین ان یجلس الامام (امام کے بیٹھنے سے لے کر۔ ت) سے یہی جلسہ مراد رکھا، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

می گفت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در شان ساعۃ الجمعۃ کہ آں ساعت میان نشستن امام ست برمنبر تاگزاردن نماز طیبی از جلوس نشستن میان دوخطبہ مراد داشتہ[2] الخ	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جمعہ کی ساعت کے بارے میں فرمایا کہ وہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز ادا کرنے تک ہوتی ہے۔ علامہ طیبی نے جلوس سے مراد دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا لیا ہے الخ (ت)

اس قول پر تو بالخصوص اسی وقت کی دعا شرعاً اجل المندوبات واجب مرغوبات سے ہے پھر اس قدر میں اصلاً شک نہیں کہ جب بغرض تقویت رجا بر جمع احادیث و اقوال علما چاہئے جو امثال باب مثل لیلۃ القدر

---

[1] صحیح مسلم شریف کتاب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۸۱

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ؍؍ ؍؍ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۵۷۱

وغیرہا میں ہمیشہ مسلکِ محققین رہا ہے، تو لبقیہ اوقات کے ساتھ اس وقت بھی دعا ضرور درکار ہو گی اور اُس کے نیک و مستحسن ماننے سے چارہ نہ ہوگا، لاجرم صاحب عین العلم نے کہا جو اکابر علمائے حنفیہ سے ہیں صاف تصریح فرمائی کہ اس جلسہ میں مستحب ہے، اسی طرح امام ابن المنیر نے افادۂ استحسان جمع فرمایا، طرہ یہ کہ یہ قولِ امام ممدوح حضرات منکرین کے امام شوکانی نے نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں نقل کیا اور مقرر و مسلّم رکھا،

حیث قال فی عد الاقوال الثلاثون عند الجلوس بین الخطبتین حکاہ الطیبی الخ ثم قال قال ابن المنیر یحسن جمع الاقوال فتکون ساعۃ الاجابۃ واحدۃ منہا لا بعینہا فیصادفہا من اجتہد فی الدعاء فی جمیعہا[1] اھ

یہاں انھوں نے تیسواں قول شمار کرتے ہوئے کہا کہ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت، اسے طیبی نے نقل کیا ہے الخ پھر کہا کہ ابن منیر نے کہا تمام اقوال احسن ہیں ساعتِ قبولیت تو ایک ہی ہے لہٰذا وہی پائے گا جو تمام وقت دُعا میں رہے گا۔ (ت)

یہ حکم امام کا ہے، رہے مقتدی، ان کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم مختلف، امام ثانی عالمِ ربانی قاضی الشرق والغرب حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک اُنھیں صرف بحالتِ خطبہ سکوت واجب، قبل شروع وبعد ختم و بین الخطبتین دُعا وغیرہ کلامِ دینی کی اجازت دیتے ہیں۔ اور امام الائمہ مالک الازمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خروجِ امام سے ختمِ نماز تک عند التحقیق دینی و دنیوی ہر طرح کے کلام یہاں تک کہ امر بالمعروف و جوابِ سلام بلکہ مخل استماع ہر قسم کے کام سے منع فرماتے ہیں اگرچہ کلام آہستہ ہو اگرچہ خطیب سے دور بیٹھا ہو کہ خطبہ سُننے میں نہ آتا ہو۔ امام ثالث محرر المذہب محمد بن الحسن رحمۃ اللہ تعالٰی بین الخطبتین میں امام اعظم اور قبل و بعد میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں، درمختار میں ہے:

اذا خرج الامام من الحجرۃ والا فقیامہ للصعود شرح المجمع فلا صلوۃ ولا کلام الی تمامہا ولو تسبیحا او رد سلام او امرا بمعروف بلا فرق بین قریب وبعید وقالا لاباس بالکلام قبل الخطبۃ وبعدہا واذا جلس عند الثانی والخلاف فی کلام

جب امام حجرہ سے نکلے ورنہ وہ جب منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہو، شرح المجمع، تو اس وقت سے اختتام تک نہ نماز ہے نہ کلام اگرچہ وہ ایک تسبیح یا سلام کا جواب یا امر بالمعروف ہو۔ قریب اور بعید بیٹھنے والے میں کوئی فرق نہیں، صاحبین کے نزدیک خطبہ سے پہلے اور بعد اور امام ابو یوسف کے ہاں جب خطیب درمیان میں بیٹھے

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب فضل الجمعۃ و ذکر ساعۃ الاجابۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۲۷۵

[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۳/ ۲۷۷

يتعلق بالآخرة اما غيره فيكره اجماعا[1] اھ ملتقطا۔ گفتگو میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ اختلاف اس گفتگو کے بارے میں ہے جو آخرت سے متعلقہ ہو اس کے علاوہ گفتگو بالاتفاق مکروہ ہے۔ (ت)

تحقیق یہی ہے اگرچہ یہاں اختلافِ نقول حدِ اضطراب پر ہے کہ سب کو مع ترجیح و تنقیح ذکر کیجئے تو کلام طویل ہو، اس تحقیق کی بناء پر حاصل اس قدر کہ مقتدی دل میں دُعا مانگیں کہ زبان کو حرکت نہ ہو تو بلاشبہہ جائز کہ جب عینِ حالتِ خطبہ میں، وقت ذکر شریف حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دل سے حضور پر درود بھیجنا مطلوب، تو بین الخطبتین کہ امام ساکت ہے دل سے دعا بدرجۂ اولٰی روا۔ ردالمحتار میں ہے:

اذا ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایجوز ان یصلوا علیہ بالجھر بل بالقلب وعلیہ الفتوی رملی[2] جب سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مبارک ذکر آئے توبالجہر کی بجائے دل میں درود شریف پڑھ لیا جائے اسی پر فتوٰی ہے۔ رملی (ت)

اور زبان سے مانگنا امام کے نزدیک مکروہ، اور امام ابی یوسف کے نزدیک جائز، اور مختار قول امام ہے، تو بیشک مذہب منقح حنفی میں مقتدیوں کو اس سے احتراز کا حکم ہے نہ کہ اُس بنائے فاسد پر جو بنائے جہالاتِ وہابیہ ہے کہ عدم ورودِ خصوص، ورودِ عدم خصوص ہے، وہ بھی خاص حقِ جواز میں منع کے لئے ممانعت خاصہ خدا و رسول کی کچھ حاجت نہیں کہ یہ تو محض جہل وسفہ وتحکم ہے بلکہ اس لئے کہ اذا خرج الامام فلاصلوٰۃ ولاکلام (جب امام نکل آئے تو نہ کوئی نماز ہے نہ کلام۔ ت) پس غایت یہ کہ جو لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہوں اُنھیں بتا دیا جائے، نہ کہ معاذ اللہ بدعتی گمراہ حتی کہ بلاوجہ مسلمانوں کو مشرک ٹھہرایا جائے، کیا ظلم ہے جب ان اشقیاء کے نزدیک اللہ عزوجل کو پکارنا بھی شرک ہُوا تو مگر شیخ نجدی یعنی ابلیس لعین کا پکارنا توحید ہوگا حاش للہ (اللہ ہی کے لئے پاکیزگی ہے۔ ت) یہ اُن بدعقلوں کی بدزبانیاں ہیں جن کا مزہ آخرت میں کھُلے گا، جب لا الٰہ الا اللہ مسلمانوں کی طرف سے اُن بیباکان پُرسرف سے جھگڑنے آئے گا،

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[3] اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۳

[2] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۶

[3] القرآن ۲۶/ ۲۲۷

قول ارجح ممانعت سہی پھر بھی ان دعا کرنے والوں کے لئے خود ہمارے مذہب وکتبِ مذہب میں متعدد راہیں تجویز و اجازت کی ہیں :

اوّلاً یہی قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو اس ترخیص کے ساتھ اُس جہالتِ نجدیہ کا بھی علاج کافی ہے کہ وہ اس وقت تسبیح بالتصریح جائز بتاتے ہیں حالانکہ بہ لحاظ خصوص وقت ورود اُس کا بھی نہیں۔

ثانیاً بعض کے نزدیک مقتدیوں کو صرف جہر ممنوع ہے آہستہ میں حرج نہیں، اور اس کی تائید اُس قول سے بھی مستفاد کہ عین حالتِ خطبہ میں ذکر اقدس سُن کر آہستہ درود پڑھنے کا حکم دیا گیا اگرچہ تحقیق وہی ہے کہ دل سے پڑھے،

کما قدمنا عن الرملی وھو معنی ما فی الدر المختار من قولہ والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ[1] اھ وان مال القھستانی الی التاویل بالاخفاء خلافا لما فی الجوھرۃ وغیرھا من الکتب المعتبرۃ قال الشامی ای بان یسمع نفسہ او یصحح الحروف فانھم فسروہ بہ وعن ابی یوسف قلبا کما فی الکرمانی قھستانی واقتصر فی الجوھرۃ علی الاخیر حیث قال ولم ینطق بہ لانہا تدرک فی غیر ھذا لحال والسماع یفوت[2] اھ مختصرا واما قول القھستانی انھم فسروہ بہ فانما اراد بہ دفع الاستبعاد عما اختارہ من التاویل فان ظاھر اللفظ ھو ارادۃ القلب ومع ذلک ربما اطلقوہ وفسروہ بہ ای بالاسرار

جیسا کہ رملی کے حوالے سے ذکر کر آئے ہیں، درمختار کے ان الفاظ سے بھی وہی مراد ہے کہ صواب یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسمِ گرامی سُن کر دل میں درود شریف پڑھا جائے اھ اگرچہ قہستانی کا میلان اخفاء کی طرف ہے مگر جوہرہ اور دیگر کتب معتبرہ اس کے خلاف ہیں، شامی کہتے ہیں کہ اس کا اپنا نفس سُن لے یا حروف کی تصحیح ہو کیونکہ علماء نے اس کی تفسیر یُوں ہی کی ہے۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ دل میں پڑھے جیسا کہ کرمانی میں ہے، قہستانی نے جوہرہ میں آخری پر ہی اکتفا کیا ہے ان کے الفاظ ہیں اس کے ساتھ نطق نہ کرے کیونکہ اس حال کے علاوہ میں اسے پایا جاسکتا ہے مگر اس کے ساتھ سماع فوت ہوجائیگا اھ اختصاراً۔ رہا قہستانی کا قول کہ فقہاء نے اس کی تفسیر یہی کی ہے، اس سے ان کی مراد اس بُعد کو دُور کرنا ہے جو ان کی اختیار کردہ تاویل

---

[1] درمختار | باب الجمعہ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۱۳

[2] ردالمحتار | " | " مصطفی البابی مصر | ۱/ ۶۰۶

علی القولین فی تحدیدہ ۔

میں تھا کیونکہ "فی نفسہٖ" ظاھراً الفاظ تو ارادہ قلب پر دال ہیں حالانکہ اس کے باوجود اس کا اطلاق کرکے اس کی تفسیر مخفی ہونے کے ساتھ کرتے ہیں ، ان دونوں اقوال پر جو اس کی تعریف کے بارے میں ہیں ۔ (ت)

ثالثاً امام نصیر بن یحیٰی و امام محمد بن الفضل وغیرہما عین حالتِ خطبہ میں بعید کو کہ خطبہ کی آواز اُس تک نہ پہنچے انصات واجب نہیں جانتے ، اور امام محمد بن سلمہ بھی صرف اولٰی کہتے ہیں اگرچہ مفتی بہ اُس پر بھی وجوب ، تو اس جلسہ میں کہ آواز ہی نہیں بدرجۂ اولٰی واجب نہ کہیں گے ۔ حدیقہ ندیہ میں ہے :

قال فی النہایۃ اذا کان بحیث لایسمعہا لاروایۃ فیہ عن اصحابنا فی المبسوط و قد اختلف المشائخ المتاخرون فیہ فعن محمد بن سلمۃ الانصات اولی وعن نصیر بن یحیٰی انہ کان بعیدا وکان یحرک شفتیہ بالقراٰن وفی العنایۃ ان الانصات مختار الکرخی و صاحب الہدایۃ وقال بعضہم قراءۃ القراٰن اولی وھو اختیار الفضلاء[1]

نہایہ میں ہے اس وقت جب ایسے مقام پر ہو کہ وہ خطبہ نہیں سُن رہا ، مبسوط میں ہمارے اصحاب (احناف) سے کوئی ایک روایت تھی ، متاخرین مشائخ کا اس میں اختلاف ہے ، محمد بن سلمہ کے نزدیک خاموشی اولٰی ہے ۔ نصر بن یحیٰی کے بارے میں ہے کہ جب وُہ خطیب سے دُور ہوتے تو ان کے ہونٹ تلاوتِ قرآن سے حرکت کر رہے ہوتے تھے ۔ عنایہ میں ہے خاموشی ، کرخی اور صاحب ہدایہ کا مختار ہے ۔ بعض نے فرمایا : تلاوتِ قرآن اولٰی ہے ۔ فضلاء کے ہاں یہی مختار ہے ۔ (ت)

ردالمحتار میں فیض سے ہے : الاحوط السکوت و بہ یفتی[2] (سکوت ہی احوط ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا ۔ ت)

رابعاً بعض علماء کا گمان ہے کہ ہمارے امام کے نزدیک بھی صرف کلامِ دنیوی ممنوع ہے دعاء و ذکر مطلقاً جائز حتی کہ عین حالتِ خطبہ میں بھی ، اگرچہ صواب اُس کے خلاف ہے کما تقدم عن الدر (جیسا کہ دُر کے حوالے سے گزرا ۔ ت) عبدالغنی نابلسی حدیقہ میں فرماتے ہیں :

اما تامین المؤذنین علی دعاء الخطیب والترضی عن الصحابۃ والدعاء للسلطان بالنصر

خطیب کی دعاء پر موذنین کا آمین کہنا ، صحابہ کے نام سن کر رضی اللہ عنہ کہنا ، بادشاہ کے لئے دُعا

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۳۳ ۔ الکلام فی حال الخطبۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۰۷

[2] ردالمحتار باب الجمعۃ ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۶

فليس هذا من الكلام العرفي بل هو من قبيل التسبيح ونحوه فلا يكره في الاصح[1] الخ وبينا على هامشها ان هذا من اشتباه عرض له رحمه الله تعالى من تصحيح النهاية والعناية لتجويزا لكلام الاخروی وانما كلامهما فيما قبل شروع الخطبة وبعدها لاحالها ثم هو ايضا لا يخلو عن نظر كما يظهر بمراجعة ما علقنا على هامش رد المحتار والاصح الاحوط اطلاق المنع كما افاده الزيلعي لذا لم يمش عليه في عامة الكتب المعتمدة كالبحر والنهر والدر ورد المحتار[1]

یہ کلام عرفی نہیں بلکہ از قبیل تسبیحات وغیرہ ہے لہذا اصح قول کے مطابق یہ مکروہ نہیں الخ، ہم نے اس کے حاشیہ میں تحریر کیا کہ علامہ رحمہ اللہ تعالٰی کو یہ اشتباہ نہایہ اور عنایہ کی تصحیح سے عارض ہوا کیونکہ انہوں نے کلام اُخروی پر محمول کیا ہے حالانکہ ان کا کلام خطبہ سے پہلے یا بعد پر محمول ہے نہ کہ درمیان میں، پھر وہ بھی محلِ نظر ہے جیسا کہ حاشیہ ردالمحتار کی طرف مراجعت سے ظاہر ہوگا اصح اور احوط مطلقاً منع ہے جیسا کہ زیلعی نے فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ عامہ کتب معتمدہ میں اس مسلک کو اختیار نہیں کیا گیا مثلاً بحر، نہر، در اور ردالمحتار (ت)

اور مذاہب دیگر پر نظر کیجئے تو صد درجہ کی توسیعیں ہیں حتی کہ محیط میں تو یہاں تک منقول کہ:

من العلماء من قال السكوت على القوم كان لازما في زمن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اما اليوم فغير لازم[2] اھ ونقله عنه القهستاني۔

بعض علماء نے کہا کہ لوگوں پر سکوت رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں لازم تھا اب لازم نہیں رہا اھ اسے قہستانی نے نقل کیا ہے۔ (ت)

علمائے محتاطین تو ایسے مسائل اجتہادیہ میں انکار بھی ضروری و واجب نہیں جانتے نہ کہ عیاذاً باللہ نوبت تا بہ تضلیل و اکفار۔ سیدی عارف باللہ محقق نابلسی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں:

ان المسئلة الواقعة كما هي الأن في جوامع بلادنا وغيرها يوم الجمعة من المؤذنين متى امكن تخريجها على قول من الاقوال

مسئلہ درپیش جیسا کہ اب ہمارے شہر کی جامع مساجد میں مؤذنین جمعہ کے دن (امام کی دعا پر آمین) کہتے ہیں اس کی تخریج و ثبوت ہمارے

---

[1] حدیقۃ الندیۃ نوع ۳۳ الکلام فی حال الخطبۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۰۹

[2] جامع الرموز بحوالہ المحیط فصل فی صلوۃ الجمعۃ رر مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۷

فی مذھبنا او مذھب غیرنا فلیست بمنکر یجب انکارہ و النھی عنہ و انما المنکر ما وقع الاجماع علی حرمتہ و النھی عنہ[1]۔ | مذہب یا دوسرے مسلک میں مکروہ ہے تو یہ ایسا ناجائز نہیں کہ اس کا انکار اور اس سے منع لازم ہو، منکر تو وہ ہوتا ہے جس کی حرمت اور ممانعت پر اجماع ہو۔ (ت)

بالجملہ مقتدیوں کا یہ فعل تو علی الاختلاف ممنوع مگر مسلمانوں کو بلا وجہ مشرک بدعتی کہنا بالاجماع حرام قطعی تو یہ حضرات مانعین خود اپنی خبر لیں اور امام کے لئے تو اُس کے جواز میں اصلاً کلام نہیں، ہاں خوف مفسدۂ اعتقاد عوام ہو تو التزام نہ کرے، فقیر غفراللہ تعالٰی اس جلسہ میں اکثر سکوت کرتا اور کبھی اخلاص کبھی درود پڑھتا ہے اور رفع یدین کبھی نہیں کرتا کہ مقتدی دیکھ کر خود بھی مشغول بدعا نہ ہوں، مگر معاذ اللہ ایسا ناپاک تشدد شرع کبھی روا نہیں فرماتی، مولٰی تعالٰی ہدایت بخشے آمین واللہ سبحنہ و تعالٰی اعلم و علمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۴۰۹ ازہبل کتور ضلع اڈکنڈ مکان سوبار سیٹھ صاحب مرسلہ سید حیدر شاہ صاحب ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

جناب فیض مآب جامع علوم نقلیہ و حاوی فنون عقلیہ علامۂ دہر فہامۂ عصر مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیوضہٗ ادائے آداب کے بعد بندہ حیدر شاہ عرض رساں ہے کہ ایک مسئلہ کی ضرورت ہے چونکہ آپ مشاہیر علمائے انام سے ہیں اور آپ کے اخلاق و اوصاف بے نہایت ہیں اور بہت لوگوں سے سُنا ہے کہ آپ حنفی المذہب سنی المشرب ہیں و نیز جواب سوال جلد ترسیل فرماتے ہیں، لہذا التماس خدمت فیض درجت میں یہ ہے کہ احقر کو جواب سے سرفراز فرمائیں، مذہب حنفی و شافعی میں بین الخطبتین ہاتھ اٹھا کے دُعا مانگنی مشروع و مسنون ہے یا نہیں؟ مترجم اردو الدرالمختار ایک جگہ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ بریلی کے علماء سے اسی مسئلہ میں استفتار طلب کیا گیا تھا چنانچہ وہاں کے علماء کا فتوٰی یہی ہوا کہ ہاتھ اٹھا کے دعا مانگنی بین الخطبتین بدعت سیئہ و غیر مشروع ہے۔ پس آیا یہ بات سچ ہے یا غلط؟ چونکہ آپ متوطن بریلی کے ہیں آپ کو حقیقت اس کی کما ینبغی معلوم ہوگی پس آپ اطلاع دیجئے کہ مترجم نے ٹھیک لکھا ہے یا محض دھوکا دہیِ عوام الناس ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

مسنونیت مصطلحہ کہ تارک مستوجب عتابِ الٰہی یا آثم و مستحق عذابِ الٰہی ہو والعیاذ باللہ یہ نہ کسی کا

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۳۳ الکلام فی حال الخطبۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۳۰۹

مذہب نہ دُعا کرنے والوں میں کوئی ذی فہم اس کا قائل، بلکہ وقت مرجو الاجابۃ جان کر دُعا کرتے ہیں اور بیشک وہ ایسا ہی ہے اور دعا مغزِ عبادت و انحائے ذکرِ الٰہی عزوجل سے ہے جس کی تکثیر پر بلا تقیید و تحدید نصوص قرآنِ عظیم و احادیث متواترہ نبی رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ناطق اور ہاتھ اٹھانا حسبِ تصریح احادیثِ و تظافر ارشادات علمائے قدیم وحدیث سُنن و آدابِ دُعا سے ہے خطیب کے لئے اُس کی اجازت ومشروعیت تو باتفاق مذہبین حنفی و شافعی ہے یونہی سامعین کے لئے جبکہ دُعا دل سے ہو نہ زبان سے، اور سامعین کا اُس وقت زبان سے دُعا مانگنا جس طرح ان بلاد میں مروج و معمولی ہے، مذہبِ شافعیہ میں تو اُس کی اجازت و مشروعیت ظاہر کہ ائمہ شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی میں خطبہ ہوتے وقت بھی کلام سامعین ناجائز و حرام نہیں جانتے صرف مکروہ مانتے ہیں اور کراہتِ کلام شافعیہ میں جب مطلق بولی جاتی ہے اس سے کراہت تنزیہی مراد ہوتی ہے بخلاف کلمات ائمتنا الحنفیۃ رحمہم اللہ تعالٰی فان غالب محملہا بہا مطلقۃ فیہا کراھۃ التحریم (بخلاف ہمارے ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالٰی کی عبارات کے کیونکہ ان میں غالب یہی ہے کہ مطلقاً کراہت مکروہ تحریمی ہے۔ت) علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ اٰفات الید مسئلۃ الشطرنج میں فرماتے ہیں:

الکراھۃ عند الشافعیۃ اذا اطلقت تنصرف الی التنزیھیۃ لاالتحریمیۃ بخلاف مذھبنا۔[1]

شوافع کے نزدیک مطلقاً کراہت کا اطلاق مکروہ تنزیہی پر ہوتا ہے نہ کہ تحریمی پر بخلاف ہمارے مذہب کے (اس میں تحریمی پر ہے)۔(ت)

اور سکوتِ خطیب کے وقت جیسے قبل و بعد خطبہ و بین الخطبتین اصلاً کراہت بھی نہیں مانتے۔امام ابو یوسف اردبیلی شافعی کتاب الانوار میں فرماتے ہیں:

لایجب الاستماع وھو شغل السمع بالسماع۔[2]

استماع واجب نہیں، اور استماع سے مراد کانوں کو سماع میں مشغول کرنا ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

لایحرم الکلام حال الخطبۃ لاعلی الخطیب ولاعلی المامومین السامعین وغیرھم

خطبہ کے دوران کلام حرام نہیں نہ خطیب پر نہ مقتدیوں پر، ہاں بغیر غرض کے مکروہ ہے، مثلاً

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الخامس من الاصناف التسعۃ فی بیان آفات الید مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۴۴۰

[2] کتاب الانوار للاردبیلی

لکن یکرہ الالغرض مھم کانذار من یقع فی بئراوعقرب ویتعلم خیرا اونھی عن شیئ [1]

کُنویں میں گرنے والے کو متنبہ کرنا یا بچھو سے بچانا یا خیر کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جائز ہے (ت)

اُسی میں ہے :

لایکرہ الکلام حال الاذان ولابین الخطبتین ولابین الخطبۃ والصلٰوۃ [2]

اذان، دونوں خطبوں کے درمیان اور خطبہ اور نماز کے درمیان کلام مکروہ نہیں۔ (ت)

علامہ زین الدین شافعی تلمیذ امام ابن حجر مکّی فتح المعین بشرح قرۃ العین میں فرماتے ہیں :

یکرہ الکلام ولایحرم حالۃ الخطبۃ لاقبلھا ولوبعد الجلوس علی المنبر ولابعدھا ولابین الخطبتین ویسن تشمیت العاطس والرد علیہ ورفع الصوت من غیر مبالغۃ بالصلٰوۃ والسلام علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند ذکر الخطیب اسمہ اووصفہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال شیخنا ولایبعد ندب الترضی عن الصحابۃ بلارفع صوت وکذا التامین لدعاء الخطیب [3] اھ مختصرا۔

دورانِ خطبہ کلام مکروہ ہے، خطبہ سے پہلے اگرچہ خطیب منبر پر بیٹھ چکا ہو اور دو خطبوں کے درمیان کلام حرام نہیں ہے، چھینک مارنے والے کا جواب دینا اور اس کے بدلہ میں دعا دینا سنت ہے اور جب خطیب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسم یا وصف ذکر کرے تو صلٰوۃ وسلام عرض کیا جاسکتا ہے البتہ آواز زیادہ بلند نہ کی جائے، ہمارے شیخ نے فرمایا کہ صحابہ کے نام پر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور دعاءِ خطیب کے وقت آمین آواز بلند کئے بغیر کہنا مستحب ہونا بعید نہیں اھ اختصاراً (ت)

یونہی مذہب حنفی میں امام ثانی قاضی ربانی سیدنا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی مطلقاً جواز ہے اوقات ثلثہ غیر حال خطبہ یعنی قبل وبعد وما بین خطبتین میں اگرچہ کلامِ دنیوی منع فرماتے ہیں مگر کلام دینی مثل ذکر وتسبیح مطلقاً جائز رکھتے ہیں، اور پُر ظاہر کہ دُعا خاص کلامِ دینی وعبادتِ الٰہی ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے :

اذاخرج الامام فلاصلٰوۃ ولاکلام وھو قول

جب امام آجائے تو کوئی کلام ونماز نہیں، اور یہی

---

[1] کتاب الانوار للاردبیلی

[2] ایضاً

[3] فتح المعین شرح قرۃ العین

الامام و قال ابو یوسف و محمد لا باس بالکلام اذا خرج قبل ان یخطب و اذا نزل قبل ان یکبر و اختلفا فی جلوسه اذا سکت فعند ابی یوسف یباح لان الکراھة للاخلال بفرض الاستماع ولا استماع ھنا، و له اطلاق الامر[1] اھ ببعض اختصار۔

امام کا قول ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کہتے ہیں خطبہ شروع ہونے سے پہلے کلام میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح جب امام منبر سے اترے اور تکبیر سے پہلے بھی گفتگو میں کوئی حرج نہیں، جب منبر پر خطیب خاموش بیٹھا ہو تو اس وقت ان میں اختلاف ہے امام ابو یوسف کے نزدیک مباح ہے کیونکہ کراہت کی وجہ خطبہ سننے میں خلل کا واقع ہونا ہے اور یہاں استماع نہیں ہے ان کی دلیل امر کا اطلاق ہے اھ مختصراً (ت)

صاحبِ مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہ خروجِ امام سے فراغِ نماز تک کلام سے ممانعت فرمائی، مشائخِ مذہب اس سے مراد میں مختلف ہوئے اور تصحیح بھی مختلف آئی۔ بعض فرماتے ہیں مرادِ امام صرف دنیوی کلام ہے، اوقاتِ ثلٰثہ میں دینی کی اجازت عام ہے، نہایہ و عنایہ میں اسی کو اصح کہا، ایسا ہی فخر الاسلام نے مبسوط میں فرمایا، مشائخ کرام نے مطلق مراد لیا، امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں اسی کو احوط کہا۔

قلت و اطلاقات المتون و اکثر الکتب علیه ماشیة و عامة التفاریع عنه ناشیة کما یظهر بمراجعة ما علقنا علی رد المحتار فهو اصح التصحیحین فیما اعلم کیف لا و قد صرح المحققون ان الدنیوی مکروہ اجماعا فلو لم ینه الامام الا عنه لارتفع الخلاف مع ان الکتب المعتمدة عن اخرها متظافرة علی اثباته۔

میں کہتا ہوں کہ متون کے اطلاقات پر ہیں، اکثر کتب اسی پر جاری ہیں اور عام تفریعات اس سے مستخرج ہیں جیسا کہ ہمارے حاشیہ رد المحتار سے ظاہر ہے اور میرے علم کے مطابق دونوں تصحیحوں میں یہ اصح ہے اور یہ کیسے نہ ہو حالانکہ محققین نے تصریح کی ہے کہ کلامِ دنیوی بالاتفاق مکروہ ہے، اور اگر امام نے اس سے ہی منع کیا ہے تو اب اختلاف مرتفع ہو جائے گا حالانکہ تمام کتب اس اختلاف کے ثبوت سے مالامال ہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں زیرِ قولِ مصنف اذا خرج الامام فلا صلٰوۃ ولا کلام (جب امام آجائے تو

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۲

کوئی نماز اور کلام نہیں۔ ت) ہے:

اطلق فی منع الکلام فشمل التسبیح والذکر والقراءۃ وفی النھایۃ اختلف المشائخ علی قول ابی حنیفۃ قال بعضھم انما کان یکرہ ماکان من کلام الناس اما التسبیح ونحوہ فلا وقال بعضھم کل ذلک مکروہ والاول اصح اھ وکذا فی العنایۃ وذکر الشارح ان الاحوط الانصات اھ ویجب ان یکون محل الاختلاف قبل شروعہ فی الخطبۃ ویدل علیہ قولہ "علی قول ابی حنیفۃ" واما وقت الخطبۃ فالکلام مکروہ تحریما ولوکان امرا بمعروف اوتسبیحا اوغیرہ کما صرح بہ فی الخلاصۃ وغیرھا[1] انتھی باختصار

منع کلام مطلقاً کہا، لہذا یہ تسبیح، ذکر اور قراءت کو بھی شامل ہوگا، نہایہ میں ہے کہ مشائخ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر اختلاف کیا ہے بعض نے کہا یہاں وہی گفتگو مکروہ ہے جو لوگوں کی (دنیوی گفتگو) ہو۔ رہی تسبیح وغیرہ تو وہ مکروہ نہیں، بعض نے کہا کہ یہ تمام مکروہ ہے اور پہلا اصح ہے اھ عنایہ میں بھی اسی طرح ہے، شارح نے ذکر کیا کہ احوط خاموش ہونا ہے اور یہ ضروری ہے کہ محلِ اختلاف خطبہ میں شروع ہونے سے پہلے ہو اور اس پر اس کے یہ الفاظ کہ "ابوحنیفہ کے قول پر" دلالت کر رہے ہیں اور خطبہ کے وقت کلام مکروہِ تحریمی ہے خواہ امر بالمعروف یا تسبیح یا اس کی مثل ہو جیسا کہ خلاصہ وغیرہ میں اس پر تصریح ہے، انتہی باختصار (ت)

طحطاوی و ردالمحتار مبحث الفاظ افتا میں ہے،

قولہ وغیرھا کالاحوط والاظھر[2]۔

اس کا قول "اس کے علاوہ الفاظ" مثلاً احوط و اظہر ہیں۔ (ت)

درمختار میں فتاوٰی خیریہ سے ہے:

بعض الالفاظ اٰکد من بعض فلفظ الفتوٰی اٰکد من لفظ الصحیح والاحوط اٰکد من الاحتیاط[3] اھ مختصرا۔

بعض الفاظ بعض کی نسبت زیادہ مؤکد ہوتے ہیں لفظِ فتوٰی، لفظِ صحیح سے اور احوط احتیاط سے زیادہ مؤکد ہے اھ مختصراً (ت)

---

[1] بحرالرائق | باب صلوۃ الجمعۃ | مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۸
[2] ردالمحتار | خطبۃ الکتاب | " مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۴
[3] درمختار | " | " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

بالجملہ خلاصہ کلام یہ کہ دعائے مذکور خطیب کے لئے مطلقاً اور سامعین کے لئے دل میں بالاتفاق جائز اور مذہب امام شافعی و قول امام ابی یوسف پر اُن کے لئے زبان سے بھی قطعاً اجازت اور ارشاد امام کی ایک تخریج پر مکروہ دوسری پر جائز، ائمہ فتوٰی نے دونوں کی تصحیح کی تو احد التصحیحین پر دُعائے مذکور امام و مقتدین سب کو دل و زبان ہر طرح سے باتفاق مذہبین حنفی و شافعی مطلقاً جائز و مشروع، اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ جب ترجیح مختلف متکافی ہو تو مکلّف کو اختیار رہے کہ اُن میں سے جس پر چاہے عمل کرے اصلاً محلِ اعتراض و انکار نہیں۔ بحرالرائق و درمختار وغیرہما میں ہے:

متی کان فی المسئلۃ قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما[1]۔

جب مسئلہ میں دو اقوالِ صحیحہ ہوں تو ان میں سے ایک پر فتوٰی اور قضاء جائز ہوتی ہے۔(ت)

ولہذا فقیر غفراللہ تعالٰی باآنکہ یہاں تصحیح تبیین کو ارجح جانتا ہے ہمیشہ سامعین کو بین الخطبتین دعا کرتے دیکھا اور کبھی منع و انکار نہیں کرتا ہے ھذا اجملۃ القول فی ھذا الباب والتفصیل فی فتاوٰنا بعون الوھاب (اس مسئلہ میں یہی گفتگو کا خلاصہ ہے اور اس کی تفصیل اللہ تعالٰی کی اعانت سے ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت)

رہی مترجم درمختار کی علمائے بریلی سے وہ نقل، معلوم نہیں کہ اُس نے اپنے زعم میں علمائے بریلی سے کون لوگ مراد لئے، اُس کے زمانے میں ان اقطار کے اعلم علما کہ اپنے عصر و مصر میں حقیقۃً صرف وہی عالم دین کے مصداق تھے یعنی خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد، فقیر برسوں جمعات میں اقتدائے حضرت والا سے مشرف ہُوا حضرت ممدوح قدس سرہ جلسہ بین الخطبتین میں دُعا فرمایا کرتے اور سامعین کو دعا کرتے دیکھ کر کبھی انکار نہ فرماتے اور مترجم کے زمانے سے پہلے بریلی میں اس امر کا استفتا ہوا، مولٰنا احمد حسین مرحوم تلمیذ اعلحضرت سید العلما سند العرفا مولٰنا الجد قدس سرہ الامجد نے جواز و مشروعیت پر فتوٰی دیا اعلحضرت نوراللہ مرقدہ الشریف و فاضل اجل مولٰنا سید یعقوب علی صاحب رضوی بریلوی و مولوی سید محمود علی صاحب بریلوی وغیرہم علمائے کرام نے اُس پر مُہریں فرمائیں، یہ فتوی مولوی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوٰی مسمّٰی بمفید المسلمین میں مندرج و مشمول، اور اطمینانِ سائل کے لئے یہاں منقول:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ بیٹھنا امام کو بعد قراءت خطبہ پہلے کے سنّت ہے یا نہیں؟ اور خطیب کس قدر جلسہ میں توقف کرے اور یہ ادعا تو

---

[1] درمختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴

قبولیتِ دعا سے ہے یا نہیں؟ اور دُعا مانگنا ہاتھ اٹھا کے مستحسن ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: بیٹھنا خطیب کا درمیان دونوں خطبوں کے سنّت ہے، چنانچہ صحیح بخاری شریف میں باب القعدۃ بین الخطبتین یوم الجمعہ میں مرقوم ہے:

حدثنا مسدد ثنا بشر بن المفضل ثنا عبید اللہ عن نافع عن عبداللہ بن عمر، قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یخطب خطبتین یقعد بینھما۔[1]

مسدد نے ہمیں اور انھیں بشر بن مفضل نے انھیں نافع نے انھیں عبداللہ بن عمر نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو دو خطبوں کے درمیان بیٹھتے۔ (ت)

اور اس بیٹھنے کو سنّت بمقدار تین آیات عالمگیری میں بالتصریح بیان کیا ہے:

والخامس عشر الجلوس بین الخطبتین ھکذا فی البحر الرائق ومقدار الجلوس بینھما مقدار ثلث اٰیات فی ظاھر الروایۃ ھکذا فی السراج الوھاج[2]

پندرھویں سنّت دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا ہے اسی طرح بحرالرائق میں ہے، ان کے درمیان بیٹھنے کی مقدار ظاہر الروایۃ کے مطابق تین آیات کی تلاوت کی مقدار ہے۔ ایسے ہی سراج الوہاج میں ہے۔ (ت)

اور بیچ حصن حصین کے ایک اوقاتِ قبولِ دعا سے مابین الخطبتین ہے اور بیچ ظفر جلیل شرح حصن حصین کے اُس وقت مانگنا دُعا کا طیبی سے نقل کیا:

وساعۃ الجمعۃ ارجی ذلک ووقتھا ما بین ان یجلس الامام فی الخطبۃ الی ان تقضی الصلوۃ م د۔[3]

اور ساعت جمعہ کی بہت امید والی ان وقتوں کی ہے یعنی سب وقتوں میں سے ساعتِ جمعہ میں امید قوی ہے قبولیت کی، اور وقت ساعت جمعہ کا ہے مابین بیٹھنے امام کے سے منبر پر خطبہ کے لئے، تمام ہوتے نماز تک، نقل کی یہ مسلم اور ابوداؤد نے۔ (ت)

ظاہر تر یہ ہے کہ مراد بیٹھنے امام کے سے بیٹھنا امام کا ہے اول شروع خطبہ کے، اور وہی وقت حرمت کلام کا ہے غیر امام کو، کذا قال العلی (جیسا کہ علی نے بیان کیا۔ ت) اور طیبی نے بیٹھنے سے

---

[1] صحیح البخاری باب القعدۃ بین الخطبتین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ " نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۷

[3] حصن حصین اوقات الاجابۃ " افضل المطابع لکھنؤ ص ۲۱

بیٹھنا درمیان دونوں خطبوں کے مراد رکھا ہے، اور ایک روایت میں ساعت جمعہ کی یہ ہے انتہی، اور بھی صاحبِ فتح الباری نے اُن تمام اوقات اجابتِ دُعا سے ایک جلسہ امام کو درمیان خطبتین فرمایا ہے:

حیث قال الثلثون عند الجلوس بین الخطبتین حکاہ الطیبی عن بعض شراح المصابیح[1]

ان کے الفاظ میں تیسواں مقام دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا وقت ہے، اسی طیبی نے بعض شارحینِ مصابیح سے نقل کیا ہے۔ (ت)

اور بھی شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کتنے اوقات اجابت دعا سے شمار فرمائے ہیں ایک اُن میں سے جلسہ کرنے خطیب کو درمیان خطبتین تحریر کیا:

العاشر ما بین خروج الامام الی ان تقام الصلوٰۃ الحادی عشر ما بین ان یجلس الامام علی المنبر الی ان تقضی الصلوۃ الثانی عشر ما بین اول الخطبۃ والفراغ منہا الثالث عشر عند الجلوس بین الخطبتین[2]

دسواں امام کے نکلنے اور اقامتِ نماز تک ہے، گیارھواں امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتامِ نماز تک ہے، بارھواں شروع خطبہ سے لے کر اس سے فراغت تک ہے، تیرھواں دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت ہے۔ (ت)

اور وقت جلسۂ خطیب کے کلام کرنا نزدیک امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے درست ہے تاتارخانیہ میں نقلاً عن العتابیہ مرقوم ہے:

ولو سکت الخطیب حین جلس ساعۃ قال ابو یوسف یباح لہ التکلم فی تلک الساعۃ[3]

امام منبر پر بیٹھ کر ایک ساعت خاموش رہا تو امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس وقت گفتگو مباح ہے (ت)

اور درمختار میں مثل اس کے مرقوم ہے، اور صحیح بخاری شریف میں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے ہے بیچ باب رفع الیدین فی الخطبہ کے عین حالت خطبہ میں دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول، اور ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز جمعہ کے خطبہ فرماتے تھے کہ ایک شخص آیا پس کہا اے

---

[1] فتح الباری باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۳/ ۷۱

[2] حرزِ ثمین شرح حصن حصین للسیوطی

[3] فتاوٰی تاتارخانیۃ کتاب الصلوٰۃ، شرائط الجمعۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی ۲/ ۶۹

رسول اللہ کے! ہلاک ہوئے جاتے ہیں چارپائے اور ہلاک ہوئے جاتے ہیں شاۃ (بکریاں) پس دعا فرماؤ اللہ سے یہ کہ تر کرے ہم کو، پس دراز کئے آپ نے ہاتھ مبارک اپنے اور درخواست دعا کی کی:

حدثنا مسدد ثنا حماد بن زید عن عبدالعزیز عن انس وعن یونس عن ثابت عن انس قال بینما النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخطب یوم الجمعۃ اذ قام رجل فقال یارسول اللہ هلك الكراع وهلك الشاۃ فادع اللہ ان یسقینا فمد یدیہ ودعا۔[1]

ہمیں مسدد نے انھیں حماد بن زید نے انھیں عبدالعزیز نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور یونس سے ثابت نے اور انھوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم حاضر تھے رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! چارپائے ہلاک ہورہے ہیں بکریاں ہلاک ہورہی ہیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عطا فرمائے توآپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ پھیلا دئے اور دُعا کی۔ (ت)

جبکہ کلام کرنا اُس وقت میں کلام مجتہد سے ثابت ہوا اور مانگنا دُعا کا عین حالتِ خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت اور متحقق ہے، پس مانگنا دُعا کا کہ افضل العبادات سے ہے نزدیک حق تعالیٰ جل وعلا کے، اور وہ وقت قبولیتِ دعا کا ہے موافق مرقومۂ بالا کے اور اکثر روایات معتبرہ کے، اور مانع کلام وغیرہ کا پڑھنا خطیب کا تھا وُہ بھی اُس وقت میں نہیں ہے کمال مستحسن ہوگا، اور بھی بیچ مفتاح الصلوٰۃ کے دعا مانگنا ہاتھ اٹھاکے درست فرمایا اور مقدار جلسہ کی بقدر ۳ آیات کے مجتبٰی سے اور سند اجابت دعا کی صحیح مسلم وشارح صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ساتھ لفظ صواب کے نقل کی۔ مفتاح الصلوٰۃ میں مرقوم ہے:

درمیان دوخطبہ کہ امام بنشیند دعا بطریق اولیٰ جائز خواہد بود علی الخصوص در احادیث آمدہ کہ ساعۃ الاجابۃ ما بین ان یجلس الامام فی الخطبۃ الی ان تقضی الصلوٰۃ کما صح فی صحیح مسلم وجزم الامام النووی فی شرح مسلم وقال ھو الصواب پس باید

دو خطبوں کے درمیان جب امام بیٹھتا ہے تو اس وقت دُعا کرنا خصوصاً بطریقِ اولیٰ جائز ہونی چاہیے کیونکہ احادیث میں آیا ہے کہ قبولیت کی ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتامِ نماز تک ہوتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اور امام نووی نے شرح مسلم میں اسی پر جزم کرتے ہوئے فرمایا یہی

---

[1] صحیح البخاری باب رفع الیدین فی الخطبۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۷

کہ در وقت جلوس کہ در ظاہر الروایۃ مقدار سہ آیت وارد ست کما فی المجتبی وغیرہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار خواند کہ عمل بر ظاہر الروایہ واحادیث صحیحہ واقع گردد واگر دست برداشتہ بخواند موافق طریقۂ دعا کہ در احادیث ست واقع گردد وعمل بزرگان نیز ہست۔[1]

صواب ہے لہٰذا امام کے بیٹھنے کے وقت، جو ظاہر الروایۃ کے مطابق تین آیات کی مقدار ہے جیسا کہ مجتبیٰ وغیرہ میں ہے، یہ دعا پڑھ لی جائے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بہتری اور نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی بہتری عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچائے تاکہ ظاہر الروایت اور احادیث صحیحہ پر عمل ہو جائے اور اگر دعا میں ہاتھ اٹھائے تو یہ بھی اس طریقۂ دعا کے موافق ہے جو احادیث میں آیا ہے اور اسلاف کا بھی عمل ہے۔ (ت)

اور ایسا ہی بیچ فتوح الاوراد کے مرقوم ہے اور بیچ حصن حصین کے ایک آداب دعا میں رفع یدین کو لبسند حدیث تحریر کیا ہے ورفعھما ع وان یکون رفعھما حذو المنکبین[2] د امس، یعنی آداب دعا سے ہے اُٹھانا دونوں ہاتھوں کا طرف آسمان کے، نقل کی یہ صحاح ستہ میں، اور یہ کہ ہووے ہاتھ اٹھانا برابر مونڈھوں کے، نقل کی سنن ابوداؤد واحمد وحاکم نے، اس سے خوب واضح ہوا کہ دعا مانگنا ساتھ رفع یدین کے چاہئے، البتہ خالی ہاتھ اٹھانا بغیر دُعا کے عبث اور بے فائدہ ہے اور یہ بھی واضح و لائح ہُوا کہ دُعا مانگنا اور ہاتھ نہ اٹھانا "آداب دعا کے" سے دُور ہونا ہے واللہ اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمآب۔

احمد حسین بیگ غفر اللہ لہ۔ محمد رضا علی خاں۔ سید یعقوب علی رضوی۔ خویدم الطلبہ سید محمود علی سید محمد ذاکر عفی عنہ۔

علمائے بریلی رحمہم اللہ تعالیٰ کا فتویٰ یہ ہے اور عمل وہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۴۱ اصغر علی خاں بریلی بانس منڈی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ میں کوئی سورہ کلام مجید کی

---

[1] مفتاح الصلوٰۃ

[2] حصن حصین آداب الدعاء مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ص ۱۷

چھوٹی پڑھی جائے یا بڑی، اور چھوٹی پڑھی جائے تو کس قدر، اور بڑی پڑھی جائے تو کس قدر، بدیں وجہ کہ مسجد کی یہ حالت ہے کہ کچھ نمازی اندر سایہ کے اور کچھ باہر فرش پر کہ جہاں بالکل دھوپ اور فرش بھی گرم ہوتا ہے۔

الجواب

جمعہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ، دوسری میں سورۂ منافقون، اور کبھی پہلی میں سبح اسم ربك الاعلٰی[1] اور دوسری میں هل اتٰك حديث الغاشية[2] ثابت ہے، اور حسبِ حاجت و مصلحت کمی بیشی کا اختیار ہے، اور اگر مقتدیوں پر تکلیف و ناگواری ہو تو اختصار لازم ہے مگر حتی الامکان قدرِ مسنون سے کمی نہ کرے کہ قدرِ مسنون کا محض کسل کی وجہ سے ناگوار ہونا اُن کا قصور ہے جس میں وہ مستحقِ رعایت نہ اُس کے سبب ترکِ سنّت کی اجازت، ہاں اگر مثلاً کوئی مریض یا ضعیف ایسا ہو کہ بقدر سنّت پڑھنا بھی اُس کے لئے باعثِ تکلیف ہوگا تو اُس کی رعایت واجب ہے اگرچہ نمازِ جمعہ کو ٹرد اخلاص سے پڑھانا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] القرآن ۸۷/۱

[2] القرآن ۸۸/۱

اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ
(اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی)

۱۳۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۴۱۱ از ملک بنگالہ موضع شاکوچیل ضلع سلہٹ ڈاکخانہ جگدیش پور مرسلہ مولوی ممتاز الدین صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان مسجد کے اندر دینا کیسا ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد جو دی جاتی ہے آیا وہ اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے کھڑا ہوکر کہے یا باہر مسجد کے، اور برتقدیر اول بلاکراہت جائز ہے یا نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں یہ بلاکراہت سب علماء کے نزدیک جائز ہے اور سلف صالحین سے لے کر اس زمانے تک کل امصار و دیار میں اسی طریقۂ مسنون پر باتفاق علمائے کرام جاری و دائر ہے، شامی میں ہے کہ مؤذن اذان خطیب کے سامنے کہے، ہدایہ میں ہے منبر کے سامنے کہے، اور اسی پر علما کا عمل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا مگر یہ اذان، اور درمختار میں ہے خطیب کے سامنے کہے، ان عبارات سے ہویدا ہوا کہ رُوبرو خطیب کے مسجد کے اندر کہے اور باہر مسجد یا صحنِ مسجد میں کھڑا ہوکر اذان کہنا خلاف کُتبِ فقہ و سلف صالحین کا ہے انتہی، اور بعض لوگ کہتے ہیں جمعے کی اذان ثانی مسجد کے اندر منبر کے سامنے کھڑے ہوکر مکروہ نہیں ہے، اگرچہ جہاں تک اطلاق بین یدیہ آتا ہے

سب جگہ درست ہے انتہی، ان میں کون سا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

ہمارے علمائے کرام نے فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی خلاصہ و فتح القدیر و نظم و شرح نقایہ برجندی و بحرالرائق و فتاوٰی ہندیہ و طحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے فتاوٰی خانیہ میں ہے:

ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ او خارج المسجد ولایؤذن فی المسجد[1]۔

یعنی اذان منارے پر یا مسجد کے باہر چاہئے مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔

بعینہٖ یہی عبارت فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

الاقامۃ فی المسجد لابد واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد[2]۔

یعنی تکبیر تو ضرور مسجد میں ہوگی، رہی اذان وہ منارے پر ہو۔ منارہ نہ ہو تو بیرونِ مسجد زمین متعلق مسجد میں ہو۔ علما فرماتے ہیں مسجد میں اذان نہ ہو۔

نیز خود باب الجمعہ میں فرمایا:

ھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ[3]۔

وہ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے مسجد میں یعنی حوالیِ مسجد کے اندر، اس لئے کہ خود مسجد کے اندر اذان دینی مکروہ ہے۔

شرح مختصر الوقایہ للعلامۃ عبدالعلی میں ہے:

فی ایراد المئذنۃ اشعار بان السنۃ فی الاذان ان یکون فی موضع عال بخلاف الاقامۃ فان السنۃ فیہا ان تکون فی الارض وایضا فیہ اشعار بانہ لایؤذن فی المسجد فقد ذکر فی الخلاصۃ انہ ینبغی الخ[4] اھ باختصار۔

یعنی صدر الشریعۃ قدس سرہٗ نے اذان کے لئے منارے کا جو ذکر فرمایا اس میں تنبیہ ہے اس پر کہ اذان میں سنّت یہ ہے کہ بلند جگہ پر ہو بخلاف تکبیر کہ اس میں سنّت یہ ہے کہ زمین پر ہو، نیز اس میں تنبیہ ہے کہ اذان مسجد میں نہ دی جائے، خلاصہ میں اس کی ممانعت کی تصریح ہے الخ اھ باختصار۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں | مسائل الاذان | مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ | ۱/۳۷

[2] فتح القدیر | باب الاذان | ؍؍ نوریہ رضویہ سکھر | ۱/۲۱۵

[3] ؍؍ | باب الجمعۃ | ؍؍ ؍؍ ؍؍ | ۲/۲۹

[4] شرح النقایۃ للبرجندی | باب الاذان | ؍؍ منشی نولکشور لکھنؤ | ۱/۸۴

بحرالرائق میں ہے :

فی القنیۃ یسن الاذان فی موضع عال والاقامۃ علی الارض وفی المغرب اختلاف المشائخ اھ والظاھر انہ یسن المکان العالی فی اذان المغرب ایضا کما سیأتی وفی السراج الوھاج ینبغی ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران وفی الخلاصۃ ولا یؤذن فی المسجد[1] اھ مختصرا۔

یعنی قنیہ میں ہے کہ اذان بلندی پر اور تکبیر زمین پر ہونا سنّت ہے اور مغرب کی اذان میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ وہ بھی بلندی پر ہونا مسنون ہے یا نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ مغرب میں بھی اذان بلندی پر ہونا سنّت ہے اور سراج الوہاج میں ہے اذان وہاں ہونی چاہئے جہاں سے ہمسایوں کو خوب آواز پہنچے، اور خلاصہ میں فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دے اھ مختصرا۔

اُسی میں بعد چند ورق کے ہے :

السنۃ ان یکون الاذان فی المنارۃ والاقامۃ فی المسجد[2]۔

سنّت یہ ہے کہ اذان منارے پر ہو اور تکبیر مسجد میں۔

حاشیۂ طحطاوی میں ہے :

یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم، فان لم یکن ثمہ مکان مرتفع للاذان یؤذن فی فناء المسجد کما فی الفتح[3]۔

یعنی مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں نظم سے منقول ہے تو اگر وہاں اذان کے لئے کوئی بلند مکان نہ بنا ہو تو مسجد کے آس پاس اُس کے متعلق زمین میں اذان دے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

یہ تمام ارشادات صاف صاف مطلق بلا قید ہیں جن میں جمعہ وغیرہا کسی کی تخصیص نہیں، مدعی تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلماتِ صریحۂ معتمدہ میں اذانِ ثانی جمعہ کا استثنا دکھائے مگر ہرگز نہ دکھا سکے گا، رہا لفظ بین یدی الامام (امام کے سامنے۔ت) یا بین یدی المنبر (منبر کے سامنے۔ت) سے استدلال مذکور فی السوال وہ محض ناواقفی ہے، ان عبارات کا حاصل صرف اس قدر کہ اذان ثانی خطیب کے سامنے منبر کے آگے مواجہہ میں ہو، اس سے یہ کہاں کہ امام کی گود میں منبر کی لگر پر ہو جس سے داخلِ مسجد ہونا استنباط

---

[1] بحرالرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۵

[2] " " " ۱/۲۶۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷

کیا جائے بین یدی (یعنی سامنے۔ت) سمت مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے جو وقت طلوع مواجہہ مشرق یا ہنگام غروب مستقبل مغرب کھڑا ہو وہ ضرور کہے گا کہ آفتاب میرے سامنے ہے، یا فارسی میں مہر رُو بروئے من است (سُورج میرے چہرے کے سامنے ہے۔ت) یا عربی میں الشمس بین یدی (سورج میرے سامنے ہے۔ت) حالانکہ آفتاب اس سے تین ہزار برس کی راہ سے زیادہ دُور ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم[1] اللہ سبحانہ، جانتا ہے جو کچھ اس کے سامنے ہے یعنی آگے آنے والا ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے یعنی گزر گیا۔ یہ ہرگز ماضی و مستقبل سے مخصوص نہیں بلکہ ازل تا ابد سب اُس میں داخل ہے۔ یونہی ملائکہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قول کہ قرآن عظیم نے ذکر فرمایا:

له ما بین ایدینا و ما خلفنا و ما بین ذلك[2] اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔

تمام ماضی و مستقبل و حال سب کو شامل ہے، ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظر قرآن حالیہ ایک نوع قرب ہر شئے کے لائق مستفاد ہوتا ہے نہ اتصال حقیقی کہ خواہی نخواہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو، قال اللہ تعالٰی:

وھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقنہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء[3] الآیۃ۔ اللہ ہے کہ بھیجتا ہے ہوائیں خوشی کی خبر لاتیں باران رحمت کے آگے یہاں تک کہ جب اُنھوں نے اُبھارے بوجھل بادل، ہم نے اسے رواں کیا کسی مردہ شہر کی طرف تو اتارا اُس سے پانی۔

بین یدی (یعنی آگے۔ت) نے قرب مطر کی طرف اشارہ فرمایا مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی پانی معاً اُترے بلکہ چلیں اور بادل اُٹھے اور بوجھل پڑے اور کسی شہر کو چلے وہاں پہنچ کر برسے۔ وقال تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا)

ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید[4] محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے نہیں جیسا کہ اے کافرو! تم گمان کرتے ہو وہ تو نہیں مگر تمھیں ڈر سنانے والا ایک سخت عذاب کے آگے۔

آیت نے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے، پھر اُس کا قرب اُس کے لائق ہے،

---

[1] القرآن ۲۰/ ۱۱۰
[2] القرآن ۱۹/ ۶۴
[3] ″ ۷/ ۵۷
[4] ″ ۳۴/ ۴۶

۱۳۴۳
تیرہ سوتینتالیس برس گزر گئے اور ہنوز وقت باقی ہے پس جو اذان درِ مسجد پر یا فنائے مسجد کی کسی زمین میں جہاں تک حائل نہ ہو محاذاتِ امام میں دی جائے اُس پر ضرور بین یدیہ (اس کے رُوبرو۔ت) صادق ہے بلاشبہہ کہا جائے گا کہ امام کے سامنے خطیب کے رُوبرو منبر کے آگے اذان ہُوئی، اور اسی قدر درکار ہے غالباً خود مستدلین کو معلوم تھا کہ قریبِ مسجد، بیرونِ مسجد، مواجہہ امام کو بھی بین یدیہ شامل ہے ولہذا روبرو خطیب کہنے کے بعد ان لفظوں کی حاجت ہُوئی کہ مسجد کے اندر، مگر خاص یہی لفظ کہ اصل مدعا تھے صرف اپنی طرف سے اضافہ ہوئے۔ شامی و ہدایہ و درمختار وغیرہا میں کہیں اس کی بُو بھی نہیں۔ اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین یدیہ کے معنی بھی آفتاب کی طرح روشن ہو جائیں اور اس ادعائے توارث کا حال بھی کھل جائے، سُنن ابی داؤد شریف میں بسندِ حسن مروی ہے:

حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمۃ عن محمد بن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر[1]۔

نفیلی نے بیان کیا کہ محمد بن سلمہ نے محمد بن اسحٰق سے انھوں نے زہری سے انھوں نے سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب روزِ جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازے پر دی جاتی اور یُونہی ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانے میں۔

اس حدیثِ جلیل نے واضح کر دیا کہ اس رُوبروئے امام پیشِ منبر کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ زمانۂ رسالت و خلفائے راشدین سے کیا متوارث ہے، ہاں یہ کہئے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہنی شائع ہو رہی ہے مگر نصِ حدیث سے جُدا تصریحاتِ فقہ کے خلاف کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں ایک یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں حالانکہ وہاں تو اُن تصریحاتِ ائمہ کے مقابل بین یدیہ وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں، پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے۔ الحمدللہ یہاں اس سنّتِ کریمہ کا احیاء رب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں مؤذنوں کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی بحمداللہ تعالٰی منبر کے سامنے دروازۂ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانۂ اقدس حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ہوا کرتی تھی ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من

---

[1] سنن ابی داؤد باب وقت الجمعۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور ۱/۱۵۵

یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم والحمد للّٰہ رب العٰلمین (یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے سب تعریف ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ت) بعض دیگر جن سے سائل نے دوسرا قول نقل کیا اگرچہ اتنا سمجھے بین یدی سے داخل مسجد ہونا اصلاً مفہوم نہیں ہوتا مگر کتابوں پر نظر ہوتی تو خلافِ تصریحاتِ علماء یہ ادعا نہ ہوتا کہ مسجد کے اندر مکروہ نہیں ۱۳۰۲ ہجری میں فقیر بہ نیت خاکبوسی آستانہ علیہ حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ بریلی سے شدّ الرحال کرکے حاضر بارگاہ غیاث پور شریف ہوا تھا دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جانا ہوا، اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی فقیر نے حسبِ عادت کہ جو امر خلاف شرع مطہر پایا مسئلہ گزارش کر دیا اگرچہ اُن صاحب سے اصلا تعارف نہ ہو ان مؤذن صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے کہا کہاں لکھا ہے؟ میں نے قاضی خان، خلاصہ، عالمگیری، فتح القدیر کے نام لئے، کہا ہم اُن کی نہیں مانتے، فقیر سمجھا کہ حضرت طائفہ غیر مقلدین سے ہیں، گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کسی کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا احکم الحاکمین جل جلالہٗ کا سچا حقیقی جل جلالہٗ کا سچا حقیقی دربار تو ارفع واعلٰی ہے آپ انہی کچہریوں میں روز دیکھتے ہوں گے چپراسی، مدعی، مدعا علیہ گواہوں کی حاضری، کچہری کے کمرے کے اندر کھڑا ہو کر پکارتا ہے یا باہر؟ کہا باہر۔ کہا اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہرے گا یا نہیں؟ بولے اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب ان کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا تسلیم کر لیا ؏

فکر ہر کس بقدر ہمّت اوست

(ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہے)

الحمد للہ حق واضح ہوگیا۔

اقول وباللّٰہ التوفیق یہاں دو نکتے اور قابلِ لحاظ و غور ہیں:

اول اگر بانیِ مسجد نے مسجد بناتے وقت تمامِ مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کے لئے منارہ خواہ کوئی محل مرتفع بنایا تو یہ جائز ہے اور اتنا ٹکڑا اذان کے لئے جدا سمجھا جائے گا اور مسجد میں اذان دینے کی کراہت یہاں عارض نہ ہوگی جیسے مسجد میں وضو کرنا اصلاً جائز نہیں مگر پہلے سے اگر کوئی محلِ معیّن بانی نے وضو کے لئے بنوا دیا ہو تو اس میں وضو جائز ہے کہ اس قدر مستثنٰی قرار پائے گا، اشباہ میں ہے:

تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون ثمہ موضع اعد لذلک لا یصلی فیہ

مسجد میں کُلی اور وضو کرنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب وہاں اس کے لئے جگہ بنائی گئی ہو اور اس میں نماز ادا نہ کی جاتی ہو یا کسی برتن میں وضو

اوفی اناء[1]
کرلیا جائے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یکرہ الوضوء الا فیما اعد لذلک[2] ملخصاً۔

وضو مکروہ ہے مگر اس جگہ میں جو اس کے لئے تیار کی گئی ہو ملخصاً۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان ماءہ مستقذر طبعا فیجب تنزیہ المسجد عنہ کما یجب تنزیہھا عن المخاط والبلغم بدائع[3]۔

کیونکہ وضو کا پانی طبعاً ناپسند ہے لہذا اس سے مسجد کو بچانا ضروری ہے جیسے کہ مسجد کو ناک اور بلغم سے محفوظ رکھنا ضروری ہے، بدائع۔ (ت)

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

ھذا تعلیل علی مذھب محمد المفتی بہ اما علی قول الامام من تنجیس الماء المستعمل فظاھر۔

یہ امام محمد کے مفتیٰ بہ قول کی دلیل ہے۔ رہا معاملہ امام اعظم کے قول کا، تو وہ ظاہر ہے کیونکہ وہ ماءِ مستعمل کو ناپاک کہتے ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ الا فیما اعد لذلک انظر ھل یشترط اعدادہ ذلک من الواقف ام لا[4]۔

ان کا قول "مگر اس جگہ جو وضو کے لئے تیار کردہ ہو" دیکھئے کیا اس جگہ کا وضو کے لئے بنانا واقف سے شرط ہے یا نہیں؟ (ت)

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

اقول نعم وشیئ اخر فوق ذلک وھی ان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیۃ فان بعدہ لیس لہ ولا لغیرہ تعریضہ للمستقذرات

اقول ہاں ایک اور شیئ اس کے اوپر ہے وہ یہ کہ یہ وضو کے لئے رکھنا تمام مسجدیت سے پہلے ہو کیونکہ اگر اس کے بعد ہو تو اب واقف اور دوسرں

---

[1] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۳۰
[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا ر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴
[3] ردالمحتار ر ر ر مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۸
[4] ر ر ر ر ر ر ر ر ر

ولا فعل شئ یخل بحرمتہ اخذ تہ مما یاتی فی الوقف من مسئلۃ بناء الواقف فوق المسجد بیتا لسکنی الامام۔

کے لئے یہ جائز نہیں کہ مسجد کے کسی حصہ کو گندگی کے لئے بنائیں بلکہ ہر وُہ فعل جائز نہیں جو مسجد کی عزت کے منافی ہو، یہ اصول اس مسئلہ سے مستنبط ہے جو وقف میں آتا ہے کہ مسجد کے اوپر واقف امام کیلئے رہائش نہیں بنا سکتا۔ (ت)

اسی طرح اگر منارہ یا مئذنہ بیرونِ مسجد فنائے مسجد میں تھا بعدہٗ مسجد بڑھائی گئی ہو اور زمین متعلق مسجد مسجد میں لے لی کہ اب مئذنہ اندرونِ مسجد ہوگیا اس پر بھی اذان میں حرج نہ ہوگا کہ یہ بھی وہی صورت ہے کہ اس زمین کی مسجدیت سے پہلے اس میں یہ محل اذان کے لئے مصنوع ہوچکا تھا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) ہاں اگر داخلِ مسجد کوئی شخص اگرچہ خود بانیِ مسجد نیا مکان اذان کے لئے مستثنیٰ کرنا چاہے تو اُس کی اجازت نہ ہونی چاہئے کہ بعد تمامی مسجد کسی کو اُس سے استثناء یا فعل مکروہ کے لئے بنا کا اختیار نہیں، درمختار میں ہے:

لوبنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لوتمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع، ولوکان عنیت ذلک لم یصدق تاتارخانیۃ فاذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولوعلی جدار المسجد[1]۔

اگر مسجد کے اوپر امام کے لئے جگہ بنائی تو ضرر نہیں کیونکہ یہ ضروریاتِ مسجد میں سے ہے اگر مسجد مکمل ہوگئی اور پھر رہائش بنانا چاہتے ہیں تو اب منع ہے اور اگر واقف کہے کہ میرا ارادہ یہی تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی تاتارخانیہ، جب واقف کا یہ حال ہے تو غیر کیسے بنا سکتا ہے، لہذا اس کا گرانا ضروری ہے اگرچہ وہ دیوار مسجد پر ہو۔ (ت)

دوم متعلقاتِ مسجد میں مسجد کے لئے اذان ہونے کو عرف میں یونہی تعبیر کرتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوئی مثلاً منارہ بیرونِ مسجد زمین خاص مسجد سے کئی گز کے فاصلے پر ہو اور اُس پر اذان کہی جائے تو ہر شخص یہی کہے گا کہ مسجد میں اذان ہوگئی نماز کو چلو، یُوں کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہُوئی نماز کو اُٹھو یہ عرف عام شائع ہے جس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں، ولہذا امام محقق علی الاطلاق نے ھو ذکر اللہ فی المسجد[2] (یہ مسجد میں ذکرِ الٰہی ہے۔ ت) کی وہ تفسیر فرمادی کہ ای فی حدودہ (یعنی مسجد

---

[1] درمختار | کتاب الوقف | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۳۷۹
[2] فتح القدیر | باب صلوٰۃ الجمعۃ | " نوریہ رضویہ سکھر | ۲/۲۹

کے حدود میں۔ ت) اور اس کی دلیل وہی ارشاد فرمائی کہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ (کیونکہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ ت) یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ کوئی سخن ناشناس نظائر حدیث مسلم:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وقفا ان من سنن الھدی الصلٰوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ[1]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ سُنَنِ ہُدٰی میں سے ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھی جائے جس میں اذان ہو۔ (ت)

وامثال عبارت کوہ خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ (اس مسجد سے نکلنا مکروہ ہے جس میں اذان دی گئی ہو۔ ت) سے دھوکا نہ کھائے اور اشباہ حدیث ابن ماجہ:

عن امیر المؤمنین عثمٰن الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ادرک الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجتہ وھو لا یرید الرجعۃ فھو منافق[2]

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ جس نے مسجد میں اذان کو پایا پھر بغیر مجبوری کے مسجد سے نکلا اور واپسی کا ارادہ بھی نہ تھا تو وُہ منافق ہے۔ (ت)

سے دھوکا اور بھی ضعیف تر ہے فان فی المسجد ظرف الادراک دون الاذان (کیونکہ مسجد ادراک کے لئے ظرف ہے اذان کے لئے نہیں۔ ت) ولہذا علامہ مناوی نے تیسیر میں اس حدیث کی یوں شرح فرمائی:

(من ادرک الاذان) ای سمع الاذان وھو (فی المسجد)[3] الخ

(جس نے اذان کو پایا) یعنی اذان کو سنا، حالانکہ وہ (مسجد میں تھا) الخ (ت)

بلکہ خود حدیث شرحِ حدیث کو بس ہے:

احمد بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلٰوۃ فلا یخرج

امام احمد نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو نماز ادا کیے بغیر

---

[1] صحیح مسلم باب فضل جماعۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

[2] سُنن ابن ماجہ باب اذا اذن وانت فی المسجد " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[3] حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر مع السراج المنیر حدیث مذکور کے تحت مطبوعہ مطبعۃ ازہریۃ مصر ۳/۲۹۸

احدکم حتی یصلی[1]

کوئی مسجد سے نہ نکلے۔(ت)

بالجملہ جہاں ایسے الفاظ واقع ہوں انھیں دو[2] نکتوں سے ایک پر محمول ہیں۔

اقول وبہ ینجلی ما فی الجلابی انہ یؤذن فی المسجد او ما فی حکمہ لا فی البعید منہ اھ[2] ای یؤذن فی حدود المسجد و فنائہ کما فسربہ الامام المحقق علی الاطلاق او فی نفس المسجد ان کان ثمہ موضع اعد لہ من قبل او یؤذن فیما ھو فی حکمہ لقربہ منہ بحیث یعد الاذان فیہ اذانا للمسجد کما فعل عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث احدث الاذان الاول علی الزوراء دار فی السوق ولا یؤذن للمسجد فی البعید منہ فان المسجد اذا کان غربی البلد مثلاً واذن شرقیہ بل اذن لمسجد حیّ اٰخر لا یعد ذلک اذانا لہ کما لا یخفی فلا استدراک بکلام الجلابی علی کلام النظم کما زعم القہستانی وباللہ التوفیق وبما قدمنا من تحقیق مفاد بین یدیہ وانہ یستدعی بقرینۃ الحال قربا نیاسب المقام لا الاتصال وضح بحمد اللہ ما قال القہستانی تحت قول النقایۃ اذا جلس علی المنبر اذن ثانیا بین یدیہ ما نصہ ، ای

اقول اس سے جلابی کی یہ عبارت بھی واضح ہوگئی کہ مسجد میں یا اس جگہ میں اذان دی جائے جو حکمِ مسجد میں ہو، مسجد سے دُور اور جگہ میں نہ دی جائے اھ یعنی مسجد کے حدود اور فنائے مسجد میں اذان دی جائے جیسا کہ اس کی تفسیر امام محقق علی الاطلاق نے کی ہے، یا مسجد کے اندر بشرطیکہ وہاں پہلے سے جگہ بنائی گئی ہو یا اس جگہ دی جائے جو قرب کی وجہ سے مسجد کا حکم رکھتی ہو کیونکہ وہاں کی اذان کو مسجد کی ہی اذان شمار کیا جائے گا جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا کہ اذانِ اوّل بازار میں مقامِ زوراء پر دینے کا حکم دیا، مسجد سے دُور اذان نہ دی جائے مثلاً جب مسجد غربی البلاد ہو اور اذان شرقی میں دی جائے تو اب یہ اذان دوسرے محلہ کی ہوگی اس مسجد کی اذان اسے شمار نہیں کیا جائیگا جیسا کہ واضح ہے، کلامِ جلابی کلامِ نظم پر استدراک نہیں جیسا کہ قہستانی نے گمان کیا۔ اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو کچھ ہم نے گفتگو کی اور "سامنے امام" کا معنٰی بیان کیا اس سے واضح ہوگیا کہ "بین یدیہ" کے الفاظ مقام کے مناسب قُرب کا تقاضا کرتے ہیں نہ کہ اتصال کا، بحمداللہ نقایہ کی عبارت "جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو اس کے سامنے دوسری اذان

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۵۳۷

[2] جامع الرموز بحوالہ الجلابی فصل فی الاذان ،، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۳

بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر والامام ويساره قريبًا منه ووسطهما بالسكوت فيشتمل ما اذا اذن فی زاوية قائمة او حادة او منفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين اھ[1] فليس القرب منكرا ولا بالاتصال مشعرا وانما اراد به اخراج البعد الذی لايعد به الاذان اذانا فی ذلك المسجد كما ذكرناه فی كلام الجلابی۔

دی جائے" کے تحت قہستانی نے جو کہا وہ بھی واضح ہوگیا کہ اذان یمینِ منبر یا امام اور اس کے بائیں جانب اس کے قریب ہو یا ان دونوں کے وسط میں ہو، یہ ان صورتوں کو شامل ہے جب اذان زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ میں ہوئی وہ زاویہ جو ان دو خطوط مذکورہ کی دو جہات سے پیدا ہوا اھ تو یہاں قرب کا انکار نہیں اور اتصال پر دلالت نہیں، اس سے ان کا مقصد اس بُعد کا دُور کرنا ہے جس میں اذان کو اس مسجد کی اذان تصور نہ کیا جائے جیسا کہ ہم نے اسے جلابی کے کلام میں ذکر کیا۔ (ت)

غرض عامہ کتبِ معتمدہ مذہب کے خلاف اگر ایک آدھ غریب و نا متداول کتاب میں کوئی تصریح بھی ہوتی عقلاً و عرفاً و شرعاً قابلِ قبول نہ ہوتی۔

الا ترى ان العلامة الطحطاوی كيف اقتصر فی الحكم على حكاية ما فی القهستانی عن النظم ولم يعرج على استدراكه اصلا علما منه ان الاستدراك مستدرك لا يبتغى نقلا۔

کیا آپ نے نہ دیکھا علامہ طحطاوی نے کس طرح اکتفا کیا اس حکم پر جو قہستانی نے نظم سے نقل کیا تھا اور اس کے استدراک کے بالکل درپے نہ ہوئے، انھیں علم تھا کہ یہ استدراک فالتو ہے لہٰذا اس کا نقل کرنا مناسب نہیں۔ (ت)

نہ کہ کوئی لفظ محتمل نا صریح صاف صاف لائق توجیہ و تصحیح ہو،

كما لا يخفى على ذی عقل نجيح هكذا ينبغی التحقيق والله سبحانه ولی التوفيق والحمد لله رب العلمين وصلى الله تعالى على سيدنا ومولٰنا محمد و اٰله وصحبه اجمعين۔ اٰمين۔ والله تعالى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔

جیسا کہ ہر عاقل پر مخفی نہیں، تحقیق کا حق یہی تھا، اللہ سبحٰنہ توفیق کا مالک ہے، الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالٰی علٰی سیّدنا و مولٰنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

---

[1] جامع الرموز فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۸

باب العیدین

(عیدین کا بیان)

مسئلہ ۱۴۱۲: از سہسرام محلہ پرتلہ ضلع آرہ مسئولہ قدرت اللہ صاحب ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اعلم بالسنہ پابندِ صوم وصلوٰۃ متقی نے اول خطبہ عید الاضحٰی پڑھ کر لبیک اور صلوٰۃ وسلام نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تکبیر بآواز بلند خود کہا اور مصلیوں سے کہلایا پھر بارك اللہ لنا ولکم پڑھ کر بیٹھا پھر دُوسرا خطبہ پڑھا بعد فراغ سوال کیا گیا یہ غیر مشروع فعل کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا میرا یہ فعل غیر مشروع نہیں حالتِ کیف میں صادر ہُوا مثل قولِ مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ یا ساریۃ الجبل ہے، یہ دعوی مدعی کا کہاں تک صحیح ہے اور ایسے فعل کا مرتکب لائقِ ملامت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

لبیک ودرود کہ اس نے خود کہا حرج نہیں البتہ مقتدیوں سے کہلانا بے محل ہوا کہ وہ خطبہ میں مامور بالسکوت ہیں، اگر حالتِ وجد میں ایسا ہُوا جیسا کہ اُس کا بیان ہے تو معذور ہے اور جب سائل ایسے عالم سُنّی متقی کہتا ہے تو اس کا بیان کیوں نہ تسلیم کیا جائے معہذا مسئلہ شرعیہ معلوم کرلینا دوسری بات ہے

وہ ضرور چاہیے مگر عوام کو سنّی عالم متقی پر اُس کی کسی لغزش کے سبب ملامت کی اجازت نہیں ہوسکتی کما نص علیہ الائمۃ واشارت الیہ الاحادیث (جیساکہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے اور احادیث میں بھی اس پر رہنمائی ہے۔ت) یہ اس کے حق میں ہے جو سُنّی عالم ہو ورنہ آج کل بہت گمراہ بددین بلکہ مرتدین مثلاً وہابیہ دیوبندیہ اپنے آپ کو سُنّی عالم کہتے ہیں وہ ملامت کیا اُس سے ہزاروں درجہ سخت تر کے مستحق ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

۱۳۳۹ھ

سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید

(نمازِ عید کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعاء مانگنے کا ثبوت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۴۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاوٰی کی جلد ثانی میں یہ امر تحریر فرمایا ہے کہ بعد دوگانہ عیدین یا بعد خطبۂ عیدین دُعا مانگنا حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے کسی طرح ثابت نہیں اب وہابیہ نے اس پر بڑا غل شور کیا ہے دعائے مذکور کو ناجائز کہتے اور مسلمانوں کو اس سے منع کرتے اور تحریر مذکور سے سند لاتے ہیں کہ مولوی عبدالحی صاحب فتوٰی دے گئے ہیں ان کی ممانعتوں نے یہاں تک اثر ڈالا کہ لوگوں نے بعد فرائض پنجگانہ بھی دعا چھوڑ دی اس بارے میں حق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ الحمد للہ الذی حبّبنا العید وجعلہ مقربا لکل بعید وامرنا بالدعاء فی الیوم السعید ووعدنا بالاجابۃ فی الکلام الحمید والصلوٰۃ والسلام علی من وجہہ عید ولقاؤہ عید ومولدہ عیدٌ وای عید وعلٰی اٰلہ الکرام وصحبہ

اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن ورحیم ہے سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جس نے ہمارے لئے عید کو محبوب بنایا اور اسے ہر بعید کو قریب کرنے والا بنایا، یوم سعید میں دعا کا حکم دیا، کلامِ حمید میں قبولیت کا وعدہ فرمایا اور صلوٰۃ و سلام ہو اس ذاتِ اقدس پر جس کا چہرہ عید، دیدار عید، میلاد عید ہے۔ آپ کی آل محترم اور صحابہ عظام

العظام ما دعا اللّٰه فی العید عبد سعید و
تعانق النور والسرور غداۃ العید واشھد
ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ وان محمدا
عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی
اٰلہ وصحبہ من یوم ابدا الٰی یوم یعید امین
امین یا عزیز یا مجید ۵

پر بھی جب تک کوئی عبد سعید عید کے موقعہ پر دعا
کرنے والا ہے اور جب تک عید کی صبح کو نور و سرور
باہم پائے جائیں ہیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی
معبود نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور حضرت محمد
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے اور
رسول ہیں آپ کی ذات، آل اور صحابہ پر درود وسلام
ابتدائی دن سے لے کر آخری دن تک ہو، اے غالب اے صاحب مجد! دعا قبول فرما دعا قبول فرما۔ (ت)

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ حق اور صواب کی ہدایت عطا فرمادے۔ت)

نمازِ عیدین کے بعد دُعا حضرات عالیہ تابعین عظام ومجتہدین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت،

قال الفقیر عبد المصطفٰی احمد رضا المحمدی
السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی
غفر اللہ لہ وحقق املہ انبانا المولٰی
عبد الرحمٰن السراج المکی مفتی بلد اللہ الحرام
ببیتہ عند باب الصفا لثمان بقین من ذی الحجۃ
سنۃ خمس وتسعین بعد الالف والمائتین
فی سائر مرویاتہ الحدیثیۃ والفقھیۃ
وغیر ذلک عن حجۃ زمانہ جمال بن عبد اللہ
بن عمر المکی عن الشیخ الاجل عابد السندی
عن عمہ محمد حسین الانصاری اجازنی بہ الشیخ
عبد الخالق بن علی المزجاجی قراءۃ علی الشیخ محمد
بن علاء الدین المزجاجی عن احمد النخلی
عن محمد البابلی عن سالم السنوری عن
النجم الغیطی عن الحافظ زکریا الانصاری
عن الحافظ ابن حجر العسقلانی انا بہ
ابو عبد اللہ الجریری انا قوام الدین الاتقانی انا

فقیر عبد المصطفٰی احمد رضا محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی
بریلوی (اللہ تعالٰی اس کو بخش دے اور اس کی امید
بر لائے) کہتا ہے کہ ہمیں شیخ عبد الرحمٰن السراج مکی
مفتی بلد اللہ الحرام نے باب صفا کے پاس اپنے گھر
۲۲ ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ کو اپنی تمام مرویات کی اجازت
دی خواہ وُہ حدیث کی صورت میں ہیں یا فقہ کی صورت
میں یا اس کے علاوہ، ہمیں انھیں مرویات کی اجازت
حجتِ زمانہ جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی نے دی انھیں
شیخ اجل عابد سندی نے انھیں ان کے چچا محمد حسین
انصاری نے دی، اس نے کہا مجھے ان کی اجازت شیخ
عبد الخالق بن علی مزجاجی نے، انھیں شیخ محمد
بن علاء الدین مزجاجی سے قراءۃ کے طور پر انھیں احمد نخلی
نے انھیں محمد بابلی نے انھیں سالم سنوری نے انھیں
نجم غیطی نے انھیں حافظ زکریا انصاری نے انھیں
حافظ ابن حجر عسقلانی نے انھیں ابو عبد اللہ جریری نے
انھیں قوام الدین اتقانی نے انھیں برہان احمد بن

[١٥]البرهان احمد بن سعد بن محمد البخاری
والحسام السفناقی قالا [١٦]ابنانا حافظ الدین
محمد بن محمد بن نصر البخاری هو حافظ
الدین الکبیر ابنانا[١٧] الامام محمد بن عبدالستار
الکردری ابنانا[١٨] عمر بن الکریم الورسکی
انا[١٩] عبدالرحمٰن بن محمد الکرمانی انا[٢٠] ابوبکر
محمد بن الحسین بن محمد هوالامام فخر
القضاة الارشابندی انا[٢١] عبداللّٰہ الزرنی
انا[٢٢] ابوزید الدبوسی انا ابوجعفر الاستروشنی
ح وابنانا عالیا[علہ] باربع درج شیخی وبرکتی و
ولی نعمتی ومولائی وسیدی وذخری و
سندی لیومی وغدی سیدنا الامام الهمام
العارف الاجل العالم الاکمل السید اٰل
الرسول الاحمدی المارهری رضی اللّٰہ تعالٰی
عنه وارضاه وجعل الفردوس متقلبه و
مثواه لخمس خلت من جمادی الاولٰی سنة
اربع وتسعین بدارہ المطهرة بمارهرة
المنورة فی سائرما یجوزله روایته عن[٢] استاذه

سعد بن محمد البخاری اور حسام السفناقی نے انھیں
[١٦]حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاری نے، یہی حافظ
الدین الکبیر ہیں انھیں محمد[١٧] بن عبدالستار الکردری نے
انھیں عمر[١٨] بن عبدالکریم الورسکی نے انھیں عبدالرحمٰن[١٩]
بن محمد الکرمانی نے انھیں ابوبکر[٢٠] محمد بن الحسین بن محمد نے
جو فخر القضاۃ الاشاربندی نے انھیں عبداللّٰہ[٢١] الزرنی نے
انھیں ابوزید[٢٢] الدبوسی نے انھیں ابوجعفر[٢٣] الاستروشنی نے "دوسری
سند" جو چار درجے عالی ہے میرے شیخ، میری برکت،
میرے ولی نعمت، سیدی ذخری آج کل کے لئے میرا
اعتماد سیدنا امام ہمام عارف اجل العالم الاکمل السید
آل الرسول الاحمدی المارہری رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ و
ارضاہ اللّٰہ تعالٰی (اللّٰہ تعالٰی ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس
میں بنائے) نے مارہرہ منورہ میں اپنے
آستانے پر ۵ جمادی الاولٰی ۱۲۹۴ھ کو تمام روایات
کی اجازت دی جو انھیں ان کے استاد شاہ[٢] عبدالعزیز
محدث دہلوی اپنے والد[٣] گرامی سے انھیں شیخ
تاج[٤] الدین القلعی مفتی حنفیہ نے انھیں شیخ
حسن[٥] عجمی نے انھیں شیخ خیرالدین رملی نے انھیں

علہ انظر الی لطافة هذا السند الجلیل و
جلالة شأنه فان رجاله کلهم من سیدنا الشیخ
الی صاحب المذهب الامام الاعظم جمیعا
من اجلة اعلام الحنیفة و مشاهیرهم واکثرهم
اصحاب تالیفات فی المذهب ۱۲ منه (م)

اس سند جلیل کی لطافت اور شانِ جلالت میں غور کرو کہ
اس کے رجال سیدنا شیخ سے صاحب مذہب امام اعظم
تک سارے کے سارے معروف و مشہور حنفی
ہیں اور ان میں سے اکثر اصحاب کی مذہب میں
تالیفات موجود ہیں ۱۲ منہ (ت)

عبد العزیز المحدث الدهلوی عن[3] ابیه عن[4]
الشیخ تاج الدین القلعی مفتی الحنفیة عن[5]
الشیخ حسن العجمی عن[6] الشیخ خیر الدین
الرملی عن[7] الشیخ محمد بن سراج الدین
الخانوتی عن[8] احمد بن الشبلی عن[9] ابراهیم
الکرکی یعنی صاحب کتاب الفیض عن[10] امین الدین
یحیی بن محمد الاقصرائی عن[11] الشیخ محمد
بن محمد البخاری الحنفی یعنی سیدی
محمد پارسا صاحب فصل الخطاب عن[12] الشیخ
حافظ الدین محمد بن محمد بن علی البخاری الطاهری
عن[13] الامام صدر الشریعة یعنی شارح الوقایه
عن[14] جده تاج الشریعة عن[15] والده صدر الشریعة
عن[16] والده جمال الدین المحبوبی عن[17] محمد
بن ابی بکر البخاری عرف بامام زاده عن[18]
شمس الائمة الزرنجری عن[19] شمس الائمة الحلوانی
کلاهما عن[20] الامام الاجل ابی علی النسفی
امام الحلوانی فقالا عن ابی علی وکذلک عنعن
الی نهایة الاسناد واما الاستروشنی فقال انا
ابوعلی الحسین بن خضر النسفی انا[21] ابوبکر
محمد بن الفضل البخاری هو الامام الشهیر
بالفضل انا[22] ابومحمد عبد الله بن محمد
بن یعقوب الحارثی یعنی الاستاذ السندمونی
انا[23] عبد الله محمد بن ابی حفص الکبیر
انا[24] ابی انا محمد[25] بن الحسن الشیبانی اخبرنا
ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم قال کانت

شیخ محمد[7] بن سراج الدین الخانوتی نے انھیں احمد[8]
بن شبلی نے انھیں ابراهیم[9] الکرکی صاحب
کتاب الفیض نے انھیں امین[10] الدین یحیی بن محمد
قصرائی نے انھیں شیخ[11] محمد بن محمد البخاری
الحنفی یعنی سیدی محمد پارسا صاحب فصل الخطاب
نے انھیں شیخ حافظ[12] الدین محمد بن محمد بن علی
بخاری طاهری نے انھیں امام صدر[13] الشریعة
یعنی شارح الوقایہ نے انھیں ان کے جد تاج[14] الشریعة
نے اپنے والد صدر[15] الشریعة سے انھیں ان کے
والد جمال[16] الدین محبوبی نے انھیں محمد[17] بن ابی بکر
بخاری المعروف امام زادہ نے انھیں شمس[18] الائمہ
الزرنجری نے انھیں شمس[19] الائمہ حلوانی نے
اور ان دونوں نے امام[20] اجل ابوعلی نسفی سے
ان دونوں نے کہا عن ابی علی، اسی طرح انھوں
نے تمام سند کو عن کے ساتھ بیان کیا. استروشنی
نے کہا ہمیں ابوعلی الحسین بن خضر النسفی انھیں
[21] ابوبکر محمد بن الفضل بخاری اور یہ امام فضل
کے ساتھ مشہور ہیں انھیں ابومحمد[22] عبداللہ بن
محمد بن یعقوب الحارثی یعنی الاستاذ السندمونی انھیں
[23] عبداللہ محمد بن ابی حفص الکبیر انھیں ان کے والد[24]
نے انھیں محمد[25] بن حسن الشیبانی نے
انھیں امام ابوحنیفہ نے انھیں حماد نے
انھیں ابراہیم نے بیان کیا کہ عیدین کی
نماز خطبہ سے پہلے ادا ہوتی پھر نماز کے
بعد امام سواری پر کھڑے ہو کر دعا کرتا تھا،

الصلوٰۃ فی العیدین قبل الخطبۃ ثم یقف الامام علی راحلتہ بعد الصلوٰۃ فیدعو ویصلی بغیر اذان ولا اقامۃ۔[1] نماز اذان واقامت کے بغیر ہوتی تھی۔ (ت)

یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں مجھے امام اعظم امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے امام اجل حماد بن ابی سلیمٰن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے خبر دی کہ امام المجتہدین امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نمازِ عیدین خطبہ سے پہلے ہوتی تھی پھر امام اپنے راحلہ پر وقوف کرکے نماز کے بعد دُعا مانگتا اور نماز بے اذان واقامت ہوتی، یہ امام ابراہیم نخعی قدس سرہٗ خود اجلۂ تابعین سے ہیں تو یہ طریقہ کہ اُنھوں نے روایت فرمایا لا اقل اکابر تابعین کا معمول تھا تو نمازِ عیدین کے بعد دُعا مانگنا ائمۂ تابعین کی سنت ہُوا اور پُرظاہر کہ راحلہ پر وقوف وعدم وقوف سنتِ دُعا کی نفی نہیں کرسکتا کما لایخفی، پھر ہمارے امام مجتہد سیدنا امام محمد اعلی اللہ درجاتہ فی دار البلد نے کتاب الآثار شریف میں اس حدیث کو روایت فرماکر مقرر رکھا اور ان کی عادت کریمہ ہے جو اثر اپنے خلاف مذہب ہوتا ہے اُس پر تقریر نہیں فرماتے تو حنفیۂ اہلِ عقیدۂ مضمون وو ہابیہ اہلِ تثلیث قرون دونوں کے حق میں جواب مسئلہ اسی قدر بس ہے مگر فقیر غفرلہ الولی القدیر ایضاح مرام واتمامِ کلام کے لئے اس مسئلہ میں مقال کو دو عید پر منقسم کرتا ہے:

عیداول میں قرآن وحدیث سے اس دُعا کی اجازت اور ادعائے مانعین کی غلطی وشناعت۔

عیددوم فتوائے مولوی لکھنوی سے اسناد پر کلام اور اوہام مانعین کا ازالۂ تام والعون من اللہ ولی الانعام (مدد اللہ کی جو انعام عطا کرنے والا ہے۔ ت)

العید الاول وعلی فضل اللہ المعول (عید اول، اور اللہ ہی کے فضل پر بھروسا ہے۔ ت)

ظاہر ہے کہ شرع مطہر سے اس دعا کی کہیں ممانعت نہیں اور جس امر سے شرع نے منع نہ فرمایا ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا، جو ادعائے منع کرے اثباتِ ممانعت اُس کے ذمہ ہے جس سے ان شاء اللہ تعالٰی کبھی عہدہ برآ نہ ہوسکے گا بقاعدۂ مناظرہ ہمیں اسی قدر کہنا کافی، اور اسانید سائل کا مژدہ لیجئے تو جو کچھ قرآن وحدیث سے قلبِ فقیر پر فائض ہُوا بگوشِ ہوش استماع کیجے۔

فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اللہ ہی کی توفیق ہے اور اس سے تحقیق تک وصول ہوتا ہے۔ ت) **اولاً** قال المولی سبحٰنہ وتعالٰی:

---

[1] کتاب الآثار للامام محمد باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۱

فاذا فرغت فانصب ۝ والیٰ ربک فارغب ۝[1] جب تُو فراغت پائے تو مشقت کر اور اپنے رب کی طرف راغب ہو۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں اصح الاقوال قول حضرت امام مجاہد تلمیذ رشید سلطان المفسرین حبر الامۃ عالم القرآن حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم ہے کہ فراغ سے مراد نماز سے فارغ ہونا اور نصب دعا میں جد و جہد کرنا ہے یعنی باری عزوجل حکم فرماتا ہے جب تُو نماز پڑھ چکے تو اچھی طرح دُعا میں مشغول ہو اور اپنے رب کے حضور الحاح و زاری کر۔ تفسیر شریف جلالین میں ہے:

فاذا فرغت من الصلوٰۃ فانصب "اتعب فی الدعاء" والیٰ ربک فارغب "تضرع"۔[2] جب تُو نماز سے فارغ ہو تو دعا میں تعب اور مشقت کر اور اپنے رب کے سامنے تضرع و زاری بجالا۔

خطبۂ جلالین میں ہے:

ھذا تکملۃ تفسیر الامام جلال الدین المحلی علی نمطہ من الاعتماد علی ارجح الاقوال و ترک التطویل بذکر اقوال غیر مرضیۃ[3] اھ ملخصا یہ تفسیر امام جلال الدین محلی کا تکملہ ہے جو انھیں کے طریقہ پر ہے یعنی راجح اقوال پر اعتماد اور اقوال ضعیف کے ذکر سے بچتے ہوئے اھ ملخصاً (ت)

علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

ھو الصحیح فقد اقتصر علیہ الجلال وقد التزم الاقتصار علی ارجح الاقوال۔[4] یہی صحیح ہے اسی پر جلال نے اکتفاء کیا ہے حالانکہ انھوں نے یہ التزام کررکھا ہے کہ راجح اقوال ذکر کریں گے۔ (ت)

اور پُر ظاہر کہ آیۂ کریمہ مطلق ہے اور باطلاقہا نماز فرض و واجب و نفل سب کو شامل تو بلاشبہہ نماز عیدین بھی اس پاک مبارک حکم میں داخل، یونہی احادیث سے بھی ادبار صلوات کا مطلقاً محلِ دعا ہونا مستفاد، و لہذا علماء بشہادت حدیث نماز مطلق کے بعد دُعا مانگنے کو آداب سے گنتے ہیں، امام شمس الدین محمد ابن الجزری حصن حصین اور مولانا علی قاری اُس کی شرح حرز ثمین میں فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن ۹۴/ ۷ و ۸

[2] جلالین کلاں سورۃ الانشراح میں مذکور ہے مطبوعہ اصح المطابع دہلی ہند ۲/ ۵۰۲

[3] " " خطبۃ الکتاب " " " " ۱/ ۴

[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی فی اسمائہ مطبوعہ مصر ۳/ ۱۹۵

والصلوٰۃ ای ذات الرکوع والسجود والمراد ان یقع الدعاء المطلوب بعدہا۔[1]

یعنی آداب سے ہے کہ مطلب کی دعا بعد نماز ذات رکوع و سجود واقع ہو۔

پھر فرمایا:

عہ حب مس ای رواہ الاربعۃ وابن حبان و الحاکم کلہم من حدیث الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[2]

یعنی یہ ادب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُس حدیث سے ثابت ہے جسے ابوداؤد و نسائی و ترمذی و ابن ماجہ و ابن حبان و حاکم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اقول یونہی یہ حدیث ابن السنی و بیہقی کے یہاں مروی اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی مذکور، امام ترمذی نے اس کی تحسین کی۔ ظاہر ہے کہ نماز ذات رکوع و سجود، نماز جنازہ کے سوا ہر نماز فرض و واجب و نافلہ کو شامل جن میں نمازِ عیدین بھی داخل۔

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) اصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ وجہ رضائے مولٰی جل وعلا ہوتے ہیں اور رضائے مولٰی تبارک و تعالٰی موجب اجابت دعا اور اس کا محل عمل صالح سے فراغ پاکر کما قال تعالٰی فاذا فرغت فانصب[3] (جیسا کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: پس جب آپ فارغ ہوں تو مشقت کرو۔ ت) ولہذا حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الم تر الی العمال یعملون فاذا فرغوا من اعمالہم وفوا اجورہم[4] رواہ البیہقی عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فی حدیث طویل۔

کیا تُو نے نہ دیکھا کہ مزدور کام کرتے ہیں جب اپنے عمل سے فارغ ہوتے ہیں اُس وقت پوری مزدوری پاتے ہیں۔ اسے بیہقی نے حدیث طویل کی صورت میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

---

[1] حواشی حصن حصین آداب الدعاء حاشیہ ۲۱ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ص ۹
[2] 〃 〃 〃 〃 ۲۲ 〃 〃 〃
[3] القرآن ۹۴/ ۷
[4] شعب الایمان باب فی الصیام حدیث ۳۶۰۳ 〃 دارالفکر بیروت ۲/ ۳۰۳

العامل انما یوفی اجرہ اذا قضی عملہ[1]۔ رواہ احمد والبزار والبیھقی وابو الشیخ فی الثواب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث۔

عامل کو اُسی وقت اجر کامل دیا جاتا ہے جب عمل تمام کرلیتا ہے۔ اسے امام احمد، بزار، بیہقی اور ابوالشیخ نے ثواب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

توسائل کے لئے بیشک بہت بڑا موقع دعا ہے کہ مولٰی کی خدمت وطاعت کے بعد اپنی حاجات عرض کرے ولہذا وارد ہُوا کہ ہر ختم قرآن پر ایک دُعا مقبول ہے بیہقی وخطیب وابونعیم وابن عساکر انس رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ[2]۔ ہر ختم کے ساتھ ایک دعا مستجاب ہے۔

طبرانی معجم کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ختم القراٰن فلہ دعوۃ مستجابۃ[3]۔ جو قرآن ختم کرے اس کے لئے ایک دعا مقبولہ ہے۔

اسی لئے روزہ دار کے حق میں ارشاد ہوا کہ افطار کے وقت اس کی ایک دُعا رد نہیں ہوتی۔ امام احمد مسند اور ترمذی بافادہ تحسین جامع اور ابنائے ماجہ وحبان وخزیمہ اپنی صحاح اور بزار مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لاترد دعوتھم الصائم حین یفطر[4] الحدیث۔ تین۳ شخصوں کی دُعا رد نہیں ہوتی ایک اُن میں روزہ دار جب افطار کرے۔ الحدیث

ابن ماجہ وحاکم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان للصائم عند فطرہ لدعوۃ ما ترد[5]۔ بیشک روزہ دار کے لئے وقتِ افطار بالیقین ایک دُعا ہے کہ رَد نہ ہوگی۔

امام حکیم ترمذی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور پُرنور

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۲۹۲
[2] شعب الایمان باب فی تعظیم القرآن حدیث ۲۰۸۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۳۷۴
[3] المعجم الکبیر مروی از عرباض بن ساریہ حدیث ۶۴۷ ؍؍ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۸/۲۵۹
[4] سنن ابن ماجہ باب فی الصائم لاترد دعوتہ الخ ؍؍ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۶
[5] ایضاً

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

لکل عبد صائم دعوۃ مستجابۃ عند افطارہ اعطیھا فی الدنیا او ذخرلہ فی الاٰخرۃ [1]

ہر روزہ دار بندے کے لئے افطار کے وقت ایک دُعا مقبول ہے خواہ دنیا میں دے دی جائے یا آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ رکھی جائے۔

وفی الباب احادیث اُخر اور بالیقین یہ فضیلت روزہ فرض و واجب ونفل سب کو عام کہ نصوص میں قید خصوص نہیں۔ ولہذا امام عبدالعظیم منذری نے دو حدیث پیشین کو الترغیب فی الصوم مطلقاً میں ایراد فرمایا، اور علامہ مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر میں زیر حدیث باب مروی عقیلی و بیہقی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد لفظ دعوۃ الصائم (روزہ دار کی دعاء ت) کے ولو نفلاً [2] (اگرچہ وہ نفلی روزہ ہو۔ت) تحریر کیا تو بلاشبہہ نماز بھی کہ افضل اعمال و اعظم ارکان اسلام اور روزے سے زائد موجب رضائے ذوالجلال والاکرام ہے یُونہی اپنے عموم و اطلاق پر رہے گی اور بعد فراغ محلیت دعا صرف فرائض سے خاص نہ ہوگی، اور کیونکر خاص ہو حالانکہ خود حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنے کا حکم دیا اور فرمایا: جو ایسا نہ کرے اُس کی نماز ناقص ہے۔ ترمذی ونسائی وابن خزیمہ حضرت فضیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور احمد و ابوداؤد وابن ماجہ حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیک یقول ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونھما وجھک وتقول یارب یارب من لم یفعل ذلک فھی کذا وکذا [3]

یعنی نماز نفل دو دو رکعت ہے ہر دو رکعت پر التحیات اور خضوع و زاری و تذلل، پھر بعد سلام دونوں ہاتھ اپنے رب کی طرف اٹھا اور ہتھیلیاں چہرے کے مقابل رکھ کر عرض کر اے میرے رب اے رب میرے جو ایسا نہ کرے تو وہ نماز چنیں وچناں یعنی ناقص ہے۔

مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مصرحاً آیا :

فمن لم یفعل ذلک فھو خداج [4] جو ایسا نہ کرے اُس کی نماز میں نقصان ہے۔

---

[1] نوادر الاصول الاصل الستون فی ان للصائم دعوۃ الخ مطبوعہ دارصادر بیروت ص ۸۳

[2] تیسیر شرح جامع الصغیر

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی التخشع فی الصلوۃ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۵۰ و ۵۱

[4] مسند احمد بن حنبل حدیث مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؍؍ دارالفکر بیروت ۴/۱۶۷

علامہ طاہر تکملہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں :

فیہ ثم تقنع یدیک وھو عطف علی محذوف ای اذا فرغت منہا فسلم ثم ارفع یدیک سائلا فوضع الخبر موضع الامر[1]

پھر ہتھیلیاں چہرے کے مقابل کرے اس کا عطف محذوف پر ہے یعنی جب ان دو رکعتوں سے فارغ ہو اور سلام کہے تو دعا کے لئے ہاتھ بلند کرے یہاں خبر امر کی جگہ مذکور ہے۔ (ت)

تیسیر میں ہے :

ای اذا فرغت منہما فسلم ثم ارفع یدیک فوضع الخبر موضع الطلب[2] الخ

یعنی جب ان دو رکعات سے فارغ ہوں پس سلام کہے پھر ہاتھ اٹھائے یہاں خبر، طلب کی جگہ ہے الخ (ت)

لاجرم جبکہ حصن حصین میں اس حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف برمز ترمذی ونسائی نے اشارہ کیا کہ قلنا یارسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاٰخر ودبر الصلوات المکتوبات[3] (ہم نے عرض کی یارسول اللہ! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے، فرمایا رات کے نصف اخیر میں اور فرض نمازوں کے بعد) مولٰنا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اس کی شرح میں لکھا :

دبر الصلوات المکتوبات ای عقیب الصلوات المفروضات والتقیید بہا لکونہا افضل الحالات فھی ارجی لاجابۃ الدعوات[4]

دبر الصلوات المکتوبات کے یہ معنے کہ فرض نمازوں کے بعد، اور ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ وہ سب حالتوں سے افضل ہیں تو ان میں امیدِ اجابت زیادہ ہے۔

دیکھو صاف صریح ہے کہ نماز کے بعد محلیتِ دعا کچھ فرضوں ہی سے خاص نہیں بلکہ اُن میں بوجہ افضلیت زیادہ خصوصیت ہے اور سائلین نے خود یہی پوچھا تھا کہ سب میں زیادہ کون سی دعا مقبول ہے لہٰذا اُن کی تقیید فرمائی گئی، بالجملہ جب تخصیصِ فرائض باطل ہوچکی تو اخراج واجبات پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اُن پر دلائل مطلقہ

---

[1] تکملہ بحار الانوار ملحق مجمع البحار — تحت لفظ قنع — مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ — ص ۱۴۷

[2] تیسیر شرح جامع الصغیر

[3] حصن حصین — اوقات الاجابۃ — مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند — ص ۲۲

جامع الترمذی — ابواب الدعوات — " امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی — ۲/۱۸۸

[4] حواشی حصن حصین — صفحہ مذکورہ کا حاشیہ ۱۶ — " افضل المطابع لکھنؤ ہند — ص ۱۴

کے سوا حدیث نافلہ برسبیل اولویت ناطق، کہ جب ادبار نوافل تک محلِ دُعا و مظنۂ اجابت ہیں تو واجبات کہ اُن سے اعلیٰ و اعظم اور ارضائے الٰہی میں اوفر واتم ہیں کیونکر اس فضل سے خارج ہوں گے ھل ھذا الا ترجیح المرجوح (یہ ترجیح مرجوح کے سوا کچھ نہیں۔ ت)

ثم اقول بلکہ واقع ونفس الامر کو لحاظ کیجئے تو فریضہ ونافلہ کے لئے ثبوتِ خاص بعینہ واجبات کے لئے ثبوت خاص ہے کہ واجب حقیقۃً کوئی تیسری چیز نہیں بلکہ انھیں دو طرفوں سے ایک میں ہے جسے شبھۃ فی الثبوت نے مجتہد کے نزدیک ایک امر متوسط کردیا صاحبِ شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس کے حضور روایۃً و درایۃً ظنون وشبہات کو بار نہیں اگر اُس کے نزدیک شیئ مطلوب فی الشرع حقیقۃً مامور بہ ہے قطعاً فرض ورنہ یقیناً نافلہ، لاثالث لھما (ان دو کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں۔ ت) تلویح میں زیرِ قول تنقیح فصل فی افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمنھا ما یقتدی بہ وھو مباح ومستحب وواجب وفرض (آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے کچھ افعال مباح، کچھ مستحب، کچھ واجب اور کچھ فرض ہیں۔ ت) تحریر فرمایا:

ان فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بالنسبۃ الینا یتصف بذلک بان جعل الوتر واجبا علیہ لامستحبا اوفرضا والا فالثابت عندہ بدلیل یکون قطعیا لامحالۃ حتی قیاسہ واجتہادہ ایضا قطعی[1] الخ

یعنی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افعال ہماری نسبت ان سے متصف ہیں مثلاً وتر آپ پر واجب تھے نہ کہ مستحب یا فرض، ورنہ آپ کے ہاں دلیل سے ثابت شدہ امر یقیناً قطعی ہوگا حتی کہ آپ کا قیاس واجتہاد بھی قطعی ہے الخ (ت)

امام محقق علی الاطلاق امامۃ الفتح میں فرماتے ہیں:

اللزوم یلاحظ باعتبارین باعتبار صدورہ من الشارع وباعتبار ثبوتہ فی حقنا فملاحظتہ بالاعتبار الثانی ان کان طریق ثبوتہ عن الشارع قطعیا کان متعلقہ الفرض وان کان ظنیا کان الوجوب ولذا لایثبت ھذا القسم اعنی الواجب فی حق من سمع من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشافھۃ

لزوم میں دو اعتبار ہیں ایک یہ کہ وہ شارع علیہ السلام سے صادر ہوا اور دُوسرا یہ کہ اس کا ثبوت ہمارے حق میں ہوا تو دوسرے اعتبار سے اگر اس کا ثبوت شارع سے قطعی ہے تو اس کا تقاضا فرضیت ہے اور اگر ثبوت ظنی ہے تو وجوب۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قسم (وجوب) اس شخص کے حق میں ثابت نہیں ہوسکتی جس نے براہِ راست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

---

[1] التوضیح والتلویح فصل فی افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۴۹۱

مع قطعیۃ دلالۃ المسموع فلیس فی حقہ الا الفرض اوغیر اللازم من السنۃ فما بعدھا وظھر بھذا ان ملاحظتہ بالاعتبار الاول لیس فیہ وجوب بل الفرضیۃ او عدم اللزوم اصلاً[1] اھ ملخصا

سُنا حالانکہ مسموع کی دلالت قطعی تھی تو اس کے حق میں وہ فرض ہی ہوگا یا لازم نہ ہوگا سنّت ہوگا یا اس سے نچلا درجہ، اس سے ظاہر ہوگیا کہ اول کے اعتبار سے وہاں وجوب نہیں بلکہ فرضیت ہے یا بالکل لزوم ہی نہیں اھ ملخصاً (ت)

پس بحمداللہ بشہادتِ قرآن وحدیث واقوالِ علماء ثابت ہُوا کہ نمازِ پنجگانہ وعیدین وتہجد وغیرہا ہرگونہ نماز کے بعد دُعا مانگنا شرعاً جائز بلکہ مندوب ومرغوب ہے وھو المطلوب۔

ثانیاً اقول وباللہ التوفیق دُعا بنصِ قرآن وحدیث واجماعِ ائمۂ قدیم وحدیث اعظم مندوباتِ شرع سے ہے اور اس کے مظانِ اجابت کی تحری مسنون ومحبوب، قال جل ذکرہ: ھنالک دعا زکریا ربہ[2] (حضرت زکریا علیہ السلام نے وہاں اپنے رب سے دعا کی۔ ت)۔ حدیث میں ہے حضور پُرنور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات، فتعرضوا لہ لعلہ ان یصیبکم نفحۃ منھا فلا تشقون بعدھا ابدا[3]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن محمد بن مسلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بیشک تمہارے رب کے لئے تمہارے زمانے کے دنوں میں کچھ وقت عطاو بخشش وتجلی وکرم وجود کے ہیں تو انھیں پانے کی تدبیر کرو شاید ان میں سے کوئی وقت تمھیں مل جائے تو پھر کبھی بدبختی تمہارے پاس نہ آئے۔ اسے طبرانی نے کبیر میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور خود حدیث نے اُن اوقات سے ایک وقت اجتماعِ مسلمین کا نشان دیا کہ ایک گروہِ مسلمانان جمع ہوکر دعا مانگے کچھ عرض کریں کچھ آمین کہیں، کتاب المستدرک علی البخاری ومسلم میں ہے:

عن حبیب بن مسلمۃ الفھری رضی اللہ تعالٰی عنہ وکان مجاب الدعوۃ قال سمعت رسول اللہ

یعنی حبیب بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ مستجاب الدعوات تھے، فرماتے ہیں میں نے حضور پُرنور سید عالم

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۱

[2] القرآن ۳/۳۸

[3] المعجم الکبیر مروی از محمد بن مسلمہ حدیث ۵۱۹ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۹/۲۳۴

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول لا یجتمع ملؤ فیدعو بعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ۔[1]

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی گروہ جمع نہ ہوگا کہ اُن کے بعض دعا کریں بعض آمین کہیں، مگر یہ کہ اللہ عزوجل اُن کی دُعا قبول فرمائے گا۔

علماء نے مجمعِ مسلمان کو اوقاتِ اجابت سے شمار کیا۔ حصن حصین میں ہے: واجتماع المسلمین[2] یعنی مجمعِ مسلمین کا اوقاتِ اجابت سے ہونا حدیثِ صحاح ستّہ سے مستفاد ہے۔ علی قاری شرح میں فرماتے ہیں:

ثم کل مایکون الاجتماع فیہ اکثر کالجمعۃ والعیدین وعرفۃ یتوقع فیہ رجاء الاجابۃ اظھر۔[3]

یعنی جس قدر مجمع کثیر ہوگا جیسے جمعہ وعیدین وعرفات میں، اسی قدر امیدِ اجابت ظاہر تر ہوگی۔

فقیر غفراللہ تعالٰی کہتا ہے پھر دُعائے نماز پر اقتصار ہرگز شرعاً مطلوب نہیں بلکہ اس کے خلاف کی طلب ثابت، خود حدیث سے گزرا حضور پُرنور سیّدِ یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اٹھاکر دُعا مانگنے کا حکم دیا اور جو ایسا نہ کرے اس کی نماز کو ناقص بتایا حالانکہ نماز میں دعائیں ہو چکیں اور وہ وقت چار بار آیا جو انتہائی درجہ قربِ الٰہی کا ہے یعنی سجود جس میں بالتخصیص حکمِ دعا تھا، حضور پُرنور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء۔[4] رواہ مسلم وابوداود والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

سب سے زیادہ قُرب بندے کو اپنے رب سے حالتِ سجود میں ہوتا ہے تو اس میں دعا کی کثرت کرو۔ اسے مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

بلکہ اگر سوال نہ بھی ہوں تو تسبیح کہ سجود میں ہوتی ہے خود دعا ہے کہ وہ ذکر ہے اور ہر ذکر دعا۔ مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: کل ذکر دعاء[5] (ہر ذکر دُعا ہے۔ ت) امام حافظ الدین النسفی

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء حبیب بن مسلمۃ کان مجیب الدعوات مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۴۷

[2] حصن حصین اوقات الاجابۃ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند ص ۲۳

[3] حرزثمین شرح حصن حصین

[4] سنن النسائی اقرب مایکون العبد من اللہ عزوجل مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۷۰

[5] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح فصل ثانی ر مکتبہ امدادیہ ملتان ۵/ ۱۱۲

کافی شرح وافی کی فصل فی تکبیر التشریق میں فرماتے ہیں :

قال تعالٰی ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ[1]۔ اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے : تم اپنے رب کو پکارو گڑگڑاکر اور آہستہ (ت)

کل ذکر دعاء[2] (ہر ذکر دعاء ہے۔ ت) اس معنی پر فقیر نے اپنے رسالہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" (دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کے جواز پر نادر تحقیق۔ ت) میں دلائل واضحہ ذکر کئے اور اس سے زیادہ کلام مستوفی فقیر کے رسالہ "نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء" (صبح کی ہوا اس بارے میں کہ اذان سے وباء ٹل جاتی ہے۔ ت) میں ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الدعوات میں باب الدعا اذا ھبط وادیا (جب کسی نچلی جگہ اُترے تو دعا کرے۔ ت) وضع کیا اور اس میں فرمایا : فیہ حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ[2] (اس بارے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث مروی ہے۔ ت)

ارشاد الساری میں ہے :

فیہ ای فی الباب حدیث جابر الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ السابق فی باب التسبیح اذا ھبط وادیا من کتاب الجہاد بلفظ کنا اذا صعدنا کبرنا واذا نزلنا سبحنا ھذا اٰخر الحدیث اھ بحذف السند۔[3]

اس میں یعنی اس مسئلہ میں حضرت جابر انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حدیث ہے جو کتاب الجہاد کے باب التسبیح اذا ھبط وادیا میں گزری ہے الفاظ یہ ہیں : جب ہم بلند جگہ چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اُترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ یہ حدیث کے آخری الفاظ ہیں اھ سند محذوف ہے۔ (ت)

دیکھو امام بخاری علیہ الرحمۃ الباری نے صرف تسبیح کو دُعا ٹھہرایا اور التسبیح اذا ھبط وادیا والدعاء اذا ھبط وادیا (جب نیچے اُترے تو تسبیح پڑھے اور جب نیچے اُترے تو دُعا کرے۔ ت) کا ایک مصداق بنایا تو باآنکہ ایسے قرب اتم کے وقت میں نماز میں دعائیں ہوچکیں پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن پر قناعت پسند نہ فرمائی اور بعد سلام پھر دعا کی تاکید شدید کی۔ علاوہ بریں نماز میں آدمی ہر قسم کی دعا نہیں مانگ سکتا کما بسط الائمۃ فی کتب الفقہیۃ (جیسا کہ ائمہ کرام نے کتب فقہیہ میں اس کی تفصیل بیان

---

[1] کافی شرح وافی فصل فی تکبیر التشریق

[2] صحیح البخاری کتاب الدعوات مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۴۴

[3] ارشاد الساری باب الدعاء اذا ھبط وادیا الخ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۹/۲۱۸

کی ہے ۔ ت) اور حاجت ہر قسم کی اپنے رب جل وعلا سے مانگا چاہیے اور طلب میں مظنۂ اجابت کی تحری کا حکم اور یہ وقت بحکم احادیث اعلیٰ مظان اجابت سے، تو بلا شبہہ مجمع عیدین میں بعد نماز دعا خاص اذن حدیث و ارشادِ شرع سے ثابت ہوئی اور حکم فتعرضوا لہا کی تعمیل ٹھہری وہو المقصود۔

ثم اقول اگر مجمع عیدین کے لئے شرع میں کوئی خصوصیت نہ آتی تو اس عموم میں دخول ثابت تھا نہ کہ احادیث نے اُس کی خصوصیت عظیم ارشاد فرمائی اور اُس میں دُعا پر نہایت تحریص و ترغیب آئی یہاں تک کہ حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس زمانۂ خیر وصلاح میں کہ فتنہ وفساد سے یکسر پاک ومنزہ تھا حکم دیتے کہ عیدین میں کنواریاں اور پردہ نشین خاتونیں باہر نکلیں اور مسلمانوں کی دُعا میں شریک ہوں حتی کہ حائض عورتوں کو حکم ہوتا مصلے سے الگ بیٹھیں اور اس دن کی دُعا میں شریک ہوجائیں، امام احمد و اصحابِ صحاح ستہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تخرج العواتق وذوات الخدور والحیض ویعتزل الحیض المصلی ولیشہدن الخیر ودعوۃ المسلمین[1]۔

نوجوان کنواریاں اور پردہ والیاں اور حائض عورتیں سب عیدگاہ کو جائیں اور حیض والیاں عیدگاہ سے الگ بیٹھیں اور اس بھلائی اور مسلمانوں کی دُعا میں حاضر ہوں۔

صحیح بخاری کی دوسری روایت ان لفظوں سے ہے:

قالت کنا نؤمر ان نخرج یوم العید حتی تخرج البکر من خدرھا حتی تخرج الحیض فیکن خلف الناس فیکبرن بتکبیرھم ویدعون بدعائھم یرجون برکۃ ذلک الیوم وطھرتہ[2]۔

یعنی ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم عورتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ عید کے دن باہر جائیں یہاں تک کہ کنواری اپنے پردے سے باہر نکلے یہاں تک کہ حیض والیاں باہر آئیں صفوں کے پیچھے بیٹھیں مسلمانوں کی تکبیر پر تکبیر کہیں اور اُن کی دُعا کے ساتھ دعا مانگیں اس دن کی برکت و پاکیزگی کی امید کریں۔

امام بیہقی اور ابوالشیخ ابن حبان کتاب الثواب میں حضرت[ع] عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ع اقول اس حدیث نفیس کا شاہد بروایت امام عقیلی حدیث انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرویاتِ فقیر میں بندہ ضعیف سے حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سند موجود ہے والحمدللہ ۱۲ منہ (م)

۱؎ صحیح البخاری باب شہود الحائض العیدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷ و ۱۳۴

۲؎ " " " " " ۱/ ۱۳۲

ہے راوی :

انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول اذا کانت غداۃ الفطر بعث اللہ عزوجل الملئکۃ فی کل بلد (وذکر الحدیث الی ان قال) فاذا برزوا الی مصلاھم فیقول اللہ عزوجل (وساق الحدیث الی ان قال) ویقول یا عبادی سلونی فوعزتی و جلالی لاتسئلونی الیوم شیئا فی جمعکم لاٰخرتکم الا اعطیتکم ولالدنیاکم الا نظرت لکم، فوعزتی لاسترن علیکم عثراتکم ما راقبتمونی وعزتی وجلالی لا اخزیکم ولا افضحکم بین اصحاب الحدود وانصرفوا مغفورا لکم قد ارضیتمونی ورضیت عنکم ؎ (مختصر من حدیث طویل)

یعنی حضور پُرنور سیّد یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا : جب عید کی صبح ہوتی ہے مولیٰ سبحٰنہ تعالیٰ ہر شہر میں فرشتے بھیجتا ہے (اس کے بعد حدیث میں فرشتوں کا شہر کے ہر ناکہ پر کھڑا ہونا اور مسلمانوں کو عیدگاہ کی طرف بلانا بیان فرمایا، پھر ارشاد ہوا جب مسلمان عیدگاہ کی طرف میدان میں آتے ہیں (مولیٰ سبحٰنہ تعالیٰ فرشتوں سے یوں فرماتا ہے اور ملائکہ اس سے یُوں عرض کرتے ہیں) پھر فرمایا رب تبارک وتعالیٰ مسلمانوں سے ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندو! مانگو کہ قسم مجھے اپنے عزت و جلال کی آج اس مجمع میں جو چیز اپنی آخرت کے لئے مانگوگے میں تمھیں عطا فرماؤں گا اور جو کچھ دنیا کا سوال کروگے اُس میں تمھارے لئے نظر کروں گا (یعنی دنیا کی چیزیں خیر وشر دونوں کو متحمل ہیں اور آدمی اکثر اپنی نادانی سے خیر کو شر، شر کو خیر سمجھ لیتا ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے لہذا دنیا کے لئے جو کچھ مانگوگے اُس میں بکمال رحمت نظر فرمائی جائے گی، اگر وُہ چیز تمھارے حق میں بہتر ہُوئی عطا ہوگی ورنہ اس کے برابر بلا دفع کریں گے یا دُعا روزِ قیامت کے لئے ذخیرہ رکھیں گے اور یہ بندے کے لئے ہرصورت سے بہتر ہے) مجھے اپنی عزت کی قسم ہے جب تک تم میرا مراقبہ رکھو گے میں تمھاری لغزشوں کی ستاری فرماؤں گا، مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں تمھیں اہلِ کبائر میں فضیحت ورُسوا نہ کروں گا پلٹ جاؤ مغفرت پائے ہُوئے، بیشک تم نے مجھے راضی کیا اور میں تم سے خوشنود ہُوا۔

فقیر غفرلہ الغنی القدیر کہتا ہے اس کلام مبارک کا اوّل یا عبادی سلونی ہے یعنی اے میرے بندو! مجھ سے دعا کرو، اور آخر انصرفوا مغفورا لکم یعنی گھروں کو پلٹ جاؤ کہ تمھاری مغفرت ہُوئی۔

؎ شعب الایمان ۲۳ باب فی الصیام فصل فی لیلۃ القدر مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۳۳۶-۳۷

توظاہر ہُوا کہ یہ ارشاد بعدِ ختمِ نماز ہوتا ہے کہ ختم نماز سے پہلے گھروں کو واپس جانے کا حکم ہرگز نہ ہوگا تو اس حدیث سے مستفاد کہ خود رب العزت جل وعلا بعد نمازِ عید مسلمانوں سے دُعا کا تقاضا فرماتا ہے پھر وائے بدبختی اُس کی جو ایسے وقت مسلمانوں کو اپنے رب کے حضور دُعا سے رو کے نسأل اللہ العفو والعافیۃ اٰمین (ہم اللہ تعالٰی سے فضل و بخشش طلب کرتے ہیں۔ آمین۔ ت)

ثالثاً اقول وباللہ التوفیق ابوداؤد و ترمذی و نسائی وابن حبان وحاکم باسانید صحیحہ جیدہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابوداود و دارمی و ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور نسائی و طبرانی بسند صحیح و ابن ابی الدنیا اور حاکم بافادۂ تصحیح حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اور نسائی وحاکم بتصریح تصحیح و ابوالقاسم طبرانی باسانید جیدہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ اور نسائی و ابن ابی الدنیا وحاکم و بیہقی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا جلس احدکم فی مجلس فلا یبرحن منہ حتی یقول ثلث مرات سبحٰنك اللھم ربنا وبحمدك لا الٰہ الا انت اغفرلی وتب علی فانکان اتی خیرا کان کالطابع علیہ وان کان مجلس لغو کان کفارۃ لما کان فی ذلك المجلس[1]

جب تم میں کوئی کسی جلسے میں بیٹھے تو زنہار وہاں سے نہ ہٹے جب تک تین بار یہ دُعا نہ کرلے" پاکی ہے تجھے اے رب ہمارے، اور تیری تعریف بجالاتا ہوں، تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں میرے گناہ بخش اور مجھے توبہ دے" کہ اگر اس جلسے میں اُس نے کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ دُعا اس پر مُہر ہوجائے گی اور اگر وہ جلسہ لغو کا تھا جو کچھ اُس میں گزرا یہ دعا اس کا کفارہ ہوجائے گی۔

یہ لفظ بروایت امام ابوبکر ابن ابی الدنیا حدیث جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہیں، اور ابوبرزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں یُوں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کوئی

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/۴۱۱
المعجم الکبیر مروی از جبیر بن مطعم مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲/۱۳۹
المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۵۳۷

اذا جلس مجلسا یقول فی اٰخرہ اذا اراد ان یقوم من المجلس سبحٰنک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک و اتوب الیک[1]

جلسہ فرماتے تو اس کے ختم میں اُٹھتے وقت یہ دعا کرتے "تیری پاکی بولتا اور تیری حمد میں مشغول ہوتا ہوں اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں میں تیری مغفرت مانگتا اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں"۔

اسی طرح رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں لفظ اراد ان ینھض[2] ہے یعنی جب اٹھنا چاہتے یہ دعا فرماتے۔ اور انھوں نے بعد الفاظِ مذکورہ دُعا میں اتنے الفاظ اور زائد کئے:

عملت سوءً وظلمت نفسی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت[3]

میں نے بُرا کیا اور اپنی ہی جان کو آزار پہنچایا اب میری مغفرت فرمادے بیشک تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں۔

حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دعا میں مثل حدیثِ ابوبرزہ ہے اُس میں بھی ارشاد ہوا: قبل ان یقوم من مجلسہ[4] کھڑے ہونے سے پہلے دُعا کرتے۔

غرض اس حدیث صحیح مشہور علی اصول المحدثین میں جسے امام ترمذی نے حسن صحیح اور حاکم نے برشرطِ مسلم صحیح اور منذری نے جید الاسانید کہا، حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عام ارشاد و ہدایت قولی و فعلی فرماتے ہیں کہ آدمی کوئی جلسہ کرے اُس سے اُٹھتے وقت یہ دعا ضرور کرنی چاہئے کہ اگر جلسہ خیر کا تھا تو وُہ نیکی قیامت تک سربمہر محفوظ رہے گی اور لغو کا تھا تو وہ لغو باذن اللہ محو ہوجائے گا تو لفظ و معنٰی دونوں کی رُو سے ثابت ہُوا کہ ہر مسلمان کو ہر نماز کے بعد بھی اس دُعا کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جہت لفظ

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ سنن ابی داود کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۴۱۱
سنن الدارمی ۲۹- باب فی کفارۃ المجالس مطبوعہ مدینہ منورہ (حجاز) ۲/ ۱۹۵

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعا دعاء کفارۃ المجالس " دار الفکر بیروت ۱/ ۵۳۷
الترغیب والترہیب بحوالہ نسائی وحاکم و ابوداؤد و ابن حبان مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۴۱۱

[3] " " " " " " " " " " " " "

[4] " " " " " " " " " " " " "
جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۸۱

سے تو یُوں کہ مجلس نکرہ سیاقِ شرط میں واقع ہے تو عام ہوا، تلخیص الجامع الکبیر میں ہے:

النکرۃ فی الشرط تعم و فی الجزاء تخص کہی فی النفی والاثبات[1]

نکرہ مقامِ شرط میں عموم اور مقامِ جزا میں خصوص کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ نفی و اثبات میں ہے۔ (ت)

جامع صغیر میں ہے:

انہ نکرۃ فی موضع الشرط و موضع الشرط نفی والنکرۃ فی النفی تعم[2]

یہ موضع شرط میں نکرہ ہے اور مقامِ شرط نفی ہے اور نکرہ مقامِ نفی میں عموم کا مفید ہوتا ہے۔ (ت)

معہذا اسمائے شروط سب صورتوں کو عام ہوتے ہیں، امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

اذا عام فی الصور علی ماھو حال اسماء الشرط[3]

اذا تمام صورتوں میں عام ہے جیسا کہ اس شرط کا حال ہوتا ہے۔ (ت)

تو قطعاً تمام صلوات فریضہ و واجبہ و نافلہ کے جلسے اس حکم میں داخل اور ادعائے تخصیص بے مخصص محض مردود و باطل، اور بجہت معنے سے یُوں کہ جلسہ خیر سے اُٹھتے وقت یہ دُعا کرنا اُس خیر کے نگاہداشت کے لئے ہے تو جو خیر جس قدر اکبر و اعظم اُسی قدر اُس کا حفظ ضروری و اہم، اور بلا شبہہ خیر نماز سب چیزوں سے افضل و اعلیٰ تو ہر نماز کے بعد اس دعا کا مانگنا مؤکدتر ہوا یا رب، مگر نمازِ عیدین نماز نہیں یا اس کے حفظ کی جانب نیاز نہیں یا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ ہمارا یہ ارشاد ماورائے عیدین یا ما سوائے نماز میں ہے یا اس کے بعد یہ دُعا کرنا، سبحٰن اللہ مَیں جلسۂ صلوات کا اس حکم میں دخول عمومِ لفظ و شہادتِ معنی سے ثابت کرتا ہوں خود حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کیوں نہ ذکر کروں جس میں صاف تصریح کہ حضور پُرنور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس جلسۂ نماز کو اس حکم میں داخل فرمایا تخریج حدیث تو اوپر سُن چکے کہ نسائی و ابن ابی الدنیا و حاکم و بیہقی نے روایت کی اب لفظ سنئے، سنن نسائی کی نوع من الذکر بعد التسلیم میں ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

یعنی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب

---

[1] تلخیص الجامع الکبیر

[2] الجامع الصغیر

[3] فتح القدیر

كان اذا جلس مجلسا او صلى تكلم بكلمات فسألته عائشة عن الكلمات فقال ان تكلم بخير كان طابعا عليهن الى يوم القيمة وان تكلم بشر كان كفارة له سبحنك اللهم وبحمدك استغفرك واتوب اليك۔[1]

کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے کچھ کلمات فرماتے، ام المومنین نے وہ کلمات پوچھے۔ فرمایا وہ ایسے ہیں کہ اگر اس جلسہ میں کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ قیامت تک اس پر مُہر ہوجائیں گے اور بُری کہی ہے تو کفارہ۔ الٰہی! میں تیری تسبیح وحمد بجا لاتا اور تجھ سے استغفار و توبہ کرتا ہوں۔

پس بحمد اللہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوگیا کہ نمازِ عیدین کے بعد دُعا مانگنے کی خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تاکید فرمائی لفظ لا یبرحن بنون تاکید ارشاد ہوا بلکہ انصاف کیجئے تو حدیثِ ام المومنین صلی اللہ تعالٰی علی زوجہا الکریم وعلیہا وسلم خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بعد نماز عیدین دعا مانگنا بتارہی ہے کہ صلے زیر اذا داخل تو ہر صورت نماز کو عام وشامل اور منجملہ صور نمازِ عیدین۔ تو حکم مذکور انھیں بھی متناول، پس یہ حدیثِ جلیل بحمد اللہ خاص جزئیہ کی تصریح کامل۔

رابعًا اقول وباللہ التوفیق ان سب سے قطع نظر کیجئے تو دُعا مطلقًا اعظم مندوباتِ دینیہ و اجل مطلوباتِ شرعیہ سے ہے کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں بے تقییدِ وقت و تخصیصِ ہیاٰت مطلقًا اس کی اجازت دی اور اُس کی طرف دعوت فرمائی اور اس کی تکثیر کی رغبت دلائی اور اس کے ترک پر وعید آئی۔ مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی فرماتا ہے:

وقال ربکم ادعونی استجب لکم۔[2]

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

اور فرماتا ہے:

اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔[3]

قبول کرتا ہوں دُعا کرنے والے کی دُعا جب مجھے پکارے۔

حدیثِ قدسی میں فرماتا ہے:

---

[1] سنن النسائی کتاب السہو نوع من الذکر بعد التسلیم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۹۷

[2] القرآن ۴۰/۶۰

[3] " " ۲/۱۸۶

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا دَعَانِیْ۔[1] رواہ البخاری و مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ۔

میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں اور میں اُس کے ساتھ ہوں جب مجھ سے دُعا کرے۔ اسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ نے اپنے رب عزوجل سے روایت کیا۔

اور فرماتا ہے:

یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَا کَانَ مِنْکَ وَلَا اُبَالِیْ۔[2] رواہ الترمذی وحسنہ عن انس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ تبارک و تعالٰی۔

اے فرزندِ آدم! تُو جب تک مجھ سے دُعا مانگے جائیگا اور اُمید رکھے گا تیرے کیسے ہی گناہ ہوں بخشتا رہوں گا اور مجھے کچھ پروا نہیں۔ ترمذی نے روایت کرکے اسے حسن قرار دیا ہے اور اسے حضرت انس بن مالک سے انھوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ نے اپنے رب تبارک و تعالٰے سے بیان فرمایا۔

اور فرماتا ہے عزوجل:

مَنْ لَّا یَدْعُوْنِیْ اَغْضِبْ عَلَیْہِ۔[3] رواہ العسکری فی المواعظ بسند حسن عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ تعالٰی و تقدس۔

جو مجھ سے دُعا نہ کرے گا میں اس پر غضب فرماؤں گا۔ اسے عسکری نے مواعظ میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اور آپ نے رب تعالٰی و تقدس سے بیان فرمایا۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۰۱
صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء " نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۴۱ و ۳۴۳ و ۳۵۴
[2] جامع الترمذی ابواب الزہد مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۶۲
[3] کنز العمال بحوالہ العسکری فی المواعظ حدیث ۳۱۲۱ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۲/ ۶۳
سنن ابن ماجہ باب فضل الدعاء مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۰

احادیثِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس باب میں سرحدِ تواتر پر خیمہ زن، ایک جملہ صالحہ اُن سے حضرت خاتم المحققین سنام المدققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے رسالہ مستطابہ "احسن الوعا لآداب الدعا" میں ذکر فرمایا اور فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس کی شرح مسمّٰی بہ "ذیل المدعا لاحسن الوعا" میں اُن کی تخریجات کا پتا بتایا، باقی کتاب الترغیب امام منذری و حصن حصین امام ابن الجزری وغیرہما تصانیفِ علماان احادیث کی کفیل ہیں، میں بخوفِ اطالت احادیثِ فضائل سے عطف عنان کرکے صرف اُن بعض حدیثوں پر اقتصار کرتا ہوں جن میں دُعا کی تاکید یا اُس کے ترک پر تہدید یا اُس کی تکثیر کا حکمِ اکید ہے۔

حدیث ۱: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم عباد اللّٰہ بالدعاء[1]۔ رواہ الترمذی مستغربًا والحاکم وصححہ۔

خدا کے بندو! دُعا کو لازم پکڑو۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے غریب کہا اور حاکم نے روایت کرکے صحیح کہا۔

حدیث ۲: زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلوا علیّ واجتھدوا فی الدعاء[2]۔ رواہ الامام احمد والنسائی والطبرانی فی الکبیر وابن سعد وسمویہ والبغوی والباوردی وابن قانع۔

مجھ پر درود بھیجو اور دُعا میں کوشش کرو۔ اسے امام احمد، نسائی اور طبرانی نے کبیر میں، ابن سعد، سمویہ، بغوی، باوردی اور ابن قانع نے روایت کیا۔

حدیث ۳: انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتعجزوا فی الدعاء فانہ لن یھلك مع الدعاء احد[3]۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ۔

دُعا میں تقصیر نہ کرو جو دُعا کرتا رہے گا ہرگز ہلاک نہ ہوگا۔ اسے ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے روایت کرکے صحیح قرار دیا۔

حدیث ۴: جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تدعون اللّٰہ لیلکم ونھارکم فان الدعاء

رات دن خدا سے دُعا مانگو کہ دعا مسلمان کا

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۹۳

[2] سنن النسائی باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۹۰

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۴۹۴

سلاح المؤمن[1] رواہ ابویعلی — ہتھیار ہے۔ اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے۔

حدیث ۵: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثروا الدعاء بالعافیۃ[2] رواہ الحاکم بسند حسن۔ — عافیت کی دعا اکثر مانگ۔ امام حاکم نے اسے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حدیث ۶: انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثر من الدعاء فان الدعاء یرد القضاء المبرم[3] اخرجہ ابوالشیخ فی الثواب۔ — دعا کی کثرت کرو کہ دعا قضائے مبرم کو رَد کرتی ہے۔ اسے ابوالشیخ نے ثواب میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث کی شرح فقیر کے رسالہ ذیل المدعا میں دیکھئے۔

حدیث ۷ و ۸: عبادہ صامت وابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں ہے ایک بار حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دُعا کی فضیلت ارشاد فرمائی، صحابہ نے عرض کی: اذا نکثر ایسا ہے تو ہم دُعا کی کثرت کریں گے، فرمایا: اللہ اکثر اللہ عزوجل کا کرم بہت کثیر ہے وفی الروایۃ الاخری (دُوسری روایت میں ہے۔ ت) اللہ اکبر اللہ بہت بڑا ہے،

رواہ الترمذی والحاکم عن عبادۃ وصححاہ واحمد والبزار وابویعلی باسانید جیدۃ والحاکم وقال صحیح الاسناد عن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ — اسے امام ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے صحیح قرار دیا، امام احمد، بزار اور ابویعلٰی نے اسانید جیدہ کے ساتھ روایت کیا ہے اور حاکم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (ت)

حدیث ۹ و ۱۰: سلمان فارسی وابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں ہے حضورِ والا صلی اللہ

---

[1] مسند ابی یعلی مروی از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۸۰۶ مطبوعہ موسستہ علوم القرآن بیروت ۲/۳۲۹

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۵۲۹

[3] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۱۲۰ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۲/۶۳

[4] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۷۳

مسند احمد بن حنبل مروی از ابوسعید الخدری مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۱۸

تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من سرہ ان یستجیب اللہ لہ عند الشدائد فلیکثر من الدعاء عند الرخاء[1]۔ رواہ الترمذی عن ابی ھریرۃ والحاکم عنہ وعن سلمان وقال صحیح واقروہ۔

جسے خوش آئے کہ اللہ تعالٰی سختیوں میں اس کی دُعا قبول فرمائے وہ نرمی میں دُعا کی کثرت رکھے۔ اسے ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور حاکم نے ان سے اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے فرمایا کہ یہ صحیح ہے اور محدثین نے اس کی صحت کو برقرار رکھا۔

حدیث ۱۱: ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من لم یسأل اللہ یغضب علیہ[2]۔ رواہ احمد وابن ابی شیبۃ والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن ماجۃ والبزار وابن حبان والحاکم وصححاہ۔

جو اللہ تعالٰی سے دُعا نہ کرے گا اللہ تعالٰی اس پر غضب فرمائے گا۔ اسے امام احمد، ابن ابی شیبہ اور بخاری نے ادب المفرد میں، ترمذی، ابن ماجہ، بزار، ابن حبان اور حاکم نے روایت کرکے صحیح کہا۔

ایّہا المسلمون تم نے اپنے مولا جل وعلا اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادات سُنے اُن میں کہیں بھی تخصیص و تقیید کی بُو ہے، یہ تو بارہا فرمایا کہ دُعا کرو، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں نماز کے بعد نہ کرو؟ یہ تو صاف ارشاد ہوا ہے کہ جس وقت دعا کرو گے میں سُنوں گا، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں وقت کرو گے تو سنوں گا؟ یہ تو بتاکید بار بار حکم آیا ہے کہ دُعا سے عاجز نہ ہو، دعا میں کوشش کرو، دعا کو لازم پکڑو، دعا کی کثرت رکھو، رات دن دُعا مانگو، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد نہ مانگو؟ یہ تو ڈر سُنایا گیا ہے کہ جو دُعا نہ مانگے گا اس پر غضب ہوگا، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد جو مانگے گا اس سے اللہ تعالٰی ناراض ہوگا؟ اور جب کہیں نہیں تو خدا اور رسول جل وجلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس چیز کو عام و مطلق رکھا دوسرا اسے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۴

[2] " " " ۲/ ۱۷۳

ادب المفرد باب ۲۸۶ حدیث ۶۵۸ " المکتبۃ الاثریۃ سانگہ ہل ص ۱۷۱

مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ " دار الفکر بیروت ۲/ ۴۴۳

مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الدعاء حدیث ۹۲۱۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۰/ ۲۰۰

مخصوص ومقید کرنے والا کون؟ خدا ورسول عزّ مجدہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس چیز سے منع نہ فرمایا دوسرا اسے منع کرنے والا کون؟ قال تعالٰی:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝[1]

اور نہ کہو اسے جو تمہاری باتیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔

اصل یہ ہے کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ[2] حکم صرف خدا ہی کے لئے ہے۔ جس چیز کو اس نے کسی ہیأتِ خاصہ محلِ معیّن سے مخصوص اور اس پر مقصور ومحصور فرمایا اُس سے تجاوز جائز نہیں جو تجاوز کرے گا دین میں بدعت نکالے گا اور جس چیز کو اُس نے ارسال واطلاق پر رکھا ہرگز کسی ہیأت ومحل پر مقتصر نہ ہوگی اور ہمیشہ اپنے اطلاق ہی پر رہے گی جو اس سے بعض صور کو جدا کرے گا دین میں بدعت پیدا کرے گا ذکر ودُعا اسی قبیل سے ہیں کہ زنہار شرع مطہر نے اُنھیں کسی قید وخصوصیت پر محصور نہ فرمایا بلکہ عموماً ومطلقاً اُن کی تکثیر کا حکم دیا۔ دُعا کے بارے میں آیات وحدیث سُن ہی چکے اور دلائل مطلقہ تکثیر ذکر جنھیں اس سلسلہ شمار میں (**خامساً**) کہئے کہ ہر دُعا بالبداہۃ ذکرِ الٰہی ہے اور اُس پر علما نے تنصیص بھی فرمائی، مولانا قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: کل دعاء ذکر (ہر دُعا ذکر ہے۔ ت) تو اجازت عامّہ ذکر کے دلائل بعینہا اجازت عامہ کے دلائل ہیں کہ تعمیم افراد اعم[عہ] یا مساوی، لاجرم تعمیم افراد اخص مساوی ہے کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ت) ان دلائل جلائل کا وفور کامل حد احصا کا طرف مقابل، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے رسالہ نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء میں اس مدعا پر بکثرت آیات واحادیث لکھیں، ازانجملہ حدیث حسن ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عہ ذکر اعم صرف بنظرِ کلیہ حاضرہ ہے ورنہ سابق گزرا کہ دوسری طرف سے یہی کلیہ ہے تو دعا و ذکر قطعاً متساوی اور اب اتحاد ادلہ اور یہی واضح وجلی ۱۲ منہ (م)۔

---

[1] القرآن ۱۶/ ۱۱۶

[2] القرآن ۶/ ۵۷

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون[1] ذکرِ الٰہی کی یہاں تک کثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔

و حدیث حسن عبداللہ بن بُسر رضی اللہ تعالٰی عنہ سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لایزال لسانک رطبا من ذکر اللہ[2] ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں تر زبان رہ۔

حدیث جیدالاسناد ام انس رضی اللہ تعالٰی عنہا حضورِ والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اکثری من ذکر اللہ فانک لاتاتین بشیئ احب الیہ من کثرۃ ذکرہ[3] اللہ کا ذکر بکثرت کر کہ تُو کوئی چیز ایسی نہ لائے جو خدا کو اپنی کثرتِ ذکر سے زیادہ پیاری ہو۔

و حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: من لم یکثر ذکر اللہ فقد برئ من الایمان[4] جو ذکرِ الٰہی کی کثرت نہ کرے وہ ایمان سے بیزار ہوگیا۔

و حدیث صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ تعالٰی علی کل احیانہ[5] حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر وقت ذکرِ خدا فرمایا کرتے۔

الٰی غیر ذٰلک من الاحادیث والاٰثار (ان کے علاوہ متعدد احادیث و آثار ہیں۔ ت) یہاں صرف بعض آیات اور ان کی تفسیروں پر اقتصار ہوتا ہے جو عموم تمامی اوقات و احوال میں نص ہیں:

آیت ۱: قال جل ذکرہ:

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ[6] اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

علمائے کرام اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جمیع احوال میں ذکرِ الٰہی و دُعا کی مداومت کرو۔ بیضاوی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۹۹
[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۳
[3] دُرِمنثور بحوالہ الطبرانی ذکراً کثیراً کے تحت مذکور ہے مطبوعہ آیۃ العظمٰی قم ایران ۵/ ۲۰۵
[4] " " المعجم الاوسط " "
الترغیب والترہیب کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۰۱
[5] سُنن ابی داؤد باب فی الرجل یذکر اللہ تعالٰی علی غیر وضوء مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴
[6] القرآن ۴/ ۱۰۳

میں ہے:

داوموا علی الذکر فی جمیع الاحوال[1] — تمام احوال میں وہ ذکر پر مداومت کر لیتے ہیں (ت)

ای داوموا علی ذکر اللہ تعالٰی فی جمیع الاحوال[2] — یعنی وہ تمام احوال میں اللہ تعالٰی کے ذکر پر دوام اختیار کرتے ہیں۔ (ت)

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

داوموا علی الذکر اللہ تعالٰی وحافظوا علی مراقبتہ ومناجاتہ ودعائہ فی جمیع الاحوال[3] — یہ تمام احوال میں اللہ تعالٰی کے ذکر پر مداومت کرتے ہیں اور مراقبہ، مناجات اور رب سے دعا کی محافظت کرتے ہیں۔ (ت)

آیت ۲: قال عزّ اسمہ:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا[4] — اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بکثرت کرو۔

علامۃ الوجود مفتی ابوالسعود ارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں: یعم الاوقات والاحوال[5] یہ آیت تمام اوقات واحوال کو عام ہے۔

آیت ۳: قال تعالٰی شانہٗ:

فَاذْکُرُوا اللہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا[6] — اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں: اریدبہ ذکر اللہ تعالٰی فی الاوقات کلھا[7] اس

---

[1] انوار التنزیل المعروف بتفسیر البیضاوی آیۃ مذکورہ کے تحت مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۰۴

[2] تفسیر النسفی المعروف بتفسیر المدارک " " " دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۴۸

[3] تفسیر ارشاد العقل السلیم " " " احیاء التراث الاسلامی بیروت ۲/۲۲۸

[4] القرآن ۳۳/۴۱

[5] تفسیر ارشاد العقل السلیم آیۃ مذکورہ کے تحت مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی بیروت ۷/۱۰۶

[6] القرآن ۲/۲۰۰

[7] کافی شرح وافی

آیت سے یہ مراد کہ ذکرِ الٰہی جمیع اوقات میں کرو۔

آیت ۴ : قال تبارك مجده ،

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا[1] اور بکثرت خدا کا ذکر کرو۔

معالم میں ہے : فی جمیع المواطن علی السراء والضراء[2] تمام مواضع میں خوشی و تکلیف میں۔

آیت ۵ : قال تقدس اوصافه :

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا[3] خدا کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور بکثرت یاد کرنے والی عورتوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

مولٰنا شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں :

لا یخفی ان الذکر والتسبیح والتھلیل والدعاء لاباس بہ لانھا مشروعۃ فی کل الامکنۃ و الازمان[4] پوشیدہ نہیں کہ ذکر و تسبیح و تہلیل و دعا میں کچھ مضائقہ نہیں کہ یہ چیزیں تو ہر جگہ اور ہر وقت مشروع ہیں۔

اللہ اللہ کیا ستم جری ہیں وہ لوگ کہ قرآن و حدیث کی ایسی عام مطلق اجازتوں کے بعد خواہی نخواہی بندگانِ خدا کو اس کی یاد و دعا سے روکتے ہیں حالانکہ اُس نے ہرگز اس دعا سے ممانعت نہ فرمائی،

قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ[5] اے حبیب! ان سے پُوچھئے کہ اللہ نے اس کی تمھیں اجازت دی ہے یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ (ت)

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پس بحمد اللہ آفتابِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ دعائے مذکور فی السوال قطعاً جائز و مندوب، اور اس سے ممانعت محض بے اصل و باطل و معیوب،

---

[1] القرآن ۸/۴۵ و ۶۲/۱۰

[2] معالم التنزیل علی ہامش خازن پ ۲۱ مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۵/۲۴۵

[3] القرآن ۳۳/۳۵

[4] ماثبت بالسنۃ

[5] القرآن ۱۰/۵۹

والحمد للّٰہ ھادی القلوب والصلٰوۃ والسلام علٰی شفیع الذنوب واٰلہ وصحبہ عدیمی العیوب ماتناوب للشمس الطلوع والغروب اٰمین!

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو دل کو رہنمائی عطا کرنے والا ہے اور صلٰوۃ وسلام ہوگنا ہوں کی شفاعت کرنے والے پر آپ کی آل واصحاب پر جن کے عیوب معدوم ہیں جب تک شمس کے لئے طلوع وغروب ہے، آمین! (ت)

العید الثانی وبجود الجیب حصول الامانی (اللہ تعالٰی کی توفیق ہی سے مقاصد کا حصول ہے۔ ت) پہلے وُہ فتوٰی پیشِ نظر رکھ لیجئے کہ مستندین کا حاصل سعی ومبلغ وہم ظاہر ہو حاشا اس فتوے میں جواز وعدمِ جواز کی اصلاً بحث نہیں، نہ سائل نے اس سے پوچھا نہ مجیب نے ناجائز لکھا بلکہ **سوال** یوں ہے ما قولھم رحمھم اللہ تعالٰی (ان رحمہم اللہ تعالٰی کا کیا قول ہے۔ ت) اس مسئلہ میں کہ جناب رسولِ مقبول علیہ الصلٰوۃ والسلام اور اصحاب وتابعین وتبع تابعین وائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین بعد نماز عیدین کے دُعا مانگتے تھے یا بعد پڑھنے خطبہ عیدین کے کھڑے کھڑے یا بیٹھ کر یا بدون ہاتھ اٹھائے بینوا وافتوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ یحسن الماٰب (کتاب کی سند کے ساتھ اسے بیان کرکے اللہ تعالٰی کے ہاں سے بہتر اجر وجزا پاؤ۔ ت) اور **جواب** یہ ھوالمصوب روایاتِ حدیث سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز عید سے فراغت کرکے خطبہ پڑھتے تھے اور بعد اس کے معاودت فرماتے، دعا مانگنا بعد نماز یا خطبہ کے آپ سے ثابت نہیں، اسی طرح صحابہ کرام وتابعینِ عظام سے ثبوت اس امر کا نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

محمد عبدالحی ابوالحسنات

اقول وباللہ التوفیق وبہ العروج علی اوج التحقیق (اللہ کی توفیق اور تحقیق کی بلندی پر اسی سے عروج ہے۔ ت) قطع نظر اس سے کہ یہ فتوٰی محلِ احتجاج میں کہاں تک پیش ہوسکتا ہے حضرات مانعین کو ہرگز مفید نہ ہمیں مضر، جواز وعدم کا تو اس میں ذکر ہی نہیں، سائل ومجیب دونوں کا کلام ورود وعدمِ ورود میں ہے پھر مجیب نے صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت نہ ہونے پر جزم بھی نہ کیا صرف اپنی نظر سے نہ گزرنا لکھا اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نہیں اور نہ دیکھا میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہاں کے جواکابر ماہرانِ فنِ حدیث ہیں بارہا فرماتے ہیں ہم نے نہ دیکھی اور دُوسرے محدثین اس کا پتا دیتے ہیں فقیر نے اس کی متعدد مثالیں اپنے رسالہ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین میں ذکر کیں پھر یہ نہ دیکھنا بھی مجیبِ خاص اپنا بیان کر رہے ہیں نہ کہ ائمہ شان نے اس طرح کی تصریح فرمائی، کہ ایسا ہوتا تو نظر سے نہ گزرا کے

عوض اس امام کا ارشاد نقل کرتے خصوصاً جبکہ سائل درخواست کرچکا تھا کہ بینوا وافتوا بسند الکتاب (کتاب کی سند کے ساتھ بیان کرو اور فتوٰی دو۔ت) تو آج کل کے ہندی علماء کا نہ دیکھنا نہ ہونے کی دلیل کیونکر ہوسکتا ہے۔ آخر نہ دیکھا کہ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے حدیث صحیح سے اُس کا نص صریح ائمۂ تابعین قدست اسرارہم سے واضح کردیا والحمد للہ رب العلمین پھر خصوص جزئیہ سے قطع نظر کیجئے جس کا التزام عقلاً ونقلاً کسی طرح ضرور نہیں جب تو فقیر نے خود حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جس جس طرح اس کا ثبوت روشن کیا منصف غیر متعسف اس کی قدر جانے گا والحمد للہ والمنۃ، پھر سوال میں تبع تابعین وائمہ اربعہ سے استفسار تھا مجیب نے اُن کی نسبت اُس قدر بھی نہ لکھا کہ نظر سے نہ گزرا، اب خواہ ان سے ثبوت نہ دیکھا یا پوری بات کا جواب نہ ہوا، بہر حال محلِ نظر و استناد مستند صرف اس قدر کہ مجیب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نفی ثبوت کرتے ہیں اور تقریب یہ کہ حدیثوں میں یہی وارد ہے کہ نماز کے متصل خطبہ اور خطبہ کے متصل معاودت فرماتے تو دعا کا وقت کون سا رہا' اس تقدیر پر ثبوتِ عدم کا ادعا ہوگا' دوسرے یہ کہ حدیثوں میں صرف نماز وخطبہ ومعاودت کا ذکر ہے دعا مذکور نہیں، یہ عدمِ ثبوت کا دعوٰی ہوگا، اور کلامِ مجیب سے یہی ظاہر ہے کہ 'ثابت نہیں' کہتے ہیں' نہ کہ نہ کرنا ہی ثابت ہے،' اور لفظ' اسی قدر معلوم ہوتا ہے' بھی اسی طرف ناظر، کہ اگر اس سے اثباتِ عدم مقصود ہوتا تو طرزِ ادا یہ تھی کہ حدیثوں سے صاف ثابت کہ نماز وخطبہ ومعاودت میں فصل نہ تھا، پس دُعا نہ مانگنا ثابت ہُوا بایں ہمہ شاید حضرات مانعین اپنے نفع کے گمان سے کلامِ مجیب کو خواہ مخواہ محمل اول پر حمل کریں، لہذا فقیر غفرلہ المولی القدیر دونوں محمل پر کلام کرتا ہے وباللہ التوفیق۔

محمل اوّل پر یہ کلام خود ہی بوجوہ کثیر باطل :

اوّلاً یہ تو اصلاً کسی حدیث میں نہیں کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سلام پھیرتے ہی بفورِ حقیقی معاً خطبہ فرماتے تھے اور خطبہ ختم فرماتے ہی بے فصل فوراً واپس تشریف لاتے غایت یہ کہ کسی حدیث میں فائے تعقیب آنے سے استدلال کیا جائے مگر وُہ ہرگز اتصالِ حقیقی پر دال نہیں کہ دو حرف دعا سے فصل کی مانع ہو۔ فواتح شرح مسلم میں فرمایا :

الفاء للترتیب علی سبیل التعقیب من غیر مھلۃ وتراخ بعد فی العرف مھلۃ وتراخیا[1]۔

فاء ترتیب کے لئے ہے یہ بغیر مہلت وتراخی کے تعاقب کے لئے ہے عرف میں اسے مہلت شمار کیا جاتا ہے اور تراخی بھی صحیح ہے۔ (ت)

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی مسئلہ الفاء للترتیب مطبوعہ مطبعۃ امیریہ قم ایران ۱/۲۳۴

یا بذائیہ تدقیقات ضیفۂ فلسفیہ نہیں، محاورات صافیۂ عرفیہ ہیں، اگر زید وعدہ کرلے نماز پڑھ کر فوراً آتا ہوں تو نماز کے بعد معمولی دو حرفی دعا ہرگز عرفاً یا شرعاً مبطل فور و موجب خلافِ وعدہ نہ ہوگی، مسئلہ سجودِ تلاوت صلاتیہ میں سُنا ہی ہوگا کہ دو آیتیں بالاتفاق اور تین علی الاختلاف قاطعِ فور نہیں۔

ثانیاً دُعا تابع ہے اور توابع فاصل نہیں ہوتے، واجبات میں ضمِ سورت سُنا ہوگا مگر آمین فاصل نہیں کہ تابع فاتحہ ہے، حضور پُرنور سیّد یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تسبیح حضرت بتول زہرا صلوات اللہ وسلامہ علٰی ابیہا الکریم وعلیہا کی نسبت فرمایا:

معقبات **لایخیب قائلھن**[1]۔ رواہ احمد و مسلم والترمذی والنسائی عن کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کچھ کلمات نماز کے بعد بلا فاصلہ کہنے کے ہیں جن کا کہنے والا نامراد نہیں رہتا۔ اسے امام احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

بالجملہ علما فرماتے ہیں اگر سُنن بعدیہ کے بعد پڑھے تعقیب میں فرق نہ آئے گا کہ سُنن توابع فرائض سے ہیں۔ دُرمختار میں ہے:

یکرہ تاخیر السنۃ الابقدر اللھم انت السلام[2] الخ

سُنتوں میں اللھم انت السلام الخ کی مقدار سے زائد تاخیر مکروہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لما رواہ مسلم والترمذی عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایقعد الا بمقدار مایقول اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام واما ماورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلٰوۃ فلا دلالۃ فیہ علی الاتیان بہا قبل السنۃ

کیونکہ مسلم اور ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام کی مقدار ہی بیٹھتے تھے، اور دیگر روایات میں جو نماز کے بعد اذکار کا ذکر ہے اس میں یہ دلالت نہیں کہ وہ اذکار سُنن سے پہلے ہوتے تھے بلکہ بعد میں بھی بجا لائے جا سکتے ہیں

---

[1] سُنن النسائی نوعِ آخر من عدد التسبیح مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۹۸

[2] درمختار فصل واذا اراد الشروع الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۹

بل یحمل علی الاتیان بھا بعدھا لان السنتہ سن لواحق الفریضۃ وتوابعھا ومکملا تھا فلن تکن اجنبیۃ عنھا فما یفعل بعدھا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ[1]

کیونکہ سنتیں فرائض کے لواحقات، توابع اور ان کی تکمیل کا سبب ہیں لہذا یہ فرائض سے اجنبی نہیں ہیں جو ان سنن کے بعد ہو اس پر یہ اطلاق کیا جاسکتا ہے کہ وُہ فرائض کے بعد ہُوا۔ (ت)

ثالثاً مانا کہ مفادِ "فا" اتصال حقیقی ہے تاہم خُوب متنبہ رہنا چاہئے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نو برس عید کی نمازیں پڑھی ہیں تو احادیث متعددہ کو وقائع متعددہ پر محمول ہونا ممکن، پس اگر ایک حدیث صلوٰۃ وخطبہ اور دوسری خطبہ وانصراف میں وقوعِ اتصال پر دلالت کرے اصلاً بکار آمد نہیں کہ ایک بار بعد خطبہ دوبارہ بعد نماز دعا کا عدم ثابت نہ ہوگا تو (یُوں وہ) مقصود سے منزلوں دور رہے کما لایخفی۔

رابعاً مسلّم کہ ایک ہی حدیث میں دونوں اتصال مصرح ہوں تاہم بلفظِ دوام تو اصلاً کوئی حدیث نہ آئی ومن ادعی فعلیہ البیان (اور جو اس کا دعوٰی کرتا ہے وُہ دلیل لائے۔ ت) اور ایک آدھ جگہ صلی فخطب فعاد (نماز پڑھائی، پس خطبہ دیا اور لوٹ گئے۔ ت) ہو بھی تو واقعہ حال ہے اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں کما نصوا علیہ (جیسا کہ علماء نے اس پر تصریح کی ہے۔ ت) اور ہم قائلِ وجوب ولزوم نہیں کہ ترک مرۃً ہمارے منافی ہو اور اگر لفظ کان یصلی فیخطب فیعود (آپ نماز پڑھاتے خطبہ دیتے اور لوٹ جاتے۔ ت) بھی فرض کرلیں تو ہنوز اس کا تکرار پر دلیل ہونا محلِ نزاع نہ کہ دوام، خود مجیب اپنے رسالہ غایۃ المقال میں کلام حافظ ابوزرعہ عراقی:

ان فی الصحیحین وغیرھما عن سعید بن یزید قال سألت انس بن مالك کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ فقال نعم وظاھر ان ھذا کان شانہ وعادتہ المستمرۃ دائما الخ[2]

بخاری ومسلم وغیرہما میں حضرت سعید بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نعلین کے اندر نماز ادا فرماتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ اس کے ظاہر سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا دائمی معمول تھا الخ (ت)

نقل کرکے لکھتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار فصل واذا ارادوا الشروع الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۹۱

[2] رسالہ غایۃ المقال

ما ذكره من دلالة حديث انس على كون العادة النبوية مستمرة بالصلوة فى النعال منظور فيه لعدم وجود ما يدل عليه فيه ولعله استخرجه من لفظ كان وهو استخراج ضعيف لما نص عليه الامام النووى فى كتاب صلوة الليل من شرح صحيح مسلم من ان لفظ كان لا يدل على الاستمرار والدوام فى عرفهم اصلا۔[1]

حدیث انس سے ان کا اس پر استدلال کہ نعلین میں نماز ادا کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت دائمی تھی محلِ نظر ہے کیونکہ الفاظِ حدیث میں ایسی کوئی شئی موجود نہیں شاید انھوں نے لفظ کان سے استنباط کیا ہو حالانکہ یہ استنباط ضعیف ہے کیونکہ امام نووی نے شرح مسلم کے کتاب صلوٰۃ اللیل میں تصریح کی ہے کہ لفظ کان محدثین کے عرف میں ہرگز دوام و استمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ (ت)

اس مسئلہ کی تمام تحقیق فقیر کے رسالہ التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل (۱۳۰۵ھ) میں ہے۔

خامساً یہ سب تو بالائی کلام تھا احادیث پر نظر کیجئے تو وہ اور ہی کچھ اظہار فرماتی ہیں صحاح ستّہ وغیرہا خصوصاً صحیحین میں روایات کثیرہ بلفظ ثم وارد، ثم فاصلہ و مہلت چاہتا ہے تو ادعا کہ احادیث میں اتصال ہی آیا محض غلط بلکہ حرفِ اتصال اگر دو ایک حدیث میں ہے تو کلمۂ انفصال آٹھ دس میں، اب روایات سنئے:

حدیث ۱: صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

واللفظ لمسلم قال شهدت صلوٰة الفطر مع نبى الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وابى بكر وعمر وعثمٰن رضى الله تعالٰى عنهم فكلهم يصليها قبل الخطبة ثم يخطب۔[2]

مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کی معیت میں نماز عید الفطر ادا کی ان سب نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔ (ت)

حدیث ۲: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان يصلى فى الاضحى والفطر ثم يخطب بعد الصلوٰة۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عید الاضحٰی اور عید الفطر کی نماز پڑھاتے پھر نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرماتے۔ (ت)

---

[1] رسالہ غایۃ المقال

[2] صحیح مسلم کتاب العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۸۹

[3] صحیح البخاری 〃 قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۱

حدیث ۳ : اسی کے باب استقبال الامام الناس فی خطبۃ العید میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے :

خرج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم اضحی فصلی العید رکعتین ثم اقبل علینا بوجھہ وقال الحدیث۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اضحٰی کے دن تشریف لائے پھر عید کی دو رکعات پڑھائیں پھر آپ نے ہماری طرف رُخِ انور کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ (ت)

حدیث ۴ : اسی میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے :

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی یوم النحر ثم خطب الحدیث۔[2]

بلاشبہہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عیدالاضحی کے روز نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔ (ت)

حدیث ۵ : اسی میں حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے :

صلی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم النحر ثم خطب ثم ذبح۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے دن نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر قربانی کی (ت)

حدیث ۶ : جامع ترمذی میں بافادۂ تحسین و تصحیح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے :

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر وعمر یصلون فی العیدین قبل الخطبۃ ثم یخطبون۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھاتے تھے پھر خطبہ دیتے۔ (ت)

حدیث ۷ : سُنن نسائی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے :

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یخرج یوم العید فیصلی رکعتین ثم یخطب۔[5]

بلاشبہہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عید کے دن باہر تشریف لائے آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر خطبہ دیا۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۳

[2] ” ” ” ” ” ۱/۱۳۴

[3] ” ” ” ” ” ۱/۱۳۴

[4] جامع الترمذی باب فی صلوٰۃ العیدین ” امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۷۰

[5] سنن نسائی کتاب صلوٰۃ العیدین ” نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۳۴

یہ سات حدیثیں ظاہر کرتی ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صدیق و فاروق و عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم نمازِ عیدین کا سلام پھیر کر کچھ دیر کے بعد خطبہ شروع فرماتے۔

حدیث ۸: صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے،

واللفظ للبخاری کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی فاول شیئ یبدؤ بہ الصلوٰۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفھم فیعظھم ویوصیھم فان کان یرید ان یقطع بعثا قطعہ او یامر بشیئ امر بہ ثم ینصرف[1]

الفاظِ بخاری یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عید الفطر اور اضحٰی کے دن باہر عیدگاہ میں تشریف لاتے سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے لوگ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے آپ انھیں وعظ و نصیحت فرماتے۔ اگر آپ نے کسی لشکر کو بھیجنا ہوتا تو روانہ فرماتے اور کسی کا حکم دینا ہوتا تو حکم فرما دیتے پھر آپ واپس تشریف لاتے۔ (ت)

یہ حدیث خطبہ و معاودت میں فصل بتاتی ہے۔

حدیث ۹: بخاری و مسلم و دارمی و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ حضرت حبر الامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال خرجت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم فطر او اضحی فصلی ثم خطب ثم اتی النساء فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ۔[2]

فرمایا میں فطر اور اضحٰی کے روز نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نکلا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر خواتین کے اجتماع میں تشریف لے گئے انھیں وعظ و نصیحت فرمائی اور انھیں صدقہ کا حکم دیا۔ (ت)

یہ حدیث دونوں جگہ فصل کا اظہار کرتی ہے۔ سبحٰن اللہ! پھر کیونکر ادعا کر سکتے ہیں کہ نماز و خطبہ و خطبہ و معاودت میں ایسا اتصال رہا جو عدمِ دعا پر دلیل ہُوا، اگر کہئے "ثم" کبھی مجازاً بحالتِ عدمِ مہلت بھی آتا ہے قال الشاعر:

؎ کھز الردینی تحت العجاج
جری فی الانابیب ثم اضطرب[3]

(اس کی حرکت اس ردینی نیزے کی طرح ہے جو میدانِ کارزار میں اڑنے والے غبار میں حرکت کرتے ہوئے پوروں پر لگتا ہے تو جنبش کرتا ہے)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العیدین باب خروج الصبیان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۱

[2] " " " " ۱/۱۳۳

[3] اوضح المسالک الی الفیۃ ابن مالک بحث لفظ ثم مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۳
شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ فرع سادس من الفصل الثانی مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۸/۲۹

اقول تم مستدل ہو اور مستدل کو احتمال کافی نہیں خصوصاً خلافِ اصل، کما لا یخفی علی ذی عقل (یہ کسی صاحبِ عقل پر پوشیدہ نہیں۔ ت) **معہذا ف** بارہا مجرد ترتیب بے معنی اتصال و تعقیب کے لئے آتی ہے، امام جلال الدین سیوطی اتقان میں زیر بیان **ف** فرماتے ہیں:

قد تجیئ لمجرد الترتیب نحو فراغ الٰی اٰھلہ فجاء بعجل سمین ○ فقربہ الیھم فاقبلت امرأتہ فی صرۃ فصکت وجھھا۔ فالزاجرات زجرا ○ فالتالیات[1]۔

کبھی کبھی فاء محض ترتیب کے لئے آتی ہے، مثلاً ان آیات میں (ترجمہ آیات) پھر اپنے گھر گیا تو ایک فربہ بچھڑا لے آیا پھر اسے ان کے پاس رکھا۔ اس پر اس کی بیوی چلاتی آئی پھر اپنا ماتھا ٹھونکا۔ پھر قسم ان کی کہ جھڑک کر چلائیں۔ پھر ان جماعتوں کی کہ قرآن پڑھیں۔ (ت)

بلکہ مسلّم الثبوت میں ہے:

الفاء للترتیب علی سبیل التعقیب ولو فی الذکر[2]۔

فاء بطریق تعقیب ترتیب کے لئے آتی ہے خواہ وہاں ترتیب ذکری ہو

تو ایک **ف** کا مجرد ترتیب یا ترتیب فی الذکر مجاز پر حمل اولٰی ہے یا دس **ثمّ** کا مجاز پر۔

سادساً یہ عدم فصل بطور سلب عموم لیتے ہو تو ہمیں کیا مضر اور تمہیں کیا مفید کہ ہمیں ایجاب کلی کی ضرورت نہیں، کہ سلب جزئی ہمارے خلاف ہو اور بطور عموم سلب تو دونوں جگہ اس کا بطلان ثابت و واضح۔ صحیح حدیثیں تنصیص کر رہی ہیں کہ بالیقین دونوں جگہ فصل واقع ہوا نماز و خطبہ میں وُہ **حدیث**[ع] (۱۰) کہ ابو داؤد و نسائی و

ع **اقول** یہ حدیث صحیح ہے،

رواہ ابوداؤد عن محمد بن الصباح البزار صدوق والنسائی عن محمد بن یحیی بن ایوب ثقۃ وابن ماجۃ عن ھدیۃ بن عبدالوھاب صدوق وعمر بن رافع البجلی

اس کو ابو داؤد نے محمد بن الصباح البزار سے (جو صادق ہیں) اور نسائی نے محمد بن یحیٰی بن ایوب سے (جو ثقہ ہیں) اور ابن ماجہ نے ہدیہ بن عبدالوہاب سے (جو کہ صدوق ہیں) اور عمر بن رافع البجلی (جو کہ ثقہ ہیں) تمام نے

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الاتقان النوع الاربعون فی معرفۃ معانی الادوات الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۶

[2] مسلم الثبوت مسئلۃ الفاء للترتیب ؍؍ مطبع انصاری دہلی ص ۶۱

ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی :

واللفظ لابن ماجۃ قال حضرت العید مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی بنا العید ثم قال قد قضینا الصلوۃ فمن احب ان یجلس للخطبۃ فلیجلس ومن احب ان یذھب فلیذھب[1]۔

ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں میں عید میں حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا حضور نے نمازِ عید پڑھائی پھر فرمایا ہم نماز تو پڑھ چکے اب جو سننے کے لئے بیٹھنا چاہے بیٹھے اور جو جانا چاہے چلا جائے۔

اگر ثم کا خیال نہ بھی کیجئے تو یہ کلام نماز و خطبہ کے درمیان فاصل تھا تو ہمیشہ اتصال حقیقی ہونا باطل ہُوا اور خطبہ و معاودت میں تو فصل کثیر اسی حدیث نہم سے ثابت جو عنقریب گزری جس کی ایک روایت بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی کے یہاں یوں ہے :

صلی (یعنی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ثم خطب ثم اتی النساء ومعہ بلال فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ فرایتھن یھوین بایدیھن یقذفنہ فی ثوب بلال ثم انطلق ھو وبلال الی بیتہ[2]۔

یعنی حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نمازِ عید پڑھی پھر بعدہٗ خطبہ فرمایا پھر بعد ازاں صفوفِ زنان پر تشریف لاکر انھیں وعظ وارشاد کیا اور صدقہ کا حکم دیا تو میں نے دیکھا کہ بیبیاں اپنے ہاتھوں سے گہنا اتار اتار کر بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی تھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثقۃ ثبت کلھم قالوا ثنا الفضل بن موسٰی ثقۃ ثبت ثنا ابن جریج عن عطاء وھما ماھما عن عبداللہ بن السائب رضی اللہ تعالٰی عنھما ولہ ولابیہ صحبۃ فتصویب د س وابن معین ارسالہ غیر متاثر عند نابعد ثقۃ الرجال فالحدیث صحیح علٰی اصولنا ۱۲ منہ (م)

کہا کہ ہمیں فضل بن موسٰی (جو ثقہ اور مضبوط ہیں) انہوں نے کہا ہمیں ابن جریج نے عطاء سے (یہ دونوں مقام میں مسلّم ہیں) نے عبداللہ بن السائب رضی اللہ تعالٰی عنہ (ان کو اور ان کے باپ کو صحبت ہے) پس ابوداؤد اور نسائی کی تصویب ہُوئی اور ابن معین کا رجال کے ثقہ ہونے کے بعد اس کو مرسل بنانا متاثر نہیں کرے گا، پس ہمارے ہاں یہ حدیث صحیح ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] السنن لابن ماجہ ماجاء فی صلوۃ العیدین ” ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۳

[2] صحیح البخاری کتاب العیدین باب العلم بالمصلی مطبوعہ نور محمد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۳

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور بلال رضی اللہ عنہ کا شانۂ نبوت کو تشریف فرما ہوئے۔

دیکھو خطبہ کے کتنی دیر بعد معاودت ہُوئی یہ وعظ وارشاد کہ بیبیوں کو فرمایا گیا جزءِ خطبہ نہیں بلکہ اُس سے جُدا ہے، صحیحین میں روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما صاف فرماتے ہیں کہ:

ثم خطب الناس بعد فلما فرغ نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزل فاتی النساء فذکرھن[1] الحدیث۔

یعنی پھر بعد نماز حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا، جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے اُتر کر بیبیوں کے پاس تشریف لائے اور انھیں تذکیر فرمائی، الحدیث۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں ناقل:

ھذہ الروایۃ مصرحۃ بان ذلک کان بعد الخطبۃ[2]۔

یہ روایت اس پر تصریح ہے کہ یہ عمل خطبہ کے بعد تھا۔ (ت)

امام نووی منہاج میں فرماتے ہیں:

انما نزل الیھن بعد فراغ خطبۃ العید[3]۔

آپ خواتین کے اجتماع میں خطبۂ عید کے بعد تشریف لے گئے تھے۔ (ت)

پس بحمداللہ تعالٰی ماہ نیم ماہ مہر نیم روز کی طرح روشن ہُوا کہ اس تقریر سے عدم دُعا کا ثبوت چاہنا محض ہوس خام اور اس محل پر یہ کلام خود باطل و بے نظام والحمدللہ ولی الانعام (سب تعریف اللہ کیلئے جو انعام کا مالک ہے۔ ت)

اب **محل دوم** کی طرف چلئے جس کا یہ حاصل کہ حدیثوں میں صرف نماز و خطبہ کا ذکر ہے ان کے بعد نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دُعا مانگنا مذکور نہ ہوا۔

اقول یہ حضرات مانعین کے لئے نام کو بھی مفید نہیں، سائل نے اس فعل خاص بخصوصیت خاصہ کا سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صدور پُوچھا تھا کہ کس طور پر ہوا، اس کا جواب یہی تھا کہ حضور اقدس

---

[1] صحیح مسلم کتاب العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۹

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ فرع سادس مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۸/۲۹

[3] منہاج نووی شرح مسلم مع مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین ؍؍ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۹

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس فعل خاص کی نقل جزئی نظر سے نہ گزری مگر اسے عدم جواز کا فتوٰی جان لینا محض جہالت بے مزہ۔

اوّلاً عید اوّل میں گزرا کہ حدیث ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اپنے عموم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس دُعا کا ثبوت فعلی بتا رہی ہے۔

ثانیاً ثبوت فعلی نہ ہو تو قولی کیا کم ہے بلکہ من وجہ قول فعل سے اعلٰی واتم ہے۔ اب عید اول کی تقریریں پھر یاد کیجئے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما تو بعد نماز عید خود رب مجید جل وعلا کا اپنے بندوں سے تقاضائے دُعا فرمانا بتا رہی ہے، اس کے بعد اور کسی ثبوت کی حاجت کیا ہے، اگر کہئے وُہ حدیث ضعیف ہے **اقول** فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور اثباتِ استحباب میں کافی ووافی ہے کما نص علیہ العلماء الفحول (جیسا کہ اکابر علماء نے اس پر تصریح فرمائی ہے) خود مجیب کے آخر جلد دوم کے فتاوٰی میں ہے،

حدیث ضعیف برائے استحباب کافی ست چنانچہ امام ہمام در فتح القدیر در کتاب الجنائز می نویسند والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتہی[1]

حدیثِ ضعیف استحباب کے لئے کافی ہوتی ہے جیسا کہ ابن ہمام نے فتح القدیر کے باب الجنائز میں لکھا ہے کہ حدیث ضعیف غیر موضوع سے مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے انتہی (ت)

ثالثاً جب شرع مطہر سے حکم مطلق معلوم کہ جواز واستحباب ہے تو ہر فرد کے لئے جداگانہ ثبوت قولی یا فعلی کی اصلاً حاجت نہیں کہ باجماع واطباق عقل ونقل حکم مطلق اپنی تمام خصوصیات میں جاری ساری اطلاقِ حکم کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس ماہیت کلیہ یا فرد منتشر کا جہاں وجود ہو حکم کا ورود ہو اور فردیت بے خصوصیت محال اور وجود عینی وتعین متساوق تو جس قدر خصوصیات وتعینات معقول ہوں سب بالیقین اسی حکم مطلق میں داخل، جب تک کسی خاص کا استثناء شرع مطہر سے ثابت نہ ہو، اس قاعدہ جلیلہ کی تحقیق مبین حضرت خاتم المحققین امام المدققین حجۃ اللہ فی الارضین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد میں افادہ فرمائی من شاء فلیتشرف بمطالعتہ (جو چاہے اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کرے۔ ت) یہاں اسی قدر کافی کہ خود حضرت وہابیہ کے امام ثانی ومعلم اوّل میاں اسمٰعیل دہلوی رسالہ بدعت میں لکھتے ہیں:

---

[1] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لاہور ۱/۲۴۸

در باب مناظرہ در تحقیق حکم صورت خاصہ کسے کہ دعوے جریان حکم مطلق در صورت خاصہ مبحوث عنہا می نماید ہمانست متمسک باصل کہ در اثبات دعوے خود حاجت بدلیلے ندارد و دلیل او ہماں حکم مطلق ست وبس۔[1]

مناظرہ میں کسی صورتِ خاصہ کے ثبوت کے لئے یہ دعوٰی کہ حکم مطلق ہے اور اس کا اطلاق صورتِ خاصہ پر بھی ہوتا ہے اصل کے ساتھ استدلال ہے کیونکہ اصل کے ساتھ استدلال میں دلیل کی حاجت نہیں ہوتی یہی دلیل کافی ہے کہ حکم مطلق ہے۔ (ت)

رابعاً ہم صدر جواب میں حضرت ائمہ تابعین سے اس دُعا کا ثبوت روایت کر آئے پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت نہ ہونے کو مانعین کس مُنہ سے منع ٹھہرا سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک تشریع احکام تابعین تک باقی رہتی اور اُن کے بعد منقطع ہوتی ہے پھر قرنِ اول سے عدم ثبوت کیا مضر و منافی ہے۔

خامساً ہر عاقل جانتا ہے کہ ادعائے ثبوت میں قابلِ جزم و تصدیق صرف عدم وجدان قائل ہے اور عدمِ وجدان، عدمِ وجود کو مستلزم نہیں خصوصاً ابنائے زماں میں۔ اور امر واضح ہے اور سبر فاضح۔ اور گزرا اشارۃً اور آئے گا دوبارہ، ہم نے اس کا کچھ بیان اپنے رسالہ صفائح اللجین وغیرہا میں لکھا یہاں اتنا ہی بس ہے کہ خود مجیب اپنی کتاب السعی المشکور فی رد المذہب الماثور میں لکھتے ہیں:[2]

نفیِ رؤیت سے نفیِ وجود لازم نہیں، نظائر اس کے بکثرت ہیں کم نہیں منجملہ ان کے حدیثِ عائشہ۔ ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے:

ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسبح سبحۃ الضحٰی وانی لا سبحھا[3] انتھی۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نمازِ چاشت ادا کرتے نہیں دیکھا اور میں ادا کرتی ہوں انتہی (ت)

حالانکہ اُس سے نفیِ وجود لازم نہیں ہے باحادیث متکاثرہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا صلوٰۃ الضحٰی ادا کرنا ثابت ہے اسی وجہ سے جلال الدین سیوطی رسالہ صلوٰۃ الضحٰی میں لکھتے ہیں الخ۔"

جب ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے نزدیک عدمِ ثبوت عدم ثبوت واقعی کو مستلزم نہ ہوا تو زید و عمرو و من و تُو کس شمار و قطار میں ہیں۔

سادساً عدم ثبوت مان بھی لیں تو اس کا صرف یہ حاصل کہ منقول نہ ہوا، پھر عقلاء کے نزدیک عدمِ نقل نقلِ عدم نہیں یعنی اگر کوئی فعل بخصوصہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا بھی نہ ہو، امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] رسالہ بدعت میاں اسمٰعیل دہلوی

[2] کتاب السعی المشکور لعبدالحی

عدم النقل لاینفی الوجود[1] (عدمِ نقل نفیِ وجود کو مستلزم نہیں۔ت)۔ خود مجیب اپنی سعی مشکور میں تنزیہہ الشریعۃ امام ابن عراق سے نقل کرتے ہیں: عدم الثبوت لایلزم منہ اثبات العدم[2] (عدمِ ثبوت سے اثباتِ عدم لازم نہیں آتا۔ت)

سابعاً خادمِ حدیث جانتا ہے کہ بارہا رواۃ حدیث امور مشہورہ معروفہ کو چھوڑ جاتے ہیں اور ان کا وہ ترک دلیل عدم نہیں ہوتا، ممکن کہ یہاں بھی بربنائے اشتہار حاجت ذکر نہ جانی ہو، اس اشتہار کا پتا اس حدیث صحیح سے چلے گا جو ہم نے صدر کلام میں روایت کی کہ جب تابعین عظام میں بعد نماز عیدین دعا کا رواج تھا تو ظاہراً انھوں نے یہ طریقہ انیقہ صحابۂ کرام اور صحابۂ کرام نے حضور سید الانام علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کیا، حضرات مانعین اگر دیانت پر آئیں تو سچ سچ بتا دیں گے کہ عیدین کے قعدۂ اخیرہ میں خود بھی دعا و درود پڑھتے اور اُسے جائز و مستحب جانتے ہیں، اس کی خاص نقل حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دکھا دیں یا اپنے بدعتی ہونے کا اقرار کریں، اور اگر فرائض پر قیاس یا اطلاقات سے تمسک کرتے ہیں تو یہاں کیوں یہ طرق نامقبول ٹھہرتے ہیں واللہ الموفق۔

ثامناً نقل عدم بھی سہی پر وہ نقلِ منع نہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ ومانھٰکم عنہ فانتھوا[3] جو رسول دے وہ لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ ما فعل الرسول فخذوہ ومالم یفعل فانتھوا رسول جو کرے کرو اور جو نہ کرے اُس سے بچو، کہ شرعاً یہ دونوں قاعدے منقوض ہیں۔ امام الوہابیہ کے عمِ نسب و پدرِ علم و جدِ طریقت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

نکردن چیزے دیگر ست و منع فرمودن چیزے دیگر۔[4] کسی چیز کا نہ کرنا اور شئ ہے اور منع کرنا اور شئ ہے۔ (ت)

تاسعاً اگر مجرد عدمِ نقل یا عدمِ فعل مستلزم ممانعت ہو تو کیا جواب ہوگا، شاہ ولی اللہ اور اُن کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب اور صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب اور امام الطائفہ میاں اسمٰعیل اور ان کے

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰
[2] کتاب السعی المشکور فی رد المذہب المشہور لعبدالحی
[3] القرآن ۵۹/ ۷
[4] تحفۂ اثنا عشریہ

پیر سید احمد اور شیخ السلسلہ جناب شیخ مجدد صاحب اور عمائد سلسلہ مرزا مظہر صاحب و قاضی ثناء اللہ صاحب وغیرہم سے جنھوں نے اذکار و اشغال و اوراد وغیرہا کے صدہا طریقے احداث و ایجاد کئے اور ان کے محدث و مخترع ہونے کے خود اقرار لکھے پھر انھیں سببِ قربِ الٰہی و رضائے ربانی جانا کئے اور خود عمل میں لاتے اور دوں کو اُن کی ہدایت و تلقین کرتے رہے۔ شاہ ولی اللہ قول الجمیل میں لکھتے ہیں:

لم یثبت تعین الاداب ولا تلک الاشغال[1] — نہ یہ تعینِ آداب ثابت ہے اور نہ یہ اشغال۔ (ت)

مرزا جان جاناں صاحب مکتوب ۱۱ میں فرماتے ہیں:

ذکر جہر یا کیفیاتِ مخصوصہ و نیز مراقبات بہ اطوار معمولہ کہ در قرونِ متاخرہ رواج یافتہ از کتاب و سنّت ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشائخ بطریق الہام و اعلام از مبدء فیاض اخذ نمودہ اند و شرع ازاں ساکت است و داخل دائرۂ اباحت و فائدہ دراں متحقق و انکار آں ضرورتے[2]

ذکر بالجہر مخصوص کیفیات کے ساتھ اس طرح اطوار معمول کے ساتھ مراقبات جو متاخرین کے دور میں رواج پاچکے ہیں یہ کتاب و سنت سے ماخوذ نہیں بلکہ حضرات مشائخ نے بطریق الہام و اعلام مبدء فیاض سے حاصل کئے ہیں، اور شریعت ان کے بارے میں خاموش ہے اور یہ دائرۂ اباحت میں داخل، اور ان کے فوائد ہیں نقصان کوئی نہیں۔ (ت)

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس کی قدرے تفصیل اپنے رسالہ انہار الانوار من یم صلوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ) میں ذکر کی و باللہ التوفیق۔

عاشراً ان سب صاحبوں سے درگزریے، خود وہ عالم جن کا فتوٰی اس مسئلہ میں تمھارا مبلغ استناد و منتہائے استمداد ہے یعنی مولوی لکھنوی مرحوم اُنھیں کے فتاوٰی کی تصریحات جلیہ تنصیصات قویہ دیکھئے کہ ان کے اصول و فروع کس درجہ تمھارے فروع و اصول کے قاطع و قامع ہیں۔ پھر ان مسائل میں اُن کا دامن تھامنا، چراغ خرد کا صرصر جہل سے سامنا، عقل و ہوش سے لڑائی ٹھاننا، نافع و مضر میں فرق نہ جاننا، نہیں تو کیا ہے۔ میں یہاں ان کی صرف دو عبارتیں نقل کروں گا جو حضرات وہابیہ کے اسی مغالطہ عامۃ الورود یعنی حدوثِ خصوص اور قرونِ ثلثہ سے عدمِ ورود کو دلیل منع جاننے کی قاطع و فاضح ہیں اور وہ بھی صرف اسی مجموعہ فتاوٰی نہ اُن کے دیگر رسائل سے تاکہ سب پر ظاہر ہو ع

---

[1] القول الجمیل مع شفاء العلیل فصل ۱۱ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳
[2] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مکتوب ۱۱ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۳

کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور
(تو نے اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی)

پھر ان میں بھی قصدِ استیعاب نہیں بلکہ صرف چند عبارتیں پیش کروں گا، بعض مفید ضوابط و اصول اور بعض میں فروعِ قاطعۂ اصولِ فضول و اللہ المستعان علٰی کل جہول۔

الاصول ـــــ عبارت ۱: مجموعہ فتاوٰی جلد اوّل کے صفحہ ۵۶ پر علامہ سید شریف کے حواشی مشکوٰۃ سے استناداً نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے حدیث:

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو ردٌ۔ — جس نے ہمارے امر میں نئی ایجاد کی وہ اس میں سے نہ تھی وہ مردود ہوگی۔ (ت)

کی شرح میں فرمایا:

المعنی ان من احدث فی الاسلام رأیا لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سند ظاھر اوخفی ملفوظ او مستنبط فھو مردود علیہ انتھی[1] — یعنی حدیث کے یہ معنٰی ہیں کہ جو شخص دین میں ایسی رائے پیدا کرے جس کے لئے قرآن وسنت میں ظاہر یا پوشیدہ، صراحۃً یا استنباطاً کسی طرح کی سند نہ ہو وہ مردود ہے انتہی۔

تو صاف ثابت ہُوا کہ قرونِ ثلٰثہ سے ورودِ خصوصیت زنہار ضرور نہیں بلکہ عموم و اطلاق اباحت میں دخول بسند کافی ہے کما ھو مذھب اھل الحق (جیسا کہ اہل حق کا مذہب ہے۔ ت)

عبارت ۲: اُسی کے صفحہ ۵۷ پر امام ابن حجر مکی کی فتح مبین شرح اربعین سے ناقل:

المراد من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ ماینا فیہ اولا یشھد لہ قواعد الشرع والادلۃ العامۃ انتھٰی[2] — یعنی حدیث کی مراد یہ ہے کہ وہی نو پیدا چیز بدعت سیئہ ہے جو دین وسنت کا رد کرے یا شریعت کے قواعد اطلاق و دلائل عموم تک اس کی گواہی نہ دیں۔

عبارت ۳: اُسی صفحہ میں خود لکھتے ہیں:

گمان نبری کہ استحسان شرعی صفت آں مامور بہ — یہ گمان نہ ہو کہ استحسان شرعی ایسے مامور بہ کی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ ۲/۸
[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/۹

است کہ صراحۃً در دلیلے از دلائل اربعہ امر باو وارد شدہ باشد بلکہ استحسان صفت ہر ماموربہ است خواہ صراحۃً امر باو وارد شدہ باشد یا از قواعد کلیہ شرعیہ سندش یافتہ شدہ باشد[1]

صفت ہوگا جس پر دلائل اربعہ میں سے صراحۃً کوئی دلیل وارد ہوگی بلکہ استحسان ہر اس مامور بہ کی صفت بن سکتا ہے خواہ صراحۃً اس پر امر وارد ہو یا قواعد کلیہ شرعیہ سے اس پر سند ہے۔ (ت)

عبارت ۴ : صفحہ ۸۰ پر لکھا :

ہر محدثیکہ وجودش بخصوصہ در زمانے از ازمنۂ ثلثہ نباشد لیکن سندش در دلیلے از ادلۂ اربعہ یافتہ شود ہم مستحسن خواہد شد نمی بینی کہ بنائے مدارس[2] الخ۔

ہر وُہ نئی شئی جس کا وجود تین زمانوں میں سے کسی زمانہ میں نہ ہو لیکن اس پر ادلّہ اربعہ سے سند موجود ہو تو وہ بھی مستحسن ہوگی آپ مدارس وغیرہ کی ایجاد نہیں دیکھتے الخ (ت)

عبارت ۵ : صفحہ ۵۳۱ :

کتبِ فقہ میں نظائر اس کے بہت موجود ہیں کہ ازمنہ سابقہ میں ان کا وجود نہ تھا مگر بہ سبب اغراضِ صالحہ کے حکم اس کے جواز کا دیا گیا۔[3]

الفروع —— عبارت ۶ : صفحہ ۶۲ :

اگر تسلیم کنم کہ ذکرِ مولد در ازمنۂ ثلثہ نبود و نہ از مجتہدین حکم او منقول شد لیکن چُوں در شرع ایں قاعدہ ممہد شدہ است کل فرد من افراد نشر العلم فھو مندوب و ذکر مولد نیز زیر آنست لابد حکم مندوبیت او دادہ خواہد شد[4]

اگر میں تسلیم کروں کہ ذکرِ مولد تین زمانوں میں سے کسی میں نہیں اور مجتہدین سے اس کا حکم منقول نہیں ہے لیکن شرع میں جب یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ ہر وہ فرد جس سے علم کی اشاعت ہو وہ مندوب ہوتا ہے تو ذکرِ مولد بھی اسی میں شامل ہے تو ضروری ہے اسے بھی مندوب کہا جائے۔ (ت)

عبارت ۷ : صفحہ ۲۹۸ :

بعد دو رکعت سنت ظہر و مغرب و عشا کے دو رکعت نفل پڑھنا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا

---

[1] و [2] مجموعہ فتاوی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ ۲/ ۹

[3] مجموعہ فتاوی کتاب المساجد " " " ۱/ ۱۱۳

[4] " " " " " ۲/ ۱۲

اب تک نظر سے نہیں گزرا لیکن جو شخص بقصدِ ثواب بدون اعتقادِ سنیت پڑھے گا وُہ ثواب پائیگا کیونکہ حدیث میں وارد ہے :

الصلوٰۃ خیر موضوع فمن شاء فلیقلل ومن شاء فلیکثر[1]	نماز سب سے بہتر عمل ہے جو چاہتا ہے کم کرے اور جو چاہتا ہے زیادہ کرے (ت)

اقول سائل سے پُوچھا تھا اصل اس کی سنّت و اجماع و قیاس سے ثابت ہے یا نہیں اور اُن میں بعض کے لئے ثبوت، خاص احادیث سے نظرِ فقیر میں حاضر مگر کلام رد خیالات وہابیت میں ہے وھو حاصل (اور یہی حاصل ہے ۔ ت)

عبارت ۸ : صفحہ ۲۹۴ :

الوداع یا الفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلماتِ حسرت و رخصت کے ادا کرنا فی نفسہٖ امر مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعثِ ندامت و توبہ سامعان ہُوئے تو امیدِ ثواب ہے مگر اس طریقہ کا ثبوت قرونِ ثلثہ میں نہیں[2] الخ

عبارت ۹ : مجموعہ فتاوی جلد دوم صفحہ ۱۷۰ :

کسیکہ می گوید کہ وجودیہ و شہودیہ از اہلِ بدعت اند قولش قابلِ اعتبار نیست و منشاء قولش جہل و ناواقفیت است از احوال اولیاء از معنے توحید وجودی و شہودی و شاعری کہ ذم ہر دو فرقہ ساختہ قابلِ ملامت است واللہ اعلم[3]	جو شخص یہ کہتا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود والے اہلِ بدعت ہیں اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کی وجہ اس کا احوالِ اولیاء اور معنی توحید وجودی اور شہودی سے جہالت و ناواقفیت ہے اور وُہ شاعر جو ان دونوں طبقات پر طعن کرتا ہے وہ قابلِ مذمت ہے واللہ اعلم۔ (ت)

ذرا تقویۃ الایمان کی بالا خوانیاں یاد کیجئے۔

عبارت ۱۰ : صفحہ ۲۲۴ :

فی الواقع شغلِ برزخ اُس طور پر کہ حضرات صوفیہ صافیہ نے لکھا ہے نہ شرک ہے نہ ضلالت،

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ ۱/۱۵۳
[2] " " کتاب الحظر والاباحۃ " " " ۲/۲۵-۲۴
[3] " " " " " ۲/۵۸

ہاں افراط وتفریط اُس میں منجر ضلالت کی طرف ہے، تصریح اس کی مکتوب مجدد الف ثانی میں جابجا موجود ہے واللہ اعلم[1]

سبحٰن اللہ وُہ عالم کہ تمھارے مذہب نامہذب پر معاذ اللہ صراحۃً مشرک و مجوز شرک ہوچکا اُس پر اعتماد اور اُس کے فتوے سے استناد کس دین و دیانت میں روا۔

عبارت ۱۱: اُسی کی جلد سوم صفحہ ۵۸ میں ہے:

سوال: وقت ختمِ قرآن در تراویح سہ بار سورۂ اخلاص می خوانند مستحسن است یا نہ.

جواب: مستحسن است[2]

سوال: تراویح میں ختمِ قرآن کے وقت تین بار سورۂ اخلاص پڑھنا مستحسن ہے یا نہیں؟

جواب: مستحسن ہے۔ (ت)

عبارت ۱۲: صفحہ ۱۲۵:

اما جمع میان تکلم بالفاظِ سلام و دست بر داشتن و بر سر یا سینہ نہادن پس ظاہراً لاباس بہ است[3]

لفظِ سلام کہتے ہوئے سر یا سینہ پر ہاتھ رکھنے میں ظاہراً کوئی حرج نہیں۔ (ت)

عبارت ۱۳: صفحہ ۱۲۷:

سوال: بسم اللہ نوشتن بر پیشانی میت از انگشت درست یا نہ؟

جواب: درست است[4]

سوال: میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: درست ہے۔ (ت)

عبارت ۱۴: صفحہ ۱۳۲:

سوالِ قیام وقت ذکرِ ولادت باسعادت کے جواب میں قیام بالقصد کا قرون ثلثہ سے منقول نہ ہونا اور بعض احوال میں صحابہ کرام کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے قیام نہ کرنا نقل و تحریر کرکے لکھتے ہیں:

لیکن علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا قیام می فرمایند امام برزنجی رحمۃ اللہ تعالٰی در رسالہ مولد

لیکن حرمین شریفین (اللہ تعالٰی ان کو اور شرف عطا فرمائے) کے علماء قیام کرتے ہیں، امام برزنجی رحمۃ اللہ

---

[1] مجموعہ فتاوٰی

[2] مجموعہ فتاوٰی باب التراویح مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ ۳/۵۷

[3] " باب المصافحۃ والمعانقۃ " " " ۳/۱۲۱

[4] " باب مایتعلق بالموتی " " " ۳/۱۲۳

می نویسند وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذو روایۃ ودرایۃ فطوبٰی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ انتھٰی۔[1]

رسالہ مولد میں لکھتے ہیں صاحبِ روایۃ ودرایۃ ائمہ ذکرِ مولد شریف کے وقت قیام مستحسن تصور کرتے ہیں مبارک ہے ان علماء کے لئے جس کا مقصد و منزل نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں تعظیم ہے انتہی (ت)

یعنی ذکرِ ولادت شریف کے وقت قیام کرنے کو اُن اماموں نے مستحسن فرمایا ہے جو صاحبِ روایت و درایت تھے تو خوشی و شادمانی ہو اُسے جس کی نہایت مراد و مقصد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور خود مجیب لکھنوی حرمین طیبین کی مجالسِ متبرکہ میں اپنا حاضر و شریک ہونا بیان کرتے اور انھیں مجالس متبرکہ لکھتے ہیں حالانکہ بشہادت مجیب و مشاہدہ تواتر اُن مجالس ملائک مآنس کا قیام پر مشتمل ہونا یقینی۔ مجیب موصوف اسی جلد فتاوی صفحہ ۵۲ میں لکھتے ہیں :

در مجالس مولد شریف کہ از سورۂ والضحٰی تا آخر می خوانند البتہ بعد ختم ہر سورہ تکبیر می گویند راقم شریک مجالس متبرکہ بودہ ایں امر را مشاہدہ کردہ ام ہم در مکہ معظمہ وہم در مدینہ منورہ وہم در جدہ۔[2]

مولد شریف کی مجالس میں سورۂ والضحٰی سے لے کر آخر تک پڑھتے ہیں ہر سورت کے اختتام پر تکبیر کہتے ہیں راقم الحروف مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں ان مجالس مبارکہ میں شریک ہوا ہے۔ (ت)

عبارت ۱۵ : طرفہ یہ کہ صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں :

سوال : پارچۂ جھنڈۂ سالار مسعود غازی ودر مصرف خود آرد یا تصدق نماید ؟

سوال : سالار مسعود غازی کے جھنڈے کا کپڑا اپنے مصرف میں لایا جا سکتا ہے یا اسے صدقہ کر دیا جائے ؟

جواب : ظاہراً در استعمال پارچۂ مذکور بصرفِ خود وجہی کہ موجب بزہ کاری باشد نیست واولٰے آنست کہ بمساکین وفقراء دہد۔[3]

جواب : ظاہراً اپنے استعمال میں لانے میں کوئی گناہ نہیں، ہاں بہتر یہ ہے کہ مساکین و فقراء پر خرچ کر دیا جائے۔ (ت)

ذرا حضرات مخالفین اس اولٰی آنست (بہتر یہ ہے۔ ت) کی وجہ بتائیں اور اسے اپنے اصول پر منطبق

---

[1] مجموعہ فتاوی باب قیام میلاد شریف مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ ۳/ ۱۳۰

[2] ایضاً باب القرأۃ فی الصلوٰۃ قراءۃ فاتحہ خلف الامام 〃 〃 〃 〃 ۳/ ۵۲

[3] ایضاً باب مایحل استعمالہ ومالایحل 〃 〃 〃 〃 ۳/ ۱۱۶

فرمائیں ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اس قسم کے کلام رسائل ومسائل مجیب میں بکثرت ملیں گے وفیما ذکرنا کفایۃ اللہ واللہ سبحٰنہ ولی الھدایۃ (جو کچھ ہم نے ذکر کیا یہ کافی ہے، اور اللہ تعالٰی کی ذات پاک ہے اور وہی ہدایت کا مالک ہے۔ ت)

بحمد اللہ جواب اپنے منتہی کو پہنچا اور تحقیقِ حق تا ذرّۂ علیا۔ اب نہ رہا مگر سعی مانعین کا وہ پہلا رونا یعنی عوام کا بعد نماز فرائض بھی دُعا سے دست کش ہونا یہاں اگر میں نقلِ احادیث پر اتروں تو ایک مستقل رسالہ املا کروں مگر بحکم ضرورت صرف مولوی عبدالحی صاحب کا ایک فتوٰی ملخصاً نقل کرتا ہوں جس پر غیر مقلدین زمانہ کے امام اعظم نذیر حسین دہلوی کی بھی مہر ہے، مجموعہ فتاوٰی جلد دوم صفحہ ۷۷،۴:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ رفع یدین در دعا بعد نماز چنانکہ معمول ائمہ ایں دیار است ہر چند فقہا مستحسن می نویسند و احادیث در مطلق رفع یدین در دعا نیز وارد دریں خصوص ہم حدیثے وارد ست یا نہ بینوا توجروا۔

اس بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا جیسا کہ اس علاقے کے ائمہ کا طریقہ ہے کیسا ہے؟ فقہاء نے اسے مستحسن لکھا ہے احادیث میں مطلقاً دُعا میں ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ بھی آیا ہے کیا اس سلسلہ میں کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ بیان کرکے اجر پاؤ۔

ھو المصوب دریں خصوص نیز حدیثے وارد ست حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق بن السنی در عمل الیوم واللیلہ می نویسند حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحٰق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمٰن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلٰوۃ ثم یقول اللھم الٰھی والہ ابراھیم واسحٰق ویعقوب والہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی

ہو المصوب، اس بارے میں خصوصاً حدیث بھی وارد ہے حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق بن السنی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لکھتے ہیں کہ مجھے احمد بن حسن انھیں ابو اسحٰق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی نے انھیں عبد العزیز بن عبد الرحمٰن القرشی نے انھیں خصیف نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھوں کو پھیلایا اور پھر عرض کیا: اے اللہ میرے معبود، سیدنا ابراہیم واسحٰق اور یعقوب کے معبود، جبرائیل اور اسرافیل کے الٰہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری دعا قبول کیجئے میں مضطر مجھے میرے دین میں محفوظ رکھئے، میں مبتلا ہوں مجھے

برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لایرد یدیہ خائبتین واللہ تعالٰی اعلم۔

اپنی رحمت عطا کیجئے میں نہایت گنہ گار ہوں میرے فقر کو دور کر دیجئے میں نہایت مسکین ہوں ۔ تو اللہ تعالٰی پر حق ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

محمد عبد الحی
ابو الحسنات

الجواب صحیح ویؤیدہ ما رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی المصنف عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفجر فلما سلم انصرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث فثبت بعد الصلٰوۃ المفروضۃ رفع الیدین فی الدعاء عن سید الانبیاء اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما لایخفی علی العلماء الاذکیاء۔

یہ جواب صحیح ہے اور اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں اسود عامری سے انھوں نے اپنے والد سے بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی آپ نے سلام پھیرا ، ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی الحدیث ، لہٰذا نماز فرض کے بعد سیّد الانبیاء اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا ثابت ہے جیسا کہ علماء اذکیاء پر مخفی نہیں ۔ (ت)

محمد
سید
نذیر حسین

لطیفہ : فقیر غفرلہ المولی القدیر نے وہابیہ کے اس خیال ضلال کے رَد وابطال کو کہ جو کچھ بخصوصہ قرون ثلٰثہ سے منقول نہیں ممنوع ہے ، مجیب کی پندرہ[۱۵] عبارتیں نقل کیں مگر لطف یہ ہے کہ خود ہی فتوے جس سے یہاں اُنھوں نے استناد کیا اس خیال کے ابطال کو بس ہے ، مجیب کی عادت ہے کہ شروع جواب میں ھو المصوب (وہی درست کرنے والا ہے ۔ ت) یہی لفظ اُس فتوے کی ابتداء میں بھی لکھا کما سمعت نصہ (جیسا کہ اس کے الفاظ آپ پیچھے پڑھ چکے ۔ ت) اب حضرات مخالفین ثابت کر دکھائیں کہ حضور

لہ مجموعہ فتاوٰی کتاب الصلٰوۃ رفع یدین در دعا بعد ادائے نماز پنجگانہ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ ۱/۲۴۸

سیدعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام وتابعین عظام علیہم الرضوان، اللہ جل وعلا کو مصوب کہا کرتے ہوں خصوصاً بحالیکہ اسمائے الٰہیہ توقیفی ہیں،

واذ قد بلغنا الی ذکر التوقیف وقف القلم و کان ذلک اللیلۃ بقیت من اوسط عشرات شعبان المعظم سنۃ الف وثلثمائۃ و سبع من ھجرۃ سید العالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والحمد للہ علی ما الھم والصلٰوۃ والسلام علی المولی الاعظم واٰلہ وصحبہ سادات الامم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

جب ہم لفظ توقیف پر پہنچ چکے قلم رک گیا اس کا اختتام ۱۳۰۷ھ میں شعبان المعظم کے وسط میں ہوا، سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو رہنمائی کرتا ہے صلٰوۃ وسلام مولی اعظم پر، آپ کی آل اور اصحاب پر جو کہ امت کے سربراہ ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۱۴ تا ۱۴۱۵ بنارس محلہ کنڈی گڑ تولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ از مولوی عبدالغفور صاحب ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

بخدمت لازم البرکۃ جامع معقول ومنقول حاوی فروع واصول جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مداللہ فیضانہ از جانب خادم الطلبہ عبدالغفور سلام علیک قبول باد، کچھ مسائل میں یہاں درمیان علما کے اختلاف ہے لہذا مسئلہ ارسال خدمت لازم البرکۃ ہے امید ہے کہ جواب سے مطلع فرمائیں

(۱) زید کہتا ہے نمازِ عیدین صحرا میں پڑھنی سنّت ہے لیکن شہر میں بھی جائز ہے جس شخص نے نماز مذکور شہر میں پڑھی نماز اس کی ضرور ادا ہوئی البتہ ترکِ سنّت اس نے کیا اور ثواب سنّت سے محروم رہا، عمرو کچھ روز تک قائل تھا نمازِ عیدین شہر میں جائز نہیں مگر چند روز سے بذاتِ خود یا بوجہ تعلیم کسی غیر کے کہتا ہے گو نماز مذکور شہر میں جائز ہے لیکن پڑھنے والے گنہگار رہوں گے۔

(۲) زید کہتا ہے نمازِ عیدین مسجد پختہ چھت دار کے اندر جو صحرا میں واقع ہے پڑھنے سے ثواب صحرا میں پڑھنے کا نہ ملے گا عمرو کہتا ہے گو مسجد پختہ چھت دار ہے مگر چونکہ صحرا میں واقع ہے لہذا ثواب صحرا میں پڑھنے کا ملے گا، ان سب مسائل میں قول زید کا صحیح ہے یا عمرو کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) قولِ زید صحیح ہے عامہ کتبِ مذہب متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح ہے کہ نمازِ عیدین بیرونِ شہر مصلی یعنی عیدگاہ میں پڑھنی مندوب ہے مستحب ہے، افضل ہے، مسنون ہے، فرض نہیں کہ شہر میں ادا ہی

نہ ہو، واجب نہیں کہ شہر میں پڑھنا مطلقاً گناہ ہو، نقایہ وکنز ووافی وغرر واصلاح وملتقی وغیرہا متون میں بلفظ ندب[1]، وقایہ میں بکلمہ حبّ[2]، ہدایہ میں بلفظ یستحب[3] تعبیر فرمایا۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ابن ملک سے ہے:

الافضل اداؤها فی الصحراء فی سائر البلدان وفی مکۃ خلاف[4]

تمام شہروں میں میدان میں عید ادا کرنا افضل ہے لیکن مکہ میں اختلاف ہے۔ (ت)

متنِ تنویر وفتح القدیر ودرر وہندیہ ومضمرات وبزازیہ وغنیہ وخانیہ وخلاصہ وخزانۃ المفتین و فتاوٰی ظہیریہ وغیرہا میں ہے:

الخروج الیها سنۃ[5] (عیدگاہ کی طرف نکلنا سنّت ہے۔ ت)

بحر میں ہے:

التوجہ الی المصلی مندوب کما افادہ فی التجنیس وان کانت صلٰوۃ العید واجبۃ حتی لوصلی العید فی الجامع ولم یتوجہ الی المصلی فقد ترك السنۃ[6]۔

عیدگاہ کی طرف جانا مندوب ہے جیسا کہ تجنیس میں ہے اگرچہ نمازِ عید واجب ہے حتی کہ اگر کسی نے جامع مسجد میں عید پڑھی اور عیدگاہ کی طرف نہیں گیا تو اس نے سنّت کو ترک کیا۔ (ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

الخروج الیہ یندب وان کان الجامع یسعهم فالخروج لیس بواجب[7]۔

عیدگاہ کی طرف نکلنا مندوب ہے اگر جامع مسجد میں لوگوں کی گنجائش ہو البتہ نکلنا واجب نہیں۔ (ت)

---

[1] کنز الدقائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۹
[2] شرح وقایہ " " مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۴۵
[3] الہدایۃ " " المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۵۱
[4] مرقاۃ شرح المشکوٰۃ باب صلٰوۃ العیدین " مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۲۹۸
[5] تنویر الابصار مع الدرالمختار باب العیدین " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴
[6] بحر الرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۵۹
[7] جامع الرموز فصل صلٰوۃ العیدین " مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۷۱

غنیہ میں جامع الفقہ ومنیۃ المفتی و ذخیرہ سے ہے :

یجوز اقامتھا فی المصر وفنائہ وموضعین فاکثر وبہ قال الشافعی واحمد[1]

شہر اور فنائے شہر میں عید دو یا زیادہ مقامات پر ادا کی جاسکتی ہے ۔ امام شافعی اور امام احمد کی یہی رائے ہے ۔ (ت)

ہاں جو سنّت مؤکدہ ہو اور کوئی شخص بلاضرورت بے عذر براہ تہاون و بے پروائی اس کے ترک کی عادت کرے اُسے ایک قسم اثم لاحق ہوگی نہ ترکِ سنت بلکہ اس کی کم قدری وقلت مبالات کے باعث ،

فی شرح المنیۃ للعلامۃ ابراھیم الحلبی لایترک رفع الیدین عند التکبیر لانہ سنۃ مؤکدۃ ولواعتاد ترکہ یاثم لا لنفس الترك بل لانہ استخفاف وعدم مبالاۃ بسنۃ واظب علیہا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدۃ عمرہ امالوترکہ بعض الاحیان من غیر اعتیاد لایاثم وھذا مطرد فی جمیع السنن المؤکدۃ[2] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

شرح منیہ میں علامہ ابراہیم حلبی کہتے ہیں کہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا ترک نہ کیا جائے کیونکہ یہ سنّتِ مؤکدہ ہے اور اگر ترک کو عادت بنالیتا ہے تو گنہگار ہوگا مگر نفسِ ترک کی وجہ سے نہیں بلکہ ایسی سنت کو ہلکا سمجھنے اور اس سے لاپرواہی کی وجہ سے ہوگا جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تمام عمر ہمیشگی فرمائی، ہاں بغیر عادت کے بعض اوقات ترک کردے تو گنہگار نہ ہوگا اور یہی اصول تمام سنن مؤکدہ میں جاری ہوتا ہے اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

(۲) عمرو کا قول صحیح ہے اور زید کا دعوٰی بھی وجہِ صحت رکھتا ہے اگر صحرا سے اُس کی مراد فضائے خالی ہو۔

اقول وباللہ التوفیق تحقیق یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک اصل سنت کہ نماز عیدین بیرونِ شہر جنگل میں ہو شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اُس میں حکمت اظہار شعار اسلام و شوکت وکثرت مسلمین رکھی ہے یہ بات نفس خروج و اجتماع سے حاصل اگرچہ صحرا میں کوئی عمارت بنالیں پس قولِ عمرو کہ جب مسجد صحرا میں ہے تو بیرونِ شہر جانے جنگل میں پڑھنے کا ثواب حاصل، بلاشبہہ صحیح ہے ۔ دوم سنت، سنت کہ تکمیل وتاکید اصل سنت کے لئے ہے یعنی فضائے خالی بے عمارت میں پڑھنا کہ اس میں زیادت اظہار شعار و شوکت ہے ، مسجد عیدگاہ واقع صحرا میں پڑھنے سے اگرچہ اصل اظہار شعار و صلٰوۃ فی الصحرا کا ثواب حاصل ، مگر صلٰوۃ فی الفضا میں اتباع اتم پر جو ثواب ازید ملتا وہ نہ ہوا جبکہ جانب تعمیر کسی مصلحتِ شرعیہ سے مترجح نہ ہوا ، اس معنی پر

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فروع خروج الی المصلی مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۲

[2] " " " باب صفۃ الصلٰوۃ " " ص ۳۰۰

قول زید بھی رو بصحت ہے زمانۂ اکرم حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مصلائے عید کف دست میدان تھا جس میں اصلاً تعمیر نہ تھی مدینہ طیبہ کے شرقی دروازے پر، کما فی المقصد التاسع من المواھب (جیسا کہ مواہب اللدنیہ کے نویں مقصد میں ہے۔ ت) مسجد اطہر کے باب السلام سے ہزار قدم کے فاصلے پر، کما فی الزرقانی عن فتح الباری عن عمر بن شبہۃ فی الاخبار المدینۃ عن ابن غسان الکنانی صاحب مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جیسا کہ زرقانی میں فتح الباری سے ہے کہ عمر بن شبہ نے اخبار المدینہ میں ابوغسان الکنانی جو صاحب مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں سے روایت کیا ہے۔ ت) سنن ابن ماجہ و صحیح ابن خزیمہ و مستخرج اسمٰعیلی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یغدو الی المصلی فی یوم عید والعنزۃ تحمل بین یدیہ فاذا بلغ المصلی نصبت بین یدیہ فصلی الیھا وذلک ان المصلی کان فضاء لیس فیہ مایستر بہ[1]۔

بلاشبہہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید کے دن صبح سویرے عیدگاہ کی طرف نکلتے آپ کے آگے آگے کسی کے ہاتھ میں نیزہ اٹھایا ہوتا، جب آپ عیدگاہ میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کے سامنے نیزہ گاڑ دیا جاتا آپ اس کے سامنے ہو کر نماز پڑھاتے اور یہ عیدگاہ میدان میں تھی وہاں کوئی دیوار وغیرہ نہ تھی (ت)

اب صدہا سال سے اس کا احاطہ بن گیا، علامہ سیّد نورالدین سمہودی قدس سرہٗ استظہار فرماتے ہیں کہ یہ عمارت زمانۂ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تعمیر ہوئی، کما فی کتابہ قدس سرہ فی تاریخ طیبۃ الطیبۃ صلی اللہ تعالیٰ علی طیب اطیب طیبھا بطیبہ واٰلہ الطائب وبارک وسلم (جیسا کہ ان کی کتاب تاریخ طیبہ میں ہے تمام پاکوں سے پاک پر صلوٰۃ وسلام ہو، اُن کی آلِ پاک پر ہو اور برکات و سلام ہو۔ ت) اور واقعی جب امیرالمومنین ممدوح نے مسجد اقدس حضور پُرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی تجدید تعمیر فرمائی ہے جہاں جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا معلوم ہوا اُن سب کی بھی تعمیر جدید خواہ تجدید فرمائی کما یستفاد من عمدۃ القاری للعلامۃ الامام البدر محمود العینی عن عمر بن شبہۃ عن ابی غسان عن غیر واحد من اھل العلم (جیسا کہ عمدۃ القاری علامہ بدرالدین محمود العینی نے عمر بن شبہ سے انھوں نے ابوغسان سے اور انھوں نے متعدد اہلِ علم سے بیان کیا ہے۔ ت) علمائے کرام کہ عیدین کے لئے مصلی کو جانا مسنون و مستحب بتاتے ہیں وہی یہ بھی

---

[1] السنن لابن ماجہ باب ماجاء فی الحربۃ یوم العید مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۳

بحث فرماتے ہیں کہ مصلائے عید جمیع احکام میں مسجد ہے یا صرف بعض میں، اور اس میں بول و براز و وطی جائز ہیں یا نہیں کہ اگرچہ وُہ سب احکام میں مسجد نہ سہی مگر بانی نے یہ عمارت اس لئے نہ بنائی، بحرالرائق میں ہے:

اختلفوا فی مصلی الجنازة والعید فصحح فی المحیط فی مصلی الجنازة انه لیس له حکم المسجد اصلا وصحح فی مصلی العید کذلک الا فی حق جواز الاقتداء وان لم تتصل الصفوف وفی النهایة وغیرها والمختار للفتوی فی المسجد الذی اتخذ لصلٰوة الجنازة والعید انه مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس وفیما عدا ذلک لیس له حکم المسجد اھ وظاهر ما فی النهایة انه یجوز الوطؤ والبول والتخلی فی مصلی الجنازة والعید ولا یخفی ما فیه فان البانی لم یعده لذلک فینبغی ان لا تجوز هذه الثلثة وان حکمنا بکونه غیر مسجد وانما تظهر فائدته فی بقیة الاحکام التی ذکرناها وفی حل دخوله للجنب والحائض[1] اھ۔

جنازگاہ اور عیدگاہ میں اختلاف ہے محیط میں اسے صحیح کہا کہ جنازگاہ کا حکم بالکل مسجد والا نہیں اور عیدگاہ کے بارے میں یہی صحیح ہے مگر جوازِ اقتدا کے حق میں مسجد والا ہے اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں، عنایہ وغیرہ میں ہے کہ لوگوں کی رعایت کی وجہ سے فتوٰی میں مختار یہ ہے کہ عیدگاہ اور جنازگاہ جوازِ اقتدا کے حوالے سے مسجد کے حکم میں ہیں اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں اور ان کے علاوہ میں مسجد کا حکم نہیں اھ نہایہ کی عبارت سے یہی ظاہر ہے کہ عیدگاہ اور جنازگاہ کے اوپر وطی اور بول و براز جائز ہے اور یہ محلِ نظر ہے کیونکہ بانی نے اسے اس لئے نہیں بنایا لہذا اگرچہ انھیں ہم مسجد کا حکم نہیں دیتے مگر یہ تینوں چیزیں (وطی، بول، براز) اس کے اوپر جائز نہیں اور اس کا فائدہ بقیہ احکام میں ظاہر ہوگا جو ہم ذکر کر رہے ہیں اور جنبی و حائضہ کا داخلہ بھی ہوسکتا ہے اھ (ت)

جواہر الاخلاطی فصل فی العیدین میں ہے:

لوکان محراب المصلی عشرة اذرع وصف القوم مائة ذراع ولا یتصل الصفوف جازت صلٰوة الکل[2]

اگر عیدگاہ کا محراب دس ذراع تھا اور لوگوں کی صف سَو ذراع، صفیں متصل نہ ہوں تب بھی تمام کی نماز جائز ہوگی۔ (ت)

---

[1] بحر الرائق باب ما یفسد الصلٰوۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۶

[2] جواہر الاخلاطی فصل فی العیدین غیر مطبوعہ نسخہ ص ۵۱

جامع الرموز میں ہے: المصلی محوط بالفناء[1] (عیدگاہ وہ ہے جو میدان کا احاطہ کرے۔ت)
صحیح بخاری شریف میں ایک باب وضع فرمایا: باب العلم بالمصلی[2] یعنی مصلائے عید میں شناخت کے لئے کوئی علامت امام بدر محمود نے اس علامت میں عمارت مصلے کو بھی داخل فرمایا، عمدۃ القاری میں ہے:

ص باب العلم الذی بالمصلی ش ای ھذا باب فی بیان العلم الذی ھو بمصلی العید والعلم بفتحتین ھو الشیئ الذی عمل من بناء او وضع حجر او نصب عمود ونحو ذلك لیعرف بہ المصلی[3]۔

باب عیدگاہ کی علامت کے بیان میں ہے ش یعنی یہ باب اس علامت کے بیان میں ہے کہ یہ جگہ عیدگاہ ہے العلم عین اور لام دونوں پر زبر ہے اس سے مراد علامت ہے خواہ بنا کی صورت میں ہو یا پتھر و لکڑی وغیرہ نصب کرنے سے ہو جس سے اس کے عیدگاہ ہونے کا پتا چل سکے۔(ت)

بالجملہ تعمیر عیدگاہ کا جواز ظاہر، اگرافضل فضائے خالی ہو بلکہ امام تاج الشریعۃ کی تصحیح پر نظر کیجئے (کہ انھوں نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ مصلائے عید جمیع احکام میں مسجد ہے) جب تو اس کی تعمیر ضروری ہوگی خصوصاً بلادِ ہندوستان میں جہاں کفار کا غلبہ ہے کہ یوں ہی رکھیں تو آدمی جانور، جنب، حائض سب اس میں چلیں گے، پیشاب کریں گے، مسجد کی بے حُرمتی ہوگی۔ علامہ شرنبلالی غنیہ ذوی الاحکام میں فرماتے ہیں:

ذکر الصدر الشھید المختار للفتوی فی الموضع الذی یتخذ لصلوۃ الجنازۃ والعید انہ مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس وفیما عدا ذلك لیس لہ حکم المسجد کذا ذکرہ الامام المحبوبی اھ ذکرہ الکاکی ومثلہ فی فتح القدیر ویخالفہ ما قالہ

صدر الشہید نے فرمایا کہ لوگوں کی رعایت کی وجہ سے فتوٰی کے لئے مختار یہ ہے کہ وہ جگہ جو جنازہ یا عید کی نماز کے لئے بنائی گئی ہو اسے جوازِ اقتدا میں مسجد کا حکم دیا جائے گا اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں اور اس کے علاوہ اس کا حکم مسجد والا نہیں ہوگا، امام محبوبی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے اھ اسے کاکی نے ذکر کیا اور اسی کی مثل فتح القدیر میں ہے

---

[1] جامع الرموز | فصل صلوۃ العیدین | مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران | ۱/۲۷۱
[2] صحیح بخاری | کتاب العیدین | " قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۱۳۳
[3] عمدۃ القاری شرح البخاری | باب العلم بالمصلی | " ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت | ۶/۲۹۸

تاج الشریعۃ والاصح انہ ای مصلی العید یاخذ حکمہا ای المساجد لانہ اعد لاقامۃ الصلوۃ فیہ بالجماعۃ لاعظم الجموع علی وجہ الاعلان الا انہ ابیح ادخال الدواب فیہا ضرورۃ الخشیۃ علی ضیاعہا وقد یجوز ادخال الدواب فی بقعۃ المساجد بمکان العذر والضرورۃ اھ فقد اختلف التصحیح فی مصلی العید واتفق فی مصلی الجنازۃ۔[1]

اور تاج الشریعۃ نے اس کی مخالفت کی ہے، اور اصح یہ ہے کہ عیدگاہ مسجد والا حکم رکھتی ہے کیونکہ عیدگاہ جماعتِ اعظم کے ساتھ اجتماعی صورت میں بطور اعلان اقامتِ نماز کے لئے بنائی گئی ہوتی ہے البتہ اس میں چارپایوں کا داخلہ مباح اس لئے قرار دیا گیا ہے تاکہ ان کا ضیاع نہ ہو اور عذر وضرورت کے پیش نظر مساجد کی جگہ میں چوپایوں کا داخلہ جائز ہوتا ہے، عیدگاہ میں تصحیحِ اقوال میں اختلاف ہے مگر جنازگاہ میں اتفاق ہے۔ (ت)

اس قول پر زمانہ اقدس میں عمارت نہ ہونا وارد نہ ہوگا کہ مدینہ طیبہ میں روز اول سے بحمداللہ تعالٰی اسلام ہی حاکم اسلام ہی غالب ہے عہد اطہر کے حضرات میں آداب شریعت کا جو تحفظ تھا روشن ہے۔ جمہور ائمہ ترجیح اگرچہ اس تصحیح کے خلاف پر ہیں تاہم قول مصحح ہے اور خلاف علماء کا لحاظ بالاجماع مستحب اگرچہ غیر مذہب میں ہو نہ کہ خود اپنے مذہب میں خلاف قوی باختلاف تصحیح، بہرحال اس قدر میں شک نہیں کہ اس تعمیر سے وہ جگہ صحرا سے نکل کر آبادی نہ ہوجائے گی اور اس میں نماز صحرا ہی میں نماز رہے گی اور نمازِ صحرا کا ثواب ہاتھ سے نہ جائے گا، تو قولِ عمرو واضح الصحۃ ہے ھذا کلہ ماظہر لی والعلم بالحق عند العلیم العلی (مجھ پر یہی واضح ہوا ہے اور حقیقت کا علم اللہ تعالٰی علیم وبلند کے پاس ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱۶ تا ۱۴۱۹ مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب از آرہ شاہ آباد مدرسہ فیض الغربار ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ

علمائے دین ان سوالوں میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) نمازِ عید اور خطبہ کے درمیان یا خطبہ اول ودوم کے درمیان تحریکِ چندہ اور کسی (مسلمان جج) کی مدح وثناء، خوشامد وغیرہ (مثلاً امام نے جج کو قاضیِ وقت وقاضیِ شرع کہا اور یہ بھی کہا کہ قاضی (جج) صاحب کے ہوتے مجھے نماز پڑھانے کا حق نہ تھا لہٰذا ان کی اجازت سے نماز پڑھاتا ہوں) قرآن وحدیث، اجماع مجتہد وتعامل علمائے ثقہ کسی سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۲) ثابت نہ ہونے کی صورت میں نماز اور خطبہ میں کسی قسم کی کراہت پیدا ہوئی یا نہیں؟

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر غرر باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت ۱/۱۱۰

(۳) امامتِ جمعہ وعیدین و امامت نماز پنجگانہ کا حکم ایک ہی ہے یا فرق ہے؟

(۴) قاضیِ شرع کسے کہتے ہیں، قاضی کے شرائط کیا ہیں، جج شرعی قاضی ہے یا نہیں، اگر ہے تو ہر جج یا صرف مسلمان جج، اگر صرف مسلمان جج تو کیوں؟ بینوا توجروا

الجواب

چندہ کی تحریک اگر کسی امر دینی کے لئے ہو تو عین خطبہ میں اس کی اجازت ہے اور خود حدیث میں ثابت ہے ایک بار خطبہ فرماتے ایک صاحب کو ملاحظہ فرمایا کہ بہت حالت فقر و مسکنت میں تھے، حاضرین سے ارشاد فرمایا: تصدقوا صدقہ دو۔ ایک صاحب نے ایک کپڑا، دوسرے صاحب نے دوسرا کپڑا دیا، پھر ارشاد فرمایا: تصدقوا صدقہ دو۔ یہ مسکین جن کو ابھی دو کپڑے ملے تھے اٹھے اور ان دو کپڑوں میں سے ایک حاضر کیا، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم کہ تصدقوا حاضرین کے لئے عام ہے اور میں بھی حاضرین میں ہوں اور اس وقت دو کپڑے رکھتا ہوں ایک حاضر کرسکتا ہوں، ان کو اس سے باز رکھا گیا تو تمہارے ہی لئے تصدق کا حکم فرمایا جاتا ہے نہ کہ تم کو، مگر ہندوستان میں تحریک چندہ اگرچہ کیسے ہی ضروری کام کے لئے ہو زبان اردو میں ہوگی اور خطبہ میں غیر عربی کا خلط مکروہ و خلافِ سنّت ہے، لہٰذا اس وقت نہ چاہئے بلکہ بعد ختم خطبہ عید جس طرح صحیحین میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خطبۂ عید تمام فرماکر گروہ نساء پر تشریف لے گئے اور ان کو تصدق کا حکم فرمایا وہ اپنے زیور اتار اتار کر حاضر کرتی تھیں اور بلال رضی اللہ تعالٰی اپنے دامن میں لئے تھے واللہ تعالٰی اعلم۔

جو قاضی خلاف احکام شرعیہ حکم کرتا ہو اگرچہ مسلمان ہو اگرچہ سلطنت اسلامیہ کا قاضی ہو ہرگز اس کی مدح جائز نہیں خصوصاً منبر پر خصوصاً خطبۂ جمعہ یا عیدین میں اس کے سبب خطبہ میں تو کراہت یقینی ہے لاشتمالہا علی المحرم (کیونکہ یہ حرام پر مشتمل ہے۔ ت) اور اگر خطبۂ جمعہ میں ہو تو اس کی کراہت نماز کی طرف بھی سرایت کرے گی کہ جمعہ میں خطبہ شرائط نماز سے ہے اور نماز سے قبل ہوتا ہے، ہاں عیدین میں کہ نماز ہو چکی اور خطبہ اس کی شرط نہ اس میں فرض نہ واجب بلکہ ایک سنت مستقلہ ہے خطبہ کی کراہت نماز کی طرف سرایت نہ کرے گی، یہ تو خطبہ ہے کہ خاص امر دین ہے اور منبر کہ خاص مسند سید المرسلین ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مطلقاً مدح فاسق کی نسبت حدیث میں ارشاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ عرش الرحمٰن۔[1] واللہ تعالٰی اعلم

جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب رحمٰن کا عرش ہل جاتا ہے۔

[1] الکامل لابن عدی تحت اسم سابق بن عبداللہ مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۳/ ۱۳۰۷

شرعی احکام اور عرفی خیالات میں بہت تفاوت ہے، شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ ہر حاکم پر فرض ہے کہ مطابق احکامِ الٰہیہ کے حکم کرے، اگر خلاف حکم الٰہی کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک عمداً اور ایک خطاءً۔ عمداً کے لئے قرآن عظیم میں تین ارشاد ہوئے کہ:

من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفسقون[1] اولٰئک ھم الظلمون[2] اولٰئک ھم الکفرون[3]

جو لوگ اللہ تعالٰی کی نازل کردہ تعلیمات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وُہ فاسق ہیں، وہ ظالم ہیں، وہ کافر ہیں۔ (ت)

قرآن مجید ایسے حکم کو فسق وظلم وکفر فرماتا ہے یعنی اگر عناداً ہو کہ حکم کو حق نہیں مانتا تو کافر ہے ورنہ ظالم و فاسق۔ اور اگر خطاءً ہو تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ خطا بوجہ جہل ہو یعنی علم نہ رکھتا تھا کہ صحیح احکام سے واقف ہوتا، یہ صورت بھی حرام وفسق ہے، صحیح حدیث میں قاضی کی تین قسمیں فرمائیں:

قاض فی الجنۃ وقاضیان فی النار۔ ایک قاضی جنت میں ہے اور دو قاضی دوزخ میں، وہ کہ عالم وعادل ہو جنت میں ہے اور وُہ کہ قصداً خلافِ حکم کرے یا بوجہ جہل، یہ دونوں نار میں ہیں، بوجہ جہل پر ناری ہونے کا یہ سبب ہے کہ اس نے ایسی بات پر اقدام کیا جس کی قدرت نہ رکھتا تھا وہ جانتا تھا کہ میں عالم نہیں اور بے علم مطابقتِ احکام ممکن نہیں، تو مخالفتِ احکام پر قصداً راضی ہُوا، بلکہ اُس سے اگر کوئی حکم مطابق شرع بھی صادر ہو جب بھی وہ مخالفتِ شرع کر رہا ہے کہ اس اتفاقی مطابقت کا اعتبار نہیں ولہذا حدیث میں فرمایا:

من قال فی القراٰن برأیہ فاصاب فقد اخطأ[4]

جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اگر ٹھیک کہا تو غلط کہا۔

دوسری صورت خطا کی یہ ہے کہ عالم ہے احکامِ شرعیہ سے آگاہ ہے قابلیت قضا رکھتا ہے احکامِ الٰہیہ کے مطابق ہی فیصلہ کرنا چاہا اور براہِ بشریت غلط فہمی ہُوئی۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں: اگر وہ مجتہد ہے اور اُس کے اجتہاد نے خطا کی تو اس خطا پر اُس کے لئے اجر ہے اور وُہ فیصلہ جو اُس نے

---

[1] القرآن ۵/۴۷

[2] القرآن ۵/۴۵

[3] القرآن ۵/۴۴

[4] السنن لابی داؤد کتاب العلم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۵۸

رکیا نافذ ہے، اور اگر مقلد ہے جیسے عموماً قاضیانِ زمانہ، اور جدوجہد میں اس نے کمی نہ کی اور فہمِ حکم میں اُس سے غلطی واقع ہوئی اور ہے پُورا عالم اور اس عہدہ جلیلہ کے قابل، تو اس کی یہ خطا معاف ہے مگر وہ فیصلہ نافذ نہیں، یہ سب احکام قاضیانِ سلطنت اسلامیہ سابقہ کے لئے ہیں جو اسی کام کے لئے مقرر ہوئے تھے کہ مطابق احکامِ الٰہیہ فیصلہ کریں، بخلاف حال کہ اکثر اسلامی سلطنتوں کے جن میں خود سلاطین نے احکام شرعیہ کے ساتھ اپنے گھڑے ہوئے باطل قانون بھی خلط کئے ہیں اور قاضیوں کو اُن پر فیصلہ کرنے کا حکم ہے اُن کی شناعت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے کہ وُہ اللہ و رسول کے خلاف حکم کرنے ہی پر مقرر ہوئے، ان اسلامی سلطنتوں کے ایسے قاضیوں کو بھی قاضیِ شرع کہنا حلال نہیں ہوسکتا بلکہ اس کلمہ کی تہ میں جو خباثت ہے قائل اگر اُس پر آگاہ ہو اور اُس کا ارادہ کرے تو قطعاً خارج از اسلام ہوجائے کہ اُس نے باطل کا نام شرع رکھا، ولہذا ائمہ کرام نے اپنے زمانہ کے سلاطینِ اسلام کی نسبت فرمایا ہے کہ :

من قال لسلطان زماننا عادل فقد کفر[1]	ہمارے زمانے کے سلطان کو عادل کہنا کفر ہے۔

کہ وُہ خلافِ احکامِ الٰہیہ حکم کرتے ہیں اور خلاف احکام الٰہیہ عدل نہیں ہوسکتا، عدل حق ہے تو اُسے عدل کہنے کے یہ معنی ہُوئے کہ خلافِ احکامِ الٰہیہ حق ہے، تو معاذاللہ احکامِ الٰہیہ ناحق ہُوئے اور یہ کفر ہے، بہرحال جو قاضی خلاف احکامِ الٰہیہ حکم کرتا ہو ہرگز قاضیِ شرع نہیں ہوسکتا، جب قاضیانِ سلطنت اسلامیہ کی نسبت یہ احکام ہیں تو سلطنت غیر اسلامیہ کے حکام تو مقرر ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ مطابق قانون فیصلہ کریں، رہی رجسٹراری اُس میں اگرچہ کوئی حکم نہیں مگر وُہ دستاویزوں پر شہادت ہے اور انھیں رجسٹر پر چڑھانا اور اُن میں بہت دستاویزیں سود کی بھی ہوتی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے :

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سُود کھانے والے اور سُود دینے والے اور سُود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر اور فرمایا سب برابر ہیں۔

جمعہ وعیدین کی امامت پنجگانہ کی امامت سے بہت خاص ہے، امامتِ پنجگانہ میں صرف اتنا

---

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۳۲۷

[2] سنن ابوداؤد باب فی آکل الربا ” آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۱۷

ضرور ہے کہ امام کی طہارت و نماز صحیح ہو، قرآن عظیم صحیح پڑھتا ہو، بدمذہب نہ ہو، **فاسق معلن** نہ ہو، پھر جو کوئی پڑھائے گا نماز بلا خلل ہوجائے گی بخلاف نماز جمعہ و عیدین کہ اُن کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطانِ اسلام ہو یا اُس کا ماذون، اور جہاں یہ نہ ہوں تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے جمعہ و عیدین کا امام مقرر کیا ہو کما فی الدرالمختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) دوسرا شخص اگرچہ کیسا ہی عالم و صالح ہو ان نمازوں کی امامت نہیں کرسکتا اگر کرے گا نماز نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۲۲ ازملک بنگالہ ضلع میمن سنگھ مرسلہ عبدالحکیم ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس بارہ میں کہ جمعہ مسجد میں نمازِ عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جائز ہے مگر سنّت یہ ہے کہ نمازِ عیدین عیدگاہ میں چاہئے جبکہ کوئی عذر شرعی مانع نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲۱ از گلگت مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو نمازِ عید کی خبر دی جائے اہلِ اسلام کو اور وہ دعوٰی کرتا ہے اسلام کا اور اس کو فرصت بہت ہے، اگر وہ قصداً نہ آئے تو اس کو کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نمازِ عید شہروں میں ہر مرد آزاد، تندرست، عاقل، بالغ، قادر پر واجب ہے۔ قادر کے یہ معنی کہ نہ اندھا ہو، نہ لولا ہو، نہ لنجھا، نہ قیدی، نہ کسی ایسے مریض کا تیماردار ہو کہ یہ اُسے چھوڑ کر گھر سے جائے تو مریض ضائع رہ جائے، نہ ایسا بوڑھا کہ چل پھر نہ سکے، نہ اُسے نماز کو جانے میں حاکم یا چور یا دشمن کی طرف سے جان یا مال یا عزّت کا سچّا خوف ہو، نہ اُس وقت مینہ یا برف یا کیچڑ یا سردی اس قدر شدت سے ہو کہ نماز کو جانا سخت مشقت کا موجب ہو،

فی التنویر تجب صلٰوتھما ای العیدین علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطھا سوی الخطبۃ[1] اھ وفی جمعۃ الدرالمختار

تنویر میں ہے عیدین کی نماز ان پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم ہے، خطبہ کے علاوہ شرائط بھی وہی ہیں اھ درمختار کے باب جمعہ میں ہے کہ

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

شرط لافتراضہا اقامۃ بمصر وصحۃ و الحق بالمریض الممرض والشیخ الفانی وحریۃ وذکورۃ وبلوغ وعقل ووجود بصر وقدرتہ علی المشی وعدم حبس وخوف ومطر شدید ووحل وثلج ونحوھما[1] اھ ملخصا فی ردالمحتار قولہ الممرض ھذا ان بقی المریض ضائعا بخروجہ فی الاصح حلیۃ وجوھرۃ[2] قولہ وعدم خوف ای من السلطان او لص منح قال فی الامداد ویلحق بہ المفلس اذا خاف الحبس کما جاز التیمم بہ قولہ ونحوھما ای کبرد شدید[3] اھ ملتقطا۔

اس کی فرضیت کے لئے شہر میں مقیم ہونا اور صحتمند ہونا شرط ہے اور مریض کے ساتھ ممرض (مریض کا تیمار دار کہ یہ اسے چھوڑ کر گھر سے جائے تو مریض ضائع رہ جائے)، شیخ فانی، حریت، ذکورت، بلوغ، عقل، نظر کا ہونا، چلنے پر قدرت، نہ قیدی، نہ خوف، نہ شدید بارش، نہ کیچڑ، نہ برف وغیرہ ہو اھ ملخصاً، ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول کہ ممرض یعنی مریض کا تیمار دار اسے چھوڑ کر گھر سے چلا جائے تو مریض ضائع رہ جائے، حلیہ وجوہرہ، اور ماتن کا قول عدمِ خوف، سلطان کا یا چور کا، منح۔ امداد میں ہے اس کے ساتھ مفلس بھی لاحق ہے جب اسے حبس کا خوف ہو جیسا کہ اس کے لئے تیمم جائز ہے۔ ماتن کا قول و نحوہما یعنی دونوں کی مثل یعنی شدید سردی اھ ملتقطا(ت)

تو شخص شہر میں ان صفات کا جامع اور ان موانع سے خالی ہو اور وہاں اقامت نماز عید بروجہ شرعی ہو، پھر نہ پڑھے تو گنہ گار اور شرعاً مستحق سزا و تعزیر ہوگا لارتکابہ معصیۃ لاحد فیہا (کیونکہ ایسی معصیت کا ارتکاب ہے جس میں حد نہیں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲۲: از رام پور متصل مراد آباد محلہ ملا ظریف گھیر فرنگن محل مرسلہ مولوی ریاست حسین صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ تکبیرات زوائد عیدین بکدام سال مشروع شدہ اند وعلتش چہ بود؟

اس بارے میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں کہ عیدین کی تکبیراتِ زائد کس سال شروع ہوئیں اور ان کی علت کیا ہے؟

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۲

[2] ردالمحتار مطلب فی شروط الجمعۃ " " " ۱/ ۶۰۲

[3] " " " " " ۱/ ۶۰۳

الجواب

تشریع نمازِ عید در سال اول از ہجرت ست فی السنۃ الاولی من الھجرۃ و او معروف نہ شد در شرع مگر بر ہمیں نہج و وضع و حکمت در تکبیرات اظہار سرور دینی و امتثال قولِ او تعالیٰ ست عز جلالہ ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علٰی ما ھدٰکم[1] ھذا فی عید الفطر وقولہ عزوجل لتکبروا اللہ علی ما ھدٰکم وبشر المحسنین[2] فی عید الاضحی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نمازِ عید ہجرت کے سال اول میں شروع ہُوئی، درمیں ہے کہ نمازِ عید ہجرت کے پہلے سال شروع ہوئی، اور وہ شرع میں معروف نہ ہوئی تھی، مگر اسی اسلوب و طریقہ پر۔ اور تکبیرات میں حکمت دینی سرور کا اظہار اور اللہ تعالٰی کے اس فرمان پر عمل ہے کہ تم اس مدت (رمضان) کو مکمل کرو اور اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر اللہ کی بڑا بیان کرو، یہ عید الفطر میں ہے۔ اور اللہ تعالٰی کا فرمان ہے تم اللہ تعالٰی کی عطا کردہ ہدایت پر تکبیر کہو اور محسنین کو بشارت دو۔ یہ عید الاضحٰی کے بارے میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲۲ سائل مذکورہ بالا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بلا عذر نمازِ عید روزِ اول نہ پڑھیں تو روزِ دوم مع الکراہۃ جائز ہے جیسا کہ بعض خطبوں میں لکھا ہے یا اصلاً صحیح نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نمازِ عید الفطر میں جو بوجہ عذر ایک دن کی تاخیر روا رکھی ہے وہاں شرط عذر صرف نفی کراہت کے لئے نہیں بلکہ اصل صحت کے لئے ہے یعنی اگر بلا عذر روزِ اول نہ پڑھے تو روزِ دوم اصلاً صحیح نہیں، نہ یہ کہ مع الکراہۃ جائز ہو، عامۂ معتبرات میں اس کی تصریح ہے، مصنفِ خطبہ کہ شخص مجہول ہے قابلِ اعتماد نہیں اُسے نمازِ عید اضحٰی سے اشتباہ گزرا کہ وہاں دُو روز کی تاخیر بوجہ عذر بلا کراہت اور بلا عذر بروجہ کراہت روا ہے۔

فی الدر المختار وتؤخر بعذر کمطر الی الزوال من الغد فقط واحکامھا احکام الاضحی لکن یجوز تاخیرھا الی اٰخر ثالث ایام النحر

درمختار میں ہے کہ عذر مثلاً بارش کی وجہ سے فقط دوسرے دن زوال تک مؤخر کی جاسکتی ہے اور عید الفطر کے احکام عید الاضحٰی کے احکام کی طرح ہیں لیکن عید الاضحی

---

[1] القرآن ۲/ ۱۸۵

[2] القرآن ۲۲/ ۳۷

بلا عذر مع الکراھۃ وبہ ای بالعذر بدونھا فالعذر ھنا لنفی الکراھۃ وفی الفطر للصحۃ[1] اھ ملخصا وفی نور الایضاح وشرحہ مراقی الفلاح کلاھما للعلامۃ الشرنبلالی تؤخر صلٰوۃ عید الفطر بعذر الی الغد فقط وقید العذر للجواز لا لنفی الکراھۃ فاذا لم یکن عذر لا تصح فی الغد[2] اھ ملتقطا وفی مجمع الانھر للفاضل شیخی زادہ العذر فی الاضحی لنفی الکراھۃ وفی الفطر للجواز[3] وفی شرح النقایۃ للشمس القھستانی لوترکت بغیر عذر سقطت کما فی الخزانۃ[4] اھ ففی شرح المنیۃ الکبیر للعلامۃ الحلبی صلٰوۃ عید الاضحی تجوز فی الیوم الثانی والثالث سواء اخرت بعذر او بدونہ اما صلٰوۃ الفطر فلا تجوز الا فی الثانی بشرط حصول العذر فی الاول[5] اھ وفی الفتاوی الخانیۃ ان فاتت صلٰوۃ الفطر فی الیوم الاول بعذر یصلی فی الیوم الثانی

کو بلا عذر ایامِ نحر کے تیسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے، ہاں کراہت ہے اور عذر ہوگا تو کراہت نہیں ہوگی، یہاں عذر کا ہونا نفیِ کراہت کے لئے ہے اور عید الفطر میں صحت کے لئے ہے اھ تلخیصاً نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں کہ عذر کی وجہ سے عید الفطر کو دوسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے، عذر کی قید جواز کے لئے ہے نفیِ کراہت کے لئے نہیں، تو جب عذر نہ ہو تو دوسرے دن نماز صحیح نہ ہوگی اھ ملتقطاً، مجمع الانہر میں فاضل شیخی زادہ کہتے ہیں کہ اضحی میں عذر نفیِ کراہت اور فطر میں جواز کے لئے ہے، شرح نقایہ للشمس قہستانی میں ہے کہ اگر نمازِ عید بغیر عذر کے چھوڑ دی تو وہ ساقط ہوجائے گی، خزانہ میں بھی اسی طرح ہے اھ شرح منیہ کبیر للعلامہ حلبی میں ہے کہ عید الاضحی کی نماز دوسرے اور تیسرے دن بھی جائز ہے خواہ عذر کی وجہ سے مؤخر ہوئی یا بلا عذر، لیکن نمازِ عید الفطر اگر پہلے دن کسی عذر کی وجہ سے ادا نہ کی جاسکی تو فقط دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے اھ فتاوٰی خانیہ میں ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے عید الفطر پہلے دن رہ گئی تو دوسرے دن

---

[1] درمختار　باب العیدین　مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی　۱/ ۱۱۶

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی　باب احکام العیدین　مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی　ص ۲۹۳

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر　باب صلٰوۃ العیدین　" داراحیاء التراث العربی بیروت　۱/ ۱۷۵

[4] جامع الرموز　فصل فی العیدین　مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران　۱/ ۱۷۵

[5] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی　باب العیدین　" سہیل اکیڈمی لاہور　ص ۵۷۱

وان فاتت بغیر عذر لا یصلی فی الیوم الثانی فان فاتت فی الیوم الثانی بعذر او بغیر عذر لا یصلی بعد ذلك واما عید الاضحی ان فاتت فی الیوم الاول بعذر او بغیر عذر یصلی فی الیوم الثانی فان فاتت فی الیوم الثانی بعذر او بغیر عذر یصلی فی الیوم الثالث فان فاتت فی الیوم الثالث بعذر او بغیر عذر لا یصلی بعد ذلك[1] وفی الهندیة عن تبیین الامام الزیلعی العذر ههنا لنفی الکراهة حتی لو اخروها الی ثلثة ایام من غیر عذر جازت الصلوٰة وقد اساؤا وفی الفطر للجواز حتی لو اخروها الی الغد من غیر عذر لا یجوز[2] انتهی ومثله فی رمز الحقائق للعلامة العینی۔

ادا کی جائے اور اگر عذر نہ تھا تو دوسرے دن نہیں پڑھی جاسکتی، اور اگر دوسرے دن بھی نہ پڑھی جاسکی خواہ عذر تھا یا نہیں، تو اس کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی، باقی نمازِ عید الاضحیٰ اگر عذر یا بغیر عذر پہلے دن رہ گئی تو دوسرے دن پڑھ لی جائے، اگر دوسرے دن فوت ہوگئی عذر تھا یا نہ تھا تو تیسرے دن پڑھ لی جائے، اور اگر تیسرے دن بھی رہ گئی خواہ عذر تھا یا نہ تھا تو اس کے بعد ادا نہیں کی جاسکتی، ہندیہ میں امام زیلعی کی تبیین سے ہے کہ یہاں عذر نفی کراہت کے لئے ہے، حتی کہ اگر بغیر عذر کے تین دن نماز موخر کردی تو اب بھی نماز جائز البتہ تاخیر کرکے بُرا کیا اور فطر میں عذر جواز کے لئے ہے حتی کہ اگر بغیر عذر کے نماز دوسرے دن تک مؤخر کی تو اب اس کی ادائیگی جائز نہ ہوگی انتہی، علامہ عینی کی رمز الحقائق میں اسی طرح ہے۔ (ت)

بالجملہ اس کا خلاف کتب متداولہ میں فقیر کی نظر سے کسی روایت ضعیفہ میں بھی نہ گزرا۔

اللّٰھم الا ما رأیت فی جواھر الاخلاطی من قوله اذا فاتت صلوٰة عید الفطر فی الیوم الاول بعذر او بغیره صلی فی الیوم الثانی ولم یصل بعده اھ فیظن ان یکون خلطا من الاخلاطی فانی رأیت له غیر ما مسئلة خالف فیها الکتب المعتمدة والاسفار المعتبرة او یکون من خطأ الناسخ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

مگر یہ کہ میں نے جواہر اخلاطی میں یہ عبارت دیکھی کہ جب نماز عید الفطر پہلے دن فوت ہو خواہ عذر تھا یا نہ تھا تو دوسرے دن ادا کی جائے اور اس کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی اھ تو گمان یہ ہے کہ اخلاطی کا خلط ہے کیونکہ میں نے متعدد مسائل میں دیکھا ہے کہ وہ کتب معتمدہ اور اسفار معتبرہ کے خلاف لکھتے ہیں یا یہ کاتب کی غلطی ہوسکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۸۸

[2] فتاوٰی ہندیہ " " نوری کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۵۳

مسئلہ ۱۲۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عیدگاہ میں ایک دن ایک ہی خطبہ ہے دو امام نے دو جماعت نماز پڑھائی اُن میں سے پہلے امام نے مع خطبہ کے نماز پڑھائی اور ثانی امام نے بدون خطبہ کے نماز ادا کی اب ان دونوں جماعتوں کی نماز ہُوئی یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو دونوں کی جائز ہُوئی یا ایک کی، اور اگر ایک جائز ہُوئی تو پہلے کی یا ثانی کی، اور اگر ناجائز ہے تو دونوں کی ناجائز ہے یا ایک کی؟ اگر ایک ہے تو پہلے کی یا ثانی کی؟ بینوا بحوالۃ الکتاب وتوجروا یوم الحساب (کتاب کے حوالے کے ساتھ بیان کرو اور حساب کے دن اجر پاؤ۔ ت)

الجواب

اگر دونوں امام ماذون باقامت نماز عید تھے تو دونوں جائز ہوگئیں اگرچہ امام دوم نے ترک سنّت کیا کہ عیدین میں خطبہ سنت ہے فرض وشرط نہیں تو اس کا ترک موجب ناجوازی نہ ہوگا البتہ موجب اسارت و کراہت ہے،

فی الدرالمختار تجب صلوتھما علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطھا المتقدمۃ سوی الخطبۃ فانھا سنۃ بعدھا[1] فی ردالمحتار قال فی البحر حتی لو لم یخطب اصلا صح واساء لترک السنۃ[2] فی التنویر تؤدی بمصر بمواضع اتفاقا[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ عیدین کی نماز ان لوگوں پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم ہے اور خطبہ کے علاوہ تمام شرائط بھی جمعہ والی ہی ہیں کیونکہ عید کے بعد خطبہ سنت ہے ردالمحتار میں ہے کہ بحر میں ہے حتی کہ اگر بالکل خطبہ دیا ہی نہیں تو نماز صحیح ہو گی لیکن ترک سنت کی وجہ سے بُرا کیا۔ تنویر میں ہے کہ شہر میں بالاتفاق متعدد مقامات پر عید ادا کی جاسکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۲۵ تا ۱۲۲۶: از ملک بنگالہ ضلع ڈھاکہ ڈاک خانہ بدیعار بازار موضع قاضیہ گاؤں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل مندرجہ ذیل میں:

(۱) جس جگہ میں عید کی نماز کے واسطے احتیاط نہیں بلکہ پنج یا چھ ماہ تک پانی کے نیچے ڈوبا ہوا رہتا ہے

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۱

[3] تنویر الابصار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

اور باقی چھ ماہ بیل بکریاں اُسی جگہ میں چرتی ہیں اور وہ جگہ خراجی ہے وقفی نہیں، تو اس جگہ کو شرع میں عیدگاہ کہتے ہیں یا نہیں اور اس میں نمازِ عید کی درست ہے یا نہیں؟

(۲) عید کے دن بعد نمازِ عید کے مصافحہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر مصافحہ کریں تو حرام ہے یا نہیں؟ اور معانقہ کرنا بھی درست ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر وہ زمین کسی شخص کی ملک ہے اور اُس نے نمازِ عید کے لئے وقف نہ کی تو وہ عیدگاہ نہ ہوگی،

فان مصلی العید عرفا ھو عادی الارض المقرر من جھۃ سلطان الاسلام او جماعۃ مسلمی البلد لصلوٰۃ العید او للمملوك الموقوف لها من جهة المالك۔

کیونکہ عیدگاہ عرفاً زمین کا وہ ٹکڑا ہے جسے بادشاہِ اسلام یا مسلمانوں کی ایک جماعت نے نمازِ عید کے لئے چھوڑا ہو یا وُہ مالک کی طرف سے نمازِ عید کے لئے وقف ہو۔ (ت)

ہاں باجازت مالک اُس میں نماز درست ہے،

فانہ لیس المسجد ولا الوقف من جھۃ شرائط صحۃ صلوٰۃ اصلا صلوٰۃ العید کانت او الجمعۃ او غیر ذلك کما نصوا علیہ فی کتب المذھب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ نہ مسجد اور نہ صحتِ صلوٰۃ کے لئے شرائطِ وقف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ نمازِ عید ہو یا جمعہ یا اس کے علاوہ کوئی نماز ہو جیسا کہ کتبِ مذہب میں فقہاء نے تصریح کی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) بعد نمازِ عید مصافحہ و معانقہ دونوں درست ہیں جبکہ کسی منکرِ شرعی پر مشتمل یا اس کی طرف منجر نہ ہوں جیسے خوبصورت امرد اجنبی محلِ فتنہ سے معانقہ بلکہ مصافحہ بھی کہ بحالت خوف فتنہ اُس کی طرف نظر بھی مکروہ ہے نہ کہ مصافحہ نہ کہ معانقہ۔

کما فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار وتفصیل المسائل موکول الی رسالتنا وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ درمختار جیسی معتبر کتب میں ہے اور اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "وشاح الجید فی معانقۃ العید" میں خوب ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں اگر ہلالِ شوال دن چڑھے تحقیق ہو اور بارش شدید ہو بعض اہلِ شہر نمازِ عید پڑھیں بعض بسبب بارش نہ پڑھیں تو جماعت باقیماندہ دوسرے دن

ادا کریں یا اب انھیں اجازت نہ دی جائے گی کہ نماز ہو چکی، اور قہستانی میں ہے:

اذا صلی الامام صلٰوته مع بعض القوم لا یقضی من فاتت تلك الصلٰوة عنه لا فی الیوم الاول ولا من الغد[1] انتھی۔

جب امام نے کچھ لوگوں کو نماز پڑھا دی تو جن کی نماز فوت ہوگئی وہ اسے قضا نہیں کرسکتے، نہ پہلے دن اور نہ دوسرے دن، انتہٰی (ت)

بینوا توجروا۔

بینوا توجروا

الجواب

اللھم ھدایة الحق والصواب (اے اللہ! حق اور صواب کی توفیق عطا فرما۔ت) صورۃ مستفسرہ میں جماعت باقیماندہ بیشک دوسرے دن ادا کرے کہ عید الفطر میں بوجہ عذر ایک دن کی تاخیر جائز ہے اور بارش عذر شرعاً مسموع،

فی الدر المختار وتؤخر بعذر کمطر الی الزوال من الغد فقط[2] انتھی

درمختار میں ہے عذر کی وجہ سے نماز فطر فقط دوسرے دن تک مؤخر کی جائے گی جیسے بارش۔ انتہی (ت)

اور صلٰوۃ عید میں جواز تعدد متفق علیہ ہے بخلاف جمعہ کہ اس میں خلاف ہے اور راجح جواز،

فی الدر المختار تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا[3] اھ

درمختار میں ہے کہ ایک شہر میں بالاتفاق متعدد مقامات پر نمازِ عید ادا کی جاسکتی ہے اھ (ت)

تو ادائے بعض اہل شہر سے بعض دیگر کو دوسرے روز پڑھنا کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے کلام قہستانی وغیرہ اس صورت میں ہے جب عامۂ اہلِ بلد پڑھ لیں اور ایک آدمی باقی رہ جائے کہ نمازِ عید بے جماعت مشروع نہیں ناچار پڑھنے سے باز رہے گا، ہدایہ کی تعلیل اس پر صاف دلیل،

قال من فاتته صلٰوۃ العید مع الامام لم یقضھا لان الصلٰوۃ بھذہ الصفة لم تعرف قربة الا بشرائط لاتتم بالمنفرد[4] اھ

فرمایا جس کی نمازِ عید امام کے ساتھ فوت ہوگئی وہ اسے قضا نہیں کرسکتا کیونکہ اس طرح کی نماز شرائط کے ساتھ مشروع ہے اور وہ شرائط تنہا ہونے کی صورت میں پوری نہیں ہوتیں (ت)

---

[1] جامع الرموز، فصل فی صلٰوۃ العیدین، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۷۴

[2] درمختار، باب العیدین، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[3] " " " " "

[4] الہدایة " " المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۱۵۴

اور عبارت تنویر الابصار مورث تنویر الابصار امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ابتداءً اس مسئلہ کو ایسے پیرایہ میں ادا فرمایا کہ وہم واہم راہ نہ پائے،

حیث یقول ولا یصلیها وحدہ ان فاتت مع الامام اھ[1]

یہاں انھوں نے کہا تنہا نماز نہ پڑھے جب امام کے ساتھ فوت ہوگئی اھ (ت)

یونہی امام حافظ الدین ابوالبرکات نسفی رحمہ اللہ تعالٰی کا اپنے متن و شرح وافی و کافی میں ارشاد ازالہ اوہامِ ایقاظِ افہام کے لئے کافی ووافی:

لم تقض ان فاتت مع الامام ای صلی الامام العید وفاتت من شخص فانها لا تقضی لانها ماعرفت قربۃ الا بفعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وما فعلها الا بالجماعۃ فلا تؤدی الا بتلك الصفۃ اھ[2] ملخصا

نہ قضا کی جائے اگر امام کے ساتھ رہ گئی ہو یعنی امام نے نمازِ عید پڑھا دی اور ایک شخص کی فوت ہوگئی تو وہ اسے قضا نہ کرے کیونکہ یہ نماز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معمول کے مطابق ہی مشروع ہے اور آپ نے اسے جماعت ہی سے ادا فرمایا لہذا اب اس صفت کے علاوہ اسے ادا نہیں کیا جاسکتا اھ ملخصاً (ت)

علامہ بدرالدین محمود عینی رمز الحقائق میں فرماتے ہیں:

صلاها الامام مع الجماعۃ ولم یصلها هو لا یقضیها لا فی الوقت ولا بعدہ لانها شرعت بشرائط لاتتم بالمنفرد اھ[3]

امام نے جماعت کروادی لیکن اس شخص نے نہیں پڑھی تو اب وہ قضا نہ کرے نہ وقت کے اندر نہ بعد میں کیونکہ یہ کچھ شرائط کے ساتھ مشروع تھی اور وہ اکیلا ہونے کی صورت میں پوری نہیں ہوتیں اھ (ت)۔

مستخلص میں زیرِ قول کنز لم تقض ان فاتت مع الامام (قضا نہ کی جائے اگر امام کے ساتھ رہ گئی ہو۔ ت) لکھتے ہیں:

معناہ لو لم یصل رجل مع الامام لم یقضیها منفردا[4]

معنٰی اس کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے امام کے ساتھ نمازِ عید نہیں پڑھی تو وہ اب تنہا قضا نہ کرے (ت)

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶
[2] کافی شرح وافی
[3] رمز الحقائق باب فی احکام صلوٰۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۵۸
[4] مستخلص الحقائق " " " " " " کانشی رام پرنٹنگ پریس، لاہور ۱/ ۲۹۹

یا تو یہ معنی ہیں کہ امام معین ماذون من السلطان ادا کر چکا اور ان باقیماندہ میں کوئی مامور نہیں تا اقامت کون کرے، فاضل محقق حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں اس طرف ناظر ہے

اذ قال من فاتتہ الصلٰوۃ فلم یدرکھا مع الامام لایقضیھا لانھا لم تعرف قربۃ الابشرائط لاتتم بدون الامام ای السلطان اومامورہ[1]

کیونکہ انھوں نے کہا ہے جو نماز امام کے ساتھ نہ پڑھ سکا وہ اب قضا نہ کرے کیونکہ یہ نماز شرائط کے ساتھ مشروع ہے اور وہ امام یعنی سلطان یا اس کے نائب کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں (ت)

اس لئے فاضل سید احمد مصری اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں :

ای وقد صلاھا الامام اومامورہ فان کان مامورا باقامتہا لہ ان یقیمہا[2] اھ

یعنی امام یا اس کے نائب نے نماز پڑھادی پس اگر وہ امامتِ عید کے لئے مامور تھا تو وہ اسے پڑھا سکتا ہے (ت)

اقول وقد یشیر الیہ تعریف الامام فی عبارۃ النقایۃ المذکورۃ وغیرھا کما لایخفی علی العارف باسالیب الکلام۔

اقول اس کی طرف عبارت نقایہ وغیرہ میں جو امام نے تعریف کی ہے وہ بھی اشارہ کرتی ہے جیسا کہ کلام کے اسالیب کے ماہر پر مخفی نہیں۔ (ت)

بہر طور عبارت جامع الرموز سے بدیں وجہ کہ نماز ایک بار ہوچکی باقیماندہ لوگوں کے لئے ممانعت تصور کرنا محض خطا **اقول** بلکہ اگر نظر سلیم ہو تو وہی عبارت بعینہا مانحن فیہ میں جواز پر دال کہ اس میں صرف دوسرے ہی دن کی نسبت ممانعت نہیں بلکہ جب امام جماعت کرچکے تو اُس روز بھی نہ پانے والے کو منع کرتے ہیں حیث قال لا فی الیوم الاول ولا من الغد (نہ پہلے اور دوسرے دن۔ ت) اور اول بیان ہوچکا کہ تعددِ جماعت عیدین میں بالاتفاق جائز اور معلوم ہے کہ یہ تعدد و تاخر سے خالی نہیں ہوتا، اگر عبارت مفرح، نقایہ کے یہ معنی ہوتے کہ جب ایک جماعت پڑھ لے تو دوسروں کو مطلقاً اجازت نہیں تو یہ تعدد کیونکر روا ہوتا اور نماز عید کا بھی حکم اس امر میں اُس کے مذہب پر جو تعددِ جمعہ روا نہیں رکھتا، مانند نماز جمعہ ہوجاتا یعنی جماعت سابقہ کی تو نماز ہوگئی باقی سب کی ناجائز کما فی الدرالمختار علی المرجوح فی الجمعۃ لمن سبق تحریمتہ (جیسا کہ درمختار میں مرجوح قول کے مطابق ہے کہ جمعہ ان لوگوں کا ہے جن کی تحریمہ پہلے ہو۔ ت) تو بالیقین معنی کلام وہی ہیں جو ہم نے

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب احکام العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۹۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح " " " " " " "

بیان کئے اور قاطع شغب یہ ہے کہ درمختار میں درصورت فوات مع الامام تصریح کی :

لو امکنہ الذھاب الی الامام الاخر فعل لانھا تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا[1]۔

اگر دوسرے امام کی طرف جانا ممکن ہو تو چلا جائے کیونکہ ایک شہر میں بالاتفاق متعدد جگہوں پر نماز عید ادا کی جاسکتی ہے (ت)۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے :

لو قدر بعد الفوات مع الامام علی ادراکھا مع غیرہ فعل للاتفاق علی جواز تعددھا اھ[2]

اگر ایک امام کے ساتھ فوت ہونے کے بعد دوسرے امام کے ساتھ نماز ادا کی جاسکتی ہے تو نمازی وہاں چلا جائے کیونکہ متعدد مقامات پر عید کے جواز پر اتفاق ہے اھ (ت)

دیکھو نص فرماتے ہیں کہ ایک امام کے پیچھے نہ پڑھے تو دوسرے امام کے پیچھے پڑھے اور حالِ عذر میں روز اول و دوم یکساں آج پڑھے گا تو کل کون مانع ، مگر یہ ضرور ہے کہ جو امام عیدین و جمعہ کے لئے مقرر ہو اُسے بھی فوت ہوئی ہو کہ امامت کے لئے امام معین مل سکے اور اگر مقرر کردہ امام سب پڑھ چکے اور بعض لوگ رہ گئے تو یہ بیشک نہیں پڑھ سکتے نہ آج نہ کل واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

مسئلہ ۱۴۲۸ تا ۱۴۳۱ : از پیلی بھیت مدرسۃ الحدیث جناب مولانا وصی احمد صاحب محدّث سُورتی رحمہ اللہ تعالٰی ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں :

(۱) اگر حاکمِ وقت نے عام طور پر اجازت دے دی کہ تم لوگ فلاں زمین پر اپنی عیدگاہ بنالو یا بلا اجازت عیدگاہ بنانے کے فقط دوگانہ ادا کرنے کی اجازت دی تو ان دونوں صورتوں میں نماز کا ثواب اسی قدر ملے گا جس قدر مسلمان کی وقف کردہ عیدگاہ میں ملتا ہے یا اس سے کم ؟

(۲) اور صورتِ اولٰی میں اگر مسلمانوں نے عیدگاہ بنالی تو وہ وقف سمجھی جائے گی اور احکام عیدگاہ اس کے لئے ثابت ہوں گے یا وُہ زمین ملک حاکم پر باقی ہے اور وقف کے احکام جاری نہ ہوں گے ؟

(۳) اگر بے اجازت گورنمنٹ گورنمنٹی زمین پر نمازِ عید پڑھی گئی تو نماز بلا کراہت ہوگئی یا نہیں ؟

(۴) مصلی اعنی عیدگاہ کے مفہوم میں اُس کا محاط ہونا داخل ہے جیسے کہ جامع الرموز کی عبارت سے واضح

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۶

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب احکام العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۹۲

ہے یا نہیں بلکہ جس جگہ نماز ہو محاط ہو یا نہ ہو وہ عیدگاہ ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

(۱) ہاں اُتنا ہی ثواب ہے، زمین وقف کردہ میں پڑھنا نہ عیدین کے سنن سے ہے نہ مستحبات سے، سنت اس قدر ہے کہ صحرا میں ہو،

وقد کان المصلی فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وزمن الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم من عادی الارض بغیر وقف ولا بناء۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دور میں عیدگاہ افتادہ زمین تھی، نہ وقف تھی اور نہ تعمیر شدہ تھی۔ (ت)

(۲) صحراؤں جنگلوں کی افتادہ زمینیں بادشاہ کی ملک نہیں ہوتیں وُہ اصل ملک خدا ورسول پر ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ حدیث میں ہے:

عادی الارض للہ ورسولہ[1] رواہ البیہقی فی الشعب عن طاؤس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وقفا۔

افتادہ زمینیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہیں۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں طاؤس سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے یہ موقوفاً روایت ہے (ت)

حاکمِ وقت نے جب اجازت دے دی اور استرداد کا خوف نہ رہا اور مسلمانوں نے وقف کر دی وقف صحیح لازم ہوگئی احکامِ مصلی اس پر جاری ہوں گے۔

(۳) نماز بلاکراہت صحیح ہے،

لما مران الارض للہ ورسولہ جل وعلاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جیسا کہ گزرا کہ زمین اللہ جل وعلا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہے۔ (ت)

(۴) محاط ہونا مفہوم مصلی میں داخل نہیں،

لما قدمنا ان الصلوۃ فی زمنہ وزمن الخلفاء کانت فی ارض بیضاء بدون بناء وما

پیچھے ہم نے بیان کیا کہ نماز عید سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفاء کے دور

---

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر بحوالہ بیہقی حدیث ۵۳۶۳ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/۲۹۸

فی القہستانی فلہ علی العادۃ الحادثۃ بناء قصد بہ التعریف لا اشتراط بناء ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

میں چٹیل میدان میں بغیر کسی عمارت کے ہوتی تھی، اور قہستانی میں جو کچھ ہے وہ عادت معروفہ پر مبنی ہے یہ نہیں کہ بناء کو بطور شرط بیان کیا گیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۳۲ قاضی عبدالحمید صاحب از قصبہ کیکڑی ضلع اجمیر شریف ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد عیدگاہ میں جبکہ مسلمانوں میں رنج ہو اور مذہب غیر ہو تو اس صورت میں نماز عیدین کی دونوں گروہ اپنے اپنے امام کے ساتھ علیحدہ علیحدہ نماز وخطبہ ایک مسجد میں ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جواب دو پروردگار اجر دے گا۔

الجواب

نمازِ عید مثل نمازِ جمعہ ہے نمازِ پنجگانہ کی طرح نہیں جن میں ہر شخص صالح امامت کرسکتا ہے، عیدین اور جمعہ کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطانِ اسلام ہو یا اُس کا نائب یا اُس کا ماذون، اور نہ ہو تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے امامتِ جمعہ وعیدین کے لئے مقرر کیا ہو، ظاہر ہے کہ ایک مسجد میں ایک نماز کے لئے دو شخص امام مقرر نہیں ہوتے تو جو اُن میں مقرر نہیں ہے اسکی اور اُس کے پیچھے والوں کی نماز نہ ہوگی اور یہاں اختلاف مذہب حنفیت وشافعیت عذر نہیں ہوسکتا، ہاں اگر ایسا اختلاف مذہب ہے کہ اُن میں ایک گروہ سُنّی اور دوسرا وہابی یا غیر مقلد، تو اس صورت میں اُس امام اور اُس کے مقتدیوں کی نماز باطل محض ہے، اور سُنّیوں پر لازم ہے کہ اپنا امام اپنے میں سے مقرر کریں انھیں کی نماز نماز ہوگی وبس۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۳۳ از شہر محلہ بازار صندل خاں مرسلہ ہدایت اللہ صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

زید عید کی نماز سے پہلے درزی کا کام کرتا رہا، بکر نے کہا کہ زید نے نماز سے پہلے جتنی مزدوری کی وُہ حرام ہے اس لئے کہ اُس نے جتنا کام قبل نماز کیا وہ ناجائز تھا، آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

بکر محض غلط کہتا ہے جبکہ زید نے ادائے نماز میں قصور نہ کیا تو نہ قبل نماز کام کرنا حرام تھا نہ بعد نماز نہ اُس اُجرت میں کوئی حرج ہے، ہاں اگر کام کے سبب نماز نہ پڑھتا تو وہ کام حرام ہوتا اُجرت پھر بھی حرام نہ تھی، یہ تو حلت وحرمت کا حکم ہے البتہ مستحب ہے کہ ضرورت نہ ہو تو عید کے دن نماز سے پہلے متعلقاتِ عید کے سوا کوئی دنیوی کام نہ کرے کہ خوشی کا دن ہے نہ کہ محنت کا، اُس دن کا اور دنوں سے امتیاز چاہئے، اسی واسطے ہر گروہ میں اپنی اپنی عیدوں کے دن تعطیل کا معمول ہے پھر بھی یہ کوئی واجب نہیں، اور

ضرورت ہو جب تو کوئی گنجائش کلام ہی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۳۴: نمازِ عید میں امام نے تکبیرِ تحریمہ کے بعد سورۂ فاتحہ شروع کی الحمد للہ رب العٰلمین کہنے کے بعد مقتدی کے یاد دلانے پر تکبیر ثلٰثہ کہیں اور بعد تکبیرات دوبارہ قراءت شروع کی، اس شکل میں نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

پہلی صورت میں نماز نہ ہوئی دوسری میں ہوگئی، ایسا شخص احق بالامامۃ نہیں ہوسکتا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳۵: از پیلی بھیت محلہ شیر مرسلہ حاجی حامد حسین صاحب وعزیز الدین صاحب
۳ شوال ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، زید نے ایک مسجد میں جو شہر میں واقع ہے مقتدی بن کر نمازِ عید الفطر پڑھی، بعد اس کے زید عیدگاہ کو گیا اور وہاں بکر امام تھا، اُس سے نماز پڑھاتے وقت اخیر رکعت میں تکبیریں چھوٹ گئی تھیں جس سے نماز فاسد ہوگئی تب زید نے دوبارہ امام بن کر نمازِ عید الفطر پڑھائی حالانکہ وہ نماز مقتدی کی حالت میں پڑھ کر گیا تھا، ایسی حالت میں زید کو نماز پڑھانا چاہئے تھا یا نہیں؟ آیا زید کی نماز جو اس نے پیشتر مقتدی ہو کر پڑھی تھی صحیح ہے یا امام کی حالت میں ہے؟ اور دیگر مقتدیان کی نماز جنھوں نے زید کے پیچھے کہ جس نے دوبارہ حالتِ امام میں نماز پڑھائی اُن کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب

زید کو امامت ہرگز جائز نہ تھی۔ جن لوگوں نے اُس کے پیچھے نماز پڑھی اُن کی نماز باطل ہوئی، اُن میں جو ناواقف تھے اُن کی نماز جانے کا وبال بھی زید کے سر رہا، درمختار میں ہے:

لایصح اقتداء مفترض بمتنفل ولاناذر بمتنفل[1] فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کی اقتداء درست نہیں اور نہ نذر پوری کرنیوالے کی متنفل کی اقتداء۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان النذر واجب فیلزم بناء القوی علی الضعیف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ کیونکہ نذر واجب ہے لہٰذا قوی کی ضعیف پر بنا لازم آئے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۴
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۹

مسئلہ ۱۴۳۶ ازسلہٹ ۲۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند محلے کے لوگ مسجد میں جمعہ وعید کی نماز پڑھتے ہیں اور ہر شخص از روئے تغافل وتکاسل وقتِ معین میں حاضر نہیں ہوتے لہٰذا البعض لوگوں کی نماز فوت ہوتی ہے اس لئے جھگڑا فساد لڑائی برپا کرتے ہیں اب سب محلہ والے مل کر ایک صاحبِ علم سے مشورہ کیا اُس نے یہ امر کیا کہ تین بنگولہ جلانا مناسب ہے، یکے بعد دیگرے اگر تیسرے بنگولے کے متصل کوئی حاضر نہ ہو تو جھگڑا لڑائی نہیں، سب لوگوں نے اس بات پر متفق ہوکر یہ عمل شروع کیا کہ عید کے دن تین بنگولے جلاتے ہیں اور کہتا ہے کہ یہ واسطے اعلام اور اعلان مصلیوں کے کرتے ہیں، اب یہ بات جب دوسرے کسی صاحبِ علم نے سنا تو کہا یہ آتشبازی فعل بدعت سیئہ محرمہ ہنود کا کام ہے وُہ لوگ اپنے عیدوں تہواروں میں کیا کرتے ہیں، ہرگز جائز نہیں۔

الجواب

فی الواقع یہ بدعت سیئہ ہے اور مشابہت کفار ہے، اس سے بچنا واجب، حدیثِ اذان میں اس کا فیصلہ ہوچکا، نار و ناقوس وغیرہ سب رد کردئے گئے اور اذان مقرر فرمائی گئی جس سے اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اور عیدین کے لئے تو اذان کا بھی حکم نہیں، احادیثِ صحیحہ میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عیدین میں نہ اذان دلوائی نہ اقامت کہلوائی صرف الصلٰوۃ جامعۃ دو بار پکارا جاتا ہے۔ اسی پر اختصار کریں اور اس سے زائد ہرگز کچھ نہ ہو، تغافل والوں کا وبال اُن پر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۳۷ از بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب بنگالی ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ میں مسجد کے بستر وغیرہ لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

عیدگاہ میں مسجد کا مال لے جانا ممنوع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳۸ از تاراکاندی مدرسہ اسلامیہ پوسٹ پاکندیہ ضلع میمن سنگھ مسئولہ محمد عبدالحافظ صاحب مدرس اول تاراکاندی ۲۴ محرم ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ ذیل کہ بعد نماز عیدین قبل الخطبہ یا بعد الخطبہ دعا خواستن جائز است یا نہ، بر تقدیر اول دلیلش چہ بحوالہ کتب حنفیہ باظہار دلائل متعدد بیان فرمایند در بہشتی گوہر مصنفہ مولوی اشرف علی مرقوم است

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز کے بعد قبل از خطبہ یا بعد از خطبہ دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حنفی کتب سے متعدد حوالہ جات سے بیان فرمائیں مولوی اشرف علی کی کتاب بہشتی گوہر میں لکھا ہے

کہ باتباع سنت دعا مانگنے سے دعا نہ مانگنا بہتر ہے۔

کہ اس صورت میں سنت کی پیروی کرتے ہوئے دعا نہ مانگنا بہتر ہے۔

الجواب

بہشتی گوہر و بہشتی زیور ہر دو تصنیف ہیچ کسے ست کہ ہمہ علمائے کرام حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً بالاتفاق تحریر فرمودہ اندکہ او مرتد ست و آنکہ ہر کہ بر اقوال ملعونہ او مطلع شدہ در کفر او شک آرد خود کافر است و ایں کتابہا بر بسیاری از مسائل فاسدہ و اغلاط کاسدہ مشتمل ست دیدن آنہا حرام و موجب ضلالت عوام و دعا بعد نماز عید باتباع سنت عامہ و آثار خاصہ جائز و مستحب است والتفصیل فی رسالتنا سرور العید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بہشتی گوہر اور بہشتی زیور دونوں کتابیں اس شخص کی ہیں جس کے بارے میں علمائے حرمین (حرمین کو اللہ تعالیٰ زیادہ شرف و تعظیم عطا فرمائے) نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ شخص (اپنے کفریہ الفاظ کی وجہ سے) مرتد ہے، اور جو شخص اس کے کفریات پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر ہوگا۔ یہ بہت سے غلط اور فاسد مسائل پر مشتمل ہے اس کا پڑھنا حرام ہے اور عوام کی گمراہی کا سبب ہے جبکہ عید کی نماز کے بعد سنت معروفہ اور آثار مخصوصہ کی اتباع میں جائز اور مستحب ہے، اور اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "سرور العید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید" میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۳۹–۱۴۴۰ از تین سوکیا ڈاک خانہ خاص ضلع ڈبروگڑھ ملک آسام مسئولہ عبداللطیف
۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) اگر تار کی خبر پر افطار کرنا جائز ہو تو عید کی نماز پلنے کے سبب دور دراز کے آدمی کی خبرگیری کے لئے ایسے موقع پر ایک روز کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اور مسلم جماعت کے سردار پرہیزگار نے کہا آج تار کی خبر سے افطار تو کرلیں گے اگر شرعاً جائز ہو، لیکن ایسے تنگ وقت پڑھنے سے دُور دراز کے آدمی سب نماز سے محروم رہیں گے لہذا بہتر ہے کہ دوسرے روز نماز پڑھی جائے تاکہ سب لوگ شامل ہوں اور کوئی محروم نہ رہے، اب بغیر رضا سردار کے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) تار کی تو خبر معتبر ہی نہیں اگر شہادت شرعیہ ایسے وقت گزری کہ وقت تنگ ہے شہر میں اطلاع اور لوگوں کا اجتماع متعذر ہے تو دوسرے دن پڑھیں لانہا تؤخر بعذر الی الغد کما نصوا علیہ (کیونکہ عذر کی وجہ سے نمازِ عید کو دوسرے دن تک موخر کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اس پر نص ہے۔ ت) اور اگر شہر کے لئے وقت کافی ہے مگر دور دراز کے دیہات کو خبر جانا اور ان لوگوں کا آنا نہیں ہو سکتا تو واجب ہے کہ عید آج کرلیں، دیہاتوں کے لحاظ سے کل کے لئے تاخیر جائز نہیں کہ نمازِ عید الفطر کی تاخیر بلا عذر گناہ و ممنوع ہے اور دیہاتوں کا نہ آسکنا کوئی عذر ہی نہیں، درمختار میں ہے:

تؤخر بعذر کمطر الی الزوال من الغد فقط و الاضحی یجوز تاخیرھا الی اٰخر ایام النحر بلاعذر مع الکراھۃ و بالعذر بدونہا فالعذر ھنا لنفی الکراھۃ وفی الفطر للصحۃ[1]۔

عذر کی وجہ سے فقط دوسرے دن تک مؤخر کیا جا سکتا ہے مثلاً بارش، اور نمازِ عید الاضحی کو بغیر عذر کے ایامِ نحر کے آخری دن تک مؤخر کیا جا سکتا ہے البتہ کراہت ہوگی، اور اگر عذر ہو تو کراہت بھی نہیں، تو یہاں عذر نفی کراہت کے لئے ہے اور فطر میں عذر صحت کے لئے ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بعذر کمطر دخل فیہ ما اذا لم یخرج الامام وما اذا غم الھلال فشھدوا بہ بعد الزوال او قبلہ بحیث لایمکن جمع الناس[2]۔

ماتن کا قول کہ عذر ہو مثلاً بارش، تو اس میں وہ صورت بھی شامل ہے جب امام نہ آیا ہو اور وہ صورت بھی جب چاند مخفی رہا، اور اس کے نظر آنے پر زوال کے بعد گواہی ملی یا اتنی پہلے کہ لوگوں کا جمع ہونا ممکن نہ تھا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تجب صلٰوتہما (ای العیدین) علی من تجب علیہ الجمعۃ[3]۔

عیدین کی نماز انھیں لوگوں پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار | باب العیدین | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۱۶
[2] ردالمحتار | " | " مصطفی البابی مصر | ۱/۶۱۸
[3] درمختار | " | " مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۱۴

ردالمحتار میں برہان شرح مواہب الرحمٰن سے ہے:

وجوبها مختص باهل المصر[1]. واللہ تعالٰی اعلم۔

اس کا وجوب اہلِ شہر کے لئے مخصوص ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) اوپر معلوم ہوا کہ تار پر افطار حرام ہے اور اُس پر عید کر کے نماز پڑھنا بھی گناہ اور وہ نماز نہ ہوگی کہ سردار درکنار شریعت ہی کی رضا نہیں کہ پیش ازوقت ہے، ہاں اگر شرعی ثبوت ہو جاتا تو دیہاتوں کے لئے تاخیر ناجائز تھی اور دُوسرے دن پڑھتے تو نماز ہی نہ ہوتی، ایسی حالت میں سردار کے قول پر عمل ناجائز تھا اُسی روز نماز عید پڑھ لینی واجب ہوتی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴ از اُجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ یعقوب علی خاں صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

الحمدللہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین چہ می فرمایند علماء فضلائے دین دریں مسئلہ کہ نماز عیدین درقصبہ خواہ شہر باشد بجز عیدگاہ بشرط تکرار یا بے ایں درمساجد دیگر بگزارد درست ست یا ممنوع و برتقدیر قاضی فاسق نماز را ملک خود قرار دادہ نماز عید دیگر مساجد شہر را بجماعت حکام بند کنانیدہ دہد بدیں سبب کہ مردمان شہر پس من نماز ادا نمایند پس باقتدائے فاسق نماز درست ست یا نہ وحکم قضائے قاضی فاسق و پیروان اوچیست بیان فرمایند بالتشریح بحوالہ کتب رحمہ اللہ اجمعین۔

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور آخرت متقین کی ہے اور صلٰوۃ و سلام نازل ہو اللہ کے رسول محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کی آل و اصحاب تمام پر، علماء و فضلائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز قصبہ یا شہر میں عیدگاہ کے علاوہ بشرط تکرار یا انھیں دیگر مساجد میں ادا کی جاسکتی ہے یا ممنوع ہے، اگر قاضی فاسق نماز کو اپنی ملک سمجھتے ہوئے شہر کی دوسری مساجد میں حکام کو جماعت سے منع کر دیتا ہے تاکہ تمام لوگ میرے پیچھے ہی نماز ادا کریں تو فاسق کی اقتداء میں نماز درست ہوگی یا نہ؟ قاضی فاسق کی قضا کا حکم اور اس کی پیروی کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟ بحوالہ کتب تفصیلاً جواب عطا کریں رحمۃ اللہ اجمعین۔ (ت)

الجواب

رفتن عیدگاہ سنّت ست فی الدرالمختار الخروج

عیدگاہ کی طرف جانا سنّت ہے، درمختار میں ہے

---

[1] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۱

الیہا ای الجبانۃ لصلٰوۃ العید سنۃ وان وسعہم المسجد الجامع ہو الصحیح[1] اما واجب نیست اگر بہ مسجد شہر نماز گزارند قطعاً درست وبے خلل باشد اگرچہ ترک سنت کردہ باشند فی ردالمحتار الواجب مطلق التوجہ لا التوجہ الی خصوص الجبانۃ[2] وتکرار نماز عید در مصر واحد بمواضع کثیرہ بالاتفاق جائزست فی الدرالمختار تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا[3] واقتدا بفاسق معلن مکروہ تحریمی قریب بحرامست وہوالذی یقتضیہ الدلیل ولا یعدل عن درایۃ ما وافقتہا روایۃ علامہ ابراہیم حلبی در غنیہ فرمودہ یکرہ تقدیم الفاسق کراہۃ تحریم وکذا المبتدع[4] پس تا وقتیکہ نماز پس صالحے صحیح القراءۃ سلیم العقیدہ زنہار اقتدا بادنکنند اما اگر ظلما نماز دیگر مساجد بند کردہ شود وجز باقتدائے او راہے نیابند مجبور باشند ومعذور ووبال ایں ظلم وجبر برگردن آں فاسق مغرور لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا[5] نماز عید از اعظم شعار اسلام ست بایں علت عارضہ ترکش نتواں گفت فی

جماعتِ عید کے لئے جبانہ (نماز کی وہ جگہ جو جنگل میں بنائی جائے) کی طرف نکلنا سنّت ہے اگرچہ جامع مسجد میں لوگوں کی گنجائش ہو، اور یہی صحیح ہے لیکن نکلنا واجب نہیں اگرچہ شہر کی مسجد میں نماز پڑھ لی تو یقیناً درست ہے اس میں کوئی کمی نہیں اگرچہ سنت کا ترک ہُوا ہے، ردالمحتار میں ہے کہ واجب مطلق نکلنا ہے نہ کہ مخصوص عیدگاہ کی طرف نکلنا، اور ایک شہر میں تکرارِ نمازِ عید بالاتفاق جائز ہے۔ درمختار میں ہے کہ ایک شہر میں بالاتفاق متعدد مقامات پر عید ادا کی جاسکتی ہے۔ فاسق معلن کی اقتدا مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہے، اور دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس درایت سے عدول مناسب نہیں جو روایت کے موافق ہو۔ علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں فاسق کی تقدیم مکروہ تحریمی ہے اور اسی طرح بدعتی کی، جب تک کسی صالح صحیح القراءۃ سلیم العقیدہ کی اقتدا میسر ہو ہرگز کسی فاسق کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اگر ظلماً دیگر مساجد نماز کے لئے بند کردی گئی ہیں اور اس کی اقتدا کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تو اب مجبوری اور معذوری ہے۔ اس کا

---

[1] درمختار	باب العیدین	مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۱۴
[2] ردالمحتار	〃	〃 مصطفی البابی مصر	۱/۶۱۲
[3] درمختار	〃	〃 مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۱۶
[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی	فصل الامامۃ	〃 سہیل اکیڈمی لاہور	۱/۵۱۳
[5] القرآن ۲/۲۸۶			

ردالمحتار عن المعراج قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجد اماما غیرہ اھ قال فی الفتح وعلیہ فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصر علی قول محمد المفتی بہ لانہ بسبیل الی التحول[1] وایناں کہ برنکاح وامامت جمعہ واعیاد از جانب نصارٰی وغیرہم حکام زمانہ مقرر باشند از عہدۂ قضاجز اسم بے مسمی ولفظ بے معنی بہرہ ندارند پس حکم قضائے ایشاں چہ گفتہ آید حکم برموجود باشد وقضائے ایشاں خود معدوم ست کہ حقیقت در کنار صورت قضا ہم ندارد آرے اگر مراد آنست کہ فساق را بایں کار با معین کردن جواب آنست کہ ہرگز نشاید حال امامت خود حالے شد وغرض از تولیت انکہ توثیق و اشہاد ست وآں خود از فاسق حاصل نباشد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

وبال بھی اس فاسق پر ہی ہوگا اور اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا۔ نمازِ عید اسلام کے عظیم شعائر میں سے ہے، اس عارضہ کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے۔ ردالمحتار میں معراج کے حوالے سے ہے کہ ہمارے اصحاب نے فرمایا جمعہ کے علاوہ فاسق کی اقتدار نہ کی جائے کیونکہ دوسری نمازوں میں کسی دوسرے کی اقتدا ہوسکتی ہے اھ، فتح میں ہے کہ اس بنا پر جمعہ میں بھی اقتدا مکروہ ہے کیونکہ امام محمد کے مفتٰی بہ قول کے مطابق شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوسکتا ہے تو دوسرے مقام کی طرف چلے جانا ممکن ہوا اور یہ جو نصارٰی کی طرف سے نکاح، امامتِ جمعہ واعیاد کے لئے عہدۂ قضا پر مقرر لوگ ہیں، یہ اسم بے مسمی اور لفظ بے معنی ہیں ان کی قضا کیا حقیقت رکھتی ہے حکم موجود پر ہوگا اور ان کی قضا خود معدوم ہے جو درحقیقت قضا ہی نہیں، اگر سوال یہ ہے کہ ایسے فاسق لوگوں کو اس عہدہ پر مقرر کرنا کیسا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہرگز جائز نہیں، اور امامت کا معاملہ خود اہم ہے، والی بنانے سے مقصد ان کی توثیق واشہاد ہے جو فاسق سے حاصل نہیں ہوتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴۲: از دمن خرد ملک پرتگال محلہ کھارا موڑ مرسلہ مولوی محمد ضیاء الدین صاحب ۱۰ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عیدگاہ ایک چھوٹی سی بستی میں ۱۲۲۶ھ سے بنی ہوئی ہے، بعض مسلمان اہل شہر کو اپنے محلہ سے ربع میل کے قریب مسافت طے کرکے جانا پڑتا ہے اور بعض اہلِ محلہ ربع میل سے بھی کم چل کر داخل عیدگاہ ہوجاتے ہیں، سال مذکور سے جملہ اہلِ شہر اسی عیدگاہ میں برابر

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۱۴

نمازِ عید ادا کرتے رہے، حال میں اُن اشخاص نے جن سے بہت نزدیک عیدگاہ تھی بباعث نفسانیت دنیوی کے عیدگاہ میں نمازِ عید پڑھنا ترک کردیا حالانکہ اُن کو کسی نے عیدگاہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت بھی نہیں کی، آخر صرف اُسی نفسانیت کی بنا پر یا کسی مفسد کے بہکانے سے یہ بات اپنی طبیعت سے گھڑلی کہ ہم بانیانِ عیدگاہ کی طرف والے عیدگاہ میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں بایں وجہ ہم نے عیدگاہ میں دوگانہ ادا کرنا ترک کردیا، دو تین سال سے میدان میں جو عیدگاہ کے قریب ہے نمازِ عید پڑھتے تھے امسال ان کا ارادہ اسی میدان میں دوسری عیدگاہ کی تعمیر کا ہے، تو آیا ان چند اشخاص کو صورتِ مذکورہ بالا میں اپنی جدید گاہ کا ایسے مختصر شہر میں تعمیر کرنا ازروئے شرع شریف درست ہے یا نادرست؟ اگر درست ہے تو باب دو عیدگاہوں کے ہوجانے سے قلت جماعت عیدگاہ سابق موجب کمی ثواب ہے یا نہیں؟ اور باعثِ قلت ثواب کے ایسی حالت میں بانیانِ عیدگاہ جدید ٹھہریں گے یا نہیں؟ اگر یہ لوگ ٹھہرے تو عیدگاہ سابق کو محض نفسانیتِ دنیوی کے سبب ترک کردینے والوں کی نیت اور ثواب کثیر کو قلیل کرنے والوں کی بابت ہماری شریعتِ مطہرہ کیا حکم کرتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نمازِ عید ایک شہر میں متعدد جگہ اگرچہ بالاتفاق روا ہے مگر ایک شہر کے لئے دو عیدگاہ بیرونِ شہر مقرر کرنا زمان برکت نشان حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اب تک معہود نہیں نہ زنہار اس میں شرع مطہر و دینِ منور کی کوئی مصلحت خصوصاً ایسی چھوٹی بستی میں تو اگر اُس میں اس کے سوا کوئی حرج نہ ہوتا تو اسی قدر اس فعل کی کراہت کو بس تھا کہ محض بے ضرورتِ شرعی و مصلحتِ دینی خلاف متوارث مسلمین ہے اور ایسا فعل ہمیشہ مکروہ ہوتا ہے، درمختار باب العیدین میں ہے: لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم[1] (کیونکہ یہ مسلمانوں کے ہاں متوارث ہے لہذا ان کی اتباع لازم ہے۔ ت) ردالمحتار کتاب الذبائح میں غایۃ البیان سے ہے: توارثہ الناس فیکرہ ترکہ بلاعذر[2] (لوگوں کے ہاں متوارث ہے لہذا اس کا ترک بلاعذر مکروہ ہوگا۔ ت) اور یہیں سے ظاہر کہ تعدد مساجد پنجگانہ پر اُس کا قیاس نہیں ہوسکتا کہ وہ خود متوارث و مطلوب فی الشرع ہے، سنن ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

---

[1] درمختار	باب العیدین	مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۱۱۷
[2] ردالمحتار	کتاب الذبائح	ر مصطفی البابی مصر	۵/ ۲۰۸

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببناء مساجد فی الدور وان تنظف و تطیب[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر علاقے میں مسجد کی تعمیر اور ان کی نظافت وطہارت کا حکم دیا۔ (ت)

جب یہ تعمیر مصلحتِ دینی سے خالی ہُوئی اور اُس میں کوئی منفعت دنیوی نہ ہونا بدیہی تو محض عبث ہوئی اور ایسا ہر عبث ناجائز وممنوع ہے، ہدایہ میں ہے:

العبث خارج الصلوٰۃ حرام فما ظنك فی الصلوٰۃ[2]۔

عبث کام نماز سے باہر حرام تو نماز میں کیا حال ہوگا۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

الفرق بین العبث والسفه علی ما ذکرہ بدر الدین الکردی ان السفه مالاغرض فیه اصلا والعبث فعل فیه غرض لکن لیس بشرعی وعبارۃ غیرہ العبث مالیس فیه غرض صحیح لفاعله[3]۔

عبث اور سفہ میں فرق بقول علامہ بدرالدین الکردی کے یہ ہے کہ سفہ وُہ عمل جس میں کوئی غرض نہ ہو اور عبث وہ فعل جس میں غرض ہو لیکن شرعی نہ ہو۔ دیگر لوگوں کے الفاظ میں عبث وہ فعل ہے جس کے فاعل کی غرض صحیح نہ ہو۔ (ت)

یہ عمارت بے حاجت کی تعمیر ہُوئی اور ہر عمارت بے حاجت اپنے بنانے والے پر روزِ قیامت وبال ہے

کما وردت به احادیث عند البیهقی عن انس والطبرانی عن واثلة وفیه عن غیرهما رضی اللہ تعالٰی عنهم۔

جیسا کہ اس پر بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، طبرانی نے حضرت واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اس سلسلہ میں ان کے علاوہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مرویات ہیں۔ (ت)

جنگل میں بے حاجت شرعی ایک عمارت بنا کر کھڑی کر دینا اسراف ہوا اور اسراف حرام ہے قال اللہ تعالٰی ولا تسرفوا انه لایحب المسرفین[4] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور اسراف نہ کرو کہ اللہ تعالٰی اسراف

---

[1] سنن ابن ماجہ اتخاذ المساجد فی الدور مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

[2] الہدایۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا " المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۱۹

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] القرآن ۶/ ۱۴۱ و ۷/ ۳۱

کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ ت) صورت مستفسرہ میں یہ سب شناعتیں خود اس فعل بے معنی میں موجود تھیں اگرچہ اس کی تعمیر براہِ نفسانیت نہ ہو اور جبکہ یہ بناء براہِ نفسانیت ہے جیساکہ بیان سوال سے ظاہر، تو اس کا مذموم و مردود ہونا خود واضح و روشن ہے کما لا یخفی، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴۳ ازموضع مہچندی ضلع پیلی بھیت مرسلہ حاجی نصیر الدین صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ عید قرباں میں مستحب ہے کہ جب تک نماز نہ پڑھی جائے کھانا نہ کھائے یعنی جو کہ نگاہ رکھے اپنے آپ کو کھانے اور پینے سے اور جماع کرنے سے دن قربانی کے یہاں تک کہ پڑھی جائے نماز عید کی، اب مردمان اہل اسلام دن قربانی کے دس ذی الحجہ کو اپنے مکان سے کھانا کھاکر اور حقہ پانی پی کر واسطے نماز عید کے عیدگاہ کو جاتے ہیں، یہ حکم نہیں مانتے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرتے ہیں تو ان کے واسطے شرع شریف سے کیا ہے، پس اس امر میں اُن سے کیا کہا جائے گا اور نماز ان کی صحیح طور پر ہوگی و یا کوئی نقصان ان کی نماز میں عائد ہوگا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی حدیث قولی جس طرح سائل نے ذکر کی وارد نہیں، ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل ثابت ہُوا ہے کہ عیدِ قرباں میں نماز سے پہلے کچھ نہ کھاتے بعد نماز گوشتِ قربانی سے تناول فرماتے۔

الترمذی وابن ماجۃ عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان لایخرج یوم الفطر حتی یأکل وکان لایأکل یوم النحر حتی یصلی[1] و رواہ الدارقطنی فی سننہ حتی یرجع فیأکل من اضحیتہ[2] صححہ ابن قطان وفی اوسط الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر کو کوئی چیز کھائے بغیر تشریف نہ لاتے اور یوم النحر کو نماز ادا کرکے تناول فرماتے، اسے دارقطنی نے سنن میں ذکر کیا اور اس سلسلہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہاں تک کہ نماز سے واپس لوٹتے اور اپنی قربانی سے تناول فرماتے۔ اسے

---

[1] جامع الترمذی باب فی صلوٰۃ العیدین مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۷۱

[2] سنن الدارقطنی کتاب العیدین حدیث ، ، نشر السنۃ ملتان ۲/۴۵

تعالیٰ عنہما قال من السنۃ ان لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یأکل یوم النحر حتی یرجع۔[1]

ابن قطان نے صحیح قرار دیا۔ طبرانی کی اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ سنّت یہ ہے کہ یوم الفطر کو کھانے کے بغیر نہ نکلا جائے اور یوم النحر کو نماز سے واپسی پر کھایا جائے۔ (ت)

بہرحال یہ امر استحبابی ہے یعنی کرے تو ثواب، نہ کرے تو حرج نہیں، ایسے امر کے ترک کو حکم عدولی نہیں کہہ سکتے اور نماز میں نقص کا تو کوئی احتمال ہی نہیں، درمختار میں ہے:

یندب تاخیر اکلہ عنہا وان لم یضح ولو اکل لم یکرہ[2] اھ باختصار

یوم النحر میں کھانا مؤخر کرنا مندوب ہے اگرچہ قربانی نہ دینی ہو اور اگر کھا لیا تو اس میں کراہت نہیں اھ اختصاراً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای یندب الامساک عما یفطر الصائم من صبحہ الی ان یصلی قال فی البحر وھو مستحب ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لابد لہا من دلیل خاص اھ وفی البدائع ان شاء ذاق وان شاء یزق والادب ان لا یذوق شیئا الی وقت الفراغ من الصلوۃ حتی یکون تناولہ من القرابین[3] اھ اھ مختصرا واللہ تعالیٰ اعلم۔

یعنی نماز کی ادائیگی تک ہر اس شیئ سے رکنا مندوب ہے جس سے صائم کا روزہ افطار ہوتا ہے، بحر میں فرمایا: یہ مستحب ہے اور ترکِ مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی کیونکہ اس کے لئے مستقل دلیل ضروری ہے اھ بدائع میں ہے اگر چاہے تو چکھ لے اور نہ چاہے نہ چکھے، اور ادب یہی ہے کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے کوئی شے نہ کھائے یہاں تک کہ اس کا تناول قربانی کے جانور سے ہو اھ مختصراً واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴۴: زید بغیر کچھ اپنی رائے ظاہر کرے علمائے حاضرہ کی تحقیق وثبوت شہادت صحیح جان کر سہ شنبہ کو دس ذی الحجہ یقینی جان کر عید اضحی کی امامت کراتا ہے لیکن شب سہ شنبہ کو ایک بڑے متدین مستند عالم

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی والاوسط باب الاکل یوم الفطر الخ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/۱۹۹

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۶

[3] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۸

تشریف لائے اور انھوں نے ثبوت رؤیت صحیح نہ جان کر سہ شنبہ کو عید نہیں کی، لوگوں سے کوشش کرائی گئی کہ کسی صورت سے مجھ کو ثبوت رؤیت معلوم ہوجائے تو میں بھی عید کروں مگر کسی سے پتا نہیں چلا جن کے پاس ثبوت گزرا وہ اس قدر فرماکر بس کر گئے کہ مجھے سچا جانتے ہیں تو عید کریں ورنہ جواب کچھ نہیں، اس وجہ سے ایک عالم صاحب نے عید نہیں کی اُن کے موافق موجود علماء میں سے ایک عالم اور ہوگئے، زید امامت وخطبہ سے فارغ ہو کر یُوں کہتا ہے کہ دینی بھائیو! آج عید ہے، اور نماز بھی پڑھیے مگر قربانی جو دس گیارہ بارہ کو جائز ہے بجائے سہ شنبہ کے چہارشنبہ کو کرو احتیاطاً تو بہتر ہو، اس آخری فقرہ پر سوال ہوتا ہے لوگوں کی جانب سے کہ کیا مطلب احتیاط کا، تو زید جواب دیتا ہے کہ اگر آج قربانی کروگے تو جن علماء نے عید نہیں کی وہ فرمائیں گے کہ قربانی نہیں ہوئی اور اگر چہارشنبہ کو کروگے تو سب بالاتفاق فرمائیں گے کہ صحیح ہے اور اختلاف سے بچنا اولٰی، زید اس فقرہ کے تلفظ سے مجرم شرعی ہے یا نہیں، اور جو لوگ مشورہ کرکے اور لوگوں کو فراہم کرکے اپنے زعم میں زید کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں کوشش بلیغ کرتے ہیں کہ جرم ثابت ہو، یہ لوگ اچھا کام کرتے ہیں یا نامحمود؟

الجواب

زید اس فقرہ کے سبب مجرم شرعی نہیں کہ احتیاط کرنے اور اختلاف معتبر شرعی سے بچنے کا حکم شرع مطہر میں ہے اتنی بات پر جو اُسے ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اچھا کام نہیں کرتے بلکہ گناہ کے ساعی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل المسلم علی المسلم حرام مالہ وعرضہ ودمہ حسب امرئ من الشران یحقر اخاہ المسلم[1] رواہ ابوداود وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے اُس کا مال، اُس کی آبرو، اُس کا خون، آدمی کے بد ہونے کو یہ بہت ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

البتہ وہ نماز کہ پڑھی اُس میں بہت شقوق ہیں جن میں سے ملخص یہ کہ اگر وُہ جن کو علمائے حاضرہ کہا رسمی علماء ہیں نہ کہ فقیہ ماہر جن کے فتوے پر اعتماد جائز ہو، اُن کی تحقیق پر وثوق جائز نہ تھا اور اگر اُس وقت تک ان کی بات زید کے حق میں لائق وثوق تھی اور جب دوسرے عالم جن کو بڑے متدین مستند عالم کہا ہے انھوں نے وہ ثبوت صحیح نہ جانا تو زید کو اگلوں کے بیان پر وثوق نہ رہا، اور سہ شنبہ کو دسویں ہونا بے ثبوت ہوگیا پھر نماز پڑھی تو نماز ہی نہ ہُوئی کہ نماز کے لئے جس طرح وقت شرط ہے یونہی اعتقاد مصلی میں وقت آجانا شرط ہے مثلاً اگر صبح کی نماز پڑھی اور اسے طلوعِ صبح میں شبہہ تھا نماز نہ ہوئی اگرچہ واقع میں صبح ہوگئی ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] سنن ابن ماجہ باب حرمۃ دم المومن ومالہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۰

وکذا یشترط اعتقاد دخوله فلوشک لم تصح صلوته وان ظھر انه قد دخل[1] | اسی طرح اس کے دخول کا اعتقاد بھی شرط ہے لہذا اگر شک ہُوا تو نماز صحیح نہ ہو گی اگرچہ ظاہر یہی ہو کہ وقت شروع ہو چکا ہے۔ (ت)

اور اگر وہ قابلِ وثوق تھے اور اُسے وثوق ہی رہا تو قربانی میں احتیاط کی کیا حاجت تھی اور تھی تو کیا نماز میں احتیاط درکار نہ تھی، عیدِ اضحٰی کی نماز بھی بارھویں تک ہو سکتی ہے اگرچہ بلاعذر تاخیر مکروہ ہے، تنویر الابصار میں ہے:

یجوز تاخیرھا الٰی ثالث ایام النحر بلا عذر مع الکراھة وبه بدونھا[2] واللہ تعالٰی اعلم۔ | عذر کے بغیر نمازِ عید الاضحٰی کو ایامِ نحر کے آخر تک مؤخر کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے اور عذر کی صورت میں بغیر کراہت کے جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۴۵: از کانپور محلہ نئی سڑک مرسلہ حاجی فہیم بخش عرف چھٹن ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں عمرو نے نمازِ عید الاضحٰی اپنی امامت سے کثیر التعداد مقتدیوں کے ساتھ ادا کی، نماز وخطبہ کے بعد عمرو نے بوجہ اختلاف رویت، قربانی کے لئے بخیال مزید احتیاط ممانعت کی، بکر نے دوسرے روز نمازِ عید الاضحٰی مع قلیل التعداد مقتدیوں کے شہر کی ایک مسجد میں پڑھی عمرو نے جو ہنگام ادائے نماز وہاں موجود تھا بکر کی اقتدا میں تکرار نماز کی، پس ایسی صورت میں عمرو کی کون سی نماز واجب اور کون سی نفل ہو گی؟ بینوا توجروا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب

پہلے دن اگر عمرو کو روزِ عید ہونے میں شک تھا یا بلاثبوت شرعی عید مان کر نمازِ عید پڑھ لی تھی تو وہ نماز ہی نہ ہُوئی یہ دوسری ہی واجب واقع ہُوئی اور اگر بہ ثبوت شرعی بلاتردّد پہلے دن پڑھی تو وہی واجب تھی دوسری بلاوجہ رہی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴۶: از ملک بنگالہ ضلع کمرلہ موضع چاندپور مرسلہ مولوی عبدالمجید صاحب غرہ صفر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نمازِ عید الاضحٰی کی نیت میں عید الضحٰی کہے یعنی یوں کہے نویت ان اصلی للہ تعالٰی رکعتی صلٰوۃ العید الضحی الخ (میں نے نیت کی کہ میں اللہ تعالٰی کو راضی کرنے کے لئے نمازِ عید الضحٰی پڑھ رہا ہُوں الخ۔ ت) تو نماز اس کی صحیح ہو گی یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار   مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی   ۱/۱۱۶

[2] درمختار   باب العیدین

بینوا توجروا عنداللہ۔

الجواب

اگرچہ یہ لفظ غلط ہے صحیح صلٰوۃ عید الاضحٰی ہے مگر نہ نیت زبانی کی نماز میں حاجت، نہ وہ نماز کے اندر ہے نہ اس میں فسادِ معنٰی ہے، تو اس غلطی کا صحتِ نماز پر اصلًا اثر نہیں ہوسکتا، دل میں عید اضحٰی ہی کا قصد ہے اگرچہ نام میں غلطی کی بلکہ دل میں نماز عید اضحٰی کا ارادہ کرتا اور زبان سے عید الفطر بلکہ مثلًا نماز تراویح کا نام نکلتا جسے اس نماز سے کوئی مناسبت ہی نہیں جب بھی صحتِ نماز میں شبہہ نہ تھا کہ نیّت فعل قلب ہے، جب قلب کا ارادہ ہے زبان کا کچھ اعتبار نہیں۔ درمختار میں ہے:

المعتبر فیها عمل القلب اللازم للارادۃ فلا عبرۃ للذکر باللسان ان خالف القلب لانه کلام لانیة[1]

یہاں اعتبار فعلِ دل کا ہے جو ارادہ کو لازم ہے لہٰذا زبان کے ذکر کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ اس نے دل کی مخالفت کردی ہو کیونکہ وہ تو کلام والفاظ ہیں نیّت نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهوًا اجزأه کما فی الزاهدی قهستانی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر ارادہ ظہر کا تھا مگر سہوًا عصر کہہ دیا، تو نماز ہوجائیگی جیسا کہ زاہدی میں ہے قہستانی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۷: از شہر بریلی محلہ ملوکپور مسئولہ منشی ہدایت یار خاں صاحب قیس ۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ مثل مساجد قابلِ حرمت و وقعت ہے یا نہیں؟ اس کا حکم حکمِ مسجد ہے یا نہیں؟ اس احاطہ کے اندر غیر قومیں جُوتے پہنے ہوئے جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اور اس چار دیواری کے اندر خرید و فروخت ہوسکتی ہے؟ خطبہ کے وقت دکانداروں یا خوانچہ والوں کا گشت اس میں جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بالتشریح اس کا جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب

عیدگاہ ایک زمین ہے کہ مسلمانوں نے نمازِ عید کے لئے خاص کی، امام تاج الشریعۃ نے فرمایا صحیح یہ ہے

---

[1] درمختار	باب شروط الصلٰوۃ	مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۱۶
[2] ردالمحتار	″	″ مصطفی البابی مصر	۱/۳۰۵

کہ وُہ مسجد ہے اُس پر تمام احکامِ مسجد ہیں، نہایہ میں اگرچہ مختار للفتوٰی یہ رکھا کہ وُہ عین مسجد نہیں، مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ اُس کی تنظیف وتطہیر ضروری نہیں، غیر وقت نماز وخطبہ میں اُس میں خرید وفروخت قولِ اوّل پر مطلقاً حرام ہے اور خرید وفروخت کے لئے اُسے متعین کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

اذلا یجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ فضلا عن ضیعتہ کما فی الھندیۃ وغیرھا۔[1]

وقف کی ہیئت وحالت میں تبدیلی جائز نہیں چہ جائیکہ اسے ضائع کرنا جائز ہو، ہندیہ وغیرہ۔ (ت)

اور یُوں کہ اتفاقاً غیر وقت نماز وخطبہ میں ایک کے پاس کوئی شے ہو وہ دوسرے کے ہاتھ بیع کرے، قولِ دوم پر اس میں حرج نہیں، وقت نماز یا خطبہ میں خوانچہ والوں کا گشت بلاشبہہ ممنوع وواجب الانسداد ہے کہ مخل استماع وناقص ہے اور ان کے غیر اوقات میں وہی اختلافِ قولین، یونہی کفار کی آمد ورفت خصوصاً جُوتا پہنے کہ یہ نجاست سے خالی نہیں ہوتے نہ وہ جنابت سے کما حققہ فی الحلیۃ وبیناہ فی فتاوٰنا (جیساکہ اس کی تحقیق حلیہ میں ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

اما المتخذ لصلٰوۃ جنازۃ اوعید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لافی حق غیرہ بہ یفتی نہایۃ۔[2]

لوگوں کی سہولت کی وجہ سے عیدگاہ اور جنازگاہ جوازِ اقتدا کے حق میں مسجد ہے اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں، ہاں اس کے علاوہ میں یہ حکم نہیں، اسی پر فتوٰی ہے، نہایہ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر ظاھرہ انہ یجوز الوطئ والبول والتخلی فیہ ولایخفی ما فیہ فان البانی لم یعدہ لذلک فینبغی ان لایجوز وان حکمنا بکونہ غیر مسجد وانما تظھر فائدتہ فی حق بقیۃ الاحکام وحل دخولہ للجنب والحائض[3] انتہی۔

بحر میں ہے ظاہر عبارت بتارہی ہے کہ وطی اور بول وبراز جائز ہے لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ بانی نے اس کے لئے جگہ نہیں چھوڑی لہٰذا انھیں جائز نہیں ہونا چاہئے اگرچہ ہم اسے مسجد کا حکم نہیں دیتے اس کا فائدہ بقیہ احکام میں ظاہر ہوتا ہے اور اس میں جنبی اور حائضہ کے دخول کے حق میں بھی انتہی (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۹۰
[2] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳
[3] ردالمحتار " " " مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۶

اسی میں ہے:

صحح تاج الشریعۃ ان مصلی العید لہ حکم المساجد[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

تاج الشریعۃ نے عیدگاہ کے لئے مسجد کے حکم کی تصحیح کی ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ عید کو امام نے اس طور ادا کیا کہ پہلی رکعت میں بعد ثناء کے اول قراءت سے چار تکبیریں کہیں، دوسری رکعت میں قبل قراءت کے چار تکبیریں کہیں اور قراءت کرکے نماز تمام کی یا پہلی رکعت میں بعد ثنا کے تین تکبیریں کہیں بعد کو قراءت، اور دوسری رکعت میں اول میں تین تکبیریں کہیں اور قراءت ادا کرکے نماز تمام کی، تو اس صورت سے نمازِ عید ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

پہلی صورت میں دو باتیں خلافِ اولٰی کیں چار چار تکبیریں کہنی اور دوسری رکعت قبلِ قراءت تکبیر ہونی، اور دوسری صورت میں یہی بات خلافِ اولٰی ہوئی، مگر دونوں صورتوں میں نہ نماز میں نقصان آیا نہ کسی امر ناجائز و گناہ کا ارتکاب ہُوا، ہاں بہتر نہ کیا، درمختار میں ہے:

ھی ثلاث تکبیرات فی کل رکعۃ ولو زاد تابعہ الی ستۃ عشر لانہ ماثور[2]

یہ ہر رکعات میں تین تکبیرات ہیں اگر امام اضافہ کردے تو سولہ تک اس کی اتباع کی جائے کیونکہ یہاں تک منقول ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی البحران الخلاف فی الاولویۃ ونحوہ فی الحلیۃ[3]

بحر میں ہے کہ اختلاف اولٰی ہونے میں ہے، اور اسی طرح حلیہ میں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

یوالی ندبا بین القراءتین[4] (دونوں رکعتوں کی قراءت کو تکبیراتِ زائدہ کے فصل کے بغیر ادا کرنا مستحب ہے۔ ت)

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ و مایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۸۶/۱

[2] درمختار باب العیدین ″ مطبع مجتبائی دہلی ۱۱۵/۱

[3] ردالمحتار ″ مصطفی البابی مصر ۶۱۵/۱

[4] درمختار ″ ″ مطبع مجتبائی دہلی ۱۱۵/۱

ردالمحتار میں ہے:

اشار الی انه لوکبر فی اول کل رکعة جاز لان الخلاف فی الاولویة۔[1]

اس میں اشارہ ہے کہ اگر ہر رکعت کی ابتداء میں تکبیر کہہ لی تو جائز ہے کیونکہ اختلاف اولٰی ہونے میں ہے (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴۹: از اورنگ آباد ضلع گیا مرسلہ محمد اسمٰعیل مدرس مدرسہ اسلامیہ ۱۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید عید اضحی میں بعد اختتام نماز منبر پر گیا اور خطبہ شروع کیا، اثنائے خطبۂ اولٰی میں مستمعین سے کہ آپ لوگ ذرا زور سے سبحان اللہ توپڑھیں، سب چپ رہے پھر دوبارہ سہ بارہ کہہ کر لوگوں کو مجبور کیا کہ کیوں نہیں پڑھتے، تم لوگوں کا منہ کیوں بند ہوگیا، تب لوگوں نے باوازِ بلند سبحان اللہ پڑھنا شروع کیا پھر لبّیك واللہ اکبر کہلوایا پھر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھوایا پھر نعتیہ خطبہ پڑھ کر منبر پر بیٹھا اور اُٹھ کر خطبۂ ثانیہ شروع کیا ابھی خطبۂ ثانیہ تمام ہونے نہ پایا تھا کہ لوگوں کو کھڑے ہو کر یانبی سلام علیك یا رسول سلام علیك پڑھنے کو کہا، چنانچہ لوگوں نے اُٹھ کر زور زور سے یا نبی سلام علیك مع اشعار اردو کتبِ میلاد مروجہ ترنّم سے پڑھا اور زید نے پھر کچھ اردو میں دُعا مانگی اور خطبۂ ثانیہ کو اسی طرح ناتمام چھوڑ دیا آیا یہ فعل موافق سنّتِ متوارثہ ہوا یا خلافِ سنّت سراسر عبث اور ایسا کرنے والے پر عندالشرع کیا حکم لگایا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حالتِ خطبہ میں کلام اگرچہ ذکر ہو مطلقاً حرام ہے اذا خرج الامام فلاصلوٰۃ ولا کلام[2] (جب امام آجائے تو صلوٰۃ و کلام نہیں۔ ت) امام نے یہ جو کچھ کیا سب بدعت شنیعہ سیئہ ہے، اُن جاہلوں کا وبال بھی اُس پر بغیر اس کے کہ اُن کے وبال میں کمی ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی ھدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه لاینقص ذلك من

جس نے کسی اچھی بات کی طرف بلایا اس کو اتباع کرنے کے اجر کی مثل اجر ملے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی

---

[1] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۶

[2] نصب الرایۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ ؍؍ المکتبۃ الاسلامیہ الریاض ۲/۲۰۱

فتح الباری کتاب الجمعۃ ؍؍ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۳۳۸

اجورهم شیئا ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اٰثام من تبعہ لاینقص ذٰلک من اٰثامھم شیئا[1] رواہ الائمۃ احمد ومسلم والاربعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نہ ہوگی، اور جس نے بُرائی کی طرف بُلایا اس پر گناہ ہوگا اتباع کرنے والوں کی مثل، اور ان کے گناہ میں بھی کمی نہ ہوگی۔ اسے امام احمد، مسلم اور چار ائمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] صحیح مسلم، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۴۱/۲

وِشاحُ الجید فی تحلیل معانقة العید [12] [13]

(نمازِ عید کے بعد معانقہ کے جائز ہونے کا ثبوت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی عید رحمته وسع کل قریب وبعید، وجعل اعیاد المؤمنین مُعانَقَة بصفی الوعد وعفو الوعید، وافضل الصلوٰة واکمل السلام علی من تعانق عید جماله بعید نواله، فوجهه عید، ویده عید، یسعد بهما کُلُّ سعید، وعلیٰ حزبَی الآل والاصحاب الذین هما العیدان لایام الایمان، وعلیٰ کل من عانق جیده وشاح الشهادتین بجمان الایقان ما تعانق الملوان، وتوارد العیدان، هَنّاَهم اللہ باعیاد الاسلام، وعید الرؤیة فی دار السلام، ولدیه مزید، وانه یبدئ ویعید۔

تمام تعریف اللہ کے لئے، جس کی عید رحمت ہر دور و نزدیک کو محیط ہے۔ اور جس نے اہلِ ایمان کی عیدوں کو صفائیِ وعدہ اور معافیِ وعید سے بغلگیر کیا۔ اور بہتر درود اور کامل ترین سلام ہو ان پر جن کی عید جمال (ان کی) عیدِ جُود و نوال سے ہم آغوش ہے۔ جن کا چہرۂ زیبا بھی عید اور دستِ عطا بھی عید۔ ہر خوش نصیب ان دونوں سے فیروزمند ہے اور ان کی آل و اصحاب دونوں جماعتوں پر جو ایامِ ایمان کی دو عیدیں ہیں۔ اور ہر اس شخص پر جس کی گردن گوہرِ یقین سے آراستہ قلادۂ شہادتین سے ہمکنار ہے (یہ درود و سلام ہوں) جب تک روز و شب باہم بغلگیر اور دونوں عیدیں یکے بعد دیگرے ورود پذیر رہیں۔ اللہ انھیں عید ہائے اسلام اور جنت میں عیدِ دیدار کی مبارکباد سے نوازے۔ (ت)

اَمّا بَعدُ چند سال ہوئے کہ روزِ عید الفطر بعض تلامذہ مولوی گنگوہی نے بعض اہلسنت پر دربارۂ معانقہ طعن و انکار کیا کہ:

"شرع میں معانقہ صرف قادمِ سفر[1] کے لئے وارد ہوا، بے سفر بدعت و ناروا۔ میں نے اپنے اساتذہ سے یُوں ہی سنا۔"

ان سُنّیوں نے اس باب میں فقیر حقیر عبد المصطفٰے احمد رضا محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی غفر اللّٰہ لہ وحقق اَمَلہ سے سوال کیا فقیر نے ایک مختصر فتوٰی لکھ دیا کہ احادیث میں معانقۂ سفر و بے سفر دونوں کا اثبات اور تخصیصِ سفر تراشیدۂ حضرات[2]۔ بحمد اللّٰہ اس تحریر کا یہ نفع ہُوا کہ ان صاحب نے اپنے دعوٰی سے انکار کر دیا کہ:

"نہ میں اس تخصیص کا مدعی تھا نہ اپنے اساتذہ سے نقل کیا۔"

خیر، یہ بھی ایک طریقۂ توبہ رجوع ہے اور الزامِ کذب بھی زائل و مدفوع ہے کہ جب اپنے معبود کا کذب ممکن جانیں، کیا عجب کہ اپنے واسطے فرض و واجب مانیں[3]۔

---

[1] قادمِ سفر: سفر سے آنے والا۔ (مترجم)

[2] یعنی میں نے اپنے فتوے میں لکھا کہ سفر سے آنے کی حالت اور اس کے علاوہ احوال میں بھی احادیث سے معانقہ کا جائز ہونا ثابت ہے، اور معانقہ کا جواز محض آمدِ سفر کی حالت سے خاص کرنا ان حضرات کی اپنی گھڑی ہوئی بات ہے، حدیث و فقہ سے اس پر کوئی معتبر دلیل ہرگز نہیں۔ (مترجم)

[3] جب انھوں نے اپنے دعوے سے انکار کر دیا تو اتنا ظاہر ہو گیا کہ وہ اپنے پہلے قول پر نہ رہے اور جوازِ معانقہ بلا تخصیص تسلیم کر لیا — البتہ ان پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے دروغ گوئی سے کام لیا کہ پہلے ایک بات کہی پھر کہنے سے انکار کر ڈالا —— مگر دیوبندی حضرات جب اپنے معبود کے لئے جھوٹ بولنا ممکن مانتے ہیں، تو خود ان پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے، بعید نہیں کہ وہ اسے اپنے لئے فرض و واجب مانتے ہوں، استاذ محترم حافظِ ملت مولانا عبد العزیز صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور فرمایا کرتے تھے کہ علمائے دیوبند اور ان کے متبعین کا عقیدہ ہے کہ "خدا جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولتا نہیں"۔ اگر خود ان کا بھی یہی حال ہو کہ "جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں" تو ان کے عقیدے کی رُو سے شرک لازم خدا کے ساتھ اس وصف میں برابری لازم آجائے گی، اس لئے ان کے اپنے عقیدہ و قاعدہ پر "فرض اور ضروری ہے کہ وہ جھوٹ بولیں"۔ اگر "جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں" کی منزل میں رہ گئے تو مشرک ٹھہریں گے۔

(مترجم)

اب اس عیدِ اضحیٰ ۱۳۱۱ھ میں بعض علمائے شہر کے ایک شاگرد بعض اہلسنت سے پھر اُلجھے، انھوں نے پھر وہی فتوائے فقیر پیش کیا۔ خیالات کے پکّے تھے ہرگز نہ سلجھے، انھوں نے ان کے استاذ کو فتویٰ دکھایا، تصدیق نہ فرمائیں تو جواب چاہا، مدّت تک انکار پھر بعدِ اصرار وعدہ و اقرار، بالآخر مجموعۂ فتاوٰی مولوی عبدالحی صاحب صفحہ ۵۳۹ جلد اول پر نشانی رکھ کر ارسال فرمایا اور بعض عبارات ردالمحتار و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف سے حاشیہ چڑھایا۔ سائل مُصر ہُوئے کہ "جواب ضرور ہے آخر تحقیقِ حق نامنظور ہے"، فقیر نے چند ورق لکھ کر بھیج دئے اور رسالہ میں فتویٰ سابقہ کے ساتھ جمع کئے کہ ناظر دیکھیں، نفع پائیں، فقیر کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں وباللہ التوفیق وھدایۃ الطریق

اس رسالہ کا بلحاظ فتویٰ سابق و تحریر لاحق دو عید پر انقسام، اور بنظرِ تاریخ کہ بستم [20] محرم ۱۳۱۲ھ کو لکھا گیا "وشاحُ الجید فی تحلیلِ مُعانقۃِ العید" نام۔ ف۱ والحمدللہ ولی الانعام (اور تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے جو احسان کا مالک ہے۔ ت)

عیدِ اوّل میں فتویٰ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معانقہ بے حالتِ سفر بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ جو اُسے قدومِ مسافر کے ساتھ خاص اور اس کے غیر میں ناجائز بتاتا ہے، قول اس کا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب

کپڑوں کے اُوپر سے معانقہ بطور بِرّ و کرامت و اظہارِ محبّت، بے فسادِ نیّت و موادِ شہوت، بالاجماع جائز، جس کے جواز پر احادیثِ کثیرہ و روایاتِ شہیرہ ناطق، اور تخصیص سفر کا دعویٰ محض بے دلیل، احادیث نبویہ و تصریحاتِ فقہیہ اس بارے میں بروجہ اطلاق وارد، اور قاعدۂ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب اور بے مدرک شرعی تقیید و تخصیص مردود و باطل، ورنہ نصوصِ شرعیہ سے امان اُٹھ جائے، کما لایخفی ف۲ (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت)

ف۱ معانقہ کی تائے مدوّرہ حسبِ قاعدہ "ہ" مانی گئی ہے اس لئے اس کا عدد ۴۰۰ نہیں بلکہ ۵ ہوگا اور پورے نام کا عدد ۱۷۰۷ نہیں بلکہ ۱۳۱۲ھ ہوگا۔ (مترجم)

ف۲ ان ہی سطور میں اعلٰحضرت نے پُورے فتوے کا ماحصل اور تمام اعتراضات کا جواب ذکر کر دیا، ان جامع سطور کی قدرے تشریح درج ذیل ہے،

(باقی برصفحہ آئندہ)

ابن ابی الدنیا کتاب الاخوان اور دیلمی مسند الفردوس اور ابوجعفر عقیلی حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی واللفظ للعقیلی :

انہ قال سألتُ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن المعانقۃ فقال تحیۃ الامم و

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معانقہ کو پوچھا، فرمایا: تحیت ہے امتوں کی، اور ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جوازِ معانقہ کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں :

(۱) معانقہ کپڑوں کے اوپر سے ہو۔

(۲) نیکی، اعزاز اور اظہارِ محبت کے طور پر ہو۔

(۳) خرابیِ نیت اور شہوت کا کوئی دخل نہ ہو۔

مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ معانقہ سفر، غیر سفر ہر حال میں جائز ہے۔

دلیل : اس کا ماخذ وہ روایات و احادیث ہیں جن میں قیدِ سفر کے بغیر معانقہ کا ثبوت ہے، جو لوگ صرف آمدِ سفر کے بعد معانقہ جائز بتاتے ہیں ان کا جواب یہ ہے :

(۱) ان تمام احادیث و روایات میں مطلق طور پر جوازِ معانقہ کا ثبوت ہے۔ یہ کسی حدیث میں نہیں کہ بس سفر سے آنے کے بعد معانقہ جائز ہے، باقی حالات میں ناجائز — بلکہ بعض احادیث سے صراحۃً آمدِ سفر کے علاوہ حالات میں بھی معانقہ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۲) شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو حکم، مطلق اور کسی قید کے بغیر ہو، اُسے مطلق ہی رکھنا واجب وضروری ہے۔

(۳) معانقہ کے بارے میں جب یہ حکم مطلق اور قیدِ سفر کے بغیر ہے، تو اسے مطلق رکھتے ہوئے سفر، غیر سفر ہر حال میں معانقہ جائز ہوگا۔

(۴) ہاں اگر کسی حکم میں خود شریعت کی جانب سے تخصیص اور تقیید کا ثبوت ہو تو اس حکم کو مخصوص اور مقید ضرور ماناجائے گا — مگر معانقہ کے بارے میں سوا اُن شرائط کے جو ابتدا میں ذکر کی گئیں آمد و سفر وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔

(۵) لہٰذا جوازِ معانقہ کے بارے میں بے دلیل شرعی آمدِ سفر کی قید لگانا محض باطل اور نامقبول ہے۔ (مترجم)

ف یہاں سے دلیل کی تفصیل فرمائی، سب سے پہلے ایک حدیث ذکر کی جس سے معانقہ کی تاریخ آغاز معلوم ہوتی ہے، پھر فقہ حنفی کے مستند ماخذ سے وہ نصوص تحریر فرمائے جن کا حاصل ابتداءً رقم فرما چکے۔ (مترجم)

صالح وُدّهم وانّ اول من عانقَ خلیل الله ابراھیم۔[1]

کی اچھی دوستی، اور بیشک پہلے معانقہ کرنے والے ابراہیم خلیل اللہ ہیں علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

خانیہ میں ہے:

ان کانت المعانقة من فوقِ قمیصٍ او جُبّةٍ جاز عند الکل[2] اھ ملخصا۔

اگر معانقہ کُرتے یا جُبّے کے اوپر سے ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے اھ ملخصاً (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

اذاکان علیھما قمیصٌ او جبةٌ جاز بالاجماع[3] اھ ملخصا۔

اگر معانقہ کرنے والے دونوں مردوں پر کُرتا یا جُبّہ ہو تو یہ معانقہ بالاجماع جائز ہے اھ ملخصا (ت)

ہدایہ میں ہے:

قالوا الخلاف فی المعانقة فی ازار واحدٍ واما اذاکان علیہ قمیصٌ او جُبةٌ فلا باس بھا بالاجماع وھو الصحیح[4]۔

طرفین (امام اعظم وامام محمد) اور امام ابو یوسف میں اختلاف ایک تہبند کے اندر معانقہ کے بارے میں ہے لیکن جب معانقہ کرنے والا کُرتا یا جبہ پہنے ہو تو بالاجماع اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

دُرمختار میں ہے:

لوکان علیہ قمیص او جبة جاز بلاکراھة بالاجماع وصححہ فی الھدایة وعلیہ المتون[5]۔

اگر اس کے جسم پر کُرتا یا جبہ ہو تو بلاکراہت بالاجماع جائز ہے، ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا، متونِ فقہ میں یہی ہے۔ (ت)

شرح نقایہ میں ہے:

عِناقُہ اذاکان معہ قمیصٌ او جبةٌ

اس کا معانقہ جب اس طرح ہو کہ کُرتا یا جبہ

---

[1] کتاب الضعفاء الکبیر ترجمہ نمبر ۱۱۴۱ عمرن حفص بن محبّر مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی خانیہ کتاب الحظروالاباحۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۳

[3] مجمع الانہر کتاب الکراہیۃ 〃 بیروت ۲/ ۵۴۱

[4] ہدایہ 〃 〃 مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۶۶

[5] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ 〃 مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

او غیرہ لم یکرہ بالاجماع وھو الصحیح[1] اھ ملخصا۔

یا اور کچھ حائل ہو تو بالاجماع مکروہ نہیں، اور یہی صحیح ہے اھ ملخصاً (ت)

اسی طرح امام نسفی نے کافی پھر علامہ اسمٰعیل نابلسی نے حاشیہ درر مولٰی خسرو وغیرہا میں جزم کیا، اور یہی وقایہ ونقایہ وکنز و اصلاح وغیرہا متون کا مفاد۔ اور شروح ہدایہ وحواشی درمختار وغیرہا میں مقرر۔ ان سب میں کلام مُطلق ہے کہیں تخصیصِ سفر کی بُو نہیں۔

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

اما معانقہ اگر خوف فتنہ نباشد مشروع ست خصوصاً نزد قدوم از سفر[2]

معانقہ میں اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو جائز ومشروع ہے خصوصاً جب سفر سے آرہا ہو۔ (ت)

یہ "خصوصاً" بطلانِ تخصیص پر نصِ صریح۔ —— رہیں احادیثِ نہی، ان میں زید کے لئے حجت نہیں کہ ان سے اگر ثابت ہے تو نہیِ مطلق۔ پھر اطلاق پر رکھئے تو حالتِ سفر بھی گئی، حالانکہ اس میں زید بھی ہم سے موافق۔ اور توفیق پر چلئے تو علماء فرماتے ہیں وہاں معانقہ بروجہ شہوت مراد۔ اور پر ظاہر کہ ایسی صورت میں تو بحالتِ سفر بھی بلکہ مصافحہ بھی ممنوع، تا بمعانقہ چہ رسد۔ف

---

۱ شرح نقایہ	کتاب الکراہیۃ	مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۲/ ۲۲۹
۲ اشعۃ اللمعات	باب المصافحۃ والمعانقۃ	" نوریہ رضویہ سکھر	۴/ ۲۰

ف یہ اُن احادیث سے استدلال کا جواب ہے جن میں معانقہ سے ممانعت آئی ہے۔ توضیحِ جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں ممانعت مذکور ہے۔ اب اگر ان سے مطلقاً ہر حال میں ممانعت مراد لیں تو سفر، غیر سفر ہر جگہ معانقہ ناجائز ہوگا جب کہ سفر سے آنے کے وقت مانعین بھی معانقہ جائز مانتے ہیں۔ اس لئے وہ اگر احادیثِ نہی ہمارے خلاف پیش کریں تو خود ان کے بھی خلاف ہوں گی —— لامحالہ جوازِ معانقہ اور ممانعتِ معانقہ دونوں قسم کی حدیثوں میں تطبیق کرنا ہوگی، اور دونوں کے ایسے معنی لینے ہوں گے جن سے تمام احادیث پر عمل ہوسکے —— اور تطبیق یُوں ہے کہ جہاں معانقہ سے ممانعت ہے وہاں معانقہ بطورِ شہوت مراد ہے —— اور جہاں جوازِ معانقہ کا ثبوت ہے وہاں معانقہ بے شہوت وفسادِ نیت مراد ہے جیسا کہ ہم نے ابتداءً ذکر کیا —— اور ظاہر ہے کہ معانقہ بطورِ شہوت تو سفر سے آنے کے بعد بھی ناجائز ہے بلکہ اس طرح تو معانقہ کیا مصافحہ بھی ناجائز ہے۔ احادیثِ جواز ومنع کے درمیان یہ تطبیق مختلف فقہاء کرام نے فرمائی ہے اعلٰحضرت رحمہ اللہ تعالٰی نے ان کا حوالہ کتاب میں پیش کردیا ہے۔ (مترجم)

امام فخرالدین زیلعی تبیین الحقائق اور اکمل الدین بابرتی عنایہ اور شمس الدین قہستانی جامع الرموز اور آفندی شیخی زادہ شرح ملتقی الابحر اور شیخ محقق دہلوی شرح مشکوٰۃ اور امام حافظ الدین شرح وافی اور سیدی امین الدین آفندی حاشیہ شرح تنویر اور مولٰی عبدالغنی نابلسی شرح طریقہ محمدیہ میں اور ان کے سوا اور علماء ارشاد فرماتے ہیں :

وھذا لفظ الاکمل ، قال وفق الشیخ ابو منصور (یعنی الماتریدی امام اھل السنۃ وسید الحنفیۃ) بین الاحادیث فقال المکروہ من المعانقۃ ماکان علی وجہ الشھوۃ وعبرعنہ المصنف (یعنی الامام برھان الدین الفرغانی) بقولہ ازار واحد فانہ سبب یفضی الیھا فاما علٰی وجہ البر والکرامۃ اذاکان علیہ قمیص او جبۃ فلا باس بہ[1]

(یہ اکمل الدین بابرتی کے الفاظ ہیں) انھوں نے فرمایا شیخ ابومنصور (ماتریدی، اہلِ سنت کے امام اور حنفیہ کے سردار) نے (معانقہ کے جواز و منع دونوں طرح کی) حدیثوں میں تطبیق دی ہے، انھوں نے فرمایا مکروہ وہ معانقہ ہے جو بطورِ شہوت ہو۔ اور مصنف (یعنی امام برہان الدین فرغانی صاحبِ ہدایہ) نے اسی کو ایک تہمد میں معانقہ کرنے سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ یہ سببِ شہوت ہوسکتا ہے، لیکن نیکی اور اعزاز کے طور پر کُرتا یا جُبّہ پہنے ہوئے معانقہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

اور کیونکر روا ہوگا کہ بے حالتِ سفر معانقہ کو مطلقاً ممنوع ٹھہرائیے حالانکہ احادیثِ کثیرہ میں سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہا بے صورتِ مذکورہ بھی معانقہ فرمایا۔ ف

ف یہاں سے استدلال نے ایک دوسرا رنگ اختیار کیا، اعلٰحضرت رحمہ اللہ تعالٰی نے سولہ[16] احادیث ان کے حوالوں کے ساتھ پیش فرمائی ہیں جن میں اُسی معانقہ کا ذکر ہے جو نیکی، اعزاز اور اظہارِ محبت کے طور پر ہے — خرابیٔ نیت اور موادِ شہوت سے ہر طرح دور ہے — مگر بے حالتِ سفر ہے — لہٰذا ان احادیث سے صراحۃً یہ ثبوت فراہم ہوجاتا ہے کہ صرف قدومِ سفر کے بعد ہی نہیں بلکہ دیگر حالات میں بھی معانقہ بلاشُبہ جائز و درست ہے۔ اور جب خود سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان تمام احوال میں معانقہ کا ثبوت حاصل ہوجاتا ہے تو کوئی دوسرا اسے "بدعت و ناروا" کہنے کا کیا حق رکھتا ہے! (مترجم)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر شرح ہدایۃ کتاب الکراہیۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۵۸

حدیثِ اوّل[1]: بخاری و مسلم و نسائی و ابن ماجہ بطُرقِ عدیدہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وھذا لفظُ مؤلّفٍ منہا دخل حدیث بعضھم فی بعض (آئندہ الفاظ ان متعدد روایات کا مجموعہ ہے، بعض کی احادیث بعض میں داخل ہیں۔ ت)

قال خرج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فجلس بفناء بیت فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا فقال اُدعی الحسن بن علی فحبسته شیئًا فظننت انہا تلبسہ سخابا او تغسلہ فجاء یشتد وفی عنقہ السخاب فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیدہ ھکذا فقال الحسن بیدہ ھکذا حتی اعتنق کل منہما صاحبہ فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللھم اِنّی اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ۔[1]

یعنی ایک بار سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور سیّدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلایا، حضرتِ زہرا نے بھیجنے میں کچھ دیر کی، میں سمجھا انھیں ہار پہناتی ہوں گی یا نہلا رہی ہوں گی، اتنے میں دوڑتے ہوئے حاضر آئے، گلے میں ہار پڑا تھا، سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھائے، حضور کو دیکھ کر امام حسن نے بھی ہاتھ پھیلائے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کو لپٹ گئے، حضور نے "گلے لگاکر" دعا کی: الٰہی! میں اسے دوست رکھتا ہوں تُو اسے دوست رکھ اور جو اسے دوست رکھے اسے دوست رکھ۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی رحبتہ وبارک وسلم۔

حدیث دوم[2]: صحیح بخاری میں امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاخُذ بیدی فیُقعدُنی علی فخِذِہٖ ویقعد الحسین علی فخذِہِ الاُخرٰی ویَضُمُّنا ثم یقول رب انی ارحمھما فارحمھما۔[2]

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر ایک ران پر مجھے بٹھا لیتے اور دوسری ران پر امام حسین کو، اور ہمیں "لپٹا لیتے"۔ پھر دعا فرماتے: الٰہی! میں ان پر رحم کرتا ہوں تُو ان پر رحم فرما۔

حدیث سوم[3]: اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے:

---

[1] الصحیح للمسلم | باب فضل الحسن والحسین | مطبوعہ راولپنڈی | ۲/۲۸۲

[2] الصحیح البخاری | باب وضع الصبی فی الحجر | " قدیمی کتب خانہ کراچی | ۲/۸۸۸

ضَمَّنِی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الیٰ صدرہ فقال اللھم علمہ الحکمۃ۔[1]

سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے "سینے سے لپٹایا" پھر دُعا فرمائی: الٰہی! اسے حکمت سکھادے۔

حدیث چہارم[4]: امام احمد اپنی مُسند میں یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

ان حَسنًا وحُسینًا رضی اللہ تعالیٰ عنھما یستبقا الیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فضمّھما الیہ۔[2]

ایک بار دونوں صاحبزادے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آپس میں دوڑ کرتے ہوئے آئے حضور نے دونوں کو "لپٹالیا"۔

حدیث پنجم[5]: جامع ترمذی میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث ہے:

سُئِلَ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ای اھل بیتک احب الیک قال الحسن والحسین وکان یقول لفاطمۃ ادعی لی ابنی فیشمھما ویضمھما۔[3]

سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضور کو اپنے اہلِ بیت میں زیادہ پیارا کون ہے؟ فرمایا: حسن اور حسین۔ اور حضور دونوں صاحبزادوں کو حضرت زہرا سے بلواکر "سینے سے لگالیتے" اور ان کی خوشبو سُونگھتے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلّم۔

حدیث ششم[6]: امام ابوداؤد اپنی سُنن میں حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

بینما ھو یحدث القوم وکان فیہ مزاحٌ بینا یضحکھم فطعنہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی خاصرتہ بعود فقال اصبرنی قال اصطبر قال ان علیک قمیصًا ولیس علیّ قمیصٌ فوضع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن قمیصہ

اس اثنا میں کہ وہ باتیں کر رہے تھے اور ان کے مزاج میں مزاح تھا، لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکڑی ان کے پہلو میں چبھوئی، انھوں نے عرض کی مجھے بدلہ دیجئے۔ فرمایا: لے۔ عرض کی: حضور تو کُرتا پہنے ہیں اور میں ننگا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کُرتا اُٹھایا

---

[1] الصحیح البخاری مناقب ابن عباس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۳۱

[2] مسند احمد بن حنبل " دارالفکر بیروت ۴/۱۷۲

[3] جامع ترمذی مناقب الحسن والحسین " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۳۹-۴۰

فاحتضنہ وجعل یقبّل کشعہ قال انما اردت ھذا یارسول اللہ[1]

انھوں نے حضور کو اپنی "کنار میں لیا" اور تہیگاہِ اقدس کو چُومنا شروع کیا پھر عرض کی: یا رسول اللہ! میرا یہی مقصود تھا۔

ع دلِ عشاق حیلہ گر باشد
(عاشقوں کے دل بہانہ تلاش کرنے والے ہوتے ہیں)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ کل من احبہ وبارک وسلم۔

حدیث ہفتم[7]: اسی میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مالقیتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قط الاصافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اخبرت بہ فاتیتہ وھو علی سریر فالتزمنی فکانت تلک اجود واجود[2]

میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے۔ ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا میں گھر میں نہ تھا، آیا تو خبر پائی، حاضر ہوا، حضور تخت پر جلوہ فرما تھے "گلے سے لگالیا" تو اور زیادہ جیّد اور نفیس تر تھا۔

حدیث ہشتم[8]: ابویعلیٰ اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی:

قالت رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التزمَ علیاً وقبّلہ وھو یقول بابی الوحید الشھید[3]

میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا حضور نے مولیٰ علی کو "گلے لگایا" اور پیار کیا، اور فرماتے تھے میرا باپ نثار اس وحید شہید پر۔

حدیثِ نہم[9]: طبرانی کبیر اور ابن شاہین کتاب السُّنّۃ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

دخل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصحابہ غدیرا فقال لیسبح کل رجل الی صاحبہ فسبح کل رجل منھم

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ ایک تالاب میں تشریف لے گئے حضور نے ارشاد فرمایا، ہر شخص اپنے یار کی طرف پیرے۔ سب نے

---

[1] سنن ابوداؤد باب قُبلۃ الجسد (کتاب الادب) مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ٢/٣٩٣
[2] ″ ″ ″ باب فی المعانقۃ (″ ″) ″ مطبع مجتبائی لاہور ٢/٣٥٢
[3] مسند ابویعلیٰ مسند عائشہ مطبوعہ موسسۃ علوم القرآن بیروت ٤/٣١٨

الیٰ صاحبہ حتی بقی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابوبکر فسبّح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الیٰ ابی بکر حتی اعتنقہ فقال لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکرٍ خلیلا ولکنہ صاحبی[1]

ایسا ہی کیا یہاں تک کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق باقی رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدیق کی طرف پَیر کے تشریف لے گئے اور انھیں گلے لگا کر فرمایا: میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وُہ میرا یار ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ صاحبہ وبارک وسلّم۔

حدیث دہم ١٠: خطیب بغدادی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال کنا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یطلع علیکم رجل لم یخلق اللہ بعدی احدا خیرا منہ ولا افضل ولہ شفاعۃ مثل شفاعۃ النبیین فما برحنا حتی طلع ابوبکر فقام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقبّلہ والتزمہ[2]

ہم خدمتِ اقدس حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر تھے، ارشاد فرمایا: اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد اس سے بہتر و بزرگ تر کسی کو نہ بنایا اور اس کی شفاعت شفاعتِ انبیاء کے مانند ہوگی، ہم حاضر ہی تھے کہ ابوبکر صدیق نظر آئے سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور صدیق کو پیار کیا اور "گلے لگایا"۔

حدیث یازدہم ١١: حافظ عمر بن محمد ملّا اپنی سیرت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقفاً مع علی بن ابی طالب اذ اقبل ابوبکر فصافحہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعانقہٗ وقبّل فاہ فقال علیؓ اتقبل فا ابی بکر فقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اباالحسن منزلۃ

میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امیرالمومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ کھڑے دیکھا اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے، حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے مصافحہ فرمایا اور "گلے لگایا" اور ان کے دہن پر بوسہ دیا۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے عرض کی: کیا حضور

---

[1] طبرانی کبیر حدیث ١١٦٧٦ و ١١٩٣٨ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ١١/ ٢٦١ و ٣٣٩

[2] تاریخ بغداد ترجمہ ١١٤١ محمد بن عباس ابوبکر القاص مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ٣/ ٢٤-١٢٣

ابی بکرٍ عندی کمنزلتی عند ربی[1]

ابوبکر کا منہ چومتے ہیں؟ فرمایا: اے ابوالحسن! ابوبکر کا مرتبہ میرے یہاں ایسا ہے جیسا میرا مرتبہ میرے رب کے حضور۔

حدیث دوازدہم (۱۲): ابن عبدربہ کتاب بہجۃ المجالس میں مختصراً اور ریاض نضرہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مطوّلاً، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ابتدائے اسلام میں اظہارِ اسلام اور کفار سے حرب وقتال فرمانا، اور ان کے چہرۂ مبارک پر ضربِ شدید آنا، اس سخت صدمے میں بھی حضورِ اقدس سیّد المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال رہنا، حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالارقم میں تشریف فرما تھے اپنی ماں سے خدمتِ اقدس میں لے چلنے کی درخواست کرنا مفصلاً مروی، یہ حدیث ہماری کتاب مَطْلَعُ الْقَمَرَیْن فی اِبَانَۃِ سَبْقَۃِ الْعُمَرَیْن (۱۲۹۷ھ) میں مذکور، اس کے آخر میں ہے:

حتی اذا ھدأت الرجل وسکن الناس خرجتا بہ یتکی علیھما حتی ادخلتاہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانکب علیہ فقبلہ وانکب علیہ المسلمون ورق لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رقۃ شدیدۃ۔[2] الحدیث۔

یعنی جب پہچل موقوف ہوئی اور لوگ سو رہے ان کی والدہ اُمّ الخیر اور حضرت فاروق اعظم کی بہن ام جمیل رضی اللہ تعالٰی عنہما انھیں لے کر چلیں، بوجہ ضعف دونوں پر تکیہ لگائے تھے، یہاں تک کہ خدمت اقدس میں حاضر کیا، دیکھتے ہی "پروانہ وار شمع رسالت پر گر پڑے" (پھر حضور کو بوسہ دیا) اور صحابہ غایتِ محبت سے ان پر گرے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لئے نہایت رقّت فرمائی۔

حدیث سیزدہم (۱۳): حافظ ابوسعید شرف المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المنبر ثم قال این عثمان بن عفان؟ فوثب وقال انا

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا: عثمان کہاں ہیں؟ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ بے تابانہ اُٹھے اور عرض کی: حضور! میں یہ

۱؎ سیرت حافظ عمر بن محمد ملا

۲؎ الریاض النضرۃ ذکر ام الخیر مطبوعہ چشتی کتب خانہ فیصل آباد ۱/۷۶

ذا یا رسول اللہِ فقال اُدْنُ مِنّی فَدَنا مِنْہُ فَضَمّہٗ اِلٰی صَدْرِہٖ وقبّل بَیْنَ عَیْنَیْہِ الخ[1]

حاضر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس آؤ۔ پاس حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے "سینہ سے لگایا" اور آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔

حدیث چہاردہم[14]: حاکم صحیح مستدرک میں بافادۂ تصحیح اور ابویعلٰی اپنی مسند اور ابونعیم فضائلِ صحابہ میں اور برہان خجندی کتاب اربعین مسمّٰی بالماء المعین اور عمر بن محمد ملّا سیرت میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال بینا نحن مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی نفر من المھاجرین منھم ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحۃ والزبیر و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لِیَنْھَضْ کُلُّ رَجُلٍ الٰی کفوہ و نَھَضَ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الٰی عثمان فاعتنقہ وقال اَنتَ وَلِیّی فِی الدُّنْیَا والاٰخِرَۃِ۔[2]

ہم چند مہاجرین کے ساتھ خدمتِ اقدس حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے حاضرین میں خلفائے اربعہ و طلحہ و زبیر و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں ہر شخص اپنے جوڑ کی طرف اٹھ کر جائے اور خود حضورِ والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اُٹھ کر تشریف لائے ان سے "معانقہ کیا" اور فرمایا: تو میرا دوست ہے دُنیا و آخرت میں۔

حدیث پانزدہم[15]: ابن عساکر تاریخ میں حضرت امام حسن مجتبٰی وہ اپنے والد ماجد مولٰی علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجوہہما سے راوی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عَانَقَ عثمان بن عفان و قال قد عَانَقْتُ اَخِیْ عثمان فَمَنْ کَانَ لَہٗ اَخٌ فَلْیُعَانِقْہُ۔[3]

حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے معانقہ کیا اور فرمایا: میں نے اپنے بھائی عثمان سے معانقہ کیا جس کے کوئی بھائی ہو اسے چاہیے اپنے بھائی سے "معانقہ کرے"۔

---

[1] شرف المصطفٰی

[2] المستدرک | باب فضائل عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ | مطبوعہ بیروت | ۳/ ۹۷

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر | حدیث ۳۶۲۴۰ | مطبوعہ دار الکتب الاسلامی حلب | ۱۳/ ۵۷

اس حدیث میں علاوہ فعل کے مطلقاً حکم بھی ارشاد ہُوا کہ ہر شخص کو اپنے بھائیوں سے معانقہ کرنا چاہیے۔

حدیث شانزدہم[16]: کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا سے فرمایا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی کہ نامحرم شخص اُسے نہ دیکھے۔ حضور نے "گلے لگا لیا اور فرمایا:

ذُرِّیَّۃً بَعْضُہَا مِنْۢ بَعْضٍ[1] (یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے۔ ت)

اوکما ورد عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارك وسلم (یا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وارد ہے۔ ت)

بالجملہ احادیث اس بارے میں بکثرت وارد۔ اور تخصیصِ سفر محض بے اصل و فاسد۔ بلکہ سفر و بے سفر ہر صورت میں معانقہ سنّت، اور سنّت جب ادا کی جائے گی سنّت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریحاً نہی ثابت نہ ہو، یہاں تک کہ خود امامِ طائفۂ مانعین اسمٰعیل دہلوی رسالہ نذور میں کہ مجموعہ زبدۃ النصائح میں مطبوع ہُوا صاف مُقِر کہ معانقہ روزِ عید گو بدعت ہو بدعت حسنہ ہے۔ حیث قال (یوں کہا۔ ت)[ف]:

ہمہ اوضاع از قسم قرآن خوانی و فاتحہ خوانی وخورانیدن طعام سوائے کندن چاہ و امثالہ دعا و استغفار و اُضحیہ بدعت ست	کنُواں کھودنے، اور اسی طرح حدیث میں سے ثابت دوسری چیزوں، اور دعا، استغفار، قربانی کے سوا تمام طریقے، قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا

ف مولوی اسمٰعیل دہلوی پیشوایانِ علماء دیوبند کی اس عبارت میں چند باتیں قابلِ غور ہیں:

(۱) ایصالِ ثواب کے لئے کنواں کھدوانا، دعا، استغفار، قربانی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں بدعت نہیں بلکہ سنّت سے ثابت ہیں۔

(۲) قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا اور اس طرح کے دوسرے طریقے بدعت ہیں مگر بدعتِ حسنہ ہیں۔

(۳) اس سے بدعت کی دو قسمیں معلوم ہوئیں: بدعتِ[1] حسنہ، بدعتِ[2] سیئہ۔ لہٰذا ہر بدعت بُری نہیں۔ اور ہر نیا کام صرف بدعت ہونے کے باعث ناجائز وحرام نہیں ہوسکتا بلکہ بعض کام بدعت ہوتے ہُوئے بھی حسن اور اچھے ہوتے ہیں۔

(۴) روزِ عید کا معانقہ، اور ہر روز فجر وعصر کے بعد مصافحہ بدعتِ حسنہ جائز اور اچھا ہے ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

منکرینِ اعلیحضرت کا پورا رسالہ نہ مانیں، تمام احادیث وفقہی نصوص سے آنکھیں بند کرلیں مگر انھیں اپنے "پیشوائے اعظم" کے اقرارِ صریح اور کلامِ واضح سے ہرگز مفر نہ ہونا چاہیے۔ (مترجم)

---

[1] القرآن ۳/ ۳۴

بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معانقہ روزِ عید ومصافحہ بعد نماز صبح یا عصر[1]

سب بدعت ہیں، مگر خاص بدعت حسنہ ہیں، جیسے عید کے دن معانقہ، اور نمازِ فجر یا عصر کے بعد مصافحہ کرنا (بدعتِ حسنہ ہے)۔(ت)

واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

١٣٠١ھ
سنی حنفی قادری
عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

اس کے معارضے میں جو فتوٰی مولوی عبدالحی صاحب کا پیش کیا گیا اس کی عبارت یہ ہے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد خطبۂ عیدین کے جو مصافحہ ومعانقہ لوگوں میں مروج ہے وہ مسنون ہے یا بدعت؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ ت)

ھو المُصَوِّب (وہی درستی تک پہنچانے والا ہے) بعد عید مصافحہ ومعانقہ مسنون نہیں، اور علماء اس باب میں مختلف ہیں، بعض بدعتِ مباحہ کہتے ہیں اور بعض بدعت مکروہہ۔ علٰی کل تقدیر ترک[ع] اس کا

ع اس کے بعد فتوٰی مذکور میں چار عبارتیں نقل کیں:

(۱) عبارتِ اذکار کہ اس مصافحہ میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) عبارتِ درمختار کہ یہ بدعتِ مباحہ بلکہ حسنہ ہے کما ھو موجود فی الدر وان اقتصر المجیب فی النقل (یہ درمختار میں موجود ہے اگرچہ مجیب نے صرف نام پر کفایت کی ہے۔ ت)

(۳) عبارتِ ردالمحتار کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہمیشہ بعد نماز کئے جاؤ تو جاہل سنت سمجھ لیں گے۔ اور ابن حجر شافعی نے اسے مکروہ کہا ہے۔

(۴) عبارتِ مدخل ابن حاج مالکی المذہب کہ غیبت کے بعد ابن عُیَینہ نے جائز رکھا، اور عید میں ان لوگوں سے جو اپنے ساتھ حاضر ہیں، نہیں[ف]۔ اور مصافحہ بعد عید مجھے معروف نہیں مگر (باقی بر صفحہ آیندہ)

ف یعنی عید میں ان لوگوں سے معانقہ جائز نہیں جو اپنے ساتھ حاضر ہیں۔ (مترجم)

[1] مجموعہ زبدۃ النصائح

اولیٰ ہے الخ۔ [ف]

ابوالحسنات محمد عبدالحی

عبارات کہ حاشیہ پر لکھ کر پیش کی گئیں زحرفہٖ یہ ہیں:

اذا تردد الحکم بین سنّۃ وبدعۃ کان ترك السنۃ راجحاً علٰی فعل البدعۃ ۱۲ ردالمحتار [۱]

جب حکم سنت و بدعت کے درمیان مُتَرَدِّد ہو تو ارتکابِ بدعت پر ترکِ سنّت کو ترجیح دی جائیگی [ف۲]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عبداللہ بن نعمان فرماتے ہیں میں نے مدینۂ خاص میں جبکہ وہاں علماء صالحین بکثرت موجود تھے، دیکھا کہ وہ نمازِ عید سے فارغ ہوکر آپس میں مصافحہ کرتے، تو اگر سلف سے نقل مساعد ہو تو کیا کہنا ورنہ ترک اولیٰ ہے۔ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

ف۱ مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کے اس فتوے کا حاصل یہ ہے کہ بعد عید مصافحہ و معانقہ حدیث سے ثابت نہیں — رہے علماء وفقہاء — تو ان میں اختلاف ہے، کچھ بدعتِ مباحہ کہتے ہیں کچھ بدعتِ مکروہہ۔ بہرتقدیر اسے نہ کرنا بہتر ہے۔ ("نہ کرنا بہتر ہے" سے اتنا ضرور ثابت ہوجاتا ہے کہ کرلیا تو جائز ہے)۔ مولانا فرنگی محلی کا یہی فتوٰی (جو ان کے مجموعۂ فتاوٰی طبع اول کے ج ۱ ص ۵۲۸ پر ہے) بریلی کے ان عالم نے بھیجا جن سے اعلٰحضرت اپنے جواب میں خطاب کر رہے ہیں، ساتھ ہی انھوں نے اس مجموعۂ فتاوٰی کے حاشیہ پر معانقۂ عید کی ممانعت کے ثبوت میں وُہ عبارتیں بھی لکھ دیں جنھیں کتاب "وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید" میں اعلٰحضرت نے بعینہٖ نقل فرمایا اور التماس چہارم سے ان پر بحث کی۔ (مترجم)

ف۲ یعنی جب معاملہ ایسا ہو کہ کرے تو کسی بدعت کا مرتکب ہوتا ہے، نہ کرے تو کوئی سنت چھوٹتی ہے، ایسی صورت میں یہی حکم ہے کہ نہ کرے کہ اس سے سنت اگرچہ چھوٹ جائے گی مگر بدعت کا مرتکب تو نہ ہوگا۔ معانقۂ عید کا بھی یہی حال ہے۔ لہٰذا اس سے بھی ممانعت ہی کا حکم دیا جائے گا۔ اعلٰحضرت نے التماس نہم میں اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ یہاں بدعت سے مراد بری بدعت ہے، اور معانقۂ عید ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اپنی اصلیت کے لحاظ سے سنّت اور خصوصیتِ بعد عید کے لحاظ سے مباح، اور قصدِ حَسن کے ساتھ ہو تو مستحسن ہے، لہٰذا آپ کی عبارت مذکورہ معانقۂ عید پر منطبق (فٹ) ہو ہی نہیں سکتی۔ (مترجم)

[۱] ردالمحتار مطلب اذا تردد الحکم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۸۲

نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انه تکرہ المصافحة بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال لان الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم ماصافحوا بعد اداء الصلوٰۃ ولانها من سنن الروافض اھ ثم نُقِل عن ابن حجر من الشافعیة انها بدعة مکروھة لا اصل لها فی الشرع وانه ینبه فاعلها اولاً و یعزر ثانیا ثم قال وقال ابن الحاج من المالکیة فی المدخل انها من البدع و موضع المصافحة فی الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاخیه لا فی ادبار الصلوات فحیث وضعها الشرع یضعها فینهٰی عن ذلك و یزجر فاعله لما اتی به من خلاف السنة اھ ردالمحتار **قوله**[ع] لا یخرج الخ ولا یخفی ان فی کلام الامام نوع تناقض لان

ردالمحتار میں ہے کہ تبیین المحارم میں ملتقط سے منقول ہے کہ ادائے نماز کے بعد مصافحہ بہر حال مکروہ ہے (۱) اس لئے کہ صحابہ نے بعد نماز مصافحہ نہیں کیا ، (۲) اس لئے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے اھ پھر علامہ ابن حجر شافعی سے منقول ہے کہ یہ مصافحہ بدعت مکروہہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اس کے مرتکب کو اولاً متنبہ کیا جائے گا، نہ مانے تو سرزنش کی جائے گی۔ پھر فرمایا کہ ابن الحاج مالکی مدخل میں لکھتے ہیں کہ یہ مصافحہ بدعت ہے (۳) اور شریعت میں مصافحہ کا محل مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کا وقت ہے، نمازوں کے بعد کے اوقات مصافحہ کا شرعی محل نہیں، شریعت نے جو محل مقرر کیا ہے اسے وہیں رکھئے تو نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے والے کو روکا اور زجر کیا جائے گا اس لئے کہ وہ خلافِ سنت فعل کا مرتکب ہے اھ ردالمحتار (حاشیۂ ذیل میں مندرج امام نووی کی عبارتِ اذکار یہ

ع کتبه المعترض حاشیة علی ما نُقِل فی الفتاوی اللکنویة فی عبارة الاذکار للامام النووی رحمه اللہ تعالٰی من قوله "لاباس به فان اصل المصافحة سنة وکونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال وفرطوا فی کثیر من الاحوال او اکثرها لا یخرج ذلك البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها" اھ ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

فتاوٰی مولوی عبدالحی لکھنوی میں امام نووی کی کتاب اذکار سے منقولہ عبارت پر بریلی کے معترض مولوی صاحب نے یہ حاشیہ لکھا ہے امام نووی کی عبارت یہ ہے: "اس مصافحہ میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اصل مصافحہ سنت ہے، اور اکثر حالات میں لوگ مصافحہ کے اندر کوتاہی کرنے کے ساتھ صرف بعض حالات میں اگر مصافحہ کی پابندی کرتے ہیں تو اس سے یہ بعض حالات والا مصافحہ (مثلاً مصافحہ بعد نماز) اس مصافحۂ جائزہ کے دائرے سے خارج نہ ہوگا جس کی اصلیت شرع سے ثابت ہے۔ (ت)

اتیان السنة فی بعض الاوقات لا یسمّٰی بدعة مع انّ عمل الناس فی الوقتین المذکورین لیس علی وجہ الاستحباب المشروع، لان محل المصافحة المذکورة اوّل الملاقاة وقد یکون جماعة یتلاقون من غیر مصافحة ویتصاحبون بالکلام وبمذاکرة العلم وغیرہ مدّة مدیدة ثم اذا صلوا یتصافحون فاین ھذا من السنة المشروعة وبھذا صرح بعض العلماء بانھا مکروھة وح[عہ] انھا من البدع المذمومة ۱۲ کذا فی المرقاة۔

اعتراض کرتے ہوئے مولوی صاحب مذکور نے حاشیہ لکھا ہے) ظاہر ہے کہ امام نووی کے کلام میں ایک طرح کا تعارض ہے۔ اس لئے کہ اگر لوگ بعض اوقات "سنت کے مطابق" مصافحہ کرتے ہیں تو اسے بدعت نہیں کہا جائے گا۔ لیکن فجر وعصر کے بعد مصافحہ کا عمل استحباب مشروع کے طور پر نہیں ہے اس لئے کہ جائز ومشروع مصافحہ کا محل بس اوّل ملاقات ہے۔ اور یہاں تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ملاقات بلا مصافحہ کرتے ہیں اور دیر تک گفتگو وعلمی بحث وغیرہ میں ایک ساتھ رہتے ہیں پھر جب نماز پڑھ لیتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، یہ سنتِ مشروعہ کہاں! اسی لئے تو بعض علماء نے صراحۃً فرمایا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور اس کا شمار مذموم بدعتوں میں ہے۔ یہی عبارت مرقاۃ میں ہے۔ (ت)

عیدِ ثانی میں

تحریرِ جواب وتقریرِ صواب وازالۂ اوہام وکشفِ حجاب — یعنی اُس تحریر کی نقل جو برسمِ جواب مولوی معترض کے پاس مرسل ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب مولانا! دام مجدکم، بعد ماھو المسنون ملتمس، فتوٰی فقیر دربارۂ معانقہ کے جواب میں مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی جناب نے ارسال فرمایا اور اس کی جلد اول صفحہ ۵۲۸ طبع اول میں جو فتوٰی معانقہ

عہ ھکذا بخطہ ولیست بھذہ الحاء فی عبارة المرقاة ولا لھا محل فی العبارة کما لا یخفی ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

مولوی صاحب موصوف کی تحریر میں اسی طرح "ح" بنی ہوئی ہے مگر یہ عبارۃ مرقاۃ میں نہیں ہے عبارت میں اس کا موقع بھی نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ (ت)

مندرج ہے پیش کیا اور اس کے حاشیے پر تائیداً کچھ عبارتِ ردالمحتار و مرقاۃ بھی تحریر فرمادی، سائل مُظہر کہ جب جناب سے یہ گزارش ہُوئی کہ آیا یہ مجموعہ آپ کے نزدیک مُستنَد ہے تو فرمایا: "ہمارے نزدیک مستند نہ ہوتا تو ہم پیش کیوں کرتے۔" اور واقعی یہ فرمانا ظاہر و بجا ہے۔ فقیر کو اگرچہ ایسے مُعارَضَہ کا جواب دینا ضرور نہ تھا مگر حسبِ اصرارِ سائل، محض بغرضِ احقاقِ حق وازہاقِ باطل چند التماس ہیں۔ معاذ اللہ کسی دوسری وجہ پر حمل نہ فرمایئے فقیر ہر سُنی مسلمان کو مستحقِ ادب جانتا ہے خصوصاً جناب تو اہلِ علم و سادات سے ہیں، مقصود صرف اتنا ہے کہ جناب بھی بمقتضائے بزرگیِ حسب ونسب و عمر و علم ان گزارشوں کو بنظرِ غور و تحقیقِ حق استماع فرمائیں، اگر حق واضح ہو تو قبول، مرجوح و مامول کہ علماء کے لئے رجوع الی الحق عار نہیں بلکہ معاذ اللہ اصرار علی الباطل —— قال تعالٰی:

فَبَشِّرْ عِبَادِهٖ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ[1] ف
توخوشی سناؤ اُن بندوں کو جو کان لگا کر بات سُنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔ (ت)

التماس اوّل: اس مجموعۂ فتاوٰی سے استناد الزاماً ہے یا تحقیقاً؟ علی الاول فقیر نے کب کہا تھا کہ کسی مُعاصر کی تحریر مجھ پر حجت ہے، علی الثانی پہلے دلیل سے ثابت کرنا تھا کہ یہ کتاب خادمانِ علم پر احتجاجاً پیش کرنے کے قابل ہے ف۲

ف حاصل یہ ہے کہ ہم نے معانقۂ عید کا جواز احادیثِ کریمہ سے ثابت کیا، مستند فقہی عبارتیں پیش کیں، اس احادیث اور نصوص سے مدلل فتوے کے جواب میں آپ مولوی عبدالحی صاحب کا فتوٰی مستند بنا کر پیش کر رہے ہیں، ایسی مخالف دلیل کا جواب تو کوئی ضروری نہ تھا مگر سائل کے اصرار پر حق کو حق دکھانے اور باطل و ناحق کو مٹانے کی خاطر آپ کی خدمت میں چند التماس ہیں، ان التماسوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ بنگاہِ غور دیکھیں اگر حق واضح ہو تو آپ سے اُسے قبول کر لینے کی امید ہے اس لئے کہ حق کی طرف رجوع اور اسے قبول کرلینا علماء کے لئے عار نہیں بلکہ معاذ اللہ باطل و ناحق بات پر اڑے رہنا شانِ علماء کے خلاف ہے۔ (ت)

ف۲ **توضیح:** آپ نے میرے فتوے کے جواب میں مولوی عبدالحی صاحب کا مجموعۂ فتاوٰی مستند بنا کر پیش کیا ہے اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) یا تو مجھے الزام دینا مقصود ہے کہ دیکھئے آپ کی مستند و رمانی ہوئی کتاب میں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن ۳۹/ ۱۸

دوم: شاید جناب نے اس مجموعہ کو استیعاباً ملاحظہ نہ فرمایا اس میں بہت جگہ وہ مسائل وکلمات ہیں جو آج کل کے فرقۂ مانعین کے بالکل مخالف وقالعِ اصل مذہب ہیں۔ تمثیلاً ان میں سے چند کا نشان دوں۔

جلد اول صفحہ ۱۳۱ پر لکھتے ہیں:

"کتبِ فقہیہ میں نظائر اس کے بہت موجود ہیں کہ ازمنۂ سابقہ میں اُن کا وجود نہ تھا مگر بسبب اَغراضِ صالحہ کے حکم اُس کے جواز کا دیا گیا۔"[1]

صفحہ ۲۹۴ پر ہے:

"الوداع یا الفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلمات حسرت ورخصت کے ادا کرنا فی نفسہٖ امر مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعثِ ندامت وتوبۂ سامعان ہُوئے تو امیدِ ثواب ہے۔ مگر اس طریقہ کا ثبوت قرونِ ثلٰثہ میں نہیں[2] الخ۔"

جلد دوم صفحہ ۷۰ میں ہے:

کسے کہ می گوید کہ وجودیہ وشہودیہ از اہلِ بدعت اند قولش قابلِ اعتبار نیست ومنشاءِ قولش جہل و ناواقفیت است از احوالِ اولیاء۔ واز معنی توحیدِ وجودی وشہودی وشاعرے کہ ذمّ ہر دو فرقہ ساختہ قابلِ ملامت ست۔[3]

جو کہتا ہے کہ وجودیہ اور شہودیہ اہلِ بدعت سے ہیں اس کا قول قابلِ اعتبار نہیں، اور اس کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اولیاء کے احوال اور توحیدِ وجودی و شہودی کے معنی سے جاہل و بے خبر ہے، اور جس شاعر نے دونوں فرقوں (وجودیہ وشہودیہ) کی مذمت کی ہے وُہ قابلِ ملامت ہے۔ (ت)

صفحہ ۱۲۴ پر ہے:

"شغلِ برزخ اس طور پر کہ حضرات صوفیہ صافیہ نے لکھا ہے نہ شرک ہے نہ ضلالت، ہاں افراط وتفریط اس میں منجر ضلالت کی طرف ہے، تصریح اس کی مکتوبات مجدد الف ثانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ کے خلاف ہے، مگر میں نے کب کہا کہ اس زمانے کے کسی عالم کی تحریر مجھ پر حجت ہے۔ (۲) یا یہ کہ آپ نے خود تحقیقی طور پر اُسے سب کے لئے معتمد اور مستند جان کر پیش کیا ہے، تو آپ کو پہلے دلیل سے ثابت کرنا تھا کہ یہ کتاب قابلِ استدلال اور علماء پر حجت وسند بنا کر پیش کرنے کے لائق ہے، اور جب یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں تو اس مجموعۂ فتاوٰی کو یہاں پیش کرنا ہی بے محل ہے۔ (مترجم)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی

[2] مجموعۂ فتاوٰی عبدالحی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/۲۴-۲۵

[3] 〃 〃 〃 〃 ۲/۵۸

ہیں جا بجا موجود ہے۔[1] ف[1]

جلد سوم صفحہ ۵۷ میں ہے :

سوال : وقتِ ختمِ قرآن در تراویح سہ[3] بار سورۂ اخلاص می خوانند مستحسن است یا نہ؟

جواب : مستحسن ست۔[2]

سوال : تراویح میں ختمِ قرآن کے وقت تین[3] بار سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں یہ مستحسن ہے یا نہیں؟

جواب : مستحسن ہے۔ (ت)

صفحہ ۱۲۷ پر ہے :

سوال : بسم اللہ نوشتن بر پیشانیِ میت از انگشت درست ست یا نہ؟

جواب : درست ست۔[3]

سوال : انگلی سے میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب : درست ہے۔ (ت)

صفحہ ۱۵۲ میں ہے :

در مجالسِ مولد شریف کہ از سورۂ والضحیٰ تا آخر می خوانند البتہ بعد ختمِ ہر سورۃ تکبیر می گویند راقم شریکِ مجالسِ متبرکہ بودہ ایں امر را مشاہدہ کردم ہم در مکہ معظمہ و ہم در مدینہ منورہ و ہم در جدہ۔[4]

میلاد شریف کی محفلوں میں سورہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک پڑھتے ہیں، ہر سورۃ ختم کرنے کے بعد تکبیر کہتے ہیں۔ راقم نے ان متبرک محفلوں میں شریک ہو کر اس امر کا مشاہدہ کیا ہے مکہ معظمہ میں بھی، مدینہ منورہ میں بھی اور جدہ میں بھی۔ (ت)

طرفہ تر یہ کہ صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں :

ف[1] ارواح سے توجہ طلبی، تصورِ شیخ، شغلِ برزخ وغیرہ سے متعلق اعلیٰحضرت قدس سرہٗ ایک مدلل رسالہ ہے الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ (۱۳۰۹ھ) جس میں نصوص علماء اور مستندینِ مانعین کی عبارتوں سے اس کا جواز ثابت فرمایا ہے، قابلِ مطالعہ ہے۔ (مترجم)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی

[2] 〃 〃 〃 باب التراویح مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۵۷

[3] 〃 〃 〃 باب ما یتعلق بالموتی 〃 〃 〃 ۱/۱۲۳

[4] 〃 〃 〃 باب القراءۃ فی الصلوٰۃ 〃 〃 〃 ۳/۵۲

سوال: پارچہ جھنڈا سالار مسعود غازی در مصرف خود آرد یا تصدق نماید؟

جواب: ظاہراً در استعمال پارچہ مذکور بصرف خود وجہے کہ موجب بزہ کاری باشد نیست۔ و اولیٰ آنست کہ بمساکین و فقراء دہد۔[1]

سوال: سیّد سالار مسعود غازی کے جھنڈے کا کپڑا اپنے مصرف میں لائے یا صدقہ کردے؟

جواب: مذکورہ کپڑا اپنے مصرف میں لانے کے اندر بظاہر گناہ کی کوئی وجہ نہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ مساکین و فقراء کو دے دے۔ (ت)

جناب سے سوال ہے کہ مولوی صاحب کے یہ اقوال کیسے؟ اور ان کے قائل و معتقد کا حکم کیا ہے؟ خصوصاً شغلِ برزخ کو جائز جاننے والا معاذ اللہ مشرک یا گمراہ ہے یا نہیں؟ اور جس کتاب میں ایسے اقوال مندرج ہوں مستند و معتمد ٹھہرے گی یا پایۂ احتجاج سے ساقط ہوگی؟ بیّنوا توجروا۔

سوم: مولوی صاحب نے اس فتوٰی میں معانقۂ عید کی نسبت صرف اتنا حکم دیا کہ "ترک اس کا اولٰی ہے" اس سے ممانعت درکنار اصلاً کراہت بھی ثابت نہیں ہوتی "اَوْلَوِیَّتِ ترک نہ مشروعیت و اباحت کے منافی نہ کراہت کو مستلزم۔ف" ردالمحتار میں ہے:

الاقتصار علی الفاتحۃ مسنون لاواجبٌ فکان الضم خلاف الاولٰی وذلک لاینافی المشروعیۃ والاباحۃ بمعنی عدم الاثم فی الفعل والترک۔[2]

نمازِ فرض کی تیسری چوتھی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کرنا صرف مسنون ہے، واجب نہیں۔ تو ان رکعتوں میں سُورۃ ملانا خلافِ اَولٰی ہوگا اور یہ اس کے جائز و مباح ہونے کے منافی نہیں۔ اباحت بایں معنٰی کہ کرنے نہ کرنے دونوں میں کوئی گناہ نہیں۔ (ت)

ف: فقہاء اگر یہ حکم کریں کہ فلاں امر کا ترک بہتر ہے تو اس سے ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ چیز ناجائز ہے بلکہ مکروہ ہونا بھی لازم نہیں آتا، یہ ایک عظیم قاعدہ ہے جو حفظ کرلینے کے قابل اور بہت سے مقامات میں مفید ہے۔ اس قاعدے کے پیشِ نظر مولانا عبدالحی صاحب نے معانقۂ عید کے متعلق جب صرف اتنا لکھا کہ اُس کا نہ کرنا بہتر ہے تو اُس سے معانقۂ مذکور کا ناجائز یا مکروہ ہونا بالکل ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر ممانعتِ معانقہ کے بارے میں فتوٰیٔ مذکور سے استدلال ہی بالکل بیکار اور اپنے خلاف استدلال ہے۔ (ت)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی — باب ما یحل استعمالہ ومالا یحل — مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/۱۱۶

[2] ردالمحتار — مطلب کل صلٰوۃ مکروہۃ تجب اعادتہا — مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۴۵۹

اسی میں ہے :

صَرَّحَ فی البحر فی صلٰوۃ العید عند مسئلۃ الاکل بانہ لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھۃ " اذ لابُدَّ لھا من دلیل خاص" اھ واَشار الٰی ذٰلك فی التحریر الاصولی بان "خلاف الاولٰی مالیس فیہ صیغۃ نھی کترك صلٰوۃ الضحٰی بخلاف المکروہ تنزیھا"[1]

بحرالرائق میں جہاں یہ مسئلہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے کچھ کھالینا مستحب ہے وہیں ہے کہ اس مستحب کو اگر کسی نے ترک کردیا تو وہ فعلِ مکروہ کا مرتکب نہ ہوگا کیونکہ ترکِ مستحب سے کراہت کا ثبوت لازم نہیں، اس لئے کہ مکروہ ہونے کے لئے کوئی خاص دلیل ضروری ہے۔ اور اس کی طرف تحریر اصولی میں بھی اشارہ کیا ہے کہ "خلافِ اَولیٰ وہ ہے جس میں ممانعت اور نہی کا صیغہ نہ ہو"۔ جیسے نمازِ چاشت کا ترک بخلاف مکروہِ تنزیہی کے کہ اس میں نہی وممانعت کا صیغہ ہوتا ہے۔ (ت)

پھر اگر جناب کے نزدیک بھی حکم وہی ہے جو مولوی صاحب نے اپنے فتوٰی میں لکھا تو تصریح فرمادیجئے کہ عید کا معانقہ شرعاً ممنوع نہیں، نہ اس میں اصلاً کوئی حرج ہے، ہاں نہ کرنا بہتر ہے کرلے تو مضائقہ نہیں۔

چہارم : آپ نے جو عبارات ردالمحتار و مرقات نقل فرمائیں ان میں معانقۂ عید کی ممانعت کا کہیں ذکر نہیں اُن میں تو مصافحہ بعد نمازِ فجر وعصر یا نمازِ پنجگانہ کا بیان ہے۔ اور جناب کو منصبِ اجتہاد حاصل نہیں کہ ایک مسئلہ کو دوسرے پر قیاس فرماسکیں۔ اگر فرمائیے کہ " جو دلائل اس میں لکھے ہیں یہاں بھی جاری ہیں"۔

اقول : یہ محض ہوس ہے، اُن عبارتوں میں تین دلیلیں مذکور ہوئیں :

(۱) محلِّ مصافحہ ابتدائے ملاقات ہے نہ بعد صلوات۔

(۲) یہ مصافحۂ مخصوصہ سنّتِ روافض ہے۔

(۳) صحابۂ کرام نے یہ خاص مصافحہ نہ کیا۔

یہ تینوں تعلیلیں اگرچہ فی انفسہا خود ہی علیل اور ناقابلِ قبول ہیں کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی مدد سے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) ولہٰذا قولِ اصح یہی ٹھہرا کہ وہ مصافحۂ مخصوصہ بھی جائز و مباح ہے کما سنذکر ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ

---

[1] ردالمحتار مطلب لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراہۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۷۷

ہم اِن شاء اللہ تعالیٰ آگے ذکر کریں گے۔ت)، مگر ہمارے مسئلۂ دائرہ یعنی معانقۂ عید سے و و دلیل پیشیں کو تو اصلاً علاقہ نہیں۔

محلِ "مصافحہ" خاص ابتدائے لقا ہو تو بھی "معانقہ" کی اُس وقت سے تخصیص ہرگز مسلّم نہیں و من ادعٰی فعلیہ البیان (جو مدعی ہو بیان اس کے ذمہ۔ت)

مولوی صاحب لکھنوی کا بے دلیل و سند لکھنا مسموع نہیں ہو سکتا، بلکہ معانقہ مثل تقبیل اظہارِ سرور و بشاشت و وِداد و محبت ہے، جیسے تقبیل خاص ابتدائے لقا سے مخصوص نہیں، یوں ہی معانقہ۔

جناب نے فتوٰیٔ فقیر میں حدیث عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مروی کتاب السنۃ ابن شاہین و معجم کبیر امام طبرانی ملاحظہ فرمائی ہو گی کہ حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تالاب پیرنے میں امیر المومنین صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گلے لگایا ــــ و نیز حدیث اُسید بن حُضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی سُنن ابی داؤد کہ انھوں نے باتیں کرتے کرتے حضورِ والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کُرتا اٹھانے کی درخواست کی حضور نے قبول فرمائی، وُہ حضور کے بدنِ اقدس سے لپٹ گئے اور تہی گاہ مبارکہ پر بوسہ دیا ــــ و نیز حدیث صحیح مستدرک کہ اثنائے مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ذی النورین سے معانقہ فرمایا ــــ و نیز حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: عورت کے لئے سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی: یہ کہ کوئی نامحرم اُسے نہ دیکھے۔ حضور نے گلے سے لگا لیا ــــ ان سب صورتوں میں ابتدائے لقا کا وقت کہاں تھا کہ معانقہ فرمایا گیا۔ ــــ یوں ہی پیار سے اپنے بچّوں، بھائیوں، زوجہ کو گلے لگانا شاید اوّلِ ملاقات ہی پر جائز ہو گا، پھر ممانعت کی جائے گی؟

یُوں ہی مصافحہ بعد نمازِ فجر و عصر اگر کسی وقت کے روافض نے ایجاد کیا اور خاص ان کا شعار رہا ہو، اور بدیں وجہ اس وقت کے علماء نے اہلسنّت کے لئے اسے ناپسند رکھا ہو تو معانقۂ عید کا زبردستی اس پر قیاس کیونکر ہو جائے گا، پہلے ثبوت دیجئے کہ "یہ رافضیوں کا نکالا اور انھیں کا شعار خاص ہے" ورنہ کوئی امرِ جائز کسی بد مذہب کے کرنے سے ناجائز یا مکروہ نہیں ہو سکتا۔ لاکھوں باتیں ہیں جن کے کرنے میں اہلسنت و روافض بلکہ مسلمین و کفار سب شریک ہیں۔ کیا وہ اس وجہ سے ممنوع ہو جائیں گی؟

بحر الرائق و در مختار و رد المحتار وغیرہا ملاحظہ ہوں کہ "بد مذہبوں سے مشابہت اُسی امر میں ممنوع ہے جو فی نفسہٖ شرعاً مذموم یا اُس قوم کا شعار خاص یا خود فاعل کو اُن سے مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو ورنہ زنہار وجہِ ممانعت نہیں۔"

رہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا نہ کرنا، یہ تنہا دلیل منع نہیں ہوسکتا۔ آپ کی تینوں کتب مستندہ اعنی مجموعہ فتاوٰی و ردالمحتار و مرقاۃ شریف اور ان کے سوا صدہا کتب معتمدہ اس کے بطلان پر گواہ ہیں۔ فقہائے کرام سیکڑوں چیزوں کو بہ تصریح فرماکر کہ نوپیدا ہیں، جائز بلکہ مستحب و مستحسن بلکہ واجب بتاتے اور محدثات کو اقسام خمسہ کی طرف تقسیم فرماتے ہیں، مجموعہ فتاوٰی کی عبارتیں گزریں، ردالمحتار میں ہے:

قولہ ای صاحب بدعۃ ای محرّمۃ والا فقد تکون واجبۃ کنصب الادلۃ للرد علی اھل الفِرَقِ الضالۃ وتعلم النحو المفھم للکتاب والسنۃ ومندوبۃ کاحداث نحو رباط ومدرسۃ وکل احسانٍ لم یکن فی الصدر الاول ومکروھۃ کزخرفۃِ المساجد ومباحۃ کالتوسع بلذیذ المآکل والمشارب والثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تھذیب النووی ومثلہ فی الطریقۃ المحمدیۃ للبرکوی۔[1]

شارح کا قول "صاحبِ بدعت" یہاں بدعت سے مراد حرام[1] بدعت ہے، ورنہ بدعت واجب[2] بھی ہوتی ہے۔ جیسے گمراہ فرقوں کا رَد کرنے کے لئے دلائل قائم کرنا، علمِ نحو سیکھنا جس سے کتاب و سنت کو سمجھ سکیں۔ مستحب[3] بھی جیسے سرائے اور مدرسہ جیسی چیزیں تعمیر کرنا اور ہر وُہ نیک کام جو زمانۂ اوّل میں نہ رہا ہو۔ مکروہ[4] بھی جیسے مسجدوں کو آراستہ و منقش کرنا۔ مباح[5] بھی جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور کپڑوں میں وسعت و فراخی کی راہ اختیار کرنا۔ جیساکہ علامہ مناوی کی شرح جامع صغیر میں علامہ نووی کی کتاب تہذیب سے منقول ہے، اور اسی طرح علامہ برکوی کی کتاب "الطریقۃ المحمدیہ" میں مذکور ہے۔ (ت)

مرقات شریف میں ہے:

احداث ما لا ینازع الکتاب والسنۃ کما سنقرر بعد لیس بمذموم۔[2]

ایسا فعل ایجاد کرنا جو کتاب و سنّت کے مخالف نہ ہو بُرا نہیں۔ جیساکہ ہم آگے ثابت کریں گے (ت)

پھر ایک صفحہ کے بعد بدعت کا واجب[1] و حرام[2] و مندوب[3] و مکروہ[4] و مباح[5] ہونا مفصلاً ذکر فرمایا۔

عالمگیری میں ہے:

لاباس بکتابۃ اسامی السور وعدد الآی

مصحف شریف میں سُورتوں کے نام، اور آیتوں کی

---

[1] ردالمحتار باب الامامت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶۰

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ مطبوعہ امدادیہ ملتان ۱/۲۱۵

وهو ان کان احداثا فهو بدعة حسنة وکم من شیئ کان احداثا وهو بدعة حسنة۔[1]

تعداد لکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور وہ اگرچہ نئی ایجاد اور بدعت ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو نوایجاد تو ہیں مگر بدعتِ حسنہ ہیں۔ (ت)

امام ابن الہمام فتح القدیر میں رکعتین قبلِ مغرب کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت نہ ہونا ثابت کرکے بتاتے ہیں:

ثم الثابت بعد ھذا ھو نفی المندوبیة اما ثبوت الکراھة فلا الا ان یدل دلیل اٰخر۔[2]

پھر اس ساری بحث کے بعد صرف یہ ثابت ہوا کہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں مندوب و مستحب نہیں لیکن مکروہ ہونا ثابت نہیں، ہاں اگر ثبوتِ کراہت پر کوئی اور دلیل ہو تو البتہ۔ (ت)

مع ہذا حضراتِ مانعین زمانہ تین قرن تک اختیارِ تشریع مانتے، اور محدثاتِ تابعین کو بھی غیر مذموم جانتے ہیں، توصرف عدمِ فعلِ صحابہ سے استدلال اُن کے طور پر بھی ناقص و ناتمام ہے[ف1]۔ کلام ان مباحث میں طویل ہے کہ ہم نے اپنے رسائلِ عدیدہ میں ذکر کیا یہاں بھی دو حرفِ مجمل کافی ہیں وباللہ التوفیق۔

پنجم: ردالمحتار و مرقات کی یہ عبارتیں اگر جناب نے دیکھیں تو درر وغرر وکنز الدقائق ووقایہ ونقایہ و مجمع وملتقی واصلاح وایضاح وتنویر وغیرہا عامہ متونِ مذہب کے اطلاقات ملاحظہ فرمائے ہوتے جنھوں نے مطلقاً بلاتقیید وتخصیص مصافحہ کی اجازت دی۔ درمختار وحاشیہ علامہ طحطاوی وشرح علامہ شہاب شلبی و

ف1: مانعین کسی چیز کی ایجاد اور جائز و مشروع قرار دینے کا اختیار صرف تین زمانوں تک محدود مانتے ہیں:

(۱) زمانۂ رسالت (۲) زمانۂ صحابہ (۳) زمانۂ تابعین

ان کے اس نظریہ سے اتنا ثابت ہے کہ زمانۂ تابعین کی ایجادات بھی بُری نہیں۔ تو مصافحۂ مذکورہ کی ممانعت کے ثبوت میں صرف صحابۂ کرام کے نہ کرنے سے استدلال ناقص و ناتمام ہے، اپنے ہی نظریہ کے مطابق یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ زمانۂ تابعین میں بھی اس کا وجود و ثبوت نہیں۔ (ت)

---

[1] عالمگیری (فتاوٰی ہندیہ) باب آداب المسجد مطبوعہ پشاور ۵/ ۳۲۳

[2] فتح القدیر باب النوافل " نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۹

فتح اللہ المعین حاشیۂ کنز وغنیۂ ذوی الاحکام حاشیۂ درر وحاشیۂ مراقی الفلاح ونسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض ومجمع بحار الانوار ومطالب المومنین ومسوّی شرح مؤطا وتکملۂ شرح اربعین علامہ برکوی للعلامہ محمد آفندی وحدیقۂ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ للعلامۃ النابلسی وفتوٰی امام شمس الدین بن امام سراج الدین حانوتی وغیرہم علمائے حنفیہ کی تصریحاتِ جلیلہ بھی دیکھی ہوتیں کہ صاف صاف مصافحۂ مذکورہ اور اسی طرح مصافحۂ عید کو بھی جائز بلکہ مستحسن بلکہ سنّت بتاتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

اطلاق المصنف تبعاللدرر والکنز والوقایۃ والمجمع والملتقی وغیرھا یفید جوازھا مطلقا ولوبعد العصر وقولھم انہ بدعۃ ای مباحۃ حسنۃ کماافادہ النووی فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ۔[1]

درر، کنز، وقایہ، مجمع، ملتقی، وغیرہا کے اتباع میں مصنّف نے بھی یہاں مصافحہ کا ذکر مطلق رکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصافحہ مطلقاً جائز ہے خواہ بعدِ عصر ہی کیوں نہ ہو۔ اور لوگوں کا یہ کہنا کہ وہ بدعت ہے تو اس سے مراد بدعتِ مباحہ حسنہ ہے، جیسا کہ امام نووی نے اذکار میں اور دوسرے علماء نے دُوسری کتابوں میں افادہ فرمایا ہے۔ (ت)

اصلاح وایضاح میں ہے:

کُرِہَ تقبیل الرجل وعناقہ فی ازارٍ واحد وجاز مع قمیص کمصافحۃ۔[2]

آدمی کا بوسہ دینا اور معانقہ کرنا ایک ازار میں مکروہ ہے اور کُرتا پہن کر ہو تو جائز ہے، جیسے مصافحہ جائز ہے۔ (ت)

حدیقۂ ندیہ میں ہے:

بعض المتاخرین من الحنفیۃ صرح بالکراھۃ فی ذلک ادعاءً بانہ بدعۃ مع انہ داخل فی عموم سنۃ المصافحۃ مطلقا۔[3]

بعض متاخّرین حنفیہ نے اس مصافحہ کے بدعت ہونے کا دعوٰی کرتے ہوئے اسے صراحۃً مکروہ بتایا ہے باوجودیکہ وہ مطلقِ مصافحہ کے عموم میں داخل ہو کر مسنون ہے۔ (ت)

---

[1] درالمختار　کتاب الحظر والاباحۃ　مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی　۶/ ۳۸۱

[2] اصلاح وایضاح

[3] الحدیقۃ الندیۃ　الخلق الثامن والاربعون الخ　مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد　۲/ ۱۵۰

مجمع البحار میں ہے:

ھِیَ مِنَ الْبِدَعِ الْمُبَاحَۃِ[1] (یہ مصافحہ ان بدعتوں سے ہے جو مباح ہیں۔ ت)

آپ کی اسی ردالمحتار میں بعد نقل عبارت امام نووی ہے:

قال الشیخ ابو الحسن البکری و تقییدہ بما بعد الصبح والعصر علی عادۃ کانت فی زمنہ والا فعقب الصلوات کلھا کذلك۔ کذا فی رسالۃ الشُرُنبُلالی فی المصافحۃ ونُقِلَ مثلہ عن الشمس الحانوتی وانہ اَفتٰی بہ مستدلا بعموم النصوص الواردۃ فی مشروعیتھا وھو الموافق لما ذکرہ الشارح من اطلاق المتون[2]

شیخ ابوالحسن بکری فرماتے ہیں امام نووی نے بعد فجر و عصر کی قید کے ساتھ مصافحہ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ ان کے زمانے میں یہی رائج تھا، ورنہ بعد فجر و عصر کی طرح تمام نمازوں کے بعد مصافحہ جائز ہے۔ یہی علامہ شرنبلالی کے اس رسالہ میں ہے جو انھوں نے مصافحہ کے بارے میں لکھا ہے اور اسی کے مثل علامہ شمس الدین حانوتی سے منقول ہے۔ انھوں نے جوازِ مصافحہ کے بارے میں وارد شدہ احادیث اور نصوص سے استدلال فرماتے ہوئے اِس مصافحہ کے بھی جائز ہونے کا فتوٰی دیا ہے۔ اور یہی اس کے موافق ہے جو شارح (صاحب درمختار علاء الدین حصکفی) نے متونِ فقہ کا اطلاق ذکر کیا ہے۔ (ت)

شاہ ولی اللہ دہلوی مسوّٰی میں کلامِ امام نووی نقل کرکے کہتے ہیں:

اقول وھکذا ینبغی ان یقال فی المصافحۃ یوم العید[3]

میں کہتا ہوں جس طرح امام نووی نے مصافحہ بعد فجر و عصر کے جواز میں استدلال کیا ہے یہی استدلال مصافحۂ روزِ عید میں بھی جاری ہونا چاہئے۔ (ت)

اور بعض نسخِ مسوّٰی میں "والمعانقۃ یومَ العید ایضا" (اور روزِ عید کے "معانقہ" میں بھی۔ ت) بھی ہے۔

---

[1] مجمع البحار الانوار تحت لفظ صفح مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۲/۲۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۳۸۱

[3] مسوّٰی باب استحباب المصافحۃ " " " ۲/۲۲۱

"مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة" میں تکملۂ شرح اربعین سے ہے:

لا وجه لجواب ابن حجر الشافعی و قد
سُئل عن المصافحة بعد الصلٰوة فقال
هی بدعة، انتهی، لان حالة السلام حالة
اللقاء لان المصلی لما احرم
صار غائبا عن الناس مقبلا
علی الله تعالٰی، فلما ادی حقه
قیل له ارجع الی مصالحك و سلم
علی اخوانك لقدومك عن غیبتك، و
لذلك ینوی القوم بسلامه كما
ینوی الحفظة واذا سلم یندب
المصافحة او تسن كالسلام - كما
اجاب شیخ الاسلام شیخ
مشائخنا شمس الدین محمد
بن سراج الدین الحانوتی
وقد رفع له هذا السؤال فقال
نص العلماء علی ان المصافحة
للمسلم لا للكافر مسنونة من غیر
ان یقیدوها بوقت دون وقت
لقوله علیه الصلٰوة والسلام
من صافح اخاه المسلم
وحرك یده تناثرت ذنوبه و
نزلت علیهما مائة رحمة
تسعة و تسعون منها
لاسبقهما و واحدة لصاحبه

علامہ ابن حجر شافعی نے مصافحہ بعد نماز سے متعلق جواب دیتے ہوئے اُسے بدعت کہا ہے، اُن کے اس جواب کی کوئی قابل قبول وجہ نہیں، اس لئے کہ مصافحہ بعد نماز بھی مصافحۂ اوّلِ ملاقات ہے کیونکہ سلام نماز کی حالت، حالتِ ملاقات ہے۔ اس لئے کہ جب مصلّی نے تحریمہ باندھ لیا تو وہ انسانوں سے غیر حاضر اور خدا کی طرف متوجہ ہوگیا، پھر جب حقِّ اللہ کی ادائیگی سے فارغ ہُوا تو اس سے کہا گیا کہ اب اپنے کاموں اور مصالح کی طرف واپس ہو اور اپنے مسلمان بھائیوں کو سلام کر، کیونکہ تُو اپنی غیر حاضری اور غیبت سے آرہا ہے اسی لئے تُو اپنے سلام میں لوگوں کی بھی نیت کرے گا، جیسے محافظ فرشتوں کی نیت کرے گا۔ اور جب سلام کیا تو مصافحہ اس کے لئے مندوب یا مسنون ہے۔ جیسے سلام، اسی طرح شیخ الاسلام، ہمارے مشائخ کے شیخ شمس الدین محمد بن سراج الدین حانوتی نے جواب دیا ہے، اُن کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا تھا تو انھوں نے فرمایا علماء نے کافر سے تو نہیں مگر مسلمان سے مصافحہ کو کسی خاص وقت کی کوئی قید لگائے بغیر مسنون ہونے پر نص فرمایا ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اپنے ہاتھ کو حرکت دی تو اس کے گناہ جھڑتے ہیں، اور دونوں پر کل سَو رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ننانوے اس کے لئے جس نے مصافحہ میں سبقت و پیش قدمی کی اور

وقال ایضا ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا فالحدیث الاول یقتضی مشروعیة المصافحة مطلقا اعم من ان تکون عقب الصلوات الخمس والجمعة و العیدین او غیر ذلك - لان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم یقیدها بوقت دون وقت والدلیل العام عند الحنفیة اذا لم یقع فیه تخصیص من الادلة الموجبة للحکم قطعا، کالدلیل الخاص وقالوا الدلیل العام یعارض الخاص لقوته - والدلیل ههنا عامّ لان صیغة "مَن" من صِیَغِ العموم وکذا نقل عن شیخ مشائخنا العلامة المقدسی حدیث "من صافح مسلما وقال عند المصافحة اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد لم یبق من ذنوبه شئ" فصیغته ایضا من صیغ العموم ذکره الشُرُنبُلالی فی رسالته المسماة "بسعادة اھل الاسلام"۔[1]

ایک اس کے دوسرے ساتھی کے لئے۔" اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ "جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملتے پھر مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔" پہلی حدیث کا مقتضیٰ ہے کہ مصافحہ مطلقاً جائز و مشروع ہو، خواہ نماز پنجگانہ، جمعہ اور عیدین کے بعد ہو یا کسی اور وقت۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مصافحہ کو کسی خاص وقت سے مقید نہ فرمایا۔ اور حنفیہ کے نزدیک دلیل عام کا بھی وہی رتبہ ہے جو دلیل خاص کا ہے، جبکہ دلیل عام حکم کو قطعی طور پر لازم کرنے والی دلیلوں سے کوئی تخصیص نہ ہوئی ہو، بلکہ وہ تو اس کے قائل ہیں کہ دلیلِ عام اتنی قوی ہوتی ہے کہ دلیلِ خاص کے معارض اور اس پر ترجیح یافتہ ہوا کرتی ہے، اور یہاں دلیلِ مصافحہ بھی عام ہے، اس لئے کہ حدیث میں کلمہ "مَن" ہے جو صیغِ عموم سے ہے۔ یوں ہی ہمارے شیخ المشائخ علامہ مقدسی سے یہ حدیث منقول ہے: "جس نے کسی مسلمان سے مصافحہ کیا اور بوقتِ مصافحہ (درود شریف) "اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد" پڑھا تو اس کے گناہوں سے کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔" اس حدیث کا صیغہ بھی عموم کا صیغہ ہے۔ اسے علامہ شرنبلالی نے اپنے رسالہ "سعادۃ الاسلام" میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

علامہ سید ابو السعود ازہری حاشیۂ کنز میں فرماتے ہیں:

---

[1] مناصحہ فی تحقیق مسألۃ المصافحہ

فی شرح الشہاب الشلبی وما اعتادہ الناس بعد صلوۃ الصبح والعصر فلا اصل لہ لکن لا بأس بہ[1] الخ

شہاب الدین شلبی کی شرح میں ہے: نمازِ فجر و عصر کے بعد جو مصافحہ رائج ہے اس کی کوئی اصل نہیں، مگر اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ (ت)

غنیہ حاشیہ غرر و درر باب صلوۃ العیدین میں ہے:

المستحب الخروج ماشیا والرجوع من طریق اٰخر والتھنئۃ بتقبل اللہ منا ومنکم لا تنکر کما فی البحر، وکذا المصافحۃ بل ھی سنۃ عقب الصلوات کلھا عند کل لقی ولنا فیھا رسالۃ سمیتھا "سعادۃ اھل الاسلام بالمصافحۃ عقب الصلوۃ والسلام".[2]

عید کے دن عیدگاہ کو پیادہ جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا یہی مستحب ہے، اور بالفاظ تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْکُمْ (اللہ ہمارے تمہارے عمل قبول فرمائے) مبارکباد پیش کرنا کوئی منکر اور بُرا نہیں، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ وُہ تو تمام نمازوں کے بعد ہر ملاقات کے وقت سنّت ہے اور اس بارے میں "سعادۃ اھل الاسلام بالمصافحۃ عقب الصلوۃ والسلام" نامی ہمارا ایک رسالہ ہے۔ (ت)

فتح اللہ المعین علی شرح العلامۃ الملا مسکین میں ہے:

من المستحب اظہار الفرح والبشاشۃ (الی قولہ) والتھنئۃ بتقبل اللہ منا ومنکم وکذا المصافحۃ بل ھی سنۃ عقب الصلوات کلھا وعند کل لقی، شرنبلالیۃ۔[3]

عید کے دن مسرت و خندہ رُوئی ظاہر کرنا اور تقبل اللہ منا ومنکم (اللہ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے) کے ذریعہ مبارک باد دینا مستحب ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنّت ہے، شرنبلالیہ۔ (ت)

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ نور الایضاح میں فرماتے ہیں:

کذا تطلب المصافحۃ فھی سنۃ

اسی طرح مصافحہ بھی مطلوب ہے بلکہ یہ تو تمام نمازوں

---

[1] فتح المعین حاشیہ علی شرح منلا مسکین کتاب الکراہیۃ فصل فی الاستبراء مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۴۰۲

[2] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ غرر باب صلوۃ العیدین مطبوعہ احمد مصر ۱/۱۴۲

[3] فتح المعین علی شرح العلامۃ الملا مسکین ؍؍ ؍؍ ؍؍ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲۵

عقب الصلوات کلھا[1]
کے بعد سنت ہے۔ (ت)

حاشیہ درمختار میں فرمایا:

تُستحب المصافحة بل ھی سنة عقب الصلوات کلھا وعند کل لقی، ابو السعود عن الشُرنُبلالیة[2]

مستحب ہے مصافحہ، بلکہ یہ تو نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنّت ہے، ابوالسعود عن الشرنبلالیہ۔ (ت)

افسوس کہ وہ عبارتیں جناب نے دیکھیں، اور اتنی عباراتِ کثیرہ جو جناب کے خلاف تھیں نظر سے رہ گئیں۔ خیر، مانا کہ اس میں اکثر کتب مطالعۂ سامی میں نہ آئی ہوں، آخر درمختار اور ردالمحتار تو پیش نظر تھیں، درمختار کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ مصافحۂ مذکورہ بدعت حسنہ ہے۔ ردالمحتار میں رسالۂ علامہ شرنبلالی کا کلام اور علامہ شمس الدین حانوتی کا فتوٰی دیکھا ہی ہوگا۔ سب جانے دیجئے، یہ فتاوٰی لکھنؤ جو استناداً پیش فرمایا اسی میں یہیں یہیں یہ الفاظ موجود کہ "علماء اس باب میں مختلف ہیں بعض بدعتِ مباحہ کہتے ہیں اور بعض بدعت مکروہہ۔ مسئلہ مصافحہ کا اختلافی ہونا پایا یا نہیں؟ بہت واضح راہ تھی کہ ترجیح تلاش فرمائی جاتی، جو قول مرجّح نکلتا اُسی پر عمل کرنا تھا، اگر جناب کی نظر ترجیح تک نہ پہنچی تو فقیر سے سنئے، علامہ شہاب الدین خُفاجی حنفی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ھی بعد الصلٰوة بدعة عندنا، والاَصَحُّ انھا مباحة لما فیھا من الاشارة الی انه کان قدم من غَیبة لانه کان عند ربه یناجیه فافھم[3]

یہ مصافحہ، نماز کے بعد ہمارے نزدیک بدعت ہے، اور صحیح تر یہ ہے کہ مباح ہے کیونکہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ غَیبت اور غیر حاضری سے آیا ہے اس لئے کہ وہ اپنے رب کے حضور مصروفِ مناجات تھا۔ اسے سمجھو۔ (ت)

ملاحظہ فرمائیے کیسی صاف تصریح ہے کہ مصافحۂ مذکورہ کی اباحت ہی قولِ اصح ہے۔ پھر اگر بالفرض دوسری طرف بھی تصحیح پائی جاتی، تاہم یہی قول مرجّح رہتا کہ خود باقرارِ ردالمحتار "مذہبِ اباحت ہی موافقِ اطلاقِ مُتون ہے"۔ اور خود انھیں کی تصریح ہے کہ "اختلافِ فتوٰی کے وقت اُسی قول پر عمل اولٰی جو

---

[1] حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح باب العیدین مطبوعہ نور محمد کراچی ص ۲۸۸
[2] ؍؍ ؍؍ درالمختار
[3] نسیم الریاض شرح شفاء ؍؍ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۵۳

اطلاقِ متون کے موافق ہو۔"

حیث قال قد اختلف التصحیح والفتوی کمارأیت والعمل بما وافق اطلاق المتون اَوْلٰی۔ بحر۔[۱]

اُنھوں نے یُوں فرمایا کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو تصحیح اور فتوٰی میں اختلاف ہوگیا، اور عمل اُسی پر اولٰی ہے جو اطلاق متون کے موافق ہو بحر(ت)

درمختار میں ہے:

علی المعتمد لانه متی اختلف الترجیح رجح اطلاق المتون، بحر۔[۲]

یہ حکم بربنائے مُعتمد ہے، اس لئے کہ اختلافِ ترجیح کے وقت اطلاقِ متون ہی کو ترجیح ہے، بحر(ت)

اور جب کہ ترجیح صرف اسی طرف ہے تو اب تو اس قول کا اختیار فقاہت سے بالکل برطرف ہے،

درمختار میں ہے:

اما نحن فعلینا اتباع مارجّحوه و صحّحوه۔[۳]

ہم عام متقلدین پر تو بس اُسی کی پیروی کرنا ہے جسے ان بزرگوں نے راجح وصحیح قرار دے دیا۔(ت)

اسی میں ہے:

الحکم والفُتیا بالقول المرجوح جهل و خرق للاجماع۔[۴]

مرجوح قول پر حکم اور فتوٰی دینا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔(ت)

الحمدللہ اب حق باحسنِ وجوہ واضح ہوگیا، اُمید کرتا ہُوں کہ جناب بھی اب تو مصافحۂ مذکورہ و معانقۂ عید کے جواز واباحت پر فتوٰی دیں گے اور اپنے تلامذہ کو ان امورِ جائزہ کے طعن وانکار سے باز رہنے کی ہدایت کریں گے واللہ الہادی وولیّ الاَیادی۔

ششم: الحمدللہ کہ ضمنِ تقریر میں مسئلہ مصافحہ بعدِ صلٰوۃ بھی صاف ہوگیا، اور تعلیلاتِ ثلٰثہ کا علیل ہونا بھی منکشف ہولیا۔ ثالث پر کلام تو صراحۃً گزرا اور اول کا جواب عبارتِ تکملہ شرح اربعین و نسیم الریاض سے واضح ہُوا کہ بعدِ ختمِ نماز ملنا بھی ابتدائے لقا ہے، ولہذا اس وقت سلام مشروع ہُوا، تو مصافحہ کیوں

---

[۱] ردالمحتار	مطلب رسم المفتی	مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۱/۲۰
[۲] درالمختار	"	" " " "	۱/۷۷
[۳] "	"	" " " "	۱/۷۴
[۴] "	"	" " " "	

نامشروع ہونے لگا۔ رہی تعلیلِ ثانی اس کے جواب کا اشارہ کلامِ فقیر میں گزرا کہ مشابہت صرف ان تین صورتوں میں مذموم ہے ورنہ نہیں۔

تکمیلِ کلام: اتنا اور سُن لیجئے کہ کسی طائفہ باطلہ کی سنّت جبھی تک لائقِ احتراز رہتی ہے کہ وہ ان کی سنّت رہے، اور جب ان میں سے رواج اُٹھ گیا تو ان کی سنّت ہونا ہی جاتا رہا، احتراز کیوں مطلوب ہوگا۔ مصافحہ بعدِ نماز اگر سنّتِ روافض تھا تو اب ان میں رواج نہیں، نہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں نہ بعدِ نماز مصافحہ کرتے ہیں، بلکہ شاید اول لقاء پر بھی مصافحہ ان کے یہاں نہ ہو کہ اِن اَعدائے سُنن کو سنن سے کچھ کام ہی نہ رہا۔ تو ایسی حالت میں وہ علت سرے سے مُرتفع ہے۔

درمختار میں ہے:

يجعله لبطن كفه في يده اليسرى، وقيل اليمنى الا انه من شعار الروافض فيجب التحرز عنه، قهستاني وغيره. قلت ولعله كان وبان فتبصر[1]

(مرد) انگوٹھی بائیں ہاتھ میں ہتھیلی کی طرف کرے۔ اور کہا گیا دائیں ہاتھ میں پہنے، مگر یہ رافضیوں کا شعار ہے، تو اس سے بچنا ضروری ہے (قہستانی وغیرہ) میں نے کہا یہ کسی زمانے میں رہا ہوگا پھر ختم ہوگیا، تو اس پر غور کرلو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اى كان ذلك من شعارهم فى الزمن السابق ثم انفصل وانقطع فى هذه الازمان فلا ينهى عنه كيفما كان[2]

یعنی وہ گزشتہ زمانے میں ان کا شعار تھا پھر ان زمانوں میں نہ رہا اور ختم ہوگیا، تو اب اس سے ممانعت نہ ہوگی، جیسے بھی ہو۔ (ت)

اب تو بحمداللہ سب شکوک کا ازالہ ہوگیا۔ فاحفظ واحمد وكن من الشاكرين والحمد لله رب العلمين (تو اسے یاد رکھو اور حمد کرو اور شکر گزار بنو اور ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ت)

ہفتم: سخت افسوس کا مقام ہے کہ عبارتِ مرقات کی نقل میں بہت تقصیر واقع ہوئی، مرقاۃ شریف میں اُس عبارت کے بعد یہ الفاظ تھے:

---

[1] درمختار | کتاب الحظر والاباحۃ | مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۳۶۱
[2] ردالمحتار | " " | " " | ۶/۳۶۱

نعم، لو دخل احد فی المسجد والناس فی الصلوٰۃ او علی ارادۃ الشروع فیھا فبعد الفراغ لو صافحھم لکن بشرط سبق السلام علی المصافحۃ فھذا من جملۃ المصافحۃ المسنونۃ بلا شبھۃ۔[1]

ہاں اگر کوئی مسجد میں داخل ہو اور لوگ نماز میں یا نماز شروع کرنے والے ہیں، تو فارغ ہونے کے بعد اگر ان سے مصافحہ کرے بشرطیکہ مصافحہ سے پہلے سلام ہولے تو بلاشبہہ یہ مصافحہ مسنونہ ہی کے مجموعہ میں شامل ہوگا۔ (ت)

ان میں صاف تصریح تھی کہ وُہ کراہت صرف اس صورت میں ہے کہ لوگ نماز سے پہلے مل لئے، باتیں کرچکے، ملاقات ہُوئی، اُس وقت مصافحہ نہ ہوا نہ کچھ اور، اب بعدِ سلام آپس میں مصافحہ کرنے لگے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ یہی وقت ابتدائے لقا کا ہو کہ یہ اس وقت آیا کہ نماز شروع ہوگئی تھی یا شروع کا ارادہ تھا اب بعد سلام مصافحہ کرے تو یہ یقیناً مصافحۂ مسنونہ ہے کہ خاص اول لقا پر واقع ہُوا۔ ظاہر ہے کہ جماعاتِ عید میں اکثر لوگوں کی باہم یہی حالت ہوتی ہے کہ بعدِ سلام اُن کی لقا اولِ لقا ہوتی ہے، تو مرقاۃ کے طور پر بھی انھیں معانقہ سے اصلاً ممانعت نہیں ہوسکتی۔ پھر معانقۂ عید شرکائے جماعت واحدہ ہی سے خاص نہیں بلکہ تمام احباب جنھوں نے مختلف مساجد میں نمازیں پڑھیں اُس دن بلکہ دوسرے دن تک اولِ ملاقات بعد الصلوٰۃ پر باہم معانقہ کرتے ہیں۔ یہ معانقے تو یقیناً ابتدائے لقا پر ہوتے ہیں، جو عبارت مرقات سے برسبیلِ قیاسِ جناب اور عبارتِ فتاوٰی لکھنؤ سے صراحۃً ٹھیک موقع پر درست وبجا واقع ہیں، حالانکہ مانعینِ زمانہ کا منع، مصافحہ بعد نماز اور معانقۂ عید دونوں میں سب صورتوں کو عام ومطلق۔ اور وہ آپ ہی کی عباراتِ مستندہ کی رُو سے باطل وناحق۔ پس اگر انھیں عبارتوں پر عمل فرمائیے تو تصریح فرمادیجئے کہ نمازِ عید سے پہلے جو لوگ مل لیتے ہیں صرف وہ بعدِ نماز معانقہ نہ کریں، اور جو ہنوز نہیں ملے انھیں معانقہ بلاکراہت جائز ومباح ہے، یُوں ہی ایک دوسرے کے پاس جو ملنے جاتے یا راہ میں ملتے ہیں وہ بھی بلاتامل معانقہ کریں خواہ پیش از نماز یا بعد از نماز مل لئے ہوں یا نہ ملے ہوں کہ اس وقت تو ابتدائے لقا ہے۔ اِن سب صورتوں کا جواز آپ ہی کی مُستَنَدات سے ثابت۔ لاجرم آپ کو اس کی تصریح کرنا ہوگی۔ اس کے بعد دیکھئے کہ حضرات مانعین آپ کو کیا کہتے ہیں، واللہُ المُستعانُ علیٰ جھالاتِ الزمان (اور اللہ ہی وہ ہے جس سے زمانے کی جہالتوں کے خلاف مدد طلبی ہے۔ ت)

ہشتم : اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ ان لفظوں کے متصل ہی مرقات میں اور تحقیق جلیل ونافع،

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المصافحۃ والمعانقۃ مطبوعہ امدادیہ ملتان ۹/ ۷۴

خیالاتِ مانعین پر سیفِ قاطع تھی وُہ بھی نقل میں نہ آئی، فرماتے ہیں:

ومع هذا اذا مدّ مسلم يده للمصافحة فلا ينبغي الاعراض عنه بجذب اليد لما يترتب عليه من اذًى يزيد على مراعاة الادب فحاصله ان الابتداء بالمصافحة حينئذ على الوجه المشروع مكروه لا المجابذة وان كان قد يقال فيه نوع معاونة على البدعة[1] والله تعالىٰ اعلم۔

یعنی باآنکہ اُس صورتِ خاصّہ میں کہ ملاقات پیش از نماز کرچکیں، اور مصافحۂ تحیت بعدِ نماز کریں، کراہت مانی جاتی ہے، پھر بھی اگر کوئی مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو ہاتھ نہ کھینچنا چاہیئے بلکہ مصافحہ کرلیا جائے، اگرچہ اسے مُعاونتِ بدعت کہا جائے کہ اس حالت میں مصافحہ نہ کرنا صرف ایک ادب و اَولیٰ تھا، اور اب اس کے ترک میں مسلمان کی ایذا ہے کہ وُہ تو ہاتھ بڑھائے اور ہم ہاتھ کھینچ لیں، مسلمان کی خاطرداری اُس ادب کی مراعات پر مقدم ہےؔ، لہذا اس صورت میں کراہت نہیں بلکہ مصافحہ کرنا ہی چاہئے (ت)

للہ انصاف! اس منصفانہ کلام کو مانعینِ زمانہ کے خیالات سے کتنا بُعد ہے، یہ حضرات تو خواہی نخواہی اپنی مشیخت بنانے اور شہرت پیدا کرنے کے لئے جماعاتِ مسلمین کی مخالفت کو ذریعۂ فخر اور غایتِ تشرّع سمجھے ہوئے ہیں، مگر علمائے محققین مسلمان کا دل رکھنے کو رعایتِ آداب اور ترکِ مکروہات پر بھی مقدم جانتے اور ان کے رسوم وعادات میں مخالفت کو مکروہ وباعثِ شہرت مانتے ہیں، ولہذا تصریح فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی نہیِ صریح، غیر قابلِ تاویل نہ آئی ہو، عاداتِ اُناس میں موافقت ہی کرکے اُن کا دل خوش کیا جاہیئے اگرچہ وہ فعل بدعت ہو۔ عین العلم میں ارشاد ہُوا:

اَلْاِسْرَارُ بِالْمُسَاعَدَةِ فِيْمَا لَمْ يَنْهُ وَصَارَ مُعْتَادًا فِيْ عَصْرِهِمْ

اُن امور میں لوگوں کی موافقت کرکے انھیں خوش کرنا اچھا ہے جن (امور) سے شریعت میں ممانعت نہیں ہے۔

ف یعنی ادب واَولیٰ چھوڑنے سے مسلمانوں کی خاطرداری ہوتی ہے تو ادب واَولیٰ کی رعایت نہ کرے، دلِ مسلم کی رعایت کرے، دلِ مسلم کو تکلیف پہنچانا اور اسے شکستہ کرنا ترکِ اَولیٰ ومخالفتِ ادب سے زیادہ بُرا ہے، البتہ جہاں رعایتِ ادب و اَولیٰ اور مومن کا پاسِ خاطر دونوں جمع ہوسکتے ہیں وہاں بلاشبہہ ترکِ ادب کا حکم نہیں، ہاں اگر کسی امر سے صراحۃً ممانعت آئی ہے تو محض مسلمان کی خاطرداری کے لئے اُس امرِ ممنوع کا ارتکاب نہ کرے۔ (مترجم)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المصافحۃ والمعانقۃ ۹/۴، ۷

حَسَنٌ وَّاِنْ كَانَ بِدْعَةً۔[1]

اور لوگوں کے عہد میں وہ رائج ہو چکے ہیں خواہ بدعت اور نو ایجاد ہی ہوں۔ (ت)

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قُدِّسَ سِرُّہُ الْعَالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

الموافقة فی هذه الامور من حسن الصحبة والعشرة اذ المخالفة موحشة و لکل قوم رسم لابد من مخالقة الناس باخلاقهم کما ورد فی الخبر لاسیما اذا کانت اخلاقا فیها حسن العشرة و المجاملة وتطییب القلب بالمساعدة و قول القائل ان ذلك بدعة لم یکن فی الصحابة فلیس کل ما یحکم باباحته منقولا عن الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وانما المحذور بدعة تراغم سنة مامورا بها ولم ینقل النهی عن شیئ من هذا (الی قوله) وکذلك سائر انواع المساعدات اذا قصد بها تطییب القلب واصطلح علیها جماعة فلا بأس بمساعدتهم علیها بل الاحسن المساعدة الا فیما ورد فیه نهی لایقبل التاویل۔[2]

یعنی ان امور میں لوگوں کی موافقت کرنا حُسنِ صحبت اور معاشرت سے ہے اس لئے کہ مخالفت وحشت دلاتی ہے اور ہر قوم کچھ رسمیں ہوتی ہیں کہ ان میں ان کا ساتھ دینا ضروری ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں اس کا حکم آیا خصوصاً وہ عادتیں جن میں حُسنِ معاشرت اور باہم اچھا برتاؤ اور موافقت کرکے دل خوش کرنا ہو اور کہنے والے کا کہنا کہ یہ بدعت ہے، صحابہ کے زمانے میں نہ تھا، تو کیا جو کچھ مباح کہا جائے سب صحابہ سے ہی منقول ہوتا ہے؟ بُری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنّتِ ماموربہا کا رَد کرے اور اس فعل سے شرع میں کہیں ممانعت نہ آئی۔ اسی طرح تمام مساعدت کی باتیں جبکہ ان سے دل خوش کرنا مقصود ہو، اور ایک گروہ کی رسم ہو گئی تو ان کی موافقت کرنا کچھ حرج نہیں بلکہ موافقت ہی بہتر ہے مگر اُس صورت میں، کہ صاف نہی وارد ہو جو قابلِ تاویل نہ ہو۔ (ت)

دیکھئے اطبائے قلوب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ارشاد یہ ہیں، اللہ عزّوجلّ جسے نیک توفیق دے وہی ان نفیس الٰہی ہدایتوں پر عمل کرے۔

حضرات مانعین ان سے منزلوں دُور ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بالجملہ اگر آپ کو مرقات پر عمل ہے تو صاف تصریح فرمادیجئے کہ بعد عید جو شخص معانقے کو ہاتھ بڑھائے

---

[1] عین العلم الباب التاسع فی الصمت الخ مطبوعہ امرت پریس، لاہور ص ۱۲۴

[2] احیاء العلوم آداب السماع والوجد مطبوعہ قاہرہ، مصر ۲/۳۰۵

اُس سے انکار ہرگز نہ کیا جائے بلکہ فوراً معانقہ کرلیں۔ افسوس کہ مرقاۃ سے سند لانا تو بالکل الٹا پڑا۔ مجھے جناب کی بزرگی سے امید ہے کہ شاید مرقاۃ شریف خود ملاحظہ نہ فرمائی ہو بلکہ مانعین زمانہ عبارات میں قطع و برید و سرقہ کے عادی ہیں، کسی سارق نے آدھی عبارت کہیں نقل کردی ہے آپ نے اُسی کے اعتماد پر استناد کرلیا، اب کہ پوری عبارت پر مطلع ہوئے ضرور حق کی طرف رجوع فرمائیے گا واللّٰہ المُوَفِّق۔

نہم: بحمد اللہ تعالیٰ ہماری تحقیقاتِ رائقہ سے آفتابِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ معانقۂ عید کو بدعتِ مذمومہ سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ وہ سنّت و مباح کے اندر دائر ہے، یعنی من حیث الاصل سنّت اور من حیث الخصوص مباح، اور بقصدِ حَسن محمود و مُستحسَن، تو ظاہر ہُوا کہ عبارتِ ردالمحتار:

اِذَا تَرَدَّدَ الْحُکْمُ بَیْنَ سُنَّۃٍ وَّ بِدْعَۃٍ الخ[1]	جب حکم کسی سنّت و بدعت کے درمیان دائر ہو تو ترکِ سنّت کو ارتکابِ بدعت پر ترجیح حاصل ہے (ت)

کو اس مسئلہ سے اصلاً تعلق نہیں کہ وہاں بدعت سے مراد بدعتِ مذمومہ ہے۔ جب تو اس سے بچنے کے لئے سنّت کا چھوڑنا تک گوارا کیا ورنہ بدعتِ مباحہ سے بچنا خود ہی مطلوب نہیں، نہ کہ اس کے لئے سنّت چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے، وھذا ظاھر علیٰ کل من لہ حظٌّ من عقل صفی (یہ ہر اس شخص پر عیاں ہے جسے پسندیدہ اور خالص عقل سے کچھ حصہ ملا ہے۔ ت)

دہم: فتوٰی فقیر میں میاں اسمٰعیل دہلوی کی بھی عبارت تھی جس میں معانقۂ عید کے مستحسن ہونے کی صاف تصریح ہے، اُس سے جناب نے کچھ تعرض نہ فرمایا بلکہ مجموعۂ فتاوٰی و عباراتِ ردالمحتار و مرقاۃ پیش فرمائیں۔ اس میں دو احتمال ہیں:

ایک وہ، طائفہ مانعین جس کے خوگر ہیں یعنی ہفواتِ باطلہ و خرافاتِ عاطلہ میں دہلوی مذکور کو امام اکبر مانتے ہیں اور جو باتیں وہ بعلّتِ مناقضت جس کا اس کے یہاں حد سے زاید جوش و خروش ہے اصول و فروعِ طائفہ کے خلاف لکھتا ہے دیوار سے مارتے ہیں۔

دوم یہ کہ جناب کو اس سے کچھ کام نہیں جو کلام اس کا تصریحاتِ امثالِ مرقات و ردالمحتار حتی کہ مولوی صاحب لکھنوی کے خلاف ہو قابلِ قبول نہیں۔ اگر شقِّ اخیر مختار ہے اور جناب کی انصاف پسندی سے یہی مامول، تو صراحۃً اس کی تصریح فرمادیجئے کہ جو مسائل تقویۃ الایمان و صراطِ مستقیم و ایضاح الحق وغیرہا تصانیفِ شخصِ مذکور، مولانا علی قاری و علامہ شامی یہاں تک کہ مولوی صاحب لکھنوی اور ان کے امثال کی

---

[1] ردالمحتار مطلب اذا تردد الحکم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸۲

تصریحات سے رد ہوتے ہیں ان کا بطلان تسلیم فرماتے جائیے، امید کرتا ہوں کہ بہت مسائل نزاعیہ جن میں جہلائے مانعین کو بے حد شور و شغب ہے یوں باحسنِ وجوہ انفصال پائیں گے اور ہم آپ بتوفیقہ تعالٰے شخصِ مذکور کی ضلالتِ عقائد و بطالتِ مکائد پر متفق ہو کر حقِ ناصح کے اعلان میں باہم ممد و معاون یک دیگر ہوجائیں گے۔

وباللہ التوفیق والوصول الی سواء الطریق، واٰخردعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین، والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین!

اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق اور سیدھی راہ تک رسائی ہے، اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ ساری تعریف اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور درود و سلام ہو رسولوں کے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب سب پر۔ خداوندا قبول فرما۔ (ت)

کتبہٗ عبدہ المذنب **احمد رضا** البریلوی عُفِیَ عنہ بمحمدؐ المصطفی النبی الاُمّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

باب الاستسقاء

(نمازِ استسقاء کا بیان)

مسئلہ ۱۴۵۱ از محلہ کوٹ پرگنہ سنبھل ضلع مرادآباد مکان مولوی لئیق احمد صاحب مرسلہ منظر حسین صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

نماز استسقاء نماز ہے یا دُعا، اور استسقاء کیسے وقت میں ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا

الجواب

نمازِ استسقا صاحبین کے نزدیک سنّت ہے اور اسی پر عمل ہے اور اُس وقت ہونا چاہئے جبکہ حاجت شدید ہو اور امید منقطع ہوچکی ہو اور لوگ اُس کے آداب کے طور پر اُسے بجالائیں خشیت وخشوع اُس کی اصل ہے اور وہ آج کل اکثر قلوب سے مرتفع اِلّا ماشاء اللہ اس ملک میں ہمسایہ کفار ہیں ہماری بے طوریوں کے باعث کہ نہ دعا کے طور پر دُعا کرتے ہیں نہ نماز کے طور پر نماز پڑھتے، اگر اجابت نہ فرمائی جائے تو کفار کے مضحکہ کا اندیشہ ہے اس لئے یہاں کی حالت کے مناسب تر اس عمل پر اقتصار رہے جو قرآن عظیم میں نزول بارانِ رحمت کے لئے ارشاد ہوا یعنی کثرتِ استغفار وتوجہ بعزیز غفار فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا[1] (تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے تم پر شراٹے کا مینہ بھیجے گا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۷۱/ ۱۰ و ۱۱

مآخذ و مراجع

نام کتاب	مصنفِ کتاب	سنِ وفات ہجری
ا		
۱- الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲- الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳- الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴- الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵- ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶- ارشاد العقل السلیم	ابو سعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷- الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸- الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم با بن نجیم	۹۷۰
۹- اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰- اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱- الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲- آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳- انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴- امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵- الانوار لاعمال الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶- امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن بشران	۴۳۲
۱۷- الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف با بن السنی	۳۶۴
۱۸- القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹- الاصل (مبسوط)	ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰- اخبارِ مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱- الاُمّ	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲- اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳- امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴- اربعین للحاکم	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵- احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶- اربعین نووی	محی الدین یحییٰ بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷- الاذکار المنتخبہ من کلام سید الابرار	ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶
۲۸- الانوار لعمل الابرار	جمال الدین یوسف بن ابراہیم اردبیلی	۷۷۶
۲۹- الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰- الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱- انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲- الاتقان	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۳۳- اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴- الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۳۵- الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶- اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضیٰ الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷- انجاح الحاجۃ حاشیہ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸- اعانۃ الطالبین	سید محمد شطا الدمیاطی	
۳۹- اشارات ابن سینا		

ب

ت

۶۱	تفسیر البیضاوی	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۶۲	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی و جلال الدین السیوطی ۸۶۴ھ	۹۱۱
۶۳	تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۶۴	تفسیر القرطبی	ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
۶۵	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۶۰۶
۶۶	التفسیر للنیشابوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشابوری	۷۲۸
۶۷	تقریب القریب	ابو زکریا یحییٰ بن شرف النوادی	۹۱۱
۶۸	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۰	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲	تنویر المقیاس	ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۷۳	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴	تعظیم الصلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ،	۷۴۷
۸۲	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴	التلویح شرح توضیح	سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

۸۶ - التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۸۷ - تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد ابن الحسن دیار بکری	۹۶۶
۸۸ - تذکرہ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	۱۰۰۸
۸۹ - التبیان فی بیان ما فی لیلۃ النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۹۰ - تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابوسعید المعروف مُلّا جیون	۱۱۳۰
۹۱ - التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۹۲ - تحفہ اثناء عشریہ	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	۱۲۳۹
۹۳ - تنبیہ ذوی الافہام	محمد امین ابن عابدین	۱۲۵۲
۹۴ - التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۳۲۳
۹۵ - تذکرۃ الموضوعات للفتنی		
۹۶ - تجنیس الملتقط		
۹۷ - تحفۃ المومنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
۹۸ - تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	۹۱۰

ث

۹۹ - الثمانون فی الحدیث	ابوبکر محمد بن الحسین الآجری	۳۶۰
۱۰۰ - ثبت	ابو محمد محمد بن امیر المکی المصری	

ج

۱۰۱ - جامع الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹
۱۰۲ - جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۱۰۳ - الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۱۰۴ - الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۰۵ - الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۱۰۶ - جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶

۱۰۷ - جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸ - الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹ - جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	
۱۱۰ - الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱ - جواہر الفتاوی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲ - الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی	۸۰۰
۱۱۳ - الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴ - الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵ - جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۱۶ - جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابوعلی حسن بن عرفہ	بعد از ۲۵۶
۱۱۷ - الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸ - جامع الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاسروشنی	۶۳۲
۱۱۹ - جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰ - جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نورالدین علی بن احمد السمہودی المصری	۹۱۱
۱۲۱ - جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲ - جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳ - جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴ - جذب القلوب الی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵ - الجامع الصغیر فی اصول الفقہ		

ح

۱۲۶ - حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷ - حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸ - حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹ - حاشیۃ علی الدرر لملاخسرو	قاضی محمد بن فراموز ملاخسرو	۸۸۵

۱۳۰۔ حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علامہ سفطی	
۱۳۱۔ الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسیٰ الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔ الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبد الغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔ الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔ حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔ حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبحانی	۴۳۰
۱۳۶۔ حلیۃ المجلّی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔ حرز الامانی ووجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبی المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔ حیوٰۃ الحیوان	زکریا بن محمد بن محمود القروینی	۶۸۲
۱۳۹۔ الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔ حاشیۃ التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱۔ حاشیۃ التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ القناری چلپی	۸۸۶
۱۴۲۔ حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔ حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔ حاشیہ مکتوبات شاہ ولی اللہ	〃 〃 〃 〃	〃
۱۴۵۔ حصر الشارد	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔ حاشیۃ الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔ حاشیہ کفایۃ الطالب الربانی		
۱۴۸۔ حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر		
۱۴۹۔ الحاوی للفتاوٰی	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔ حسن المقصد فی عمل المولد	〃 〃 〃 〃	〃

خ

۱۵۱۔ خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۱۵۲۔ خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳ - خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴ - خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵ - خلاصۃ الفتاوی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶ - خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷ - الخصائص الکبریٰ	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸ - خلاصۃ الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹ - خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸

د

۱۶۰ - الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱ - الدرر (درر الحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۶۲ - الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳ - الدر النثیر	علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴ - در منثور	" " " " "	"

ذ

۱۶۵ - ذخیرۃ العقبیٰ	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶ - ذخیرۃ الفتاوی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷ - ذم الغیبۃ	عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۱۶۸ - الرحمانیۃ		
۱۶۹ - رد المحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰ - رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱ - رغائب القرآن	ابو مروان عبد الملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹

١٧٢- رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	٩٧٠
١٧٣- رد علی الجھمیة	عثمان بن سعید الدارمی	٢٨٠
١٧٤- رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	١٨٣١ء
١٧٥- رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	٤٦٥
١٧٦- رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	٨٥٥
١٧٧- رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	٨٧٩
١٧٨- رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	٩١١
١٧٩- رسالہ اتحاف الغرفہ	" " "	"
١٨٠- رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	٩٧٠
١٨١- رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	١٠١٤
١٨٢- رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	١٠٩٨
١٨٣- رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	١١٧٩
١٨٤- رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	١٢٥٢
١٨٥- رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانور علی عقد الجوہر)	جعفر بن اسمٰعیل البرزنجی	١٣١٧
١٨٦- الریاض النضرة فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	٦٩٤
١٨٧- رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل الدہلوی	١٨٣١ء
١٨٨- رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
١٨٩- رسالہ غایة المقال	ابو الحسنات محمد عبدالحی	١٣٤٣

ز

١٩٠- زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
١٩١- زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	٨٦١
١٩٢- زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً ١٠١٦
١٩٣- زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	١٨٩
١٩٤- زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	١٢٥٠

۱۹۵ - زہر الربیٰ علی المجتبیٰ	جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶ - زہرۃ الریاض فی حکم المتوضی فی الحیاض	محمد بن عبد اللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷ - الزواجر عن اقتراف الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸ - زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخبار	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹ - زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	” ” ”	”

س

۲۰۰ - السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱ - السنن لابن ماجۃ	ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲ - السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳ - السنن لابی داؤد	ابو داؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴ - السنن للنسائی	ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵ - السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶ - السنن للدارقطنی	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷ - السنن للدارمی	عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸ - سیرت ابن ہشام	ابو محمد عبد الملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹ - سیرت عیون الاثر	محمد بن عبد اللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰ - سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی	ساتویں صدی ہجری
۲۱۱ - سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۴۸
۲۱۲ - السعایہ فی کشف ما فی شرح الوقایہ	محمد بن عبد الحی لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳ - سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴ - سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵ - سراج القاری		
۲۱۶ - السعدیہ		
۲۱۷ - السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبد الحی لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸ الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹ - شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰ - شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیۃ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱ - شرح الاربعین للنووی	علامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲ - شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳ - شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴ - شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبد الغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵ - شرح سفر السعادۃ	شیخ عبد الحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶ - شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷ - شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸ - شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابو نصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹ - شرح الغریبین		
۲۳۰ - شرح المسلم للنووی	شیخ ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱ - شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲ - شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبد البر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳ - شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴ - شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۲۳۵ - شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶ - شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷ - شرح المہذب للنووی	شیخ ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸ - شرح النقایۃ	مولانا عبد العلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹ - شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰ - شرح الہدایۃ	محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۱ - شرعۃ الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲ - شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳ - شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴ - شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبد العزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵ - الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابو الفضل عیاض بن موسیٰ قاضی	۵۴۴
۲۴۶ - شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۷ - شرح کافیہ ابن حاجب	″ ″ ″	″
۲۴۸ - شرح طوالع الانوار	محمود بن عبد الرحمان الاصفہانی	۷۴۹
۲۴۹ - شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰ - شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱ - شرح المقاصد	″ ″ ″	″
۲۵۲ - شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳ - شرح السراجی	″ ″ ″	″
۲۵۴ - شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵ - شرح حاشیہ الکنز ملا مسکین	معین الدین الہروی ملا مسکین	۹۵۴
۲۵۶ - شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷ - شرح عین العلم	″ ″ ″	″
۲۵۸ - شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹ - شرح قصیدہ ہمزیہ	″ ″ ″ ″	″
۲۶۰ - شرح رباعیات	″ ″ ″ ″	″
۲۶۱ - شرح فواتح الرحموت	″ ″ ″ ″	″
۲۶۲ - شفاء العلیل	″ ″ ″ ″	″
۲۶۳ - شرح النقایہ لابی المکارم	ابو المکارم بن عبد اللہ بن محمد	بعد از ۹۰۷
۲۶۴ - شرف المصطفیٰ	حافظ عبد الملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵ - شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۶۶۔ شرح جامع الاصول للمضیف	مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری	۶۰۶
۲۶۷۔ شرح الملتقی للبھنسی	محمد بن محمد المعروف بابن البھنسی	۹۸۷
۲۶۸۔ شرح درر البحار	عبدالوہاب ابن احمد الشہیر بابن وہبان	۷۶۸

ص

۲۶۹ ۔ صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۲۷۰ ۔ صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۲۷۱ ۔ صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	۳۱۱
۲۷۲ ۔ الصراح	ابوفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	۶۹۰ تقریباً
۲۷۳ ۔ صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۲۷۴ ۔ صراطِ مستقیم	سیّد احمد شہید بریلوی	۱۲۴۶
۲۷۵ ۔ الصواعق المحرقۃ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

ط

۲۷۶ ۔ الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۷ ۔ الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۸ ۔ طبقات المقرئین	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۹ ۔ طبقات القراء	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۲۸۰ الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن بیر علی المعروف ببرکلی	۹۸۱
۲۸۱ ۔ طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۲۸۲ ۔ عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۲۸۳ ۔ العنایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۲۸۴ ۔ عنایۃ القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹

۲۸۵ - عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۲۸۶ - عقود الدریۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷ - عدۃ	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸ - عمل الیوم واللیلۃ	ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹ - عوارف المعارف	شہاب الدین سُہروردی	۶۳۲
۲۹۰ - عقد الفرید	ابوعبداللہ محمد بن عبدالقوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱ - عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲ - عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳ - عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴ - عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحی اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵ - غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶ - غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۲۹۷ - غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸ - غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۲۹۹ - غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰ - غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱ - غیث النفع فی القراء السبع	یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲ - فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳ - فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد با بن الہمام	۸۶۱
۳۰۴ - فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵ - فتاوی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

٣٠٦ - فتاویٰ حجہ		
٣٠٧ - فتاویٰ خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	١٠٨١
٣٠٨ - فتاویٰ سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	٥٧٥
٣٠٩ - فتاویٰ عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
٣١٠ - فتاویٰ غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
٣١١ - فتاویٰ قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	٥٩٢
٣١٢ - فتاویٰ ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
٣١٣ - فتاویٰ ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	٦١٩
٣١٤ - فتاویٰ ولوالجیۃ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	٥٤٠
٣١٥ - فتاویٰ الکبریٰ	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	٥٣٦
٣١٦ - فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	١٥٠
٣١٧ - فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
٣١٨ - فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	٩٢٨
٣١٩ - الفتوحات المکیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	٦٣٨
٣٢٠ - فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	١٢٢٥
٣٢١ - الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	٤١٤
٣٢٢ - فوائد المخصصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	١٢٥٢
٣٢٣ - فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	١٠٣١
٣٢٤ - فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقب بسمویۃ	٢٦٧
٣٢٥ - فضائل القرآن لابن ضریس	ابوعبداللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	٢٩٤
٣٢٦ - فوائد الخلعی	ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی	٤٩٢
٣٢٧ - فصول العمادی	محمد بن محمود الاسروشنی	٦٣٦
٣٢٨ - فتاویٰ تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	٧٨٦
٣٢٩ - فتح المغیث	امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	٩٠٣
٣٣٠ - فتاویٰ زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	٩٧٠

۳۳۱ - فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲ - فتح الالہ شرح المشکاۃ	” ” ”	”
۳۳۳ - فتاوی الفقہیہ ابن حجر مکی	” ” ”	”
۳۳۴ - فتاوی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵ - فتاوی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶ - فوائد مجموعہ شوکانی	محمد بن علی بن محمد الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷ - فتاوی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸ - فضل لباس العمائم	ابو عبد اللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹ - فتاوی قاعدیہ	ابو عبد اللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰ - فتاوی غزی	محمد بن عبد اللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱ - فتاوی شمس الدین الرملی		
۳۴۲ - فتح الملک المجید		
۳۴۳ - فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبد العزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

ق

۳۴۴ القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۳۴۵ - قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶ - القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷ - القرآن		
۳۴۸ - قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابو طالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹ - القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰ - قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۳۵۱ - القول الجمیل	” ” ”	”
۳۵۲ - قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبد الحی لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳ - القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبد اللہ الیمنی	”

ک

۳۵۴ - الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵ - الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶ - الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷ - کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸ - کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹ - کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالمحاسن محمد بن علی	
۳۶۰ - کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۳۶۱ - کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۳۶۲ - کتاب الطہور	لابی عبید	
۳۶۳ - کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴ - کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵ - کتاب الوسوسۃ	ابوبکر بن ابی داؤد	
۳۶۶ - کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷ - کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۳۶۸ - کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹ - کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰ - الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	۸۰۰ تقریباً
۳۷۱ - کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۳۷۲ - کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳ - الکنیٰ للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴ - الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵ - کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶ - کتاب المغازی	یحییٰ بن سعید القطان	۱۹۸

۳۷۷ - کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸ - کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹ - الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
۳۸۰ - کتاب الحجہ امام محمد رحمہ اللہ تعالی	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱ - کتاب المشیخہ امام محمد	〃 〃 〃	〃
۳۸۲ - کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳ - کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴ - کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	〃
۳۸۵ - کتاب الضعفاء الکبیر	ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶ - کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷ - کتاب الرواۃ عن مالک ابن انس	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸ - کتاب الحجہ علی تارک المحجہ	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹ - کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰ - کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القہروانی	ابوالحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۲ - کشف الظنون	مصطفٰے ابن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲ - کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳ - کتاب الصفین	یحیٰی بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴ - کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵ - کمالین حاشیہ جلالین		
۳۹۶ - کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

۳۹۷ - لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸ - لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

۳۹۹ - لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰ - اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱ - لواقح الانوار القدسیہ المنتخب من الفتوحات المکیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳

م

۴۰۲ - مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳ - مبسوط خواہر زادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴ - مبسوط السرخسی	شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵ - مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نور الدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶ - مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الفتنی	۹۸۱
۴۰۷ - مجموع النوازل	احمد بن موسیٰ بن عیسیٰ	۵۵۰
۴۰۸ - مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸
۴۰۹ - المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰ - المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱ - مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲ - مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳ - المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴ - المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵ - مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶ - مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷ - مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸ - مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹ - مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰ - المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱ - المستصفی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۲۲ - مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۴۲۳ - مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۴۲۴ - مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۴۲۵ - مسند اسحٰق ابن راہویہ	حافظ اسحٰق ابن راہویہ	۲۳۸
۴۲۶ - مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۴۲۷ - مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۴۲۸ - مسند عبد بن حمید	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۴۲۹ - مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۴۳۰ - مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۴۳۱ - المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۳۲ - مصنف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۴۳۳ - مصنف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۴۳۴ - مصباح الدجی	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	٦۵۰
۴۳۵ - معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۴۳۶ - المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳٦۰
۴۳۷ - المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳٦۰
۴۳۸ - المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳٦۰
۴۳۹ - معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۴۴۰ - مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۴۴۱ - المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	٦۹۱
۴۴۲ - المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	٦۱۰
۴۴۳ - مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۴۴۴ - مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۴۴۵ - المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضل الاصفہانی	۵۰۲
۴۴۶ - المقدمۃ العشماویۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	

۴۴۷ - الملتقط (فی فتاویٰ ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۴۴۸ - مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الهیتمی	۸۰۷
۴۴۹ - مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰ - المنتقیٰ (فی الحدیث)	عبد اللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱ - المنتقیٰ فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲ - منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳ - منح الغفار	محمد بن عبد اللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴ - ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵ - منہاج	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النواوی	۶۷۶
۴۵۶ - مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷ - المبتغیٰ	شیخ عیسیٰ بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸ - المبسوط	عبد العزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹ - مسند فی الحدیث	الحافظ ابو الفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰ - المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱ - منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲ - مؤطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳ - موارد الظمآن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴ - مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵ - مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶ - میزان الشریعۃ الکبریٰ	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷ - میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸ - المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسیٰ ابن مردویۃ	۴۱۰
۴۶۹ - مکارم الاخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰ - مسند الامام اعظم	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱ - مؤطا الامام محمد	ابوعبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲ - المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳ - معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴ - مقاماتِ حریری	قاسم بن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵ - معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶ - الملل والنحل	ابو الفتح محمد بن عبد الکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷ - موضوعاتِ ابنِ جوزی	ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸ - مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹ - مختصر سنن ابی داوٗد للحافظ المنذری	عبد العظیم بن عبد القوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰ - مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱ - المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبد الرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲ - مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳ - مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴ - المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵ - المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶ - مسلک متقسط	″ ″ ″ ″	″
۴۸۷ - ماثبت بالسنۃ	شیخ عبد الحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸ - المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹ - مسوی مصفی شرح موطا امام مالک	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰ - مکتوبات شاہ ولی اللہ	″ ″ ″ ″	″
۴۹۱ - مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲ - ملفوظات	″ ″ ″ ″	″
۴۹۳ - معمولات	″ ″ ″ ″	″
۴۹۴ - مخزنِ ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵ - مجموعہ فتاوٰی	ابو الحسنات محمد عبد الحی	۱۲۴۳
۴۹۶ - معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	

۴۹۷ - مظاہر حق	مولوی نذیر الحق میرٹھی	
۴۹۸ - مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴
۴۹۹ - مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ		
۵۰۰ - مفتاح الصلوٰۃ		
۵۰۱ - مجتبیٰ شرح قدوری		
۵۰۲ - مشیخہ ابن شاذان		
۵۰۳ - معرفۃ الصحابہ لابی نعیم	احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰
۵۰۴ - مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	امام فخر الدین رازی	۶۰۶

ن

۵۰۵ - النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۵۰۶ - نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۵۰۷ - نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۰۸ - النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۵۰۹ - النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۵۱۰ - النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۵۱۱ - نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبیداللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۵۱۲ - نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۵۱۳ - النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۵۱۴ - نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۵۱۵ - الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۵۱۶ - الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۵۱۷ - الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳

٥١٨ - الوسیط فی الفروع — ابی حامد محمد بن محمد الغزالی — ٥٠٥

ھ

٥١٩ - الهدایة فی شرح البدایة — برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی — ٥٩٣

ی

٥٢٠ - الیواقیت والجواہر — سیّد عبدالوہاب الشعرانی — ٩٧٣

٥٢١ - ینابیع فی معرفة الاصول — ابی عبداللّٰہ محمد ابن رمضان الرومی — ٧٦٩
